

اللہ بنزار احسن الحدیث

تفسیر احسن الحدیث

مفسّر

ڈاکٹر مولانا شبیر احمد حفظہ اللہ

ضبط و تحریر

مفتی عبد الوہاب حسن حفظہ اللہ

جلد اول

اللہ نزل احسن الحدیث

تفسیر احسن الحدیث

مفسّر

ڈاکٹر مولانا شبّیر احمد حفظہ اللہ

ضبط و تحریر

مفتی عبد الوہّاب حسن حفظہ اللہ

جلد اول

مکتبہ علامہ شبّیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اشاعت کے خواہشمند حضرات مفسر کی تحریری اجازت سے تفسیر کو شائع کرواسکتے ہیں۔

نام تفسیر: تفسیر احسن الحدیث

مفسر: مولانا ڈاکٹر شبیر احمد

طبع اول: رجب المرجب ۱۴۴۳ھ / فروری ۲۰۲۲ء

DR SHABBIR AHMED

16 Shaughnessy Street Oakhurst NSW 2761
Sydney – Australia

Email: shabbir_ahmed61@hotmail.com

Mobile: +61414944831

پاکستان میں ملنے کا پتہ

ABDUL WAHAB HASSAN

Data Nagar Sector 8/A Near AYSHA MASJID (R.A) Orangi Town
Karachi – Pakistan

Email: abdulwahabhassan124000@gmail.com

Mobile: 0345-6031460

مکتبہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

تعارفِ مفسر

مولانا ڈاکٹر شبیر احمد صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں، موصوف کا تعارف ہی خدمتِ دین ہے، اپنی زندگی دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر چکے ہیں۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو پیدا ہوئے، بچپن میں قرآنِ کریم حفظ کیا، اس کے بعد سولہ سالہ درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد ۱۹۸۵ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے **شہادۃ العالمیۃ فی العلوم الاسلامیۃ** مساوی ایم اے عربی / اسلامیات کی ڈگری حاصل کی۔

علمِ حدیث پر کامل دسترس حاصل کرنے کے لئے ۱۹۹۱ء میں علومِ دینیہ کی اعلیٰ تعلیم مکمل کر کے تخصص فی الحدیث کی ڈگری حاصل کی۔

تخصص فی الحدیث کے مقالہ کا نام "الدر المنضد فی رجال مؤطا محمد" ہے۔

سندھ یونیورسٹی جامشورو کے شعبہ اسلامک کلچر سے پروفیسر ڈاکٹر احمد اقبال صاحب رحمہ اللہ کی زیرِ نگرانی **کتاب الخراج لأبی یوسف** پر تحقیق و تخریجِ احادیث مکمل کر کے علومِ عصریہ کی اعلیٰ ترین پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ فاضل نے اردو، عربی کے ساتھ انگلش لینگویج، کمپیوٹر، انٹرنیٹ وغیرہ کے مختلف کورسز مکمل کئے۔

تدریسی و تبلیغی خدمات: ۱۹۸۵ء سے موصوف کے کیریئر کا آغاز ہوتا ہے، جدہ (سعودی عرب) سے نکلنے والے ایک اردو اخبار میں ملازمت کی۔ پھر مختلف دینی و عصری مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ پاکستان آرمی ایمبارکیشن ہیڈ کوارٹر کراچی کی جامع مسجد میں طویل عرصہ تک امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، آپ کی اعلیٰ علمی صلاحیتوں اور تبلیغی خدمات کے سبب ۱۹۹۲ء میں سڈنی آسٹریلیا کی جامع مسجد کی امامت و خطابت کی پیش کش ہوئی جسے آپ نے قبول کر لیا اور مستقلاً مع اہل و عیال پاکستان سے آسٹریلیا منتقل ہو گئے۔ آج اسی ملک کے باقاعدہ شہری ہیں۔

موصوف دنیا حاصل کرنے کے بجائے رات دن دینِ اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں اور اللہ ﷻ نے جو دنیوی نعمتیں فراہم کی ہیں اس کے ذریعہ اپنے بہن، بھائیوں اور خاندان والوں کی کفالت کرتے ہیں، نیز دوست احباب کو نوازتے رہتے ہیں۔

علمی خدمات: آسٹریلیا منتقل ہونے سے پہلے بھی تصنیف و تالیف سے خصوصی شغف تھا، یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

۱۔ درسِ قرآن جو پچھلے ۲۹ سال سے سڈنی میں دے رہے تھے جو صوتی شکل میں مکمل ہو چکا ہے، اس وقت اس کی تحریری تفسیر کی پہلی جلد سورۃ البقرۃ کی تفسیر "احسن الحدیث" کے نام سے آپ کے ہاتھ میں موجود ہے۔

۲۔ **کتاب الخراج لأبی یوسف** پر تحقیق و تخریج کا کام مکمل ہو چکا ہے۔

۳۔ رؤیتِ ہلال کے مسئلہ پر اردو اور انگریزی میں آپ کی کتاب چھپ چکی ہے۔

۴۔ Manasik Hajj and Umrah کے نام سے انگریزی میں آسٹریلیا کے حج کرنے والے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے لکھی گئی ہے۔

۵۔ تاریخِ حج و حرمین مع طریقہ حج و عمرہ، یہ ایک مفصل اور مستقل کتاب ہے، جس میں تاریخ اور مناسکِ حج دونوں جمع کر دئے گئے ہیں یہ ایسی کتاب ہے جو ہر مسلمان کے مطالعہ کے لئے تیار کی گئی ہے۔

۶۔ ۲۰۰۵ء سے ششماہی علومِ اسلامیہ انٹرنیشنل اردو، عربی، انگریزی، سندھی زبان میں شائع ہو رہا ہے، جس کے آپ ایڈیٹر ہیں۔

۷۔ ممنوعات و مکروہاتِ اسلام (اُردو، انگریزی)

۸۔ The Prohibited and Disliked Acts in Islam

۹۔ شب برأۃ کی فضیلت

۱۰۔ مشینی ذبیحہ کی شرعی حیثیت

۱۲۔ غیر اسلامی ممالک میں مجلسِ قضاء کا قیام

۱۳۔ جنت کے سو راستے (اُردو، انگریزی)

۱۴۔ ششماہی علومِ اسلامیہ میں اردو، عربی، انگریزی میں آپ کے مضمون شائع ہوتے رہتے ہیں، جامعہ کراچی، سندھ یونیورسٹی، فیڈرل اردو یونیورسٹی، بہاول پور یونیورسٹی اور نمل یونیورسٹی میں ایم فِل / پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالات کے لئے بیرونی ایگزامنر ہیں اور آپ کی سفارش پر تقریباً ستر (۷۰) سے زائد افراد کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی جاچکی ہے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل عہدے و مناصب بھی موصوف کے پاس ہیں:

۱۔ میریج سلبرنٹ (سرکاری قاضی برائے نکاح)

۲۔ میریج کونسلر

۲۔ سابق ممبر آسٹریلین ہیلتھ ایتھکس کمیٹی

۳۔ امیر رؤیتِ ہلال کمیٹی آسٹریلیا

اس ہلال کمیٹی میں سو سے زائد علمائے کرام ہیں جو مختلف ممالک (پاکستان، انڈیا، ساؤتھ افریقہ، بنگلہ دیش، لبنان، مصر، اور شام) سے ہیں۔

۴۔ ممبر امام کونسل نیو ساؤتھ ویلز (سڈنی۔ آسٹریلیا)

۵۔ ممبر مفتی کونسل

۶۔ سابق ممبر ریجنل کونسل برائے یونیورسٹی، نیو ساؤتھ ویلز

۷۔ ممبر برائے امام نیشنل کونسل آسٹریلیا(ANIC)

۸۔ اسلامک فائنانس آسٹریلیا کے ممبر شریعہ بورڈMCCA

(یہ آسٹریلیا میں سب سے بڑا اسلامک فائنانس کا ادارہ ہے، اس ادارے کی اسلامی جملہ معاملات کو ڈاکٹر صاحب دیکھتے ہیں)

۹۔ ممبر مجلس العلماء آسٹریلیا

۱۰۔ صدرQubaa Association of Western Sydney

قباء ایسوسی ایشن ۲۰۱۶ء میں بنائی گئی ہے۔ ڈاکٹر شبیر صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ سڈنی میں ایک اسلامی ادارہ کا قیام کیا جائے، اس سلسلہ میں، میں اکثر مشورہ دیا کرتا تھا کہ ایک اپنا ادارہ بنائیں جہاں پر دین کا کام اپنے طرز پر کیا جائے۔ الحمدللہ اب یہ ایک ادارہ بن گیا ہے، اب اس میں مندرجہ ذیل دینی کام ہو رہے ہیں:

- درسِ قرآن
- تحفیظ القرآن (لڑکے اور لڑکیوں کے لئے)
- ۶ سالہ عالم اور عالمہ کورس
- دو سالہ مختصر عالم کورس
- میرج کونسلنگ
- دار الافتاء
- مختلف موضوعات پر اسلامی سیمینار

ڈاکٹر صاحب اور پاکستان کے دینی مدارس کے لئے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ آسٹریلیا کی حکومت مذہبی امور میں آپ سے دینی خدمات واحکامات پر رائے طلب کرتی ہے۔ اب تک بے شمار غیر مسلم مرد وخواتین آپ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔

تفسیر احسن الحدیث کے بارے میں:

قرآن کریم بے مثال کتاب ہے انسانی تاریخ میں کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ملتی جس نے انسانوں کے عقائد، اخلاق، معاملات، سیرت و کردار اور شب و روز میں وہ انقلاب برپا کیا ہو جو انقلاب قرآن نے برپا کیا، قرآن کریم ہمارے آقا ﷺ کا دائمی معجزہ بھی ہے اور دعوت کا مؤثر ہتھیار بھی، اس کے الفاظ اور معانی، مضامین اور علوم و معارف دوسروں تک پہچانا اس کے حقوق میں سے ایک حق ہے ہر دور کے علماء اور مفسرین اس حق کی ادائیگی میں اپنی صلاحیتیں لگاتے رہے، ہندو پاک میں علماء ربانی اور فضلاء حقانی کی تفسیر و ترجمے کی خدمات معروف ہیں، زیرِ نظر تفسیر و ترجمہ سورۃ البقرۃ (تفسیر احسن الحدیث) بھی اسی سلسلہ میں ایک حسین کڑی ہے جو میرے رفیق محترم اور میرے مخلص دوست کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو آسٹریلیا سڈنی کی مسجد میں دیئے گئے جس سے عوام و خواص، مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی عظیم نفع اُٹھانے کا موقع ملا،

"ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است"

حضرت ڈاکٹر صاحب زید مجدھم کو اللہ تعالیٰ نے تفسیر قرآن کا خاص ذوق عطا فرمایا اور حقیقت پر یہ ذوق انہیں ان کے شیخ حضرت مولانا اشفاق احمد صاحب رحمہ اللہ سے ورثہ میں ملا، کبھی کبھی نجی مجلسوں میں قرآن کریم کی بعض آیات کی ایسی دلنشین اور نکتہ آفریں گفتگو فرماتے ہیں ہم جیسے نااہلوں کے دل و دماغ میں بھی ہلچل سی پیدا ہو جاتی ہے، مولانا موصوف کا علمی مقام معتبرین کے یہاں مسلم ہے حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنے سفر نامہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "ڈاکٹر شبیر صاحب ماشاء اللہ یہاں (آسٹریلیا) میں دینی رہنمائی کا مرکز اور مرجع سمجھے جاتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے داعئ قرآن مفسرِ قرآن حضرت مولانا ڈاکٹر شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی کو جنہوں نے اپنی زندگی قرآن کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے وقف کر رکھی ہے، بڑی پابندی کے ساتھ طویل عرصہ سے

درس قرآن دیتے چلے آرہے ہیں، سرزمین آسٹریلیا کے مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کریم کے ذریعہ دینی حمیت پیدا کرنے کی سعی کررہے ہیں۔

الحمد للہ! تفسیری افادات جو دروس قرآن کی شکل میں کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کے لئے مولانا عبدالوھاب حسن جو حضرت کے بھانجے ہیں ذی استعداد فاضل ہیں، نے بڑی محنت سے مرتب کئے اب باقاعدہ کتابی شکل میں عوام وخواص کے استفادے کے لئے شائع کئے جارہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان مبارک دروس کو قبول ومنظور فرمائے، صاحب دروس کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے والدین کے لئے اس کو صدقہ جاریہ بنائے اور اس مبارک سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور اسے لوگوں کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

(حضرت مولانا) ضیاء الرحمٰن (صاحب دامت برکاتہم العالیہ)

امام وخطیب مسجد بلال رضی اللہ عنہ

محمد علی سوسائٹی کراچی

فہرست مضامین

	صفحہ نمبر
مقدمہ	۱۵
قرآنِ کریم کا تعارف	۱۸
قرآن کریم سے قرآن کریم کا مختصر تعارف	۱۹
تاریخ نزول قرآن	۲۰
نزول اول کب ہوا؟	۲۱
نزولِ ثانی کی ابتداء کب ہوئی؟	۲۱
کس ماہ و دن میں اس کی ابتداء ہوئی؟	۲۱
پہلی وحی کہاں اور کون سی آیات ہوئیں؟	۲۲
اعجازِ قرآن	۲۴
فضائل تلاوت قرآن	۲۸
تلاوتِ قرآن کی اہمیت	۲۸
سرکاری و شاہی القاب	۲۹
تلاوت کے چند فوائد	۳۶
مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم	۳۷
غیر عالم دین کا درسِ قرآن دینا	۴۵
سورۃ الفاتحۃ	۴۷
سورہ فاتحہ کے اسماء	۴۷
فضائل سورۃ الفاتحۃ	۴۸
استعاذہ کا مسئلہ	۴۹
تعوذ کس طرح پڑھنی چاہئے؟	۵۰

فضائل تعوذ واستعاذہ	۵۰
فضائل بسم اللہ	۵۱
ایک ضروری وضاحت	۵۵
حمد وشکر میں فرق	۵۷
رب کی تفسیر	۵۸
العالمین کی تفسیر	۵۸
عبادت	۶۰
عبادت کے تین مراتب ہیں	۶۱
غیر اللہ سے مدد مانگنا	۶۱
ہدایت	۶۲
سورۃ البقرۃ	۶۵
فضائل سورۃ البقرۃ	۶۵
ریب اور شک میں فرق	۶۹
تقویٰ کے مراتب	۶۹
پرہیز گار اور متقیوں کی تعریف	۷۶
ایمان کیا ہے؟	۷۶
ایمان کی تعریف	۷۶
ایمان کی تعریف ائمہ کرام کی نظر میں	۷۷
اس اختلاف کا محاکمہ	۷۸
ایمان میں کمی وزیادتی کا ہونا	۷۹
ایمان اور اسلام کا فرق	۸۰
ایمان بالغیب	۸۱
ایمان بالغیب سے انکار	۸۲

ایمان بالغیب ہی مقبول ایمان ہے	۸۲
ارکانِ اسلام	۸۲
اقامتِ صلاۃ کا مطلب	۸۳
نماز کی فرضیت	۸۳
نماز کی فضلیت واہمیت	۸۴
نماز نہ پڑھنے کا حکم	۸۸
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۸۹
نماز تمام عبادتوں کا خلاصہ ہے	۸۹
جمعہ کی نماز ترک کرنے پر وعیدیں	۹۰
کیا تارک نماز واجب القتل ہے	۹۱
نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں	۹۱
اللہ ﷻ کے راستے میں خرچ کرنا	۹۲
حب مال، حب جان اور حب جاہ	۹۲
ہماری ذمہ داری عبادت، اللہ ﷻ کی ذمہ داری روزی کا دینا	۹۴
زکوٰۃ کی اہمیت اور مال کی محبت	۹۴
ایک غریب صحابی رضی اللہ عنہ کی مہمان داری	۹۵
مال ودولت جمع کرنے اور اس کو خرچ نہ کرنے والوں کا حشر	۹۵
ایمان نہ لانے پر کفار کا کیا قصور ہے؟	۱۰۰
تقدیر کیا ہے؟	۱۰۰
لکھی گئی برائیوں کا توبہ سے صاف ہونا	۱۰۱
کفار کا کفر پر رہنا، تقدیر معلّق ہے	۱۰۱
مشیت اور رضا میں فرق	۱۰۲
منافقین کون ہیں؟	۱۰۳

منافقین کی تاریخ	۱۰۴
منافق کی دو قسمیں	۱۰۷
منافقین کی جانب سے مسلمانوں کو تکالیف پہونچانا	۱۰۷
باطنی بیماریوں کا مرکز دل ہے	۱۱۰
تصوف میں سب سے پہلے دل پر محنت کی جاتی ہے	۱۱۱
روحانی بیماریوں سے بچنے کا طریقہ	۱۱۱
منافقین کی نشانی زمین میں فساد مچانا	۱۱۴
مقامِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۱۱۵
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بصیرت منصوص ہے	۱۱۹
توحید کے اقسام	۱۲۳
توحید فی ذاۃ اللہ	۱۲۳
توحید فی صفات اللہ	۱۲۳
توحید فی عبادۃ اللہ	۱۲۳
منکرینِ آسمان	۱۲۵
آسمان کی طرح زمین کے بھی سات طبقے ہیں	۱۲۶
قرآن کا چیلنج	۱۲۸
اعجازِ قرآن	۱۲۹
جنت کا تذکرہ	۱۳۵
جنت کے اَسماء	۱۳۶
جنت کی صفات	۱۳۸
جنت کے دروازے	۱۳۹
جنت کے درجات	۱۴۰
جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے	۱۴۱

بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے والے	۱۴۲
حیاء	۱۴۷
فاسق	۱۴۹
عہد	۱۴۹
میثاق	۱۴۹
قطع رحمی	۱۵۰
زمین کی تخلیق پہلے ہوئی یا آسمان کی؟	۱۵۶
تخلیق حضرت آدم علیہ السلام	۱۶۰
حضرت آدم علیہ السلام کو کون سا سجدہ کیا گیا؟	۱۶۴
ابلیس جن تھا یا فرشتہ	۱۶۵
شیطان کا بہکانہ	۱۷۰
عصمتِ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام	۱۷۱
حضرت آدم علیہ السلام کی خطا	۱۷۲
خوف	۱۷۵
حزن	۱۷۵
زکوٰۃ کی فرضیت	۱۸۰
زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ہے	۱۸۱
عبادات مالیہ	۱۸۱
زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے	۱۸۲
زکوٰۃ کا منکر کافر ہے	۱۸۲
زکوٰۃ نہ دینے کی اخروی سزا	۱۸۳
ضروری تنبیہ	۱۸۵
زکوٰۃ نہ دینے کی دنیوی سزا	۱۸۵

زکوٰۃ ادا کرنے کے فائدے	۱۸۵
زکوٰۃ کا نصاب	۱۸۶
زکوٰۃ کا مصرف	۱۸۶
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	۱۸۸
صبر کی تین اقسام ہیں	۱۸۹
قیامت کے دن اللہ ﷻ کی زیارت	۱۹۱
اللہ ﷻ کی زیارت قطعی اور یقینی ہے	۱۹۲
واقعہ	۱۹۵
ظلم کی تعریف	۱۹۷
ایک اہم نکتہ	۲۰۱
صابئین کون لوگ ہیں	۲۰۲
واقعہ	۲۲۱
روح القدس	۲۲۱
وحی	۲۲۷
وحی کی تین صورتیں ہوتی تھی	۲۲۷
حضرت جبرائیل امین علیہ السلام	۲۲۷
مسئلہ	۲۳۰
حضرت سلیمان علیہ السلام	۲۳۰
فائدہ	۲۳۲
فائدہ قرآن کا نسخ کس سے ہو سکتا ہے؟	۲۳۲
حدیثِ متواتر	۲۳۳
متواتر حدیث کی اقسام	۲۳۳
متواتر حدیث کا حکم	۲۳۴

ناسخ و منسوخ	۲۳۴
متقدمین کے نزدیک نسخ	۲۳۴
متأخرین کے نزدیک نسخ	۲۳۵
متقدمین کے نزدیک منسوخ آیتوں کی تعداد	۲۳۵
آیاتِ منسوخہ کی تعداد متأخرین کے نزدیک	۲۳۶
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی رائے	۲۳۶
قرآن شریف میں تین قسم کا نسخ واقع ہوا ہے	۲۴۴
اہم بات	۲۴۶
مسجد کے آداب	۲۴۸
کعبہ	۲۵۳
مقدس شہر کے مقدس نام	۲۵۶
مقاصدِ بعثت کا جائزہ	۲۶۳
تلاوتِ قرآن کی اہمیت	۲۶۳
سرکاری و شاہی القاب	۲۶۴
چند فوائد	۲۷۰
تزکیہ نفس	۲۷۱
قرآنِ کریم میں تزکیہ کی اہمیت	۲۷۲
تزکیہ کے حصول کے طریقے	۲۷۴
تعلیمِ کتاب	۲۷۵
قرآنِ کریم کو چھوڑنے کی وعید	۲۷۶
اس قرآنِ کریم میں تمام احکامات ہیں	۲۷۶
ایمان کا مقام	۲۷۷
نور میں لانے کا ذریعہ	۲۷۷

اہم بات	۲۷۸
تعلیمِ حکمت	۲۷۸
مسئلہ	۲۸۹
تزکیہ	۲۹۰
ذکر کے فضائل	۲۹۰
شکر کیا ہے؟	۲۹۱
شہید کی تعریف	۲۹۳
شہداء کے لئے جنت کا وعدہ	۲۹۳
شہداء جنت میں فردوس اعلیٰ کے مستحق ہوں گے	۲۹۴
شہید کے لئے مندرجہ ذیل بشارتیں آئی ہیں	۲۹۵
شہادت و شہید کے احکام	۲۹۵
مندرجہ ذیل بھی شہید کا مرتبہ پاتے ہیں	۲۹۵
عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ	۲۹۶
سماعِ موتیٰ	۳۰۲
جمہور اہل اسلام سماع موتیٰ کے قائل ہیں	۳۰۵
نکتہ	۳۰۶
کتمانِ علم	۳۰۸
واقعہ	۳۰۹
توحید کی اہمیت	۳۰۹
اہم بات	۳۱۰
فائدہ	۳۱۰
فائدہ	۳۱۲
فائدہ	۳۱۳

تنبیہ	۳۱۳
رزقِ حلال کے فائدے	۳۱۶
قرآنی آیات برائے حلال	۳۱۶
حلال کمانا فرض ہے	۳۱۸
محرّمات	۳۱۹
قرآنی آیات برائے حرام	۳۱۹
احادیث برائے محرمات	۳۲۲
علماء کے اقوال حرام کے بارے میں	۳۲۳
مذکورہ بالا احادیث وآثار سے حرام کھانے اور اس میں ملوث ہونے کے مضمرات مندرجہ ذیل ہیں	۳۲۴
میتہ یعنی مردار جانور کا گوشت	۳۲۶
بہتا ہوا خون	۳۲۷
سوَر کا گوشت	۳۲۷
غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور	۳۳۲
اہم بات	۳۳۳
قتل کی اقسام واحکام	۳۳۶
تنبیہ	۳۳۷
روزہ	۳۳۸
دعا ایک عظیم نعمت اور نایاب تحفہ ہے	۳۴۵
فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا	۳۴۷
ضروری وضاحت	۳۴۸
قبولیت دعا کے اوقات	۳۴۹
سنت رؤیت ہلال	۳۵۲
ایام عبادات کا تعلق رؤیت ہلال سے ہے	۳۵۲

روزہ وعیدین وغیرہ صرف تہوار ہیں یا عبادات ہیں؟	۳۵۳
رؤیت ہلال پر مہینے کی ابتدا یا انتہاء کی بنیاد رکھنے کی حکمت	۳۵۳
قرآنی آیات برائے ہلال	۳۵۵
احادیث برائے رؤیت ہلال	۳۵۶
رؤیت کے سلسلے میں فقہائے اُمت کے آراء	۳۵۸
احناف	۳۵۸
مالکیہ	۳۵۹
شوافع	۳۶۰
حنابلہ	۳۶۰
سائنسی تحقیقات اور شریعت	۳۶۱
احسان کی دو قسمیں ہیں	۳۶۳
فائدہ	۳۶۴
حج	۳۶۵
فضائل حج احادیث کی روشنی میں	۳۶۸
حج کی تین قسمیں ہیں	۳۷۰
افراد	۳۷۱
قِران	۳۷۱
تمتع	۳۷۱
فائدہ	۳۷۳
شریعت دو طرح کی ہیں	۳۷۷
تکوینی	۳۷۷
تشریعی	۳۷۷
مرتد	۳۸۲

مرتد کی سزا	۳۸۲
تنبیہ	۳۸۲
ہجرت	۳۸۳
ہجرت کی نیت	۳۸۳
ہجرت کا فائدہ	۳۸۴
شراب پینا	۳۸۴
شراب پینے کی سزا	۳۸۷
یتیم	۳۹۳
اہل کتاب سے نکاح کا مسئلہ	۳۹۵
حیض کے مسائل	۳۹۹
قسم تین طرح کی ہوتی ہے	۴۰۰
قسم کا کفارہ	۴۰۰
ایلاء	۴۰۱
طلاق کی تین قسمیں ہیں	۴۰۱
طلاقِ رجعی	۴۰۲
طلاقِ بائن	۴۰۲
طلاق بائن کے مسائل	۴۰۲
طلاقِ مغلظہ	۴۰۴
عدت کے احکام واقسام	۴۰۵
عدت مقرر کرنے کی حکمتیں	۴۰۵
حلالہ کی شرعی حیثیت	۴۰۷
طلاق سنت کی دو قسمیں ہیں	۴۰۸
طلاق احسن	۴۰۹

طلاق حسن	۴۰۹
طلاق بدعت	۴۰۹
ایک مجلس میں تین طلاقیں	۴۰۹
ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت قرآن سے	۴۱۰
ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت احادیث سے	۴۱۱
ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و فتاوے سے	۴۱۳
ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت تابعین رحمہم اللہ کے آثار و فتاوٰے سے	۴۱۴
مسئلہ	۴۱۸
مسئلہ	۴۱۹
نوٹ	۴۲۰
مہر کے مسائل	۴۲۱
غلط فہمی کا ازالہ	۴۲۲
مہر کی اقسام	۴۲۳
مہر مسمی معجل	۴۲۳
مہر مسمی مؤجل	۴۲۳
مہر مثل	۴۲۳
حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور اس کو ترک کرنے پر وعیدات	۴۲۴
صلوۃ وسطی کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء	۴۲۵
فجر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث	۴۲۶
ظہر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث	۴۲۶
عصر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث	۴۲۷
باتیں نہ کرنے اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا حکم	۴۲۹
فائدہ	۴۳۰

ظاہری تفسیر	۴۳۲
روحانی وباطنی تفسیر	۴۳۲
فائدہ	۴۳۴
فائدہ	۴۳۶
تنبیہ	۴۳۷
نکتہ	۴۳۹
نکتہ	۴۳۹
فضائل آیۃ الکرسی	۴۴۱
عقیدہ وحدۃ الوجود	۴۴۴
شفاعت کے درجات	۴۴۴
عالم کی تین اقسام ہیں	۴۴۶
نکتہ	۴۴۶
تنبیہ	۴۴۷
نکتہ	۴۴۷
واقعہ	۴۴۸
فائدہ	۴۴۹
نکتہ	۴۵۰
معمہ حیات وموت	۴۵۱
انفاق فی سبیل اللہ	۴۵۳
انفاق فی سبیل اللہ کے فوائد	۴۶۰
احسان جتلانے والا	۴۶۱
واقعہ	۴۶۴
حکمت	۴۶۵

نذر	۴۶۶
سود لینا اور دینا	۴۶۸
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۴۷۴
دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر کا مسئلہ	۴۷۷
نسیان	۴۸۳
خطاء	۴۸۳
مولی	۴۸۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمۃ

الحمد للہ الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا والصلاۃ والسلام علی سید الخلق الذی ارسل الی الناس بشیرا و نذیرا

اللہ ﷻ کا ہم پر بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا اور پھر مسلمان بنایا اور اس دولتِ اسلام و ایمان سے مالامال فرمایا، اس پر مزید یہ نعمت کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں پیدا فرما کر ہمیں جملہ اُمم پر فضیلت عطا فرمائی اور قیامت تک کے مسلمانوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم کا تحفہ عنایت فرمایا۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ نبی اور رسول کے جانے کے بعد لوگ گمراہ ہو جاتے تھے اور اللہ کی کتاب کو اپنے مطلب کے لحاظ سے بدل لیا کرتے تھے۔ مگر الحمد للہ! قرآن مجید یہ خدائی عطیہ، ہمارا مشترکہ روحانی ترکہ ہے، جو منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے، اسے دوسری آسمانی کتابوں کا آخری اور دائمی ایڈیشن بھی کہا جا سکتا ہے۔ ابتدائے نزول سے آج تک بلا کسی ادنیٰ تغیر و تبدل کے باقی ہے، اس میں سرِ مو کوئی فرق نہیں آیا، ایک لمحہ کے لیے نہ تو قرآن مسلمانوں سے جدا ہوا اور نہ مسلمان قرآن سے جدا ہوئے، اس میں باطل کے در آنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے: "**لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ**"[1] یعنی قرآن مجید میں باطل نہ تو سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔

آسمانی کتابوں میں قرآن مجید ہی کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ یہ قیامت تک اپنی اصل حالت پر رہے گی، خود اللہ ﷻ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، ایک جگہ بڑے زور دار انداز میں ارشاد فرمایا: "**اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ**"[2] یعنی ہم نے ہی ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ صرف الفاظ نہیں؛ بلکہ معانی و مطالب کی تشریح و توضیح کی ذمہ داری بھی خود اللہ ﷻ نے لی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "**ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه**"[3] یعنی پھر ہم پر ہی اس کا بیان (بھی) ہے۔

[1] سورۃ حم سجدۃ: ۴۲
[2] سورۃ الحجر: ۹
[3] سورۃ القیامۃ: ۱۹

آج امت کا سانحہ یہ ہے کہ ہم سب اجتماعی طور پر قرآن کریم کے مجرم بنے ہوئے ہیں۔ اللہ ﷻ نے ہمیں قرآن کریم کا عظیم تحفہ عنایت فرمایا مگر ہم اس تحفہ کی قدر نہیں کر رہے ہیں۔ ہماری توجہ دوسرے علوم وفنون پر تو بہت ہے مگر قرآن کریم پر اتنی نہیں ہے کہ جتنی ہونی چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم زوال پذیر ہیں جبکہ ہماری ترقی کا راز قرآن کو تھامنے میں ہے۔ چنانچہ جن اقوام نے تھامے رکھا اللہ ﷻ نے ان بلند کیا اور بلند کرتا رہے گا۔ حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ۔ یعنی اللہ ﷻ اسی کتاب کے ذریعے سے کچھ قوموں کو بامِ عروج تک پہنچائے گا اور اسی کو ترک کرنے کے باعث کچھ کو ذلیل وخوار کر دے گا۔

اس حدیث کا مفہوم اقبال اپنے شعر میں یوں بیان کرتے ہیں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

آج ہم مسلمانوں میں تفرقہ بازی کس قدر ہے۔ ایک دوسرے کو کافر سمجھنا اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا عام ہے۔ اس کی بنیادی وجہ قرآن کریم سے دوری ہے۔ عقیدہ توحید میں اختلاف پایا جاتا ہے، جبکہ قرآن ایک ہی عقیدہ توحید بیان کرتا ہے، عقیدہ رسالت میں اختلاف ہے جبکہ قرآن ایک ہی عقیدہ رسالت کو بیان کرتا ہے۔ اگر ہم سب قرآن کے تحت جمع ہو جائیں تو ہم سب ایک ہو جائیں گے اور مضبوط ہو جائیں گے اور غیر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دی جائے۔

یاد رکھئے اس امت میں مختلف ادوار آتے رہے ہیں، کبھی دورِ قرآنی آیا، کبھی دورِ حدیث، تو کبھی دور فقہ اور تو کبھی دورِ منطق وفلسفہ مگر جب بھی امت میں دورِ قرآنی آیا، بڑے بڑے کام ہوئے۔ اللہ ﷻ سے دعا ہے وہ اس ہمارے دور کو دورِ قرآنی بنادے۔ اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ دعا ہی کریں بلکہ عمل بھی کریں اور عملی اقدام بھی کریں۔ علماء کو چاہئے کہ درس قرآن کا سلسلہ عام کریں۔ قرآنِ حکیم کو عوام میں عام فہم لفظوں میں پہنچائیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی جملہ کاوشوں کا خلاصہ یہی تھا کہ عوام میں قرآنِ کریم کی تعلیم عام کریں۔ چنانچہ مالٹا کے جیل میں رہ کر آپ نے قرآنِ کریم کے ترجمہ کو مکمل کیا۔ چنانچہ ہمارے شیخ مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی تمام تحاریک کا خلاصہ اس بات پر پہونچا ہوں کہ قرآن کریم کو عام فہم انداز میں عام لوگوں تک پہونچاؤں۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جب مالٹا کی جیل سے رہائی پاکر ہندوستان تشریف لائے تو دارالعلوم دیوبند میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا انور شاہ کاشمیری رحمہم اللہ وغیرھم موجود تھے۔

اس جلسہ کی بابت حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں"۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے (۸۰)[1] سال علماء کو درس دینے کے بعد آخری عمر میں جو سبق سیکھے ہیں، وہ کیا ہیں۔ فرمایا: "میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے... اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"[2]

اس کے بعد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بڑی پیاری بات فرمائی ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے جو دو باتیں فرمائیں اصل میں وہ دو نہیں ایک ہی ہے۔ درحقیقت ہمارے اختلافات میں شدت اس وجہ سے ہوئی کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ قرآن مرکز تھا، اور جب تک سب مرکز سے جڑے ہوتے تھے تو ایک دوسرے سے بھی جڑے ہوتے تھے۔ جب اس مرکز سے دور ہوتے چلے گئے تو ایک دوسرے سے بھی دور ہوتے چلے گئے۔ بالکل سادہ سی بات ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: "غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ تھی۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی"۔ پس اس تباہی کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے قرآن کو ترک کر دینا۔

میں جب پاکستان آرمی میں تھا وہاں پر جہاں مختلف علاقوں کے فوجی ہوتے تھے، میں نے محسوس کیا کہ ان کے درمیان بھی وہی تفرقہ بازی اور مختلف عقائد کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور ایک دوسرے کو کافر سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ان سب میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ شروع میں یہ فوجی ہچکچاہٹ کا شکار تھے کہ نہ جانے یہ مولوی صاحب کیا بیان کریں گے۔ آہستہ آہستہ مجمع بڑھنا شروع ہوا اور ایک وقت وہ آیا کہ ایک کثیر تعداد جمع ہونے لگی۔ اور ان کے درمیان مذہبی عقائد میں بھی ہم آہنگی ہونے لگی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

۸ مئی ۱۹۹۲ء کو آسٹریلیا آیا اور اور ۱۰ مئی کو میرا بیان تھا، میں نے مجمع میں کہا کہ میں یہاں قرآن کریم کی خدمت کے لئے آیا ہوں اور نیت یہ ہے کہ قرآن کریم کو عام فہم انداز میں عام لوگوں تک پہونچاؤں۔ الحمد للہ! ایک ہفتہ کے بعد ہی درس قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل سے تقریباً بائیس سال کے عرصہ میں پورا قرآن مکمل ہوا اور پورا قرآن ریکارڈ بھی ہوا۔

[1] حضرت شیخ الہند کی پیدائش ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء اور وفات ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء ہے، اس طرح آپ کی عمر شمسی حساب سے ۶۹ اور قمری حساب سے ۷۱ بنتی ہے۔

[2] وحدتِ اُمت: ص ۳۹-۴۰

آج صوتی شکل میں پورے قرآن کی تفسیر موجود ہے۔ اب صوتی تفسیر کو کتابی شکل دینے کی سعی کر رہا ہوں۔ صوتی تفسیر کو تحریری شکل میں لانے کے لئے میرے بھانجے مفتی عبد الوہاب کافی مدد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس سعی کو میرے لئے، ان کے لئے اور ہمارے سارے خاندان اور متعلقین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور پڑھنے والوں کے لئے نافع بنائے۔ (آمین)

اس وقت آپ کے ہاتھوں میں سورہ بقرہ کی تفسیر ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمارے وقت میں برکت عطا فرمائے اور پورے قرآن کریم کی تفسیر مکمل کرادے۔ (آمین)

اب میں تفسیر شروع کرنے سے قبل چند معروضات پیش کرتا ہوں۔

۱۔ قرآنِ کریم کا تعارف

۲۔ تاریخ نزولِ قرآن

۳۔ فضائل تلاوتِ قرآن

۴۔ مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم

۵۔ غیر عالم دین کا درسِ قرآن دینا

قرآنِ کریم کا تعارف

قرآن کریم اللہ ﷻ کی آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے جو ہمارے آخری نبی جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور اس کتاب کو دو شرف حاصل ہے ایک یہ کہ یہ قرآن کریم اللہ ﷻ کی کتاب ہے جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمانِ عالیشان ہے **كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ**[1]۔

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) یہ مبارک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اُتاری ہے۔

اور دوسرا شرف اس قرآن کریم کو اللہ ﷻ کے کلام ہونے کا حاصل ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ**[2]۔

ترجمہ: اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے اللہ کا کلام سننے تک پناہ دو، پھر اس کی پُر امن جگہ تک پہنچاؤ، یہ اس لیے کہ وہ ایسی قوم سے ہیں جو نہیں جانتے۔ اس آیت میں **كَلَامَ اللَّهِ** سے مراد قرآن کریم ہے چنانچہ علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی

[1] سورۃ ص: ۲۹

[2] سورۃ التوبۃ: ۶

تفسیر میں فرمایا ہے کہ " حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ أَيْ الْقُرْآنَ تَقْرَؤُهُ عَلَيْهِ "یعنی یہاں تک کہ وہ اللہ ﷻ کا کلام نہ سن لیں یعنی قرآن کریم جس کی آپ اُن پر تلاوت فرماتے ہیں۔

یہ اعزاز صرف قرآن کریم کو ہی حاصل ہے، قرآن کریم کا معنی لغوی اعتبار سے قرء بمعنی پڑھنا، قرات کرنا یا قرن بمعنی ملا ہوا ہونے کے آتے ہیں اور دونوں معنی اس طرح منطبق ہوتے ہیں کہ قرآن کریم کی قرات کی جاتی ہے اور اس کے مضامین آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں چنانچہ قرآن کریم کا تعارف قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے "وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ"[1]۔یعنی بے شک وہ (قرآن کریم) رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے روح الامین (حضرت جبرائیل علیہ السلام) اس کو لے کر نازل ہوئے ہیں (اے محمد ﷺ) آپ کے قلبِ اطہر پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں (اور یہ قرآن کریم) عربی زبان میں (نازل ہوا ہے)۔

قرآن کریم تقریباً تئیس سالہ عرصہ میں جناب رسولِ کریم ﷺ پر نازل ہوا ہے۔

قرآن کریم کا نزول دو طرح سے ہوا ہے۔ پہلا لوحِ محفوظ سے سمائے دنیا میں دفعۃً یعنی ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل ہوا جس کو عربی میں انزال کہتے ہیں پھر اس سمائے دنیا سے جناب نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر تدریجاً یعنی جیسے جیسے احکامات کی ضرورت ہوتی جاتی قرآن کریم نازل ہوتا گیا اس کو عربی میں تنزیل کہتے ہیں۔

قرآن کریم سے قرآن کریم کا مختصر تعارف:

قرآن کریم ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے کہ اس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا نہایت ہی آسان ہے چنانچہ اس کو سمجھنے کے متعلق خود قرآن کریم میں آیا ہے کہ "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ "[2]۔یعنی اور ہم نے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے کیا کوئی ہے سمجھنے والا؟

اس آیت سے واضح ہے کہ قرآن کریم ہر علاقہ و زبان کا انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی سمجھنے والا تو بنے اس سے فیض حاصل کرنے والا تو بنے۔ قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ اس کا ثانی تو دور کی بات ہے ایک آیت بھی کوئی شخص اس طرح نہیں بنا سکتا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ " قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا "[3]۔یعنی کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب جمع ہو کر اس قرآن

[1] سورۃ الشعراء: ۱۹۲-۱۹۵
[2] سورۃ القمر: ۱۷
[3] سورۃ الاسراء: ۸۸

کی مانند ایک کتاب لانا چاہیں تو نہ لا سکیں گے، خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ ایسی عظیم الشان کتاب ہے کہ انسان کے علاوہ کوئی بھی مخلوق اس کا تحمل نہیں کر سکتی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے " **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا** "[1]۔یعنی بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت (قرآن) پیش فرمائی تو انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس امانت (قرآن) کو اٹھالیا بیشک وہ زیادتی کرنے والا، بڑا نادان ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ " **لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ** "[2]۔یعنی اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تم اسے جھکا ہوا، اللہ کے خوف سے پاش پاش دیکھتے اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

ان آیات سے قرآن کریم کی جلالت شان واضح ہوتی ہے کہ یہ کیسی عظیم الشان کتاب وکلام ہے، لہذا ہمیں اس کلام کے ساتھ تعلق مضبوط کرنا چاہئے تاکہ ہماری دین و دنیا سنور سکے اور ہم کامیاب و کامران ہو جائیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ " **إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ** "[3] یعنی اللہ ﷻ اسی کتاب کے ذریعے سے بہت سی قوموں کو بلند فرماتے ہیں اور اسی کو ترک کرنے کے باعث بہت سوں کو پستی میں لے جاتے ہیں۔

لہذا ہمیں بھی چاہئے کہ قرآن کریم کے ساتھ جُڑ جائیں تاکہ اللہ ﷻ ہمیں اُن لوگوں میں شامل فرمالے جن کو وہ بلند کرتا ہے۔

ایک اور تعریف قرآن کریم کی علماء سے منقول ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے وہ تعریف یہ ہے "**فالقرآن المنزل على الرسول ﷺ المكتوب فى المصاحف المنقول عنه نقلا متواترا بلا شبة**"[4]۔ترجمہ: قرآن کریم نزل کیا گیا ہے (ہمارے) رسول ﷺ پر جو لکھا ہوا ہے مصاحف میں اور ایسے متواتر طریقے سے نقل ہوا ہے کہ جس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

تاریخ نزول قرآن

قرآن کریم کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے ایک مرتبہ لوح محفوظ سے سمائے دنیا میں بیت العزت (بیت المعمور جو عین خانہ کعبہ کے اوپر

[1] سورۃ الاحزاب: ۷۲
[2] سورۃ الحشر: ۲۱
[3] صحیح مسلم: ۱/ ۵۵۹
[4] نور الانوار: ۱/ ۱۹۲۱

ہے اور سمائے دنیا میں فرشتوں کا بیت اللہ ہے) پر اور دوسرا نزول تئیس سال میں جناب رسولِ کریم ﷺ پر نازل ہوا اول نزول کو انزال کہتے ہیں اور دوسرے نزول کو تنزیل کہتے ہیں۔

نزول اول کب ہوا؟

نزول اول رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ"[1]۔یعنی رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔اب رمضان المبارک میں کب نازل ہوا تو اس بارے میں قرآن کریم میں واضح طور پر آیا ہے کہ "إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ"[2]۔یعنی بے شک ہم نے اس (قرآن) کو مبارک رات میں نازل فرمایا۔ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "إِنَّا أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ"[3]۔یعنی بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل فرمایا۔اس سے مراد لوح محفوظ سے سمائے دنیا میں دفعۃً نزول مراد ہے جیسا کہ علامہ محمد سید طنطاوی اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ "**ويصح أن يكون المراد بأنزلناه، أى :أنزلناه جملة من اللوح المحفوظ إلى سماء الدنيا، ثم نزل بعد ذلك منجما على النبي ﷺ**"[4]۔یعنی یہ بات صحیح ہے کہ اس انزال سے مراد یکبارگی قرآن کریم کو ہم نے نازل کیا لوحِ محفوظ سے سمائے دنیا پر پھر اس کے بعد تدریجاً جناب نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا۔

نزولِ ثانی کی ابتداء کب ہوئی؟

اس بارے میں خود قرآن کریم میں ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا"[5]۔یعنی اور قرآن کو ہم نے متفرق طور سے اس لئے نازل کیا کہ آپ (ﷺ) اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس (قرآن) کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا۔

کس ماہ و دن میں اس کی ابتداء ہوئی؟

اس بارے میں زیادہ راجح قول یہ ہے کہ نزول ثانی بروزِ پیر سترہ رمضان المبارک کو ہوا جیسا کہ قرآن کریم ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

[1] سورۃ البقرۃ:۱۸۵
[2] سورۃ الدخان:۳
[3] سورۃ القدر:۱
[4] الوسیط لطنطاوی:۱۵/ ۴۶۲
[5] سورۃ الاسراء:۱۰۶

"وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ"[1] یعنی اور ہم نے اپنے بندے (حضرت محمد ﷺ) پر نازل فرمایا یوم فرقان (غزوہ بدر) میں جس دن دو لشکر آپس میں ملے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ سے پیر کے دن روزہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ"[2]۔ یعنی اس دن میں پیدا ہوا ہوں اور اس دن مجھ پر (قرآن) نازل ہوا۔

اور غزوہ بدر کے بارے میں ایک قول حضرت عامر بن ربیعہ بدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ غزوہ بدر سترہ رمضان بروز پیر کو پیش آیا[3]۔ اگرچہ اس قول کو محمد بن سعد رحمہ اللہ نے شاذ قرار دیا ہے۔

بہر صورت! قرآن کریم کا نزولِ ثانی راجح قول کے مطابق رمضان شریف میں ہوا ہے اور تاریخ کون سی تھی اس بارے میں سترہ، انیس، چوبیس اور ستائیس تاریخ منقول ہے۔

پہلی وحی کہاں اور کون سی آیات ہوئیں؟

جبل نور غارِ حراء میں جناب نبی کریم ﷺ پر سورہ علق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئی۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں روایت نقل فرمائی ہے کہ: "عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ :أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ الوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لاَ يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الخَلاَءُ، وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ – وَهُوَ التَّعَبُّدُ – اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ العَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ، وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا، حَتَّى جَاءَهُ الحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَهُ المَلَكُ فَقَالَ ﷺ :اقْرَأْ، قَالَ : مَا أَنَا بِقَارِئٍ، قَالَ: فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي،فَقَالَ :اقْرَأْ، قُلْتُ :مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ:اقْرَأْ، فَقُلْتُ :مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ : اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ- خَلَقَ الإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ- اقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ"[4]۔

ترجمہ: حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ ﷺ پر شروع ہوئی وہ

[1] سورۃ الانفال: ۴۱
[2] صحیح مسلم: ۲/ ۸۲۰
[3] طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۵
[4] صحیح البخاری: ۱/ ۷

اچھے خواب تھے، پس جو خواب آپ ﷺ دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کے مثل ظاہر ہو جاتا تھا، پھر اللہ ﷻ کی طرف سے خلوت کی محبت آپ ﷺ کو دے دی گئی، چنانچہ آپ ﷺ غار حرا میں خلوت فرمایا کرتے تھے اور وہاں آپ کئی رات عبادت کیا کرتے تھے، بغیر اس کے کہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آتے اور اسی قدر زادِ راہ بھی لے جاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس وحی آ گئی اور آپ ﷺ غار حرا میں تھے فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ ﷺ سے کہا کہ پڑھیں! آپ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ ﷺ فرماتے ہیں پھر فرشتے نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے زور سے بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے! تو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر فرشتے نے مجھے پکڑ لیا اور زور سے بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے تو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے پھر پکڑ لیا اور سہ بار مجھے زور سے بھینچا پھر مجھ سے کہا کہ **اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ** (الخ) اپنے پروردگار کے نام) کی برکت (سے پڑھیں جس نے ہر چیز کو پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیں اور یقین کر لیں کہ آپ کا پروردگار بڑا بزرگ ہے۔

سب سے پہلی وحی آپ ﷺ پر مندرجہ بالا آیتیں نازل ہوئیں۔ یہ وہ عالمگیر کتاب ہے، جو منزل من اللہ ہے، جو عربی زبان میں نازل کی گئی اور وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ لوگ عربی زبان کے ماسٹر تھے، ان کو دعویٰ یہ تھا کہ ہم سے بہترین کلام کوئی نہیں کر سکتا، اللہ ﷻ نے اُنہی کی زبان میں اس قرآنِ کریم کو نازل فرما کر ان کو چیلنج کیا کہ اس کتاب جیسی ایک سورۃ لے آؤ، اور اگر تم خود نہیں کر سکتے تو اپنے سارے معبودانِ باطلہ کو جمع کر لو اور تم سب مل کر کوشش کر لو کہ اس قران کی ایک چھوٹی سی چھوٹی سورۃ لے آؤ، مگر وہ عاجز ہو گئے، اللہ ﷻ نے فرمایا کہ اگر تم نہ کر سکو آگے فرمایا کہ تم ہر گز نہیں کر سکتے، حقیقت یہ ہے کہ آج چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے مگر کوئی بھی ایک چھوٹی سی چھوٹی سورۃ نہ لا سکا۔

قرآنِ حکیم ایک مُعجِز کتاب ہے جس نے واضح طور پر انسانوں کو بتلا دیا کہ وہ انسانی کلام نہیں ہے وہ رب العالمین کا کلام ہے، لہذا کوئی انسان بھی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتا۔ بعض لوگوں نے جیسے مسلیمہ کذاب وغیرہ نے کوشش کی کہ قرآن جیسی سورت بنا لائے مگر تاریخ شاہد ہے کہ اُس کی عقل خبط ہو گئی اور انتہائی بیہودہ کلام بناڈالا جو آج تک مذاق کا باعث بنا ہوا ہے۔ سورۃ فیل کے مقابلہ میں اُس نے کہا:

الفِيلُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْفِيلُ، لَهُ ذَنَبٌ وَبِيلٌ، ولَهُ خُرْطُومٌ طَوِيلٌ-

ہاتھی کیا ہے؟ اور تم کیا جانو کہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کی دم بدنما اور ناک لمبی ہے،

اسی طرح سورۃ الذاریات کے مقابلہ میں کہا: **والذاريات قمحاوَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا، فَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا، فَالْخَابِزَاتِ**

خَبْزًا، والآکلات أکلا، فاللاقماتِ لقما، إِهَالَةً وَسَمْنًا وغیرہ۔ قرآن کریم کے مقابلے میں ساری انسانیت کیا سارے جن بھی اکٹھے ہو جائیں اور انسان اور جن دونوں مل کر بھی کوشش کر لیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں مگر پھر بھی وہ نہیں لا سکتے، اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: **قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا** [1]۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ! کہہ دیں! اگر سارے جن و انس جمع ہو جائیں اس بات پر کہ وہ اس جیسا قرآن لے آئیں، وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کا کلام ہے، جو خالق ہے ہر چیز کا، لہٰذا خالق کا کلام مخلوق کے کلام کے کیسے مشابہ ہو سکتا ہے؟

اعجازِ قرآن: علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں وجوہِ اعجازِ قرآن کے سلسلہ میں کئی اہم وجوہ بیان کی ہیں جو مختصراً عرض کرتا ہوں۔

۱۔ **تالیفِ قرآن کا حسن:** ان کے کلام کا باہمی التیام، اُس کی فصاحت، اُس کا وجوہِ اعجاز، اور اس کی بلاغت جس نے میدانِ کلام کے شہسواروں کو حیران کر دیا۔ اس ضمن میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کئی شواہد پیش کئے کہ عربی زبان کے ماسٹر جب اس کلام کو سُنتے تو وہ کہہ پڑتے کہ **مایقول هذا البشر** کہ اس کلام کو کوئی بشر نہیں کہہ سکتا۔ ولید بن مغیرہ جو عرب کا مشہور ترین شاعر تھا، جب اُس نے رسول اللہ ﷺ سے آیت: **اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ** [2] سنی تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم اس آیت میں حلاوت ہے، اور عجیب حسن ہے، اس کلام کو نیچے سے دیکھے تو بھرپور ہے، اور اوپر سے پھلوں سے لدا ہوا ہے، اس کلام کو کوئی انسان نہیں کہہ سکتا۔ ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے جب سُنا: **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ** [3] تو سجدہ میں گر گیا اور کہنے لگا کہ اس کلام کی فصاحت کی وجہ سے سجدہ میں گر گیا تھا۔ ایک اور شخص کا واقعہ بیان کیا کہ جب اُس نے کسی شخص کو آیت: **فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا**۔ [4] پڑھتے ہوئے سُنا تو اس نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ کوئی بھی مخلوق اس جیسا کلام بنانے پر قادر نہیں ہو سکتی۔

[1] سورۃ الاسراء: ۸۸
[2] سورۃ النحل: ۹۰
[3] سورۃ الحجر: ۹۴
[4] سورۃ یوسف: ۸۰

۲۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ دوسری وجہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن کا وہ عجیب نظم کی صورت اور اس کا وہ غریب اسلوب جو کہ کلامِ عرب کے اسالیب سے بالکل مخالف ہے، اور اس قسم میں قرآن کا وہ نظم ونثر شامل ہے جس پر وہ آیا ہے اور جس پر اس کے مقاطع کا وقف اور اس کے کلمات کے فواصل کی انتہاء ہوتی ہے اور ایسا نظم ونثر نہ تو قرآن سے قبل پایا گیا اور نہ اس کے بعد اس کی کوئی نظیر مل سکی اور نہ کسی میں اتنی استطاعت ہے کہ اس کی مماثلت کر سکے بلکہ ان کی عقلیں دنگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سُنا تو وہ لرز گیا اور نرم پڑ گیا، ابو جہل اُس کے پاس اُس کو بُرا بھلا کہتا ہوا آیا تو ولید نے کہا کہ اللہ کی قسم تم میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ اشعار نہیں جانتا، اللہ کی قسم کوئی چیز بھی اس کلام کے مشابہ نہیں ہو سکتی۔ عُتبہ بن ربیعہ نے جب قرآن سنا تو کہا کہ اے قوم! تم جانتے ہو کہ میں نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی کہ جس کو میں نے جان نہ لیا ہو، پڑھ اور کہہ نہ لیا ہو، مگر اللہ کی قسم میں نے ایک ایسا قول (قرآن) سنا، اللہ کی قسم کبھی بھی اس کی مثل کوئی کلام نہیں سنا، نہ وہ شعر ہے نہ سحر اور نہ ہی کوئی کہانت ہے۔

۳۔ تیسری وجہ اعجاز میں سے یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا غیب کی خبروں کو شامل ہونا اور جو بات نہیں ہوئی تھی اس کا قرآن کی پیشگوئی سے مطابق پایا جانا، چنانچہ کتنی آیات ہیں جن میں مستقبل کی پیشگوئیاں کی گئیں اور سب پوری ہوئیں۔

(الف) لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ[1]۔ یعنی تم ضرور مسجدِ حرام میں داخل ہو گے ان شاء اللہ۔

اور الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔

(ب) وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ[2]۔ یعنی اور (رومی) مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔

الحمد للہ چند سالوں کے بعد ایسا ہی ہوا۔

(ت) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَه لَحٰفِظُوْنَ[3]۔ یعنی بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ آج ہم سب کے سامنے ہے کہ کس طرح اس کی حفاظت ہوئی ہے۔

ان وجوہ کے علاوہ بھی کئی اور وجوہ اعجاز قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بیان کئے، کچھ اور کا ذکر مختصراً کرتا ہوں۔

۱۔ رعب ہے کہ اس کے سننے والے کو دلوں میں اس کے سننے سے واقع ہوتا ہے اور ہیبت جو کہ قرأت کے وقت سامعین کے دلوں میں طاری ہوتی ہے، کتنے لوگ ہیں کہ قرآن کے سننے کے بعد ایمان ان کے دلوں میں داخل ہو گیا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے

[1] سورۃ الفتح: ۲۷
[2] سورۃ الروم: ۳
[3] سورۃ الحجر: ۹

سورۃ طور مغرب کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا تو اسلام ان کے قلب میں داخل ہو گیا۔

۲۔ قیامت تک یہ کتاب باقی رہے گی، جب تک دنیا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ ﷻ نے لیا ہوا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَه لَحٰفِظُوْنَ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات ان کے جانے کے بعد ختم ہو گئیں، سوائے ان کے اخبار کے مگر قرآنِ حکیم مکمل طور پر آج تک باقی ہے۔

۳۔ قرآن کا پڑھنے والا اس کی قرأت سے ملول نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی سُننے والا اس کے سننے سے اکتاتا ہے بلکہ اس کی تلاوت میں منہمک رہنے سے اس کی حلاوت میں اضافہ ہوتا ہے اور بار بار پڑھنے سے اس کی محبت کو واجب بناتا ہے، جبکہ قرآن کے علاوہ کوئی بھی کلام چاہے کس قدر حسن و بلاغت والا کیوں نہ ہو اس کو دہرانے سے دل اُکتا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اعجازِ قرآنی کے سلسلے میں "آیات بینات" کے حوالے سے لکھتے ہیں: آپ ﷺ ایسے ملک کی طرف مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کوئی سامان نہیں تھا اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کی گئی جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بد اخلاقی اور نفاق اور جنگجوئی کے کسی قسم کی کوئی اخلاقی خوبی نہیں رکھتے تھے مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ اس سے ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں، برسوں کے بہکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور مدتوں سے سوتے ہوئے غفلتوں کی نیند سے چوک پڑے، جو مشرک تھے وہ مؤحد بن گئے، جو کافر تھے وہ ایمان لے آئے، جو بت پرست تھے وہ بُت شکن بن گئے، جو گمراہ تھے وہ خدا کی راہ دکھاتے، جاہلانہ حمیت اور وحشیانہ عصبیت کا ان میں نام نہ رہا، خاندانی جھگڑے اور پیشتینی عداوتیں جاتی رہیں، دماغ نخوت و غرور سے خالی ہو گیا، اور اُن کے دل صبر و توکل، حلم و بردباری، زہد و تقویٰ اور جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے، آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت نے ایک ایسا گروہ خدا پرست، پاک طبیعت، راست باز، نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا جن کی کوششوں سے شرک و بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ نمائے عرب سے گونج رہی تھی بند ہو گئی اور اس کے بدلے بیچوں بیچگوں، بے شبہ و بے نموں خدا کی منادی پھر گئے، تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا، اوہام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا: وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا[1]۔

ترجمہ: حق ظاہر ہو گیا اور باطل مغلوب اور بلاشبہ باطل مغلوب ہی ہوا کرتا ہے۔

الحمدللہ! علمائے اسلام نے بیسیوں کتابیں اعجاز قرآنی پر لکھیں جو کہ مختلف زبانوں میں تالیف کی گئیں ہیں اور ابھی تک لکھی جا رہی ہے۔

[1] سورۃ الاسراء: ۸۱

۱۔ **نظم القرآن:** یہ ابو عثمان بحر بن محبوب جو کہ جاحظ رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے نظم قرآن پر انتہائی دقیق بحثیں کی ہیں۔

۲۔ **تاویل مشکل القرآن:** یہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ رحمہ اللہ (متوفیٰ:۲۷۶ھ) کی کتاب ہے، اس کتاب میں انہوں نے اعجاز قرآن پر بسیط گفتگو فرمائی ہیں۔

۳۔ **اعجاز القرآن:** ابو عبد اللہ واسطی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

۴۔ **اعجاز القرآن:** قاضی ابو بکر الباقلانی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

۵۔ **اعجاز القرآن:** عبد القاہر جرجانی رحمہ اللہ۔

۶۔ **بیان اعجاز القرآن:** خطابی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

۷۔ **النکت فی اعجاز القرآن:** ابو الحسن علی بن عیسی الرمانی (متوفی:۳۸۴ھ)

یہ معتزلیوں کے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں، مگر اعجاز قرآنی پر سات وجوہ سے بہت عمدہ انداز سے کلام کیا ہے۔

۸۔ **الصناعتین: الکتابۃ والشعر:** ابو ہلال الحسن بن عبد اللہ العسکری رحمہ اللہ (متوفی:۳۹۵ھ) کی کتاب ہے۔

۹۔ **الاتقان:** جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ۔

۱۰۔ **خصائص کبریٰ:** جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ۔

۱۱۔ **اعجاز القرآن:** علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، اردو میں۔

۱۲۔ **قضیۃ الاعجاز القرآنی:** ڈاکٹر عبد العزیز بن عبد المعطی عرفہ۔

۱۳۔ **الشفاء:** قاضی عیاض رحمہ اللہ کی بہترین کتاب ہے، جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بہترین انداز میں تعریف کی ہے، اس میں آپ ﷺ کے معجزات میں سے قرآنِ کریم کے معجزہ کا ذکر فرمایا اور وجوہِ اعجاز قرآنی بیان کئے۔

۱۴۔ **تفسیرِ کبیر:** امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، اس میں انہوں نے اعجازِ قرآنی پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔

یہ مختصراً چند کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آج چودہ سے سال سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا ہے، مگر قرآن کریم کا مقابلہ میں کوئی بھی کھڑا نہیں ہو سکا اور کوئی کھڑا ہو بھی نہیں سکتا۔ **وللہ الحمد علی ذٰلک۔**

فضائل تلاوت قرآن

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرّاً وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ - لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ۔[1]

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے چھپا کر اور سب کے سامنے، یہ وہ لوگ ہیں جو امید کرتے ہیں ایسی تجارت کی کہ جس میں خسارہ نہیں ہے، اللہ اُن کو پورا اجر دے گا اور اپنے فضل سے مزید دے گا، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے۔

آج کل جہاں ہر طرف فتنہ ہے، ان فتنوں میں سے ایک فتنہ لوگوں کو تلاوتِ قرآن سے روکنے کا فتنہ ہے، کہتے ہیں کہ الفاظ کے رٹنے سے کیا فائدہ ہو گا، اصل بات تو سمجھنا ہے، اگر صرف معانی کے سمجھنے پر زور دیں اور تلاوت کو نظر انداز کر دیں تو ہم ایک مقصدِ بعثت کو ترک کرنے کے گناہ میں داخل ہوں گے۔ تلاوت آیات ایک مستقل عبادت ہے اور عبادت وہ ہے کہ جس کے کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

تلاوتِ قرآن کی اہمیت

تلاوتِ کلامِ پاک کی اہمیت کا کچھ اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ ﷻ نے نبی آخر الزمان ﷺ کو جب مبعوث فرمایا تو آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی کو بیان کرتے ہوئے "تلاوت" کو سب سے مقدم رکھا۔ چنانچہ ارشاد ہے: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[2]۔

ترجمہ: اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب امتِ مسلمہ کے ظہور اور ان میں ایک رسول کے بعثت کی درخواست کی تو فرائضِ رسالت کی نشاندہی کرتے ہوئے سب سے پہلے تلاوت کو ذکر کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ[3]۔ یعنی اے ہمارے پروردگار! اور

[1] سورۃ فاطر: ۲۹-۳۰
[2] سورۃ آل عمران: ۱۶۴
[3] سورۃ البقرۃ: ۱۲۹

بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔ جہاں رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داریوں کو نبھانے کا ذکر کیا تو دیکھئے تلاوتِ کتاب ہی کو پیش پیش رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[1]۔ یعنی جیسا بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا، پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار۔

نیز یہ کہ تلاوت خود اللہ ﷻ کا فعل ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ۔[2] یعنی یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم حق کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

تلاوتِ آیات رسول اللہ ﷺ کا محبوب عمل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پسندیدہ مشغلہ ہے، مزید براں اللہ ﷻ نے اس کو پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے اور کلام اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور حقِ تلاوت ادا کرنے پر خصوصی نوازش کی ہے، تو جس چیز کی یہ شان و اہمیت ہو اس کے آداب و طریقے اور اس پر مرتب ہونے والے فوائد و ثمرات بھی کیا کچھ ہوں گے۔

سرکاری و شاہی القاب:

مسلمان تمام قوموں میں اس اعتبار سے بھی ممتاز اور بڑے خوش نصیب ہیں کہ احکم الحاکمین نے رحمتِ عالم ﷺ کے طفیل میں اپنے مخصوص شاہی و سرکاری القاب بھی اُن کو مرحمت فرمائے ہیں۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں: حقیقت میں پڑھنے اور پڑھانے والے حق تعالیٰ ہیں: فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ[3] معلوم ہوا قاری حق تعالیٰ ہیں۔ تلاوت کرنے والے وہی: نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَبَإِ مُوسَى[4]۔ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ[5]۔ معلوا ہوا کہ اصل تلاوت کرنے والے حق تعالیٰ ہیں۔ حفاظت کرنے والے وہی: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ[6]۔ ذکر (قرآن) ہم نے اتارا اور ہم ہی حافظ

[1] سورۃ البقرۃ:۱۵۱
[2] سورۃ البقرۃ:۲۵۲
[3] سورۃ القیامۃ:۱۸
[4] سورۃ القصص:۳
[5] سورۃ آل عمران:۵۸
[6] سورۃ الحجر:۹

ہیں، تو قاری بھی وہ، تالی بھی وہ، حافظ بھی وہ۔ بس یہ اللہ ﷻ کا فضل ہے کہ جو حفظ کر لیتا ہے تو کہتے ہیں کہ آج سے جو لقب ہمارا تھا تمہارا بھی ہے، کوئی قرات سیکھ لیتا ہے تو فرماتے ہیں کہ قاری تو ہم ہیں، لیکن آج سے ہم نے اپنا لقب تمہیں دے دیا۔ اسی طرح تلاوت کرنے والے ہم ہیں، مگر جب تم تلاوت کر رہے ہو تو تم بھی یہ لقب استعمال کر سکتے ہو۔

حالانکہ سرکاری القاب کوئی اختیار نہیں کر سکتا جب تک سرکار ہی کسی کو کوئی لقب یا خطاب نہ دے اس کے بغیر وہ سرکاری مجرم ہو گا اور پروانہ گرفتاری اس کے نام آجائے گا تو یہ اللہ کا کرم اور حضور ﷺ کا طفیل ہے کہ جس نے قرآن کو سینے میں محفوظ کر لیا اس نے شاہی لقب پالیا، جس نے قرآنی حروف کے مخارج اور صفات پر محنت کر کے اس کی ادائیگی صحیح کر لی وہ قاری (سرکار یا آدمی) بن گیا، جس نے شاہی فرامین تلاوت کر کے دوسروں کو سنائے وہ شاہ سے قریب اور اس سے مناجات کرنے والا ہو گیا۔[1]

ذیل میں قرآن واحادیث سے تلاوتِ آیات کا ثواب درج کرتا ہوں۔

قرآن کریم:

۱۔ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ[2]۔

ترجمہ: وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہو گا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔

۲۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ[3]۔

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔

۳۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ[4]۔

ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں ان کے دل اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

[1] خطبات حکیم الاسلام: ۱/ ۲۰۵
[2] سورۃ البقرۃ: ۱۲۱
[3] سورۃ الأعراف: ۲۰۴
[4] سورۃ الأنفال: ۲

۴۔أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا[1]۔

ترجمہ: قائم رکھ نماز کو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور قرآن پڑھنا فجر کا، بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لئے قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں۔

۵۔إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ[2]۔

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے چھپا کر اور سب کے سامنے، یہ وہ لوگ ہیں جو امید کرتے ہیں ایسی تجارت کی کہ جس میں خسارہ نہیں ہے۔

۶۔اللَّهُ نزلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِاللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ[3]۔

ترجمہ: اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب کی آپس میں ملتی دہرائی ہوئی، بال کھڑے ہوئے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلائے اللہ اس کو کوئی نہیں سجھانے والا۔

۷۔وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ[4]۔

ترجمہ: اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا؟۔

احادیث مبارکہ:

۱۔عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ ﷺ قال: الماهر بالقرآن مع السفر الكرام البررة، والذي يقرأ القرآن ويتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران۔[5]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کا ماہر (قیامت کے دن) ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو

[1] سورۃ الإسراء:۷۸-۷۹
[2] سورہ فاطر:۲۹
[3] سورۃ الزمر:۲۳
[4] سورۃ القمر:۱۷
[5] صحیح مسلم:۱/۳۲۱

(دنیا میں) وحی الٰہی لانے والے بزرگ اور نیکو کار ہوں گے اور جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کے پڑھنے میں اسے مشقت ہوتی ہے، اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔

۲۔عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: من قرأ حرفًا من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: ألم حرف بل ألف حرف ولام حرف وميم حرف[1]۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کا ایک حرف پڑھا، اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ،،الم،، ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

۳۔عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: مثل المؤمن الذي يقرأ القرآن مثل الأترجة ريحها طيب وطعمها طيب، ومثل المؤمن الذي لا يقرأ القرآن كمثل التمرة لا ريح لها وطعمها حلو، ومثل المنافق الذي يقرأ القرآن مثل الريحانة ريحها طيب وطعمها مر، مثل المنافق الذي لا يقرأ القرآن كمثل الحنظلة ليس لها ريح وطعمها مر[2]۔

ترجمہ: حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مؤمن کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے، میٹھے لیموں (نارنگی) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور اس کا ذائقہ بھی میٹھا ہے اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں اور اس کا ذائقہ میٹھا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، خوشبو دار پودے کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور اس کا ذائقہ تلخ ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، اندرائن (تمہ) کی طرح ہے جس میں خوشبو نہیں اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔

۴۔عن أبي أمامة الباهلي رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: اقرؤوا القرآن فإنه يأتي يوم القيامة شفيعًا لأصحابه[3]۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن (کثرت سے) پڑھا کرو اس لیے کہ قیامت کے دن یہ اپنے ساتھیوں (پڑھنے والوں) کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔

۵۔عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: يؤتى يوم القيامة بالقرآن وأهله الذين كانوا يعملون

[1] سنن ترمذي: ۲/۵۸۳
[2] صحيح بخاري: ۲/۳۲۸
[3] صحيح مسلم: ۱/۳۲۳

به في الدنيا، تقدمه سورة البقرة وآل عمران تحاجان عن صاحبهما[1]۔

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن قرآن کو اور ان لوگوں کو جو (دنیا میں) اس قرآن پر عمل کرتے تھے (بارگاہ الٰہی میں) پیش کیا جائے گا، سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ان کے آگے ہوں گی۔

٦۔عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: خيركم من تعلم القرآن وعلمه[2]۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اسے (دوسروں) سیکھائے۔

٧۔عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا حسد إلا في اثنتين:رجل آتاه الله القرآن، فهو يقوم به آناء الليل وآناء النهار، ورجل آتاه الله مالًا فهو ينفقه آنا الليل وآناء النهار[3]۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوائے دو آدمیوں کے کسی پر رشک کرنا جائز نہیں، ایک وہ آدمی جسے اللہ نے قرآن عطا کیا (یعنی اسے حفظ کرنے کی توفیق دی) پس وہ اس کے ساتھ رات اور دن کی گھڑیوں میں قیام کرتا ہے (یعنی اللہ کی عبادت کرتا ہے) اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے مال و دولت سے نوازا تو وہ اسے (اللہ کی راہ میں) رات اور دن کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہے۔

٨۔عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال:وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم ، إلا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة ، وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده[4]۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس کا تکرار کرتے (یادرس دیتے) ہیں تو ان پر (اللہ کی طرف سے) سکینت (تسکین و رحمت) نازل ہوتی ہے، رحمت انہیں ڈھانک لیتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ﷻ ان فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔

٩۔عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال:يقال لصاحب القرآن:اقرأ وارتق ورتل كما

[1] صحیح مسلم:١/٣٢٣
[2] صحیح بخاري:٢/٢٥٧
[3] صحیح بخاري:٢/٢٥
[4] صحیح مسلم:٢/٣٥٩

كنت ترتل في الدنيا ، فإن منزلك عند آخر آية تقرؤها[1]۔یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صاحبِ قرآن (قرآن پڑھنے اور اسے حفظ کرنے والے) سے (قیامت کے دن) کہا جائے گا پڑھتا جا اور (درجے) چڑھتا جا اور اس طرح آہستہ آہستہ تلاوت کر جیسے تو دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا پس تیرا مقام وہ ہو گا جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہو گی۔

۱۰۔ قال أبو سليمان الخطابي: جاء في الأثر أن عدد آي القرآن على قدر درج الجنة، فمن استوفى قراءة جميع آي القرآن، استولى على أقصى درج الجنة[2]

ترجمہ: حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روایت میں آیا ہے کہ قرآنِ کریم کی آیتوں کے بقدر جنت کے درجات ہیں، پس جس نے پورے قرآنِ کریم کی آیتوں کا حق ادا کیا تو وہ جنت کے آخری درجات کو پالے گا۔

۱۱۔قال أبو أمامة رضی اللہ عنہ: احفظوا القرآن، فإن الله لا يعذب بالنار قلبًا وعى القرآن[3]۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآنِ کریم کو حفظ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اس دل کو جہنم کا عذاب نہیں دیں گے جس نے قرآنِ کریم محفوظ کیا۔

۱۲۔قال خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ: تقرب إلى الله ما استطعت، فإنك لن تتقرب إليه بشيء أحب إليه من كلامه[4]۔

ترجمہ: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو جتنا ممکن ہو سکے، بے شک تو اس کا قرب اس کے کلام کے علاوہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتا۔

۱۳۔عن أبي سعيد رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقول الرب سبحانه وتعالى : من شغلها القرآن وذكري عن مسألتي أعطيته أفضل ما أعطي السائلين ، وفضل كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على سائر خلقه[5]۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن اور

[1] سنن أبي داود: ۱/ ۲۱۶
[2] شرح السنۃ للبغوی: ۴/ ۴۳۵
[3] شرح السنۃ للبغوی: ۴/ ۴۳۷
[4] ابو نعیم فی الحلیۃ: ۹/ ۱۹۹
[5] سنن ترمذی: ۲/ ۵۸۵

میرا ذکر اتنا مشغول کردے کہ وہ مجھ سے کچھ مانگ بھی نہ سکے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرما دیتا ہوں، اور تمام کلاموں پر اللہ ﷻ کے کلام (قرآن حکیم) کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح اللہ ﷻ کی اپنی مخلوق پر (فضیلت ہے)۔

۱۴۔عن أنس ؓ نوروا منازلكم بالصلاة وقراءة القرآن[1]۔

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ اپنے گھروں کو نماز اور قرآنِ کریم کی تلاوت کے ذریعے منور کرو۔

۱۵۔عن النعمان بن بشير ؓ أفضل عبادة أمتي قراءة القرآن[2]۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر ؓ سے روایت ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) میری امت کی افضل عبادت تلاوتِ قرآنِ کریم ہے۔

۱۶۔وأخرج من حديث عبيدة المكي مرفوعا وموقوفا : يا أهل القرآن ، لا توسدوا القرآن واتلوه حق تلاوته آناء الليل والنهار ، وأفشوه ،وتغنوه وتدبروا ما فيه لعلكم تفلحون[3]۔

ترجمہ: حضرت ابو عبیدہ مکی ؒ سے مرفوعًا اور موقوفًا روایت ہے کہ اے اہلِ قرآن! قرآنِ کریم کو تکیہ مت بناؤ، اس کی تلاوت کا حق ادا کرو دن و رات میں، اور اس کو پھیلاؤ اور تدبر کرو اس میں تاکہ تم کامیاب ہو۔

مقاصدِ بعثت میں سب سے مقدم تلاوتِ کلام اللہ ہے، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو اس اہم ترین مقصد پر عمل کرنا ہے، جیسا کہ اوپر متعدد احادیث لکھی گئی ہیں۔ ہم کو چاہئے کہ اپنے گھروں کو، دلوں کو، اور اپنے پورے ماحول کو قرآنِ کریم کے نور سے منور کریں۔

ایسے بھی عاشقینِ قرآن ہیں جو ایک دن میں ایک قرآن اور رات میں الگ قرآن ختم کرتے تھے، بعض دو دن میں، بعض تین دن میں۔ صحابہ کرام ؓ کی جماعت میں حضرت عثمان ؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ، حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ، حضرت معاذ بن جبل ؓ، حضرت تمیم داری ؓ ایک دن میں قرآن ختم کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت مجاہد بن جبر ؒ، حضرت سعید بن المسیب ؒ، حضرت سعید بن جبیر ؒ، حضرت عطاء بن سائب ؒ، حضرت اسود بن یزید ؒ، حضرت ابراہیم نخعی ؒ، حضرت یحییٰ قطان ؒ، حضرت امام ابو حنیفہ ؒ اور حضرت امام شافعی ؒ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو ایک دن میں قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

سال میں کم از کم دو دفعہ تو بآسانی ہم قرآن ختم کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ابو اللیث ؒ فرماتے ہیں: **ينبغي للقاري ان يختم في السنة**

[1] شعب الایمان: ۳/ ۴۰۳
[2] شعب الایمان: ۳/ ۳۹۶
[3] شعب الایمان: ۳/ ۳۸۸

مرتین، ان لم یقدر علی الزیادۃ۔ یعنی قرآن پڑھنے والے کو سال میں دو دفعہ ختم کرنا چاہئے اگر وہ اس سے زیادہ ختم کرنے پر قادر نہ ہو تو۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **من قرأ القرآن فی کل سنة مرتین فقد ادی حقه لان النبی ﷺ عرض علی جبریل فی السنة التی قبض فیها مرتین۔**[2] یعنی جس نے سال میں دو دفعہ قران ختم کیا تو اُس نے اُس کا حق ادا کر دیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سال جس سال آپ ﷺ کا انتقال ہوا دو دفعہ جبرئیل علیہ السلام پر قرآن (پیش) پڑھا۔

اصل مقصد تلاوت ہے لہذا جس سے جس قدر ہو سکے تلاوت کرے، ہم ان شاء اللہ تلاوت کے ظاہری و باطنی فوائد اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

تلاوت کے چند فوائد ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ حصولِ اجر و ثواب۔

۲۔ مغفرتِ ذنوب۔

۳۔ نزولِ رحمت و سکینت۔

۴۔ دخولِ جنت۔

۵۔ دوزخ سے حفاظت۔

۶۔ شیطان اور جِنوں سے حفاظت۔

۷۔ دل کا بیدار ہونا۔

۷۔ گھر میں خیر و برکت کا ہونا۔

۹۔ ظاہری امراض سے شفاء۔

۱۰۔ باطنی امراض سے شفاء۔

۱۱۔ شفاعت کا مستحق ہونا۔

۱۲۔ نظر بد سے محفوظ ہونا۔

۱۳۔ رزق میں اضافہ کا ہونا۔

[1] بستان العارفین: ۲۰ الباب: ۱۷

[2] الاتقان للسیوطی: ۶۶۵

۱۴۔ اللہ ﷻ کی یاد۔

۱۵۔ اللہ ﷻ کی خوشنودی حاصل کرنا۔

۱۶۔ اللہ ﷻ کا قرب حاصل ہونا۔

۱۷۔ جنت میں اعلیٰ ترین مقام کا ملنا۔

یہ مختصر فوائد لکھے گئے ہیں تا کہ ہم تلاوتِ کلام اللہ کی اہمیت کو سمجھیں۔

مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم:

اللہ ﷻ نے اس قرآن کریم کی حفاظت کے لئے علماء و مفسرین پیدا کئے جنہوں نے مختلف زبانوں میں اس کے تراجم و تفسیر لکھی۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

عربی تفاسیر:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	تنویر المقباس	عبد اللہ بن عباس
۲	جامع البیان عن تأویل القرآن	ابن جریر طبری
۳	بحر العلوم	أبو اللیث سمرقندی
۴	تفسیر مقاتل	مقاتل بن سلیمان
۵	معانی القرآن	یحیی بن زیاد الفراء
۶	نکت القرآن الدالۃ علی البیان	محمد علی کرجی قصاب
۷	احکام القرآن	ابو بکر جصاص
۸	الکشف والبیان فی تفسیر القرآن	احمد بن محمد ثعلبی
۹	معالم التنزیل	حسین بن مسعود بغوی
۱۰	تفسیر کشاف	محمود زمخشری

۱۱	احکام القرآن	ابو بکر ابن العربی
۱۲	مفاتیح الغیب	فخر الدین رازی
۱۳	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	ابن عطیہ اندلسی
۱۴	زاد المسیر فی علم التفسیر	ابن جوزی
۱۵	الجامع لأحکام القرآن	شمس الدین قرطبی
۱۶	انوار التنزیل واسرار التاویل	قاضی بیضاوی
۱۷	البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید	ابو حیان غرناطی
۱۸	تفسیر ابن کثیر	ابن کثیر
۱۹	ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم	ابو سعود آفندی
۲۰	تفسیر جلالین	جلال الدین سیوطی جلال الدین محلی
۲۱	الدر المنثور فی تفسیر بالمأثور	جلال الدین سیوطی
۲۲	البحر المحیط	احمد بن عجیبہ
۲۳	روح البیان	اسماعیل حقی
۲۴	روح المعانی	محمود آلوسی
۲۵	تاویلات اھل السنۃ	ابو منصور ماتریدی
۲۶	الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن	عبد الرحمن الثعالبی
۲۷	فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر	محمد بدر الدین شوکانی
۲۸	اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن	محمد مختار شنقیطی
۲۹	التحریر والتنویر	محمد طاہر بن عاشور
۳۰	محاسن التاویل	جمال الدین قاسمی

۳۱	لباب التاویل فی معانی التنزیل	علاء الدین خازن
۳۲	غرائب القران ورغائب الفرقان	نظام الدین نیشاپوری
۳۳	فی ظلال القرآن	سید قطب
۳۴	نحو تفسیر موضوعی لسور القرآن الکریم	محمد غزالی سقا
۳۵	تفسیر القرآن الکریم	محمود شتلوت
۳۶	تفسیر السراج المنیر	خطیب شربینی
۳۷	تفسیر السلمی	ابو عبد الرحمن السلمی
۳۸	تفسیر ابن بادیس	ابن بادیس
۳۹	عرائس البیان فی حقائق القرآن	روزبہان بقلی شیرازی
۴۰	المحرر فی علوم القرآن	ڈاکٹر مساعد بن سلیمان
۴۱	تفسیر ابن عرفہ	ابن عرفہ
۴۲	زہرۃ التفاسیر	ابو زہرہ مصری
۴۳	لطائف الاشارات	ابو القاسم قشیری
۴۴	النکت والعیون	ابو الحسن ماوردی
۴۵	تفسیر عبد الرزاق	عبد الرزاق صنعانی
۴۶	تفسیر مجاہد	مجاہد بن جبیر
۴۷	تفسیر الاریب فی تذکرۃ الغریب	ابن جوزی
۴۸	صفوۃ التفاسیر	محمد علی صابونی
۴۹	خواطر الشعراوی	محمد متولی شعراوی

انگریزی:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	معارف القرآن	محمد شفیع عثمانی
۲	تفسیر اشراق المعانی	سید اقبال ظہیر
۳	اسرار التنزیل	امیر محمد اکرم اعوان
۴	مولانا عبد الماجد دریابادی	مولانا عبد الماجد دریابادی
۵	تفسیر عثمانی	مترجم مولانا محمد اشفاق احمد
۶	The Noble Quran	ڈاکٹر محمد محسن خان

فارسی:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	تفسیر طبری	۱۰ویں صدی ہجری میں اس کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا
۲	کشف الاسرار وعدۃ الابرار	۱۱ویں صدی ہجری میں ابو اسماعیل عبد اللہ انصاری کے ایک شاگرد نے فارسی میں یہ تفسیر لکھی
۳	تفسیر نسفی	نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد نسفی۔ فارسی میں ۱۱ویں صدی عیسوی میں تحریر کی گئی
۴	تفسیر نقیب الاشراف	ضیغم الدین محمد رزاق علی گیلانی۔ فارسی میں ۱۱ویں صدی عیسوی میں تحریر کی گئی
۵	ترجمہ	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

انڈونیشیائی زبان:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	تفسیر الازہر	حمکہ
۲	تفسیر المصباح	پروفیسر قریش

بنگالی:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	معارف القرآن۔ بنگالی ترجمہ	مولانا محی الدین خان
۲	تفسیر القرآن	مولانا دلاور حسین سعیدی
۳	تفسیر نور القرآن	مولانا محمد امین الاسلام
۴	تفسیر القرآن	ڈاکٹر محمد اسد اللہ غالب

گجراتی:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	تفسیر اشرفی (، سید التفاسیر ،)	سید محمد مدنی میاں اشرف جیلانی اردو میں اس کی تکمیل و قلمی تصنیف ہوئی البتہ اس کی شہرت کے باعث بھارت میں عوام کے استفادہ کے لیے تفسیر کا ترجمہ گجراتی زبان میں کیا گیا

سندھی:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	تفسیر المقام المحمود	مولانا عبید اللہ سندھی
۲	تفسیر سورۃ سبا	ڈاکٹر علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی
۳	تفسیر	آخوند عزیز اللہ
۴	احسن البیان	علامہ محمد ادریس ڈاہری
۵	تفسیر ریاض القرآن	پروفیسر (ر) میر محمد سومرو
۶	بدیع التفاسیر	علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی سورہ ابراھیم تک

ترکی زبان:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	رسالہ نور کلیاتی	بدیع الزمان سعید نورسی ۱۳ جلدوں میں شائع ہوئی، یہ ترکی کی مشہور ترین تفاسیر میں سے ہے
۲	المالی تفسیر	المالی محمد حامدی یازر۔ ۱۰ جلدوں میں شائع ہوئی، یہ ترکی کی مشہور ترین تفاسیر میں سے ہے۔
۳	بیوک قرآن تفسیری	اس کا اصل نام خلاصہ البیان فی تفسیر القرآن تھا
۴	روح الفرقان	محمود استوثمانوگلو یہ تفسیر ابھی نامکمل ہے اور اندازہ ہے کہ ۵۷ جلدوں پر مشتمل ہوگی

ازبیکستانی زبان:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	تفسیر حلال	مفتی محمد صادق محمد یوسف

اردو زبان:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	تفسیر القرآن الکریم	عبد السلام بھٹوی
۲	توضیح القرآن (آسان ترجمہ قرآن)	مفتی محمد تقی عثمانی
۳	اکرم التفاسیر	امیر محمد اکرم اعوان
۴	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی
۵	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع عثمانی
۶	تیسیر القرآن	عبد الرحمن کیلانی
۷	معارف القرآن	علامہ محمد ادریس کاندھلوی
۸	دہلوی ترجمۃ القرآن	شاہ رفیع الدین
۹	تفسیر عزیزی (ترجمہ جواہر العزیزی)	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
۱۰	تفسیر قرآن	علامہ عبید اللہ سندھی
۱۱	تفسیر جواہر القرآن	شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان
۱۲	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

۱۳	تفسیر مظہر القرآن	مفتی اعظم مظہر اللہ دہلوی
۱۴	تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی
۱۵	تفسیر قصص القرآن	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
۱۶	تفسیر تبیین القرآن	مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی

ملیالہ زبان:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	تفسیر	محمد امانی مولوی
۲	پریسودھا قرآن	عبد الحمید مدنی و کنجی محمد پراپور

صومالی زبان:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	تفسیر از کمار	صومالی زبان میں صوتی فائلیں شبکہ پر دستیاب ہیں۔
۲	تفسیر از میکسا میڈ کمار دریری	صومالی زبان میں صوتی فائلیں شبکہ پر دستیاب ہیں

پشتو زبان:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	کشف القرآن	حافظ محمد ادریس طورو
۲	تفسیر احسن الکلام	شیخ القرآن ابو زکریا عبد السلام رستمی

۳	تفسیر ایوبی حنفی	مولوی عبید اللہ ایوبی کندھاری نقشبندی

پنجابی زبان:

نمبر	کتب کے نام	مصنفین
۱	رب دیاں گلاں (پنجابی / اردو)	امیر محمد اکرم اعوان
۲	تفسیر نبوی ۔ پنجابی	محمد نبی بخش حلوائی
۳	منظوم پنجابی	محمد فیروز الدین
۴	تفسیر محمدی	حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوکے والے
۵	قرآن مجید مترجم	مولوی محمد دلپذیر بھیروی
۶	مترجم و محشی قرآن مجید	مولوی ہدایت اللہ

غیر عالم دین کا درسِ قرآن دینا

آج کل درسِ قرآن کا سلسلہ بہت عام ہوتا جارہا ہے۔ بظاہر یہ بہت ہی اچھی بات ہے مگر ایسے لوگ جو قرآن کی زبان سے بھی واقف نہ ہوں، نہ ہی علم معانی، اصول دین، اصول فقہ، فقہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، علم اسباب نزول اور علم ناسخ و منسوخ کا علم رکھتے ہوں وہ بھلا درس قرآن کیسے دے سکتے ہیں؟ ایسے لوگ صرف ترجمہ قرآن کو پکڑ کر جو کچھ ان کی سمجھ میں آیا درس دینا شروع کر دیتے ہیں اور عوام بھی ان کو مفسرِ قرآن سمجھنے لگتے ہیں، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کو بیان کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت میں غلطیاں کرتے ہیں، فرمانِ رسول ﷺ کو بھی غلط انداز سے سمجھتے ہیں، حلال و حرام کے اہم ترین احکام کو اپنی سمجھ کے مطابق بیان کرتے ہیں، کوئی سود کو حلال قرار دیتا ہے، تو کوئی شراب کو، تو کوئی پردہ کو غیر شرعی حکم کہتا ہے تو کوئی ڈاڑھی کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ قرآنی حکم نہیں ہے، کوئی موسیقی کو جائز کہتا ہے تو کوئی عورتوں و مردوں کے اختلاط کو جائز کہتا ہے، بلکہ حد تو یہ ہے درس قرآن کا ماحول ہوتا ہے اور عورت و مرد اکٹھے بیٹھتے ہیں اور عورتوں کے سروں میں دوپٹہ دور کی بات نیم برہنہ لباس پہن کر مردوں کے بالکل ساتھ بیٹھ کر درس سنتی ہیں، ایسے لوگوں نے درس قرآن کے بہانے قرآن کا مذاق بنا دیا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ قرآن کریم کی تلاوت کو نہ یہ کہ خود پسند کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو

قرآن کریم پڑھنے سے روکتے ہیں، کہتے ہیں کہ اصل چیز سمجھنا ہے، بس ان کے درس میں بیٹھ جائیں، قرآن کا حق ادا ہو جائے گا۔

میری گذارش یہ ہے کہ درس قرآن کی وہ مجالس جو علماء منعقد کرتے ہیں صرف ان مجالس میں شرکت کریں، جو عالم دین بنا ہے، اس نے آٹھ دس سال مندرجہ ذیل علوم وفنون کے حصول میں گذارے ہوتے ہیں:

لغت، صرف، نحو، اشتقاق، معانی، بیان، بدیع، قراءات، اصول الدین، اصول فقہ، فقہ، اصول حدیث، حدیث، تفسیر، اصول تفسیر، علم اسباب نزول، علم ناسخ ومنسوخ اور نور بصیرت ووہبی علم وغیرہ۔

یہ علوم وفنون چونکہ ہمارے ہاں درسِ نظامی کے درسی نصاب میں شامل ہیں اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ درسِ قرآن دینے والے کے لئے کم از کم درسِ نظامی کا فاضل ہونا ضروری ہے، کیونکہ جس آدمی نے اپنی زندگی کے آٹھ، دس سال ان علوم وفنون کے سائے میں گزارے ہوں اسے ان علوم میں اعلیٰ درجہ کا کمال اور مہارت اگر حاصل نہ بھی ہو تو کچھ نہ کچھ مناسبت تو ضرور حاصل ہو جاتی ہے اور اس سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ درسِ نظامی کے فاضل کو اعجاز قرآن کے بیان کرنے میں اپنی علمی بے مائیگی کا احساس دامن گیر رہے گا اور وہ اپنی طرف سے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنے اور الفاظ قرآنی میں مُرادِ خداوندی متعین کرنے میں جاہلانہ بے باکی اور جرأت سے کم از کم محفوظ رہے گا۔ مستند عالم دین جو بات اور جتنی بات کہے گا وہ سلف صالحین پر اعتماد اور استناد کی روشنی میں کہے گا۔

اللہ ﷻ ہم سب کو تمام فتنوں سے محفوظ رکھے اور قرآن کریم کی صحیح سمجھ، صحیح لوگوں کی صحبت میں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللہ ﷻ کے نام سے تفسیر شروع کرتا ہوں۔ اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ اس کام میں آسانی پیدا فرمادے اور وقت میں اتنی برکت عطا فرمائے کہ میری زندگی میں یہ تفسیر مکمل ہو جائے۔ اس تفسیر کے کام میں جو لوگ میرے معین ہیں اور خاص کر مفتی عبد الوہاب، اللہ ﷻ ان کے مساعی کو قبول فرمائے اور میرے لئے اور ان سب کے لئے اس خدمت قرآن کو قبول فرمائے اور صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

آخر میں گذراش ہے کہ میں نے اس تفسیر میں قرآن کریم کا ترجمہ اپنا لکھنے کے بجائے حضرت شیخ الہند ؒ کے ترجمہ قرن کریم کو لیا ہے جو کہ مستند ترین ترجمہ قرآن کریم ہے اور اس پر ہمارے تمام اکابرین نے مکمل اعتماد کیا ہے۔

شبیر احمد غفر اللہ لہ ولوالدیہ

سورة الفاتحة

اَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان، نہایت رحم والا ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾	تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا سارے جہاں کا(۱)
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾	بے حد مہربان، نہایت رحم والا(۲)
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾	روز جزا کا مالک(۳)
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾	تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں(۴)
اِهْدِ نَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾	بتلا ہم کو سیدھی راہ(۵)
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿۶﴾	راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا(۶)
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾	جن پر نہ تو غضب نازل ہوا اور نہ وہ جو گمراہ ہوئے(۷)

اس سورت کے بارے میں بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ مدنی ہے یہ مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ سورہ مکی ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اس کی سب بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۃ الحجر میں سورۃ الفاتحہ کا ذکر فرمایا ہے اور یہ سورہ مکی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ[1]۔ سبعا من المثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے۔

سورہ فاتحہ کے اسماء: اس سورہ کے بیس سے زائد نام ہیں۔

۱۔ **فاتحۃ الکتاب:** کتابِ کریم کی ابتداء اسی سے ہے۔

۲۔ **فاتحۃ القرآن:** قرآنِ کریم کی ابتداء اسی سے ہے۔

[1] سورۃ الحجر: ۸۷

۳۔ام الکتاب: کتاب کی اصل ہے۔

۴۔ام القرآن: قرآنِ کریم کی اصل ہے۔

۵۔الکنز: قرآن کا خزانہ اس میں پوشیدہ ہے۔

۶۔الوافیة: یہ مکمل اور پوری ہے۔

۷۔الکافیة: یہ کافی ہے۔

۸۔الاساس: کیونکہ یہ قرآن کا اصل اور پہلی سورہ ہے۔

۹۔سورۃ الحمد: اس میں باری تعالیٰ کی حمد بیان کی گئی ہے۔

۱۰۔سورۃ الشکر: اللہ ﷻ کی نعمتوں کا ذکر ہے جس میں شکر کا پہلو شامل ہے۔

۱۱۔سورۃ الدعاء: اس سورہ میں دعا بھی شامل ہے۔

۱۲۔سورۃ تعلیم المسئالة: سوال کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ پہلے اللہ ﷻ کی حمد کرو پھر مانگو۔

۱۳۔سورۃ السوال: اس سورہ میں بندہ اپنے رب سے ہدایت کا سوال کرتا ہے۔

۱۴۔سورۃ المناجاۃ: بندہ ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھ کر مناجاۃ کرتا ہے۔

۱۵۔سورۃ التفویض۔

۱۶۔الرقیة۔

۱۷۔الشفاء: اس سورہ کے پڑھنے سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔

۱۸۔الشافیة: احادیث میں اس سورہ کے یہ نام بتلائے گئے ہیں۔

۱۹۔سورۃ الصلوٰۃ: نماز میں اس سورہ کا پڑھنا واجب یا فرض ہے۔

۲۰۔سورۃ النور: اس سورہ کو پڑھنے سے قلوب منور ہوتے ہیں۔

۲۱۔القرآن العظیم: ظاہر ہے یہ سورہ قرآنِ عظیم ہے۔

۲۲۔السبع المثانی: کیونکہ بالاتفاق اس سورت میں سات آیات ہیں۔

فضائل سورۃ الفاتحۃ:

۱-امام ترمذی رحمہ اللہ فضائلِ قرآن میں روایت کرتے ہیں کہ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا أُنْزِلَتْ فِي

التَّوْرَاةِ وَلاَ فِي الْإِنْجِيلِ وَلاَ فِي الزَّبُورِ وَلاَ فِي الفُرْقَانِ مِثْلُهَا"[1]۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ سورہ فاتحہ کی مثل اور نظیر نہ توراۃ میں نازل ہوئی اور نہ انجیل اور زبور میں اور نہ خود قرآن کریم میں۔

۲-امام بخاری رحمہ اللہ نے سعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ: لَأُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي القُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ المَسْجِدِ، فَأَخَذَ بِيَدِي، فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نَخْرُجَ، قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّكَ قُلْتَ : لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ مِنَ القُرْآنِ قَالَ :اَلحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ، هِيَ السَّبْعُ المَثَانِي، وَالقُرْآنُ العَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ[2]۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو قرآنِ کریم کی سب سے عظیم سورت سکھلاؤں گا قبل اس کے کہ میں مسجد سے باہر نکلوں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے میرا (سعید کا) ہاتھ پکڑا جب آپ ﷺ باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ آپ مجھے قرآنِ کریم کی سب سے بڑی اور عظیم سورہ سکھلائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "الحمد للہ رب العٰلمین یہ سبع مثانی ہے اور قرآنِ عظیم ہے جو مجھ کو عطا ہوا۔

۳-حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ إِنَّ إِبْلِيسَ لَعَنَهُ اللَّهُ رَنَّ أَرْبَعَ رَنَّاتٍ: حِينَ لُعِنَ، وَحِينَ أُهْبِطَ مِنَ الْجَنَّةِ، وَحِينَ بُعِثَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَحِينَ أُنْزِلَتْ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ[3]۔

ترجمہ: ابلیس پر اللہ ﷻ لعنت کرے، ابلیس چار مرتبہ رویا: ۱۔جب اس پر لعنت ہوئی۔ ۲-جب اس کو جنت سے نکالا گیا۔ ۳۔جب حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے ۴۔-اور جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔

۴۔عبد الملک بن عمیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ[4]۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ فاتحہ میں ہر مرض سے شفاء ہے۔

استعاذہ کا مسئلہ: استعاذہ سے مراد: "اعوذباللہ من الشیطان الرجیم" کا پڑھنا ہے قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے "فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ"[5]۔جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ سے پناہ مانگو شیطان مردود سے۔

[1] سنن الترمذی: ۵/ ۵
[2] صحیح البخاری: ۶/ ۱۸۷
[3] تفسیر قرطبی: ۱/ ۱۰۹
[4] سنن دارمی: ۴/ ۲۱۲۲
[5] سورۃ النحل: ۹۸

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو شروع میں **اعوذباللہ من الشیطان الرجیم** پڑھنا چاہیے۔ جہاں تک نماز میں استعاذہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ شیخ عطاء رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک اعوذباللہ کا پڑھنا واجب ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابنِ سیرین رحمہ اللہ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ وغیرہ اس کو ہر رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد پڑھنے کے قائل ہیں جب کہ امام مالک رحمہ اللہ فرض نماز میں اس کے پڑھنے کے بالکل قائل نہیں ہیں وہ صرف تراویح میں پڑھنے کے قائل ہیں۔

تعوذ کس طرح پڑھنی چاہیے؟ تعوذ اور استعاذہ جمہور کے نزدیک اس طرح ہے: **"اعوذباللہ من الشیطان الرجیم"** چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: **قُلْتُ أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ يَا ابْنَ أُمِّ مَعْبَدٍ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ هَكَذَا أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَنِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ عَنِ الْقَلَمِ"**۔[1]

ترجمہ: میں نے **اعوذباللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** پڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے ام معبد کے بیٹے! **"اعوذباللہ من الشیطان الرجیم"** پڑھا کرو کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے اسی طرح لوح محفوظ سے قلم سے پڑھایا۔

فضائل تعوذو استعاذہ: امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ: **اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَجَعَلَ أَحَدُهُمَا يَغْضَبُ وَيَحْمَرُّ وَجْهُهُ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ ذَا عَنْهُ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ**[2]۔ یعنی ایک دفعہ دو آدمی نبی کریم ﷺ کے سامنے لڑ رہے تھے، اُن میں سے ایک صاحب کا چہرہ غضب سے سرخ ہو رہا تھا، نبی کریم ﷺ نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر وہ اس کو پڑھیں تو اس سے غصہ ختم ہو جائے اور وہ **"اعوذباللہ من الشیطان الرجیم"** ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تعوذ کی وجہ سے انسان غصہ پر قابو پا سکتا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے اور ہر وقت دشمنی کی طرف آمادہ کرتا رہتا ہے تاکہ انسان ایک دوسرے سے لڑتا رہے اسی طرح حکم ہے **" اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ "**[3]۔ یعنی بُرائی کو اچھائی کے ساتھ پھیرو۔

[1] تفسیر قرطبی: ۱/۸۷
[2] صحیح مسلم: ۴/۲۰۱۵
[3] سورۃ حم سجدہ: ۳۴

قرآنِ حکیم نے اس کا علاج خود ہی تجویز کیا کہ تعوذ سے تم شیطان کے شر سے محفوظ رہو گے اگر دل میں انتقام اور دشمنی کا خیال آئے تو تعوذ پڑھو چنانچہ ارشاد ہے: **وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ**[1]۔

ترجمہ: اور کہہ اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے۔

نیز ارشاد فرمایا: "**وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّه هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ**"[2]۔

ترجمہ: جو کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوک لگانے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بھی قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے تو بسم اللہ سے شروع کرتے۔ اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بسم اللہ سورۃ النمل کا جزء ہے۔ البتہ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ "بسم اللہ" سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے یا تمام سورتوں کا؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بسم اللہ صرف سورۃ النمل کا جزء ہے اور کسی سورہ کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا بھی جزء نہیں مانتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (ایک قول کے مطابق) کے نزدیک بسم اللہ تمام سورتوں کا جزء ہے سوائے سورہ براءۃ کے یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جزء مانتے ہیں۔

یہ اختلاف اس مسئلہ پر مبنی ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ کو زور سے پڑھا جائے یا نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک جہری قرات میں سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ کو زور سے پڑھا جاتا ہے جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک زور سے نہیں پڑھا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ صحیحین کی روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر، عمر اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی سب ہی نماز کو شروع کرتے تھے "**الحمد للہ رب العٰلمین**" سے۔

فضائل بسم اللہ:

۱- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو "زبانیۃ" (جو جہنم کے انیس فرشتے ہیں) اُن سے بچالے تو اس کو چاہئے کہ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** پڑھے۔ اللہ تعالیٰ ہر حرف کو اس کے لئے ڈھال بنادیں گے ہر جہنم کے فرشتے سے۔ یعنی **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** میں انیس حروف ہیں اور زبانیہ جو جہنم کے فرشتے ہیں ان کی تعداد بھی انیس ہیں۔

[1] سورۃ المؤمنون: ۹۷

[2] سورۃ حم سجدہ: ۳۶

چنانچہ ارشاد ہے **عليها تسعة عشر** تو ہر حرف **بسم الله الرحمٰن الرحيم** کا ہر جہنم کے فرشتوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

۲- امام قرطبی رحمہ اللہ نے سعید بن ابی سکینہ رحمہ اللہ سے روایت نقل کی کہ: **أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ نَظَرَ إِلَى رَجُلٍ يَكْتُبُ " بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ "فَقَالَ لَهُ: جَوِّدْهَا فَإِنَّ رَجُلًا جودها فغفر له**[1]۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ "**بسم الله الرحمٰن الرحيم**" لکھ رہا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اس کو خوبصورت کر کے لکھو کیونکہ جو اس کو خوبصورت کر کے لکھے گا اُس کی مغفرت ہو جائے گی۔

۳۔ سعید بن ابی سکینہ رحمہ اللہ سے ایک اور حکایت منقول ہے کہ **اَنَّ رَجُلًا نَظَرَ إِلَى قِرْطَاسٍ فِيهِ "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ "فَقَبَّلَهُ وَوَضَعَهُ عَلَى عَيْنَيْهِ فَغُفِرَ لَهُ**[2]۔

ترجمہ: ایک شخص نے دیکھا کہ ایک کاغذ پر **بسم الله الرحمٰن الرحيم** لکھا ہوا ہے، اُس نے اُس کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں پر رکھا، اس عمل سے اُس کی مغفرت ہو گئی۔

شریعتِ مطہرہ نے اچھا کام کے شروع کرنے سے قبل **بسم الله** پڑھنے کو کہا ہے کہ سالن کھانے سے قبل، پانی پینے سے قبل، قربانی کرنے سے قبل، جماع سے قبل، طہارت سے قبل، سواری سے قبل، پڑھنے اور لکھنے سے قبل، الغرض کوئی بھی اچھا کام کرو تو **بسم الله** پڑھی جائے۔

بسم: حرف باء مندرجہ ذیل مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱-**الصاق** کے لئے، یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے جوڑنے کے لئے۔ جیسے: **مررت بزيد** یعنی میں زید کے پاس سے گذرا۔

۲-**استعانة** کے لئے، یعنی مدد کے لئے: **بدأت بعون الله وتوفيقه** یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے شروع کیا۔

۳-**تعلیل** کے لئے، یعنی **علت** بیان کرنے کے لئے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ**[3]۔ یعنی تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا بسبب بنانے کے تم لوگوں کے بچھڑے کو خدا۔

۴-**مصاحبت** کے لئے، یعنی ساتھ بنانے کے لئے جیسے: **اشتريت الفرس بسرجه** یعنی میں نے گھوڑے کو اس کی زین کے ساتھ خریدا۔

۵-**تعدیہ** کے لئے، جیسے: **ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ**۔ یعنی لے گیا اللہ روشنی ان کی۔

[1] تفسیر قرطبی: ۱/۹۱
[2] تفسیر قرطبی: ۱/۹۱
[3] سورۃ البقرۃ: ۵۴

۶-مقابلة کے لئے، جیسے: اشتریت الفرس بعبدہ یعنی میں نے گھوڑے کو غلام کے بدلے میں خریدا۔

۷-ظرفیة کے لئے، جیسے: زید بالبلد یعنی زید شہر میں ہے۔

۸-قسم کے لئے، جیسے: باللہ لافعلن کذا یعنی اللہ کی قسم میں اس طرح ضرور کروں گا۔

۹-اضافی کے لئے، جیسے وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ[1]۔ یعنی مت ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں۔

مذکورہ بالا معانی میں سے دو معنی زیادہ مناسب ہیں: ۱-مصاحبت ۲-استعانت

اگر مصاحبت کا معنی لیا جائے تو بسم اللہ کا مطلب یہ ہو گا "اللہ ﷻ کے نام کے ساتھ" اور اگر استعانت کے معنی میں ہو تو ترجمہ اس طرح ہو گا "اللہ ﷻ کے نام کی مدد سے"۔

بسم اللہ کا فعل محذوف ہے جو کہ "اشرع" وغیرہ نکال سکتے ہیں۔

اسم: اسم کا اصل سمو ہے واؤ کو حذف کر کے سین کو سکون دیا گیا اور میم کو متحرک کیا گیا، نیز سین کے شروع میں الف لگایا گیا یوں "اسم" بن گیا۔ بعض حضرات کے نزدیک اسم کا اصل "سمة" ہے جس کے معنی علامت کے ہیں۔ جس کا اصل "وسم" ہے واؤ کو حذف کر کے الف لگایا گیا۔

اللہ: یہ اللہ ﷻ کا اسم ذات ہے۔ بقیہ اسماء صفاتیہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اسم "اللہ" اسم اعظم ہے۔ چنانچہ اس نام کے علاوہ جتنے بھی اسماء کا ذکر ہوتا ہے وہ سب صفات بنتے ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے بعض مفسرین کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ ﷻ کے پانچ ہزار نام ہیں ایک ہزار قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

لفظِ "اللہ" کے بارے میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ مشتق ہے وَلَهٌ سے جس کے معنی متحیر ہونے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ ﷻ کے بارے میں عقلمند لوگ حیران ہو جاتے ہیں اور چل پڑتے ہیں اس کی صفات کے حقائق کی طرف۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مشتق ہے "اَلَه الرجل" جس کے معنی یہ ہے کہ جب بندہ عبادت کرتا ہے تو کہا جاتا ہے "اَلَه الرجل" اسی سے آیت: "وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ"[2] ہے۔ اس آیت میں "اٰلِهَتَكَ" کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے مطابق (عبادتك) ہے۔

دوسرے حضرات وہ ہیں جو لفظ اللہ کو جامد مانتے ہیں، ان کے مطابق جس طرح، اللہ خود سے ہے وہ کسی سے نہیں، اسی طرح اس کا ذاتی نام بھی کسی سے نہیں بنا۔ احقر کی رائے بھی یہی ہے کہ لفظ اللہ کو جامد مانا جائے۔

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۹۵

[2] سورۃ الاعراف: ۱۲۷

الرحمٰن الرحیم: یہ دونوں اللہ ﷻ کے صفاتی ناموں میں سے ہیں یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں ان میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ مشتق ہے یا کہ نہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ مشتق نہیں ہے جب کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ مشتق ہے "**رحمة** " سے[1]۔

رحمان اور **رحیم** جب کہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں تو پھر ان دونوں کو اکٹھا کیوں کیا گیا ایک مبالغہ کا صیغہ کافی تھا؟

مفسرین نے مختلف وجوہات بیان کیں ہیں۔

۱-**رحمان** کے بعد **رحیم** کا لگانا تاکید کے لئے ہے اور اہلِ عرب میں اس طرح کی تاکید کا استعمال عام ہے۔ تاکید کے استعمال کو عظیم فائدہ سمجھا جاتا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے محمد بن یزید رحمہ اللہ کے حوالے سے فائدہ ذکر کرتے ہوئے لکھا: "**انه تفضل بعدتفضل، وانعام بعدانعام ، وتقوية لمطامع الراغبين و وعد لايخيب امله**".[2]

ترجمہ: فضل کے بعد فضل انعام کے بعد انعام امید والوں کی خواہشات کو پورا کرنا اور ایسا وعدہ کرنا جس کی امید ضائع نہ ہو۔

۲-**رحمان** اور **رحیم** میں فرق ہے اور وہ فرق جمہور کے مطابق یہ ہے کہ **رحمان** اسم خاص ہے اور فعل کے لحاظ عام ہے جب کہ **رحیم** اسم عام ہے اور فعل کے لحاظ سے خاص ہے۔

۳-**رحمٰن**، اللہ ﷻ کی اُس صفت کا نام ہے جو سب کو عام ہے جملہ مخلوق مؤمن، کافر، حیوان، نباتات، بارشیں، ہوائیں، الغرض "**رحمٰن**" سب کو شامل ہے جب کہ "**رحیم**" صرف مؤمنوں کے ساتھ ہے اور اس کا ظہور آخرت میں مؤمنوں پر ہو گا اس لئے یوں کہا جاتا ہے **یارحمٰن الدنیا و رحیم الآخرة**[3]۔

۴-حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ **رحمان** اور **رحیم** کا فرق یوں بیان کرتے ہیں "رحمان وہ ہے کہ جب اس سے مانگا جائے تو دیتا ہے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہیں مانگا جائے تو غضبناک ہو جاتا ہے"[4]۔

اسی پر عرب کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

الله يغضب ان تركت سؤاله وبنى آدم حين يسال يغضب

ترجمہ: اللہ ﷻ تو وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے اور جب کہ انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس سے مانگا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔

[1] تفسیر قرطبی: ۱/۱۰۳
[2] تفسیر قرطبی: ۱/۱۰۵
[3] روح المعانی: ۱/۶۱
[4] تفسیر قرطبی: ۱/۱۰۶

۵- بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ "الرحیم" سے مراد "بالرحیم" ہے اور رحیم سے مراد حضرت محمد ﷺ کی صفت ہے چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے "بالمؤمنین رؤف رحیم" تو مطلب یہ ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن وبالرحیم یعنی تم محمد ﷺ کی وجہ سے اللہ ﷻ اور رحمان تک پہونچے ہو[1]۔

ایک ضروری وضاحت: رحمان، اللہ ﷻ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے کسی انسان کو رحمان کہنا جائز نہیں۔ آج کل لوگ عبد الرحمان کو رحمان کہہ دیتے ہیں جو کہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: سب تعریفیں اللہ ﷻ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہاں کا۔

سورہ فاتحہ کو اللہ ﷻ نے دو حصوں میں منقسم فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ : الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، قَالَ اللهُ تَعَالَى :حَمِدَنِي عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ : الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، قَالَ اللهُ تَعَالَى :أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ : مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ، قَالَ :مَجَّدَنِي عَبْدِي – وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي – فَإِذَا قَالَ : إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ، قَالَ: هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ : اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، قَالَ: هَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ [2]۔

ترجمہ: جب بندہ پڑھتا ہے " **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** "تو اللہ ﷻ فرماتا ہے "**حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ**" یعنی میرے بندے نے میری حمد بیان کی اور جب پڑھتا ہے " **الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ** "تو اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ "**اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ**" یعنی میرے بندے نے میری ثناء کی جب پڑھتا ہے " **مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ**" تو اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ "**مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ**" یعنی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور جب پڑھتا ہے "**إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ**" تو اللہ ﷻ فرماتا ہے یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور "**وَلِعَبْدِيْ مَاسَأَلَ**" اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا، اس کے بعد جب بندہ پڑھتا ہے "**اهدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** الخ" تو اللہ ﷻ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور اس کو وہ چیز ملے گی جو اس نے مانگی۔

الحمد: ال مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں پر استغراق کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام کی تمام تعریفیں اور حمد اللہ ﷻ کے لیے ہی ہیں، حمد، اللہ ﷻ کو بہت ہی محبوب ہے اور وہ چاہتا ہے کہ بندہ اس کی حمد کرے۔

[1] تفسیر قرطبی: ۱/۱۰۶
[2] صحیح مسلم: ۱/۲۹۶

ذیل میں چند احادیث درج کرتا ہوں۔

۱-حدیث شریف میں ہے کہ : **إِنَّ اللهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا**[1]۔

ترجمہ: اللہ ﷻ اس بندے کو پسند فرماتے ہیں جو کھانا کھاتا ہے تو اس کی حمد کرتا ہے یا کوئی پینے کی چیز پیتا ہے تو اس کی حمد کرتا ہے۔

۲-حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **اَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللهِ أَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ**[2]۔

ترجمہ: اللہ ﷻ کو یہ چار کلمات بہت پسند ہیں: **سبحان اللہ والحمدللہ ولاالہ الااللہ واللہ اکبر**۔

۴- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ العَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ غُرِسَتْ لَهُ نَخْلَةٌ فِي الجَنَّةِ**[3]۔

ترجمہ: جو کوئی شخص سبحان اللہ وبحمدہ پڑھے تو اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگا دیا جاتا ہے۔

۵- **عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ - يَعْنِي الْبَاهِلِيَّ - قَالَ :خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا جَالِسٌ أُحَرِّكُ شَفَتِي فَقَالَ :بِمَ تُحَرِّكُ شَفَتَكَ؟ قُلْتُ :أَذْكُرُ اللَّهَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: أَفَلَا أُخْبِرُكَ بِشَيْءٍ إِذَا قُلْتَهُ ثُمَّ دَأَبْتَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَمْ تَبْلُغْهُ قُلْتُ بَلَى قَالَ تَقُولُ: الْحَمْدُ لِلَّهِ عَدَدَ مَا أَحْصَى كِتَابُهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَدَدَ مَا فِي كِتَابِهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَدَدَ مَا أَحْصَى خَلْقَهُ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ مِلْءَ مَا فِي خَلْقِهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ مِلْءَ سَمَاوَاتِهِ وَأَرْضِهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، وَتُسَبِّحُ مِثْلَ ذَلِكَ، وَتُكَبِّرُ مِثْلَ ذَلِكَ**[4]۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور میں بیٹھا ہوا اپنے ہونٹوں کو ہلا رہا تھا آپ ﷺ نے پوچھا اپنے ہونٹوں کو کس وجہ سے ہلا رہے ہو؟ تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اللہ ﷻ کا ذکر کر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلاؤں جو دن بھر تمہارے ذکر کو نہ پہونچ سکے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پڑھو: **الْحَمْدُ لِلَّهِ عَدَدَ مَا أَحْصَى كِتَابُهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَدَدَ مَا فِي كِتَابِهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ**

[1] صحیح مسلم:۴/۲۰۹۵
[2] مسلم:۳/۱۶۸۵
[3] سنن ترمذی:۵/۳۸۸
[4] مجمع الزوائد:۱۰/۹۳

عَدَدَ مَا أَحْصَى خَلْقَهُ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ مِلْءَ مَا فِي خَلْقِهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ مِلْءَ سَمَاوَاتِهِ وَأَرْضِهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَدَدَ كُلِّ شَيْءٍ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، اسی طرح تسبیح اور تکبیر بھی پڑھو۔

۶-حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: أَيُّ الْكَلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :مَا اصْطَفَى اللهُ لِمَلَائِكَتِهِ أَوْ لِعِبَادِهِ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ۔[1]

ترجمہ: سب سے افضل کلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل کلام وہ ہے جو اللہ نے اپنے فرشتوں یا اپنے بندوں کے لیے منتخب فرمایا وہ: سبحان اللہ وبحمدہ ہے۔

۷-الحمدللہ کے بارے میں ایک اور روایت میں آیا ہے کہ یہ میزان کو بھر دیتا ہے یعنی جب قیامت کے روز ہمارے اعمال وزن ہونگے تو اس میں ہمارا الحمدللہ شامل ہو گا تو یہ ہمارے اعمال کے وزن کو بھر دے گا۔

۸-امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کو اس حدیث پر ختم کیا ہے دو کلمے ایسے ہیں جو رحمان کو محبوب ہیں اور زبان پر آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں میزان میں بہت وزنی ہیں وہ کلمے: "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" ہیں۔

حمد و شکر میں فرق: شیخ ابو جعفر طبری رحمہ اللہ اور ابو العباس المبرد رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ حمد و شکر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس قول کو ناپسند قرار دیا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے حمد میں شکر کے مقابلے میں زیادہ عموم ہے کیونکہ حمد میں ممدوح کی تعریف کی جاتی ہے بغیر کسی احسان کے مقابلے میں، جب کہ شکر احسان کے مقابلے میں کیا جاتا ہے۔ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کیا کرتے تھے تو حمد کے ذریعے سے کرتے تھے کیونکہ اس میں عموم زیادہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جب چھینک آئی تو انہوں نے کہا الحمدللہ۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ: فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ[2]۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ[3]۔

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ[4]۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ

[1] صحیح مسلم: ۴/ ۲۰۹۳
[2] سورۃ المومنون: ۲۸
[3] سورۃ ابراہیم: ۳۹
[4] سورۃ النمل: ۱۵

لَمْ يَكُنْ لَّه وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا[1]۔

اہلِ جنت بھی حمد کے ذریعے اللہ ﷻ کا شکر ادا کریں گے چنانچہ ارشاد ہے: وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[2]۔

رب کی تفسیر: عربی زبان میں رب کے معنی عام طور پر "سید" یعنی کے سردار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کے ساتھی کو عزیزِ مصر کے لئے یوں فرمایا: "اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ"[3]۔

وَالرَّبُّ :الْمُصْلِحُ وَالْمُدَبِّرُ وَالْجَابِرُ وَالْقَائِمُ[4]۔

ترجمہ: علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے رب کے معنی مصلح، مدبر، جابر اور قائم کے کئے ہیں۔

رب کا ایک مطلب ہمارے شیخ حضرت مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ نے یوں فرمایا: "رب اُس ذات کو کہتے ہیں کہ جو کسی چیز کو نقطہ نقص سے نکال کر نقطہ کمال تک پہنچادے"۔ اس انسان کو لے لیجئے جو ایک ناپاک قطرہ سے بنا ایسا قطرہ جو جسم سے خارج ہو جائے تو غسل فرض، جسم کے کسی حصہ پر لگ جائے تو اس حصہ کا دھونا فرض، بدبو الگ، ایسا قطرہ ناپاک سے ایک ایسے وجود کو تیار کیا جو اشرف المخلوقات بن گیا۔

رب کا اُردو میں ترجمہ زیادہ تر پروردگار اور پالنے والے سے کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے کہا جائے گا کہ لفظ رب تربیۃ سے مشتق ہے۔

العالمین کی تفسیر: یہ عالم کی جمع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: عالم دو ہیں، ایک عالم جن اور عالم اِنس۔ کیونکہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: " لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا"[5]

ترجمہ: ظاہر ہے بہائم کے لئے نذیر نہیں ہوسکتے۔

وَقَالَ الْفَرَّاءُ وَأَبُو عُبَيْدَةَ :الْعَالَمُ عِبَارَةٌ عَمَّنْ يَعْقِلُ، وَهُمْ أَرْبَعَةُ أُمَمٍ :الْإِنْسُ وَالْجِنُّ وَالْمَلَائِكَةُ وَالشَّيَاطِينُ[6]۔

ترجمہ: حضرت فراء رحمہ اللہ اور حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عالم عبارت ہے ذوی العقول سے اور وہ چار ہیں جن، انس، ملائکہ اور شیاطین۔

[1] سورۃ الاسراء: ۱۱۱
[2] سورۃ یونس: ۱۰
[3] سورۃ یوسف: ۴۲
[4] تفسیر قرطبی: ۱/ ۱۳۷
[5] سورۃ الفرقان: ۱
[6] تفسیر قرطبی: ۱/ ۱۳۸

وَقَالَ وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ :إِنَّ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ أَلْفَ عَالَمٍ، الدُّنْيَا عَالَمٌ مِنْهَا،وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ :إِنَّ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ أَلْفَ عَالَمٍ، الدُّنْيَا مِنْ شَرْقِهَا إِلَى غَرْبِهَا عَالَمٌ وَاحِدٌ[1]۔

ترجمہ:حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور دنیا اُن میں سے ایک عالم ہے۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے چالیس ہزار عالم ہیں۔ دنیا شرق سے مغرب تک ایک عالم ہے۔ حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی ہزار عالم ہیں، چالیس ہزار خشکی میں اور چالیس ہزار پانی میں۔

وقال كعب الأحبار لا يحصى عدد العالمين إلا الله تعالى[2]۔

ترجمہ:حضرت کعب بن احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی عالم کا احصاء نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ رب ہے سارے عالم کا، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی توحید پر دال ہیں۔

فيا عجبا كيف يعصى الاله ام كيف يجحده الجاحد

تعجب ہے کیونکر اللہ تعالیٰ کے نافرمانی کرتا ہے یا انکار کرنے والا کیونکر اُس انکار کرتا ہے۔

وفی كل شئی له آية تدل على انه واحد

اور جب کہ ہر چیز اُس کی نشانی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:اس کی تفسیر بسم الله الرحمٰن الرحيم کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ:مالك کی مختلف قراءتیں ہیں:۱۔مَالِكِ ۲۔مَلِكِ ۳۔ مَلِيْكِ، ان میں سے "مَالِكِ" اور "مَلِكِ" زیادہ مشہور ہیں۔اور ان دونوں میں "مَالِكِ" زیادہ مشہور ہے۔وجہ یہ ہے کہ "مَالِكِ" میں الف زیادہ ہے یوں پڑھنے والوں کو ایک حرف کا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

مَالِكِ:مَالِكِ کے معنی یہاں پر قدرت کے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روزِ جزاء پر مکمل قدرت رکھتے ہیں۔ یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں "يوم الدين" کی تخصیص کیوں کی؟ جب کہ اللہ تعالیٰ "يوم الدين" کے علاوہ دوسری تمام چیزوں پر بھی قادر ہیں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں لوگ ملک کے بارے میں جھگڑتے ہیں کہ ہم اس ملک کے بادشاہ ہیں۔ قیامت کے دن کوئی بھی

[1] تفسیر قرطبی:۱/۱۳۸
[2] روح المعانی ۱/۸۲

اس پر نہیں لڑے گا بلکہ سارے کے سارے جُھکے ہوئے ہوں گے، صرف ایک اللہ ﷻ کی بادشاہت ہو گی "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ"[1]۔ یعنی آج کے دن کس کی بادشاہت ہے؟ (سب کہیں گے) اللہ واحد وقہار کی بادشاہت ہے۔

یوم: عام طور یوم کا اطلاق طلوعِ فجر سے غروبِ شمس تک ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ قیامت میں مبداء سے لے کر منتہی تک جب تک فیصلہ نہ ہو جائے اور دونوں فریق (جنتی و جہنمی) اپنے ٹھکانوں میں نہ پہونچ جائیں، اس پورے دورانیہ کو یہاں یوم سے تعبیر کیا گیا۔

الدین: دین سے مراد جزاء اور حساب ہے۔ مراد یہ ہے کہ جس نے اچھے اعمال کئے اس کو جزا دی جائے گی خیر کی اور جس نے بُرے اعمال کئے تو اس کو اس کے شر کی جزا دی جائے گی۔ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: **يومئذ يوفيهم الله دينهم الحق**[2]۔ یعنی اس دن اللہ ﷻ اُن کو پوری سزا دیگا۔ اس آیت میں دین سے مراد حساب ہے۔ نیز ارشادِ ربانی ہے: **اليوم تجزون ما كنتم تعملون**[3]۔ یعنی آج کے دن جو کچھ تم کیا کرتے تھے تم کو اس کی جزاء (بدلہ) دیا جائے گا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ: یہاں پر مفعول کو مقدم کر کے انحصار اور تخصیص کر دی گئی ہے کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اہل عرب جب کسی چیز کی اہمیت بتلاتے تھے تو اسے پہلے ذکر کرتے تھے، اس آیت میں بھی یہی بتلانا ہے کہ عبادت صرف اللہ ﷻ ہی کی، کی جاتی ہے۔ اس لئے "**اياك**" کو مقدم کر دیا گیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کے بندہ اور عبادت معبود سے پہلے نہ ہو جائے اگر "**نعبدك**" یا "**نعبدایاك**" پڑھتے تو عبادت معبود پر مقدم ہو جاتی۔

عبادت: عبادت صرف اور صرف اللہ ﷻ ہی کی، کی جا سکتی ہے اس لئے کہ وہی ہمارا خالق ہے جس نے ہم کو عدم سے وجود بخشا اور اس کے بعد طرح طرح کے انعامات سے مالا مال کیا "**وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً**"[4] یعنی اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی۔

بحیثیت "**عبد**" ہمیں اپنے معبود کے سامنے ہی جھکنا ہو گا۔ کائنات کی جملہ مخلوق اپنے خالق کی عبادت میں مشغول ہیں۔ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: **وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ**[5]۔ للہ ﷻ ہم انسان سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم صرف اسی کی عبادت کریں۔

[1] سورۃ غافر: ۱۶
[2] سورۃ النور: ۲۵
[3] سورۃ الجاثیۃ: ۲۸
[4] سورۃ لقمان: ۲۰
[5] سورۃ الاسراء: ۴۴

چنانچہ حکم فرماتے ہیں: وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ[1]۔ یعنی اور میری عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ۔ یعنی فیصلہ کر چکا تیرا رب کہ صرف اسی کی عبادت کرو۔

عبادت کے تین مراتب ہیں۔

١- إما أن يعبد الله تعالى رغبة في ثوابه أو رهبة من عقابه ويختص باسم الزاهد حيث يعرض عن متابعة الدنيا وطيباتها طمعا فيما هو أدوم وأشرف وهذه مرتبة نازلة عند أهل الله تعالى وتسمى عبادة[2]۔

ترجمہ: کچھ لوگ اللہ ﷻ کی عبادت اس غرض سے کرتے ہیں تاکہ اللہ ﷻ اس کو ثواب عطا کرے اور عذاب سے بچالے۔ دنیا کے مزے کو چھوڑ دیتے ہیں اس غرض سے کہ یہ دنیا اور اس کی زندگی فانی ہے اس کے مقابلے میں آخرت کی نعمتیں اور لذتوں کو اپناتے ہیں جو دائمی ہیں۔ اس طرح کے عابدوں کو ادنیٰ درجے کا عابد مانا جاتا ہے۔ اس کے اس عمل کو "عبادت" کہتے ہیں۔

٢-وإما أن يعبد الله تعالى تشرفا بعبادته أو لقبوله لتكاليفه أو بالانتساب إليه وهذه مرتبة متوسطة وتسمى بالعبودية[3]۔

ترجمہ: اللہ ﷻ کی عبادت اس غرض سے کرتے ہیں کہ اس کی عبادت کا شرف حاصل ہو جائے اور یہ کہ اللہ ﷻ کی طرف اس کی نسبت ہو جائے۔ اس طرح کے عابد درمیانی درجے کے ہیں۔ اس طرح کی عبادت کو "عبودیت" کہتے ہیں۔

٣- وإما أن يعبد الله تعالى لاستحقاقه الذاتي من غير نظر إلى نفسه بوجه من الوجوه ولا يقتضيه إلا الخضوع والذلة وهذه أعلى الدرجات وتسمى بالعبودة[4]۔

ترجمہ: اللہ ﷻ کی عبادت اس غرض سے کرتے ہیں کہ وہی ذات اس کی مستحق ہے اور کوئی اس کا مستحق نہیں۔ اور اس عبادت کا مقصد اپنے رب کے سامنے خضوع اور اپنی ذلت ظاہر کرنا ہے اس طرح کی عبادت اعلیٰ درجہ کی ہے اور ایسے عابدوں کو "عبودۃ" کہتے ہیں۔

وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ: یہاں پر بھی مفعول کو مقدم کر کے یہی بتلایا جارہا ہے کہ ہم مدد صرف اللہ ﷻ ہی سے مانگتے ہیں کسی اور سے نہیں۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا: یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے ہندو پاک میں خاص طور پر اس پر لوگ لڑتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر

[1] سورۃ یس: ٦١
[2] روح المعانی: ١/ ٨٩
[3] روح المعانی: ١/ ٨٩
[4] روح المعانی: ١/ ٨٩

کفر کا فتویٰ لگاتے رہتے ہیں میرے خیال میں تعبیر میں اختلاف ہے۔ اگر یہ حضرت چاہیں تو اختلافات ختم کر سکتے ہیں مگر بد بختی یہ ہے کہ کوئی اس پر تیار ہی نہیں کہ آپس میں اتحاد ہو جائے۔

احقر اس سلسلے میں اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ غیر اللہ ہماری مدد علی الاطلاق کرتے ہیں جو کام خدا (نعوذ باللہ) نہیں کر پاتے وہ غیر اللہ کر دیتے ہیں اس طرح کے لوگ واقعی گمراہی اور شرک کے قریب ہیں اور اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مدد کرنے والی ذات اللہ ﷻ کی ہے، یہ حضرات محض وسیلہ ہیں اور ان کے طفیل اللہ ﷻ سے مدد مانگتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یا فلاں بزرگ کے طفیل ہمارا کام کر دے یا کسی بزرگ کی قبر پر جا کر یہ کہیں کہ اے اللہ! یہ تیرے برگزیدہ بندے ہیں ان کے طفیل ہمارا فلاں کام کر دے۔ اس طرح کے عقیدہ رکھنے والے کو گمراہ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ غیر اللہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اگر ان لوگوں کے اہل علم سے پوچھیں گے آپ قبر پر جا کر بزرگوں سے مدد مانگتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کے وسیلے سے مانگتے ہیں اگر عوام سے پوچھے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم مسجد میں جاتے ہیں تو ہمارا کام نہیں ہوتا مگر یہ فلاں بزرگ کے مزار پر آتے ہیں تو یہ بزرگ ہمارا کام کر دیتے ہیں۔ اصل مسئلہ عوام کا ہے جو بیچارے کچھ نہیں جانتے۔ ان کی غلط حرکتوں کی وجہ سے دوسری طرف کے علماء ان پر فتویٰ لگا دیتے ہیں کہ اس طرح کے لوگ گمراہ اور مشرک ہیں۔ ان کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ اپنے عوام کو صحیح مسئلہ بتائیں تاکہ عوام شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہوں۔

اِهْدِ نَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ: یہاں سے اصل مقصود استعانت ذکر فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ: "اے اللہ آپ ہمیں سیدھے راستے پر چلائیں"۔

ہدایت: ہدایت کی دو معنی آتے ہیں۔

۱-اراءۃ الطریق: صرف راستہ دکھلانا۔

۲-ایصال الی المطلوب: منزل مقصود تک پہونچانا۔

جب ہدایت کی نسبت انسان کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا مطلب راستہ دکھلانا ہوتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام بھی صرف راستہ بتلاتے تھے۔ لیکن ہدایت کا دلوں کے اندر داخل کرنا یہ اللہ ﷻ کا کام ہے جو کہ **ایصال الی المطلوب** ہے۔ علماء و مبلغین بھی صرف **اراءۃ الطریق** کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اللہ ﷻ ارشاد فرماتے ہیں: "**اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ**"[1]۔ یعنی اے نبی ﷺ! آپ جس کو چاہتے ہیں اس کو ہدایت پر نہیں لا سکتے اور لیکن اللہ ﷻ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔

[1] سورۃ القصص:۵۶

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ: یہاں سے ذکر فرماتے ہیں "**منعم علیھم**" کے راستے پر چلا اور ان "**منعم علیھم**" کا ذکر اس طرح سے اللہ ﷻ نے فرمایا: **فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ**[1]۔ یعنی یہ لوگ (جو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں) اُن لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ ﷻ نے انعام نازل کیا ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

جب ہم "**صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ**" پڑھا کریں تو ایک لمحہ کے لیے "**مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ**" کا تصور دل میں کر لیا کریں کہ اے اللہ ﷻ! ہمیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے راستے پر چلا۔

صراط مستقیم: مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہ ہو۔

بعض حضرات نے **صراط مستقیم** کا مطلب طریقِ حق لیا ہے۔ بعض نے ملت اسلام کہا، بعض نے قرآن کہا اور بعض حضرات نے عبادت لیا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے: **وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ**[2]۔ یعنی اور میری عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول نقل کیا ہے کہ **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ وَعَنْ نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ قَالُوا :هُوَ الْإِسْلَامُ**[3]۔ اس سے مراد اسلام ہے۔

عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ رحمہ اللہ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ قَالَ :هُوَ النَّبِيُّ ﷺ وَصَاحِبَاهُ مِنْ بَعْدِهِ[4]۔

ترجمہ: حضرت ابو العالی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ اور حضراتِ شیخین یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ: مغضوب علیھم سے مراد "یہود" اور ضالین سے مراد "نصاریٰ" ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ہمیں ایسے لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام نازل کیا، جو اہل ہدایت، استقامت، اللہ ﷻ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنے، احکامات کے بجالانے والے اور منہیات سے بچنے والے ہیں نہ کہ ان لوگوں کے یعنی یہودیوں کے راستے پر جن پر غضب ہوا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے ارادے فاسد تھے اور حق کو جان کر اس سے اعراض کیا اور نہ ہی ان لوگوں کے یعنی نصاریٰ کے راستے پر چلا جو گمراہ ہوئے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے علم کو گم کیا اور گمراہیت کو طلب کیا ہدایت اور حق کے

[1] سورہ نساء: ۶۹
[2] سورۃ یٰس: ۶۱
[3] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۲
[4] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۲

راستے پر نہ چلے۔یہود نے عمل کو چھوڑا تو وہ غضب کے مستحق ہوئے اور نصاریٰ نے علم کو چھوڑا تو وہ گمراہ ہوئے۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ ؓ قَالَ :سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنْ قَوْلِهِ تعالى غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ قَالَ: هُمُ الْيَهُودُ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ: النَّصَارَى هُمُ الضَّالُّونَ.[1]۔

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: **مغضوب علیھم** سے کون مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہودی اور **ولا الضالین** کے بارے میں فرمایا نصاریٰ۔

آمین: سورہ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہنا چاہیے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا :آمِينَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ[2]۔یعنی حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ **"غیرالمغضوب علیھم ولا الضالین"** تلاوت فرماتے تو آمین پڑھتے۔

امام مسلم ؒ نے حضرت ابوموسیٰ ؓ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے کہ **وَإِذْ قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا :آمِينَ، يُجِبْكُمُ اللهُ**۔[3]یعنی جب امام **" غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ ولاالضالین"** پڑھے تو تم آمین کہو، اللہ ﷻ تمہاری پکار کو قبول کرے گا۔آمین کا مطلب یہ ہے کہ اے رب ہماری پکار کو قبول فرما۔



[1] تفسیر ابن کثیر:۱/۵۶
[2] سنن ابی داؤد:۱/۲۴۶
[3] صحیح مسلم:۱/۳۰۳

سورۃ البقرۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ﴿۲﴾	الم (۱) اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے۔ ہدایت ہے پرہیز گاروں کیلئے (۲)

اس سورۃ کا نام "سورۃ البقرۃ" ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورت میں بقرہ یعنی گائے کا واقعہ بیان ہوا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی، یہ سورۃ مدنی ہے۔

فضائل سورۃ البقرۃ:

۱۔أَبُو أُمَامَةَ الْبَاهِلِيُّ رضی اللہ عنہ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ ـــــــــــ اقْرَءُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ، فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ، وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ، وَلَا تَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ .قَالَ مُعَاوِيَةُ :بَلَغَنِي أَنَّ الْبَطَلَةَ: السَّحَرَةُ.[1]

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ: سورہ بقرہ کی تلاوت کیا کرو کیونکہ اس کے لینے میں برکت ہے اور اس کو ترک کرنے میں حسرت ہے اور بطلہ یعنی جادوگروں کو اس پر قدرت نہیں ہوگی۔

۲۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ۔[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ۔ بلاشبہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس گھر میں سورہ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔

۳۔عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامًا، وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ہر چیز کی ایک سنام ہوتی ہے (سنام ہر چیز کے اعلیٰ و

[1] صحیح مسلم: ۱/ ۵۵۳
[2] صحیح مسلم: ۱/ ۵۳۹

افضل حصے کو کہا جاتا ہے) اور قرآن کی سنام سورہ بقرہ ہے[1]۔

۴۔قَالَ عَبْدُ اللَّهِ رضی اللہ عنہ مَنْ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ، لَمْ يَدْخُلْ ذَلِكَ الْبَيْتَ شَيْطَانٌ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتَّى يُصْبِحَ :أَرْبَعًا مِنْ أَوَّلِهَا، وَآيَةُ الْكُرْسِيِّ، وَآيَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَثَلَاثٌ خَوَاتِيمُهَا، أَوَّلُهَا لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ[2]۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی دس آیتوں کی تلاوت کرلے تو شیطان اس گھر میں صبح تک داخل نہیں ہوگا اور وہ دس آیتیں یہ ہیں: شروع کی چار آیتیں آیۃ الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں (**الله لا اله الا هو الحی القیوم** سے **هم فیها خلدون** تک) اور آخر کی تین آیتیں (**لله ما فی السموات** سے آخر تک)۔

الٓمٓ: یہ حروف مقطعات میں سے ہے بہت سی سورتوں کے اوائل میں اس طرح کے مقطعات ہیں۔ ان حروف مقطعات کا صحیح مطلب اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم۔ بعض مفسرین کے مطابق ان کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے مگر بطور راز۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مقطعات کی کوئی تفسیر منقول نہیں۔ یوں کہئے کہ یہ راز ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے تفسیر روح المعانی میں ایک بہت عمدہ شعر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

بین المحبین سِرٌّ لیس یفشیه قول و لا قلم للخلق یحکیه

ترجمہ: محب اور محبوب کے درمیان کچھ ایسے راز ہوتے ہیں کہ جنہیں نہ کوئی قول اور نہ ہی قلم مخلوق کیلئے بیان کر سکتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **ولکل کتب سِرٌّ وسِرُّ القرآن اوائل السورة.**[3]

ترجمہ: ہر کتاب کا ایک سر اور راز ہے اور قرآن کا راز سورۃ کی ابتداء میں ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان حروف مقطعات کے معانی بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں لیکن انہیں حتمی اور یقینی معانی کہنا صحیح نہیں ہے۔

ذیل میں بعض اقوال نقل کرتا ہوں:

۱۔**قَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما وَغَيْرِهِ :الْأَلِفُ مِنَ اللَّهِ، وَاللَّامُ مِنْ جِبْرِيلَ، وَالْمِيمُ مِنْ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم**۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ: الف سے "اللہ" لام سے "جبرئیل علیہ السلام" اور میم سے

[1] صحیح ابن حبان: ۳/۵۹
[2] مسند دارمی: ۴/۲۱۲۹
[3] روح المعانی: ۱/۳-۱

"محمد ﷺ" مراد ہے۔

۲۔وَقِيلَ :الْأَلِفُ مِفْتَاح اسْمِهِ اللَّهِ، وَاللَّامُ مِفْتَاح اسْمِهِ لَطِيفٍ، وَالْمِيمُ مِفْتَاح اسْمِهِ مَجِيدٍ[1]۔

ترجمہ: بعض نے کہا ہے کہ الف سے لفظ **اللہ** کا الف، لام سے لطیف (جو اسماء صفاتیہ میں سے ہے) اور میم سے مجید (جو اسماء صفاتیہ میں سے ہے) مراد ہے۔

۳۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما فِي قَوْلِهِ ":الم "قَالَ: أَنَا اللَّهُ أَعْلَمُ ---- فَالْأَلِفُ تُؤَدِّي عَنْ مَعْنَى أَنَا، وَاللَّامُ تُؤَدِّي عَنِ اسْمِ اللَّهِ، وَالْمِيمُ تُؤَدِّي عَنْ مَعْنَى أَعْلَمَ[2]۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک اور قول منقول ہے کہ: الم سے مراد "**أنا اللہ اعلم**" ہے۔ الف سے **أنا**، لام سے **اللہ** اور میم سے **اعلم** مراد ہے۔

۴۔وَقَالَ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ :هِيَ أَسْمَاءٌ لِلسُّوَرِ[3]۔

ترجمہ: زید بن اسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سورتوں کے اسماء ہیں۔

۵۔وَقَالَ بَعْضُهُمْ ":الم "أَيْ أَنْزَلْتُ عَلَيْكَ هَذَا الْكِتَابَ مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ[4]۔

ترجمہ: بعض نے کہا ہے کہ "**الم**" أَيْ أَنْزَلْتُ عَلَيْكَ هَذَا الْكِتَابَ مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ یعنی میں نے آپ پر یہ کتاب لوح محفوظ سے اتاری۔

۶۔وَقَالَ قَتَادَةُ رحمہ اللہ فِي قَوْلِهِ ":الم "قَالَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ الْقُرْآنِ[5]۔

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "قرآن" کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

۷۔عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ التِّرْمِذِيِّ أَنَّهُ قَالَ :إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَوْدَعَ جَمِيعَ مَا فِي تِلْكَ السُّورَةِ مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْقَصَصِ فِي الْحُرُوفِ الَّتِي ذَكَرَهَا فِي أَوَّلِ السُّورَةِ، وَلَا يَعْرِفُ ذَلِكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ وَلِيٌّ، ثُمَّ بَيَّنَ ذَلِكَ فِي جَمِيعِ

[1] تفسیر قرطبی:۱/۱۵۵
[2] تفسیر قرطبی:۱/۱۵۵
[3] تفسیر قرطبی:۱/۱۵۶
[4] تفسیر قرطبی:۱/۱۵۶
[5] تفسیر قرطبی:۱/۱۵۶

السُّورَةِ لِيُفَقِّهَ النَّاسَ[1]۔

ترجمہ: محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس سورۃ میں جتنے احکام اور قصے بیان کئے ہیں وہ سب اس سورۃ کے پہلے دو حروف میں ودیعت کر دیئے ہیں جنہیں نبی یا ولی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر اللہ ﷻ نے اس پوری سورۃ میں بیان کر دیا تاکہ عام انسان انہیں سمجھ سکے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ: ذٰلِكَ کا اشارہ بعید کیلئے ہوتا ہے مگر اس سے مراد اشارہ قریب ہے، سوال یہ ہے کہ یہ انداز کیوں اختیار کیا گیا؟ جبکہ هذا کا اشارہ بھی کیا جاسکتا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی ہدایت کی درخواست کی گئی تھی یہ سارا قرآن اسی درخواست کا جواب ہے، اس لئے ذٰلِکَ سے اشارہ فرمایا۔ اس تفسیر کے مطابق سورۃ الفاتحۃ اور سورۃ البقرۃ کا ربط بھی بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ قَالَ مُجَاهِدٌ وَعِكْرِمَةُ وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَالسُّدِّيُّ وَمُقَاتِلُ بْنُ حَيَّانَ وَزَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ وَابْنُ جُرَيْجٍ أَنَّ ذَلِكَ بِمَعْنَى هذا[2]۔

ترجمہ: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، سدی رحمہ اللہ، مقاتل بن حیان رحمہ اللہ، زید بن اسلم رحمہ اللہ اور ابن جریج رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ذٰلِكَ سے هذا مراد ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "ذٰلِكَ" کا اشارہ تعظیم کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

الْكِتٰبُ: الکتاب سے قرآن کریم مراد ہے۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے۔ نفس کتاب اللہ میں تو کسی بھی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کم فہم کو اس کی کم فہمی کی وجہ سے کوئی شبہ اس کتاب میں ہو تو یہ ان کم فہموں کی کم فہمی ہوگی ورنہ نفس کتاب میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: أَنَّهُ فِي ذَاتِهِ حَقٌّ وَأَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ، وَصِفَةٌ مِنْ صِفَاتِهِ، غَيْرُ مَخْلُوقٍ وَلَا مُحْدَثٌ، وَإِنْ وَقَعَ رَيْبٌ لِلْكُفَّارِ[3]۔

ترجمہ: کتاب اللہ میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب فی ذاتہ حق ہے اور اللہ ﷻ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ یہ کتاب اللہ ﷻ کی صفات میں سے ہے، مخلوق اور محدث نہیں ہے اگرچہ یہ کفار کیلئے شک ہے۔

[1] تفسیر قرطبی: ۱/۱۵۶
[2] تفسیر ابن کثیر: ۱/۷۲
[3] تفسیر قرطبی: ۱/۱۵۹

ریب اور شک میں فرق:

اس آیت مبارکہ میں اللہ ﷻ نے **ریب** کا ذکر فرمایا ہے۔**وبعض فرق بين الريب والشك بأن الريب شك مع تهمة، وقال الراغب :الشك وقوف النفس بين شيئين متقابلين بحيث لا يترجح أحدهما على الآخر بأمارة**[1]۔یعنی علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بعض حضرات کے حوالہ سے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔"**ریب**"شک مع التہمۃ کو کہتے ہیں۔ امام راغب رحمہ اللہ کے حوالہ سے ،،شک،، کی تعریف یہ کی ہے کہ نفس کا کسی دو متقابل چیزوں کے درمیان رک جانا اس طرح سے کسی پر ترجیح نہ دے سکے۔علامہ آلوسی رحمہ اللہ ریب اور شک میں فرق بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب ریب کی نفی ہو گئی تو شک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[2]

اس آیت میں اللہ ﷻ نے ریب کی نفی کی جبکہ ریب کرنے والے بکثرت موجود ہیں،اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن عظیم اپنی علوِ شان اور سطوعِ برہان کی وجہ سے وہ اس قابل ہے کہ جب کوئی عاقل اس کتاب پر نظر کرنے کے بعد اس بات میں قطعاً شک نہیں کر سکتا ہے کہ یہ کتاب وحی من اللہ ہے۔بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ "**لَا رَيْبَ فِيْه**"کی خبر محذوف ہے جو کہ "**للمتقين**" ہے یعنی اس کتاب میں متقین کیلئے کوئی شک نہیں ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ: ہدایت کی تفسیر **اهدنا الصراط المستقيم** کی تحت گذر گئی ہے۔

مُتَّقِيْنَ "مُتَّقٍ" کی جمع ہے،**وقایۃ** سے ماخوذ ہے،**وقایۃ** لغت میں: "مطلقاً حفاظت" کو کہتے ہیں۔شریعت میں "انسان کا اپنے نفس کو ان چیزوں سے بچانا جو آخرت میں اس کو نقصان پہونچائے"۔

تقویٰ کے مراتب:

۱۔**التقوى عن الشرك**:سب سے اعلیٰ مقام تقویٰ کا شرک سے دور ہونا ہے۔

۲۔**التجنب عن الكبائر**:دوسرا مرتبہ گناہِ کبیرہ سے اجتناب کرنا۔

۳۔**التجنب عن الاصرار على الصغائر**:تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ مسلسل گناہِ صغیرہ سے بچنا۔

۴۔**ان لا يراك الله حيث نهاك و لا يفقدك حيث أمرك**:یہ چوتھا مرتبہ ہے کہ اللہ ﷻ تم کو وہاں نہ دیکھے جہاں اس نے تم کو منع کیا ہے اور وہاں تم کو گم نہ پائے جہاں تم کو ہونے کا حکم دیا ہے۔

[1] روح المعانی:۱/۱۰۹
[2] روح المعانی:۱/۱۷۶

۵۔**امتثال أوامر الله واجتناب النواهی:** یہ پانچویں تعریف اور مرتبہ تقویٰ کا ہے کہ اللہ ﷻ کے بتائے ہوئے جملہ اوامر کو بجا لانا اور جملہ منہیات سے بچ جانا۔

۶۔**رعاية حقوق الله وحقوق العباد:** یہ سب سے اہم ترین مقام ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورے کرنے کا نام تقویٰ ہے۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف نماز، روزہ ادا کرنے سے آدمی متقی بن جاتا ہے۔ نماز و روزہ وغیرہ حقوق اللہ ہیں جبکہ حقوق العباد بھی اتنے ہی اہم ہے جتنے کہ حقوق اللہ۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ حقوق اللہ، شاید اللہ ﷻ معاف کر دے مگر حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک بندہ معاف نہ کرے گا اللہ ﷻ معاف نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ شہید کیلئے آتا ہے کہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے سوائے قرض کے۔ کیونکہ قرض کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ قرآن حکیم میں تقویٰ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اب ذیل میں تقویٰ سے متعلق آیات کو ذکر کرتا ہوں کہ کہیں اللہ ﷻ نے فعل ماضی کے ساتھ اس کو ذکر کیا، تو کہیں امر کے ساتھ تو کہیں مخاطب کے ساتھ۔

اتَّقیٰ: یہ فعل ماضی واحد معروف ہے۔ سات مرتبہ اس طرح سے ذکر آیا ہے۔

۱۔**وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰىۚ وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا**[1]۔

ترجمہ: اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ ﷻ سے۔

۲۔**فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى**[2]۔

ترجمہ: پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے۔

۳۔**بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ**[3]۔

ترجمہ: کیوں نہیں جو کوئی پورا کرے اپنا قرار اور وہ پرہیز گار ہے تو اللہ محبت کرتا ہے پرہیز گاروں سے۔

۴۔**قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى**[4]۔

ترجمہ: کہہ دے کہ فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیز گاروں کے لئے۔

[1] سورۃ البقرۃ:۱۸۹
[2] سورۃ البقرۃ:۲۰۳
[3] سورۃ آل عمران:۷۶
[4] سورۃ النسآء:۷۷

۵۔فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ[۱]۔

ترجمہ: تو جو کوئی ڈرے اور نیکی پکڑے تو نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۶۔فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی.[۲]

ترجمہ: سو مت بیان کرو اپنی خوبیاں، وہ خوب جانتا ہے اس کو جو پرہیز گار ہے۔

۷۔فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰیوَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی.[۳]

ترجمہ: سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو تو اس کو ہم سہج سہج پہونچا دیں گے آسانی میں۔

اتَّقَوْا: یہ فعل ماضی جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے انیس مرتبہ اس کا ذکر آیا ہے۔

۱۔وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ.[۴]

ترجمہ: اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو بدلہ پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر۔

۲۔لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ.[۵]

ترجمہ: اُن میں سے جن لوگوں نے اچھے کام کئے اور تقویٰ اختیار کیا اُن کے لئے ثواب بڑا ہے۔

۳۔وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ.[۶]

ترجمہ: اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیز گاروں کے لئے۔

۴۔اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا.[۷]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ﷻ ان لوگوں کے ساتھ ہیں کہ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔

[۱] سورۃ الاعراف: ۳۵
[۲] سورۃ النجم: ۳۲
[۳] سورۃ اللیل: ۷-۵
[۴] سورۃ البقرۃ: ۱۰۳
[۵] سورۃ آل عمران: ۱۷۲
[۶] سورۃ یوسف: ۱۰۹
[۷] سورۃ النحل: ۱۲۸

۵۔وَ سِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ زُمَرًا ؕ.[1]

ترجمہ: اور لے جایا گیا ان لوگوں کو جو ڈرے اپنے رب سے، جنت کی طرف جماعت کی شکل میں۔

تَتَّقُوْا /تَتَّقُوْن۔ تَتَّقُوْا گیارہ اور تَتَّقُوْن انیس مرتبہ آیا ہے، یہ جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں، چند بطور مثال عرض کرتا ہوں:

۱۔وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْـًٔا ؕ.[2]

ترجمہ: اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کا مکر تم کو کچھ ضرر نہیں دے گا۔

۲۔وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا یُؤْتِکُمْ اُجُوْرَکُمْ.[3]

ترجمہ: اور اگر تم ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرو تو وہ تم کو پورا اجر دے گا۔

۳۔یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ.[4]

ترجمہ: اے لوگوں! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیز گار بنو۔

۴۔یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ.[5]

ترجمہ: اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

۵۔وَ لَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ.[6]

ترجمہ: اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقلمندو! تاکہ تم پرہیز گار بنو۔

یَتَّقُوْن: یہ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، اٹھارہ مرتبہ آیا ہے۔ چند آیات عرض کرتا ہوں:

۱۔کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ.[7]

ترجمہ: اسی طرح اللہ ﷻ اپنی آیات کو لوگوں کے واسطے بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیز گار بن جائیں۔

[1] سورۃ الزمر: ۷۳
[2] سورۃ آل عمران: ۱۲۰
[3] سورۃ محمد: ۳۶
[4] سورۃ البقرۃ: ۲۱
[5] سورۃ البقرۃ: ۱۸۳
[6] سورۃ البقرۃ: ۱۷۹
[7] سورۃ البقرۃ: ۱۸۷

۲۔وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ.[۱]

ترجمہ: اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو لوگ پرہیز گار ہیں۔

۳۔اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ.[۲]

ترجمہ: بلاشبہ رات ودن کے بدلنے میں اور جو اللہ ﷻ نے پیدا کیا آسمان وزمین میں، ان میں نشانیاں ہیں پرہیز گاروں کیلئے۔

اتَّقُوا : یہ جمع مذکر اور حاضر کا صیغہ ہے۔۲۹ مرتبہ اس طرح کا حکم آیا ہے۔چند آیات عرض کرتا ہوں:

۱۔وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ.[۳]

ترجمہ: اور ڈرو اللہ ﷻ سے، اور جان لو کہ اللہ ﷻ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

۲۔يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.[۴]

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے اس سے ڈرنا چاہئے اور تم مت مرنا مگر مسلمان ہونے کی حالت میں۔

۳۔وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.[۵] یعنی اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

۴۔فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.[۶] یعنی پس ڈرو اللہ سے اے عقلمندو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

۵۔فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ.[۷] یعنی سو ڈرو اللہ سے جہاں تک ہو سکے۔

التَّقْوٰی: یہ پندرہ دفعہ آیا ہے۔

۱۔وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى.[۸]

ترجمہ: اور تعاون کرو نیکی اور تقویٰ پر

[۱] سورۃ الانعام:۳۲
[۲] سورۃ یونس:۶
[۳] سورۃ البقرۃ:۱۹۴
[۴] سورۃ آل عمران:۱۰۲
[۵] سورۃ المائدۃ:۵۷
[۶] سورۃ المائدۃ:۱۰۰
[۷] سورۃ التغابن:۱۶
[۸] سورۃ المائدۃ:۲

۲۔اِعْدِلُوْا –هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی.[۱]

ترجمہ: عدل کرو، وہ تقویٰ کے بہت قریب ہے۔

۳۔وَ لِبَاسُ التَّقْوٰیۙ–ذٰلِكَ خَيْرٌ.[۲] یعنی اور تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔

۴۔وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی.[۳]

ترجمہ: اور عمدہ انجام تقویٰ کا ہے۔

۵۔لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ.[۴]

ترجمہ: اور اللہ ﷻ تک قربانی کا گوشت اور اس کا خون نہیں پہنچتا اور لیکن اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

المتقون / المتقین: المتقون، رفعی حالت ہے، چھ دفعہ اس کا ذکر ہے:

چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ.[۵]

ترجمہ: ان کے دوست صرف پرہیز گار ہیں۔

۲۔ أُولٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ.[۶]

ترجمہ: یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

المتقین: نصبی و جری حالت میں تینتالیس دفعہ آیا ہے: چند آیات پیش کرتا ہوں۔

۱۔ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ.[۷]

ترجمہ: یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے، ہدایت ہے پرہیز گاروں کیلئے۔

[۱] سورۃ المائدۃ:۸
[۲] سورۃ الأعراف:۲۶
[۳] سورۃ طٰہٰ:۱۳۲
[۴] سورۃ الحج:۳۷
[۵] سورۃ الانفال:۳۴
[۶] سورۃ البقرۃ:۱۷۷
[۷] سورۃ البقرۃ:۲

۲۔وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ.[۱]

ترجمہ: اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

۳۔فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ.[۲]

ترجمہ: سو بیشک اللہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔

۴۔وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ.[۳]

ترجمہ: اور جنت کو پرہیز گاروں کیلئے قریب کر دیا جائے گا۔

۵۔إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا.[۴]

ترجمہ: بے شک پرہیز گاروں کیلئے کامیابی ہے۔

ان تمام آیات پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ تقویٰ اور پرہیز گاری انتہائی اہم ترین چیز ہے، دنیا اور آخرت میں کامیابی تقویٰ پر منحصر ہے۔

اگر ہمیں قرآن کریم سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانا ہے تو تقویٰ اختیار کرنا ہو گا۔اس لئے فرمایا:**هدى للمتقين**۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾	جو کہ یقین کرتے ہیں بن دیکھی چیزوں کا اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو ہم نے روزی دی ہے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔(۳)
وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۴﴾	اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں۔(۴)
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾	وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔(۵)

[۱] سورۃ البقرۃ:۱۹۴
[۲] سورۃ آل عمران:۷۶
[۳] سورۃ الشعراء:۹۰
[۴] سورۃ النباء:۳۱

پرہیز گار اور متقیوں کی تعریف:

۱۔ ایمان بالغیب۔ پہلی صفت یہ رکھتے ہوں کہ وہ ایمان بالغیب رکھتے ہوں۔ اللہ کے اوپر ان کا ایمان ہوں، اس طریقے سے کہ انہوں نے خدا کو دیکھا نہیں۔

۲۔ نماز کو قائم کرنا۔

۳۔ زکوٰۃ اور خیرات کرنا۔ تیسری چیز یہ کہ اللہ ﷻ نے جو انہیں مال و دولت دیا ہے۔ تو اس مال و دولت میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں، زکوٰۃ و صدقات نکالتے رہتے ہیں۔

۴۔ جو آپ کے اوپر اور آپ سے پہلے نازل ہوا، ان سب کے اوپر ایمان رکھنا۔

۵۔ آخرت پر یقین کرنا۔

پانچویں صفت پرہیز گاروں کی یہ ہے کہ وہ آخرت کے اوپر یقین رکھتے ہیں۔

ہر صفت کی تفصیل:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ: یہ وہ لوگ ہیں جو غیب کے اوپر ایمان لاتے ہیں۔

ایمان کیا ہے؟

اصل میں ایمان کیا ہے؟ ابھی تک تو ہم یہ لفظ سنتے اور کہتے رہے ہیں، تو یہ ایمان ہے کیا چیز؟ تو اس کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ لفظ ایمان درحقیقت امن سے نکلا ہے۔ امن کے معنی آتے ہیں کہ آدمی محفوظ ہو جائے، پُر امن حالات میں ہو جائے۔ جیسے کوئی بے چین ہو اس کے بعد سکون ہو جائے، اسی طرح جو کوئی شخص ایمان لے آتا ہے تو وہ آدمی جہنم سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ایمان کی تعریف:

علامہ آلوسی رحمہ اللہ ایمان کی تعریف یوں کرتے ہیں: **وأما في الشرع، فهو التصديق بما علم مجيء النبي ﷺ به ضرورة تفصيلا، فيما علم تفصيلا، وإجمالا فيما علم إجمالا، وهذا مذهب جمهور المحققين۔** یعنی ایمان تصدیق ہے اس چیز کی جس کی نسبت بالضرورۃ معلوم ہو کہ جو رسول اللہ ﷺ لائے ہیں، جس کا علم تفصیلی طور پر ہو اس کی تصدیق تفصیلا اور جس کا علم اجمالی طور پر ہو تو اس کی تصدیق اجمالا کرنا۔ فقہاء ایمان کی تعریف میں "**ضرورۃ**" کی قید کم لگاتے ہیں۔ ایمان کی تعریف میں جو تصدیق کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد کسی چیز کو سچا ماننا اور کہنا ہے، صرف علم اور معرفت ہونا کافی نہیں ہے۔ اہل کتاب جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ، اللہ ﷻ کے رسول ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: **اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ**

اَبۡنَآءَهُمۡ۔[1] یعنی جنہیں ہم نے کتاب دی وہ ان کو (رسول اللہ ﷺ) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ تو یہ معرفت اور پہچاننا کافی نہیں ہے۔

ابو طالب بھی خوب جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ، اللہ ﷻ کے رسول ہیں، مگر انہوں نے مانا نہیں اس لئے وہ مؤمن نہ کہلائے۔

ابو طالب کے دو مشہور اشعار شرح العقیدۃ الطحاویہ میں منقول ہیں:

و لقد علمت بأنَّ دين محمد * من خير اديان البرية دينا

مجھے معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) کا دین سارے جہاں کے ادیان سے بہتر ہے

لو لا الملامة او حذار مسبة * لوجدتنى سمحا بذاک مبينا

اگر لوگوں کی ملامت اور ان کے برا بھلا کہنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ مجھے کشادہ دل اور واضح طور سے ماننے والا پاتے۔

ایمان کی تعریف ائمہ کرام کی نظر میں:

۱۔المشهور من تعريف الإيمان عند الإمام أبي حنيفة رحمه الله أنه الإقرار والتصديق . قال ؒ : والإيمان هو التصديق والإقرار.[2]

امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک ایمان نام ہے اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا۔

۲۔ ائمہ ثلاثہ ؒ اور محدثین کے نزدیک ایمان نام ہے تصدیق، اقرار اور عمل صالح کا۔

۳۔ جمہور متکلمین کے نزدیک صرف تصدیق بالقلب کا نام ایمان ہے۔

۴۔ امام ابو منصور ماتریدی ؒ کے نزدیک صرف تصدیق بالقلب کا نام ایمان ہے، اور اقرار اجراء احکام مسلمین کے لئے شرط ہے۔

۵۔ معتزلہ کے نزدیک تصدیق، اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے، عمل کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں نہیں داخل ہوتا۔

۶۔ خوارج کے نزدیک تصدیق، اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے، معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ، ان کے ارتکاب کرنے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے اور کافر بن جاتا ہے۔

۷۔ مرجئہ کے نزدیک صرف تصدیق کا نام ایمان ہے، عمل کا کوئی تعلق ایمان سے بالکل نہیں ہے۔

امام صاحب ؒ اور ائمہ ثلاثہ ؒ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ صرف صوری ہے، کیونکہ اعمال کی اہمیت کا امام صاحب ؒ بھی انکار

[1] سورۃ البقرۃ:۱۴۶

[2] الفقہ الاکبر:۵۵

نہیں کرتے مگر اس پر سب ہی متفق ہیں کہ مرتکب گناہ کبیرہ اور تارک عمل کے لئے خلود فی النار نہیں لیکن مستحق عذاب ضرور ہے۔ گویا تمام اہل سنت ثمرہ اور نتیجہ میں متفق ہیں، صرف تعبیر اور عنوان میں مختلف ہیں۔

عباراتنا شتی و حسنک واحد * و کل الی ذاک الجمال یشیر

حضرات ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اور حضرات محدثین رحمہم اللہ ان آیات اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں ایمان کے ساتھ عمل صالح پر زور دیا گیا ہے، جبکہ امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ ایمان کا محل قلب ہے جیسے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: **اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ**۔[1] یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔

وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَه فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔[2]

ترجمہ: اور لیکن اللہ نے پسند کیا تمہاری طرف ایمان کو اور اس کو مزین کیا تمہارے قلوب میں۔

وَ قَلْبُه مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ۔[3] یعنی اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ۔

مذکورہ آیات میں ایمان کا محل قلب بتلایا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ اگر ایمان میں اعمال کو بھی داخل ہوتا تو صرف قلب کو محل ایمان کیوں قرار دیا گیا؟ امام صاحب رحمہ اللہ کی ایک اور بہت ہی مستحکم دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم میں وہ تمام آیات کہ جن میں "**آمنوا و عملوا الصلحت**" کا ذکر ہے، ان میں عمل کا عطف ایمان پر ہے اور عطف مغایرت کی دلیل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور عمل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ نیز ایک اشکال شوافع پر یہ بھی ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ عمل کے ترک سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا، لہذا اگر کوئی شخص عمل نہ کرے تو جزء فوت ہو گیا اور انتفاء جزء مستلزم ہے انتفاء کل کو اور جب کل فوت ہوا تو ایمان کہاں رہا؟ تو پھر یہ تو خوارج کا مسلک ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ اس اشکال سے بچنے کے لئے امام رازی رحمہ اللہ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہما نے کہا کہ عمل نفس ایمان کا جزء نہیں ہے البتہ ایمان کامل کا جزء ہے۔ یہی بات تو امام صاحب رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ عمل ایمان کامل کا جزء ہے۔ اس لحاظ سے اختلاف بھی ختم ہو گیا اور ان احادیث کا جواب بھی ہو گیا کہ جن میں آتا ہے: **الا لایکون احدکم مؤمنا الخ** اس طرح کی روایات میں لا نفی کمال کے لئے ہے۔

اس اختلاف کا محاکمہ: حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے حوالے سے بہت ہی عمدہ بات نقل کی ہے، فرماتے ہیں: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف نہ نظر کا ہے اور نہ ثمرہ کا ہے بلکہ مقتضیات و احوال کا اختلاف

[1] سورۃ المجادلۃ: ۲۲
[2] سورۃ الحجرات: ۷
[3] سورۃ النحل: ۱۰۶

تھا، فرض کرو ایک مرجئی تم سے یہ کہے کہ عمل ہر گز جزء ایمان نہیں، بالکل بیکار ہے، تو اس وقت تم بھی یہی کہو گے کہ نہیں، (یہ عمل) جزء ایمان ہے اور بہت ضروری ہے اور جب تم یہ کہو گے تو تمہاری مراد یہ ہو گی کہ اس قسم کا جزء ہے جس قسم کی وہ نفی کر رہے ہیں، وہ (مرجئی) جزئیت کی نفی اس معنی میں کر رہے ہیں اس کو کوئی دخل ہی نہیں اور ہم اس کا اثبات کر رہے ہیں کہ وہ اجزاء عرفیہ میں سے ہے اور اس سے کمال ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی خارجی آ کر کہے کہ عمل جزء ہے اور بلا اس کے مومن نہیں ہو گا اور ترک سے خلود فی النار ہو گا، تو ہم کہیں گے غلط ہے، وہ (عمل) ہر گز جزء نہیں ہے اور اس قسم کی جزئیت کی ہم نفی کر رہے ہیں جس کا وہ مدعی ہے یعنی یہ کہ اس کے بدون ایمان نہ رہے گا زیادہ تر محدثین رحمہم اللہ کا سابقہ مرجۂ سے پڑا ہے اور وہ منکر جزئیت ہیں، لہذا محدثین نے کہا کہ ضروری جزء ہے جبکہ امام صاحب رحمہ اللہ کا سابقہ زیادہ تر خوارج سے پڑا اور ان سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے ہیں اور وہ جزئیت کے اثبات کے درپے تھے، اس لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نفی کرتے تھے کہ وہ ہر گز ایسا جزء نہیں ہے جیسا تم کہتے ہو۔[1]

ایمان میں کمی وزیادتی کا ہونا:

یہ بھی ایک اختلافی اور معرکۃ الآراء مسئلہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ، محدثین رحمہم اللہ اور اسلاف رحمہم اللہ کے نزدیک **"الایمان یزید بالطاعة و ینقص بالمعصیة"** یعنی ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور نافرمانی سے گھٹتا ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"لا یزید و لا ینقص "** نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ، محدثین رحمہم اللہ اور اسلاف رحمہم اللہ کے دلائل وہ قرآنی آیات اور احادیث ہیں کہ جن میں ایمان کے بڑھنے اور گھٹنے کا ذکر ہے۔

قرآنی آیات :

وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُه زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا۔[2]

ترجمہ: اور جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیں۔

وَ یَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی۔[3]

ترجمہ: اور اللہ زیادہ کر دیتا ہے ہدایت کو ان کے لئے جنہوں نے ہدایت پائی۔

وَ یَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا۔[4] یعنی اور ایمان والوں کا ایمان زیادہ ہو جائے۔

[1] درس بخاری: ۱۲۱
[2] سورۃ الانفال: ۲
[3] سورۃ مریم: ۷۶
[4] سورۃ المدثر: ۳۱

احادیث:

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و اقام الصلاة و ایتاء الزکاة و صوم رمضان[1]۔

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز کو قائم کرنا، زکاۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

فَإِنَّ الحیاء شعبة من الایمان۔[2]

ترجمہ: بے شک حیاء ایمان کا حصہ ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه وبیده۔[3]

ترجمہ: مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ ان مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ ایمان کے متعدد اجزاء ہیں اور جو شخص ان اجزاء میں سے کسی جزء پر عمل ترک کرے گا تو اس کے ایمان میں نقص ہو گا۔

امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے ان آیات اور احادیث کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ تمام آیات اور احادیث ایمان کامل پر محمول ہیں اور ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایمان کے دو جزء ہیں (۱) کیفیت (۲) کمیت۔ جہاں تک کمیت کا تعلق ہے اس میں کمی و زیادتی نہیں ہو سکتی کیونکہ **مومَن به** (جس پر ایمان لایا جائے) ایک ہے، اس میں ولی رحمہ اللہ ہو، صحابی رضی اللہ عنہ ہو یا عام ایمان والا شخص ہو سب ہی برابر ہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی یہ کہے کہ میں فلاں چیز پر ایمان رکھتا ہوں اور فلاں چیز پر نہیں، مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر تو ایمان رکھتا ہوں مگر آخرت پر نہیں، یا نماز کو تو مانتا ہوں مگر روزے کو نہیں مانتا۔ امام صاحب رحمہ اللہ جو فرماتے ہیں کہ ایمان میں کمی و زیادتی نہیں ہو سکتی ہے وہ کمیت کے اعتبار سے ہے۔ جہاں تک کیفیت کا تعلق ہے اس میں کمی و زیادتی ہو سکتی ہے، تو وہ تمام آیات و احادیث کہ جن میں ایمان میں کمی و زیادتی کا ذکر ہے ان سے مراد کیفیت ایمانی میں کمی و زیادتی ہے۔

ایمان اور اسلام کا فرق

کیا اسلام اور ایمان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں، بعض لوگ ایک کہتے ہیں، اور ان کی دلیل آیت **اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ**

[1] صحیح بخاری: ۱/ ۱۱
[2] صحیح بخاری: ۱/ ۱۴
[3] صحیح بخاری: ۸/ ۱۰۲

ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توسعًا ہے کیونکہ ان دونوں میں حقیقت میں بڑا فرق ہے۔

بعض کا کہنا یہ ہے کہ اسلام نام ہے انقیاد کا اور انقیاد وہ وصف ہے جو زبان، قلب اور جوارح سب کو شامل ہے اور ایمان خاص انقیاد قلبی کا نام ہے، اس لحاظ سے ان دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

بعض نے اسلام اور ایمان کا فرق یوں بیان کیا ہے کہ بدن اور روح یا قلب و قالب میں جو فرق ہے وہی اسلام اور ایمان کا فرق ہے، قالب اور بدن اسلام ہے اور قلب و روح ایمان ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بدن بغیر روح کے کچھ نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا مردہ انسان اور روح بغیر بدن کے پھر بھی کچھ چیز ہے کیونکہ وہ حامل حقیقت انسانیہ ہو سکتی ہے۔اس تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر اسلام کچھ نہیں ہے۔

ایمان اور اسلام کا فرق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مال تقسیم فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو نہیں دیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے فلاں کو نہیں دیا؟ **و ھو مؤمن** ، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **او مسلم**؟ تین بار سوال وجواب کے بعد آ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اقتالا یا سعد**؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعض کو میں یہ سمجھ کر دیتا ہوں (ان کے ایمان میں کمزوری ہے)۔[1]

اس حدیث شریف میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ بتانا مقصود تھا کہ ایمان قلب کا فعل ہے، تمہیں کیا حق ہے کہ اس کے قلب پر حکم لگاؤ، تم صرف یہی کہو کہ وہ مسلم ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اس فرق کو یوں بیان کیا: **قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ**۔[2]

ترجمہ: دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لے آئیں، آپ کہہ دیں تم ایمان نہیں لائیں، اور یوں کہو کہ ہم اسلام لے لائیں، اور جبکہ ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان قلب میں ہوتا ہے۔

ایمان بالغیب:

ایمان بالغیب کا مطلب یہ ہے کہ بغیر دیکھے اللہ ﷻ پر ایمان لانا کہ ہم نے اللہ ﷻ کو دیکھا نہیں، لیکن پیغمبر (ﷺ) کی زبان سے ہم نے یہ سنا، پیغمبر نے کہا کہ کوئی خدا ہے، کوئی اللہ ﷻ ہے، کہ جس نے ساری کائنات کی تخلیق کی ہے، جو ساری کائنات کا مالک ہے، اور ہم سب کو اسی نے بنایا ہے اور ہم سب لوگ اسی کی طرف لوٹ کر چلے جائیں گے۔ نیز ایمان بالغیب میں قیامت، حساب و کتاب، پل

[1] مسلم: ۱/ ۱۳۳
[2] سورۃ الحجرات: ۱۴

صراط، جنت و جہنم اور ملائکہ سب ہی شامل ہیں، تو ایمان والے ان تمام چیزوں پر بِن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔

ایمان بالغیب سے انکار:

یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ تم اللہ ﷻ کی بات کرتے ہو، تم کہتے ہو کوئی اللہ ﷻ ہے، وہ کتاب نازل کرتا ہے، اور وہ وحی نازل کرتا ہے تمہارے اوپر، ہم تمہاری بات پر کس طریقے سے ایمان لائیں، چنانچہ ان لوگوں نے کہا اے موسیٰ! ہم جو ہیں اس طریقے سے ایمان نہیں لائیں گے۔

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً[1] یعنی یہاں تک کہ ہم اللہ ﷻ کو اپنی آنکھوں کے سامنے نہ دیکھ لیں۔

گویا کہ وہ ایمان بالغیب نہیں، ایمان بالمشاہدہ چاہ رہے تھے۔ ایمان بالمشاہدہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ ہم جب دیکھ لیں گے تو پھر ایمان لانا کونسا کمال ہوا۔ بات تو یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے کہہ دیا ہم آنکھ بند کر کے ایمان لے آئے۔

فَاَخَذَتْھُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ[2] یعنی ان کو بجلی نے ہلاک کر دیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ کو یہ بات انتہائی ناپسند ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہم جب تک اللہ ﷻ کو دیکھ نہ لیں جب تک ہمارے سامنے کوئی حقیقت نہ کھل جائے تو ہم ایمان نہیں لائیں گے۔

مشرکینِ مکہ کی بھی یہی حالت تھی وہ یہ کہتے تھے حقیقت بتلاؤ۔ چنانچہ وہ طرح طرح کے معجزات نبی کریم ﷺ سے طلب کرتے تھے۔ اور وہ یہ کہتے تھے کہ اگر یہ بات ہے اور صحیح بات ہے تو پھر کھلا معجزہ دکھلاؤ تو ہم ایمان لائیں گے۔ گویا کہ وہ ایمان بالغیب نہیں چاہ رہے تھے۔ وہ ایمان بالمشاہدہ چاہ رہے تھے۔ وہ چاہ رہے تھے کہ ہم دیکھنے کے بعد ایمان لائیں۔

ایمان بالغیب ہی مقبول ایمان ہے۔

اللہ ﷻ کے ہاں وہی ایمان مقبول ہے کہ اللہ ﷻ کو بغیر دیکھے ایمان لائیں، اسی لئے اللہ ﷻ ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں **الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ:** متقین اور پرہیز گار وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں بغیر دیکھے۔ غیب کے اوپر ایمان لاتے ہیں۔ جنت ہم نے نہیں دیکھی، جہنم ہم نے نہیں دیکھی، آسمان کے اندر کیا کیا مخلوقات ہیں، آسمان کے کیا عجائبات ہیں ہمیں کچھ پتہ نہیں ہے، لیکن بہر حال نبی ﷺ بتلا رہے ہیں اللہ ﷻ کی طرف سے۔

وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ: اور وہ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یہاں سے متقین کی دوسری صفت کو بیان کرتے ہیں۔

ارکانِ اسلام: ایمان لانے کے بعد پھر کچھ بنیادی چیزیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ارکانِ اسلام پانچ ہیں۔ سب سے پہلی چیز اس میں ایمان

[1] سورۃ البقرۃ:۵۵
[2] سورۃ البقرۃ:۵۵

ہے۔ جس کو ہم شہادت بولتے ہیں۔ اس کے بعد چار چیزیں اور ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ یہ پانچ چیزیں ہیں۔ اللہ ﷻ ایمان کے بعد دو اور چیزوں کا ذکر یہاں فرمارہے ہیں۔ اقامتِ صلاۃ اور اس کے بعد اللہ کے راستے میں خرچ کرنا یعنی زکوٰۃ وغیرہ۔

اقامتِ صلاۃ کا مطلب: اقامۃ باب افعال میں سے ہے جس کے معنی قائم کرنے کے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اس کی پوری شرائط کے ساتھ قائم کرنا، اس کے فرائض، واجبات، سنن، اور مستحبات نیز خشوع و خضوع اور مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا سب ہی شامل ہیں۔

نماز کی فرضیت: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی آئی تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور وضو کی تعلیم دی، حضرت جبرئیل علیہ السلام وضو کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے رہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح وضو کیا، پھر جبرئیل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

بعض حضرات نے کہا کہ شبِ معراج سے پہلے صرف رات کی نماز فرض تھی اور اس میں وقت کا کوئی تعین نہ تھا، اسی طرح بعض نے لکھا کہ صبح و شام کی نمازیں فرض تھیں (دو رکعت طلوعِ آفتاب سے قبل اور دو رکعت غروبِ آفتاب سے قبل)۔

بہر حال! اصل فرضیت پانچ نمازوں کی معراج کے موقع پر ہوئی اور اس سے پہلے کی منسوخ ہو گئیں۔

نماز ارکانِ میں سے دوسرا رکن ہے۔ ارکانِ اسلام پانچ ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ: **عبد الله بن عمر** رضی اللہ عنہما **حيث قال: سمعت رسول الله** ﷺ **يقول: بُنِي الإسلامُ على خمسٍ: شَهادةِ أن لا إلهَ إلا اللهُ وأنَّ محمدًا رسولُ اللهِ، وإقامِ الصلاةِ، وإيتاءِ الزّكاةِ ، والحجِّ، وصومِ رمضانَ.**[1] یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: گواہی دینا کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

صلوۃ: باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا معنی "دعا کرنا، نماز پڑھنا، اور تسبیح کرنا ہے۔"[2]

اصطلاحی معنی: نماز کا یہ ہے کہ "**الافعال المخصوصة المعهودة**"۔[3] یعنی ایک مخصوص طریقہ پر اللہ ﷻ کے لئے انجام دینے والی عبادت کا نام "نماز" ہے۔

[1] صحیح بخاری: ۱/۱۱
[2] مصباح اللغات: ۴۵۷
[3] تبیین الحقائق: ۱/۷۸

نماز کی فضلیت واہمیت:

۱۔عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال: ان رسول الله ﷺ الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن اذا اجتنب الكبائر[۱]۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ اور ایک رمضان سے سے دوسرے رمضان تک ان کے درمیان جو کچھ گناہ ہیں وہ کفارہ ہیں جب تک کہ کبائر میں مبتلا نہ ہوں۔

یعنی ایک نماز سے دوسری نماز تک، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کہ گناہِ صغیرہ معاف ہو جائیں گے البتہ گناہِ کبیرہ توبہ سے معاف ہوں گے۔

۲۔عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ : أرأيتم لو أن نهرا باب أحدكم يغتسل منه كل يوم خمس مرات هل يبقى من درنه شئ؟ قالوا: لا يبقى من درنه. قال: فذلك مثلالصلوات الخمس يمحو الله بهن الخطايا۔[۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم یہ دیکھو کہ اگر تمہارے دروازے پر ایک نہر ہو اور روزانہ پانچ مرتبہ اس سے غسل کیا جائے تو کیا کوئی میل کچیل (جسم پر) باقی رہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں، کوئی میل باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح پانچ نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ خطائیں معاف فرمادیتے ہیں۔

۳۔عن عثمان رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ أنه قال :ما من امرئ مسلم تحضره صلاة مكتوبة فيحسن وضوئها وخشوعها وركوعها إلا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة وذلك الدهر كله۔[۳]

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی مسلمان جب فرض نماز کا وقت آجائے، تو اچھی طرح وضو کرے اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرے تو اس کے سارے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جب تک کہ وہ گناہِ کبیرہ نہ کرے۔ اور یہ ہمیشہ رہے گا (یعنی اس کے گناہ معاف ہوتے رہیں گے)۔

ارکان اسلام میں کلمہ شہادت کے بعد سب سے پہلی اور اہم ترین چیز نماز ہے۔ جہاں بندہ نماز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا

[۱] صحیح مسلم: ۱/۲۰۹
[۲] صحیح مسلم: ۱/۴۶۲
[۳] صحیح مسلم: ۱/۲۰۶

ہے تو دوسری طرف نماز ادا نہ کر کے اللہ ﷻ سے دور ہو جاتا ہے، اگر کوئی بندہ اپنی نماز کو درست کر لے تو نماز کی برکت سے اس بندے کے سارے اعمال بھی درست ہو جائیں گے، اگر نماز کو اخلاص کے ساتھ ادا کرے تو دوسرے تمام اعمال میں اخلاص آجائے گا۔ اگر نماز کو صرف اور صرف اللہ ﷻ کی خوشنودی کیلئے ادا کرے تو سارے اعمال میں بھی یہی صفت حاصل ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص اپنی نماز کو درست نہیں کرتا تو اس کے سارے اعمال خراب ہو جائیں گے۔ اگر نماز میں اخلاص نہیں تو دوسرے اعمال میں بھی اخلاص نہ ہو گا۔ اگر نماز دوسروں کیلئے پڑھتا ہے یعنی ریاکاری اور دکھلاوے کی غرض سے پڑھتا ہے تو دوسرے تمام اعمال میں بھی ریاکاری ہو گی۔ بہر حال! ہر مسلمان پر نماز فرض ہے۔ نیز ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا بھی فرض ہے۔ نماز ادا نہ کرنا یا نماز کو اس کے اوقات کے مطابق نہ پڑھنا، گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ احادیث مبارکہ میں سخت ترین وعیدیں آئی ہیں۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں سوال کیا جائیگا۔ اگر کسی کی نماز درست ہوئی تو اس کے سارے اعمال درست ہوں گے، اگر کسی کی نماز خراب ہوئی تو اس کے دوسرے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ جہاں نماز پڑھنے کے بے شمار فضائل ہیں تو دوسری طرف نماز نہ پڑھنے پر سخت ترین وعیدیں بھی ہیں۔ ذیل میں چند احادث درج کرتا ہوں۔

۱۔عن جابر بن عبد اللہ ﷺ قال: قال رسول اللہ ﷺ: بین الرجل و بین الشرک و الکفر ترک الصلاۃ۔[1]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی اور کفر کے درمیان (فرق کرنے والی چیز) نماز کا ترک کرنا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافر اور مسلمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز کا نہ پڑھنا ہے، کافر کا عمل نماز نہ پڑھنا ہے۔ اگر خدانخواستہ مسلمان نماز نہ پڑھے تو مسلمان اور کافر میں فرق کیسے ہو گا؟

۲۔عن أبی ہریرۃ ﷺ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا سہم فی الاسلام لمن لا صلاۃ لہ و لا صلاۃ لمن لا وضوء لہ۔[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی نماز نہ ہو تو اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے اور جس کا وضو نہ ہو تو اس کی نماز نہیں ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر ہم اپنا حصہ اسلام میں چاہتے ہیں تو نماز ہر حالت میں پڑھنی ہو گی۔

۳۔عن ابن عمر ﷺ قال: قال رسول اللہ ﷺ لا ایمان لمن لا أمانۃ لہ و لا صلاۃ لمن لا طہور لہ و

[1] صحیح مسلم: ۱/۸۸
[2] مسند البزار: ۱۵/۱۷۶

لا دین لمن لا صلاة له ، انما موضع الصلاة من الدین لموضع الرأس من الجسد۔[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص کا کوئی ایمان نہیں ہے کہ جس کے پاس امانت نہ ہو اور اس شخص کی نماز نہیں ہے جس کے پاس طہارت نہ ہو اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس کی نماز نہ ہو، دین میں نماز کا مقام اس طرح ہے جیسے سر کا مقام ہے پورے جسم کے مقابلہ میں۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر سر جسم سے الگ ہو جائے تو پورا وجود ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اگر نماز نہ ہو تو دوسرے اعمال کا وجود ختم ہو جائیگا یعنی دوسرے اعمال کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔

۴۔عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: أوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم : ان لا تشرک باللہ شیئا و ان قطّعت و ان حُرّقت،و لا تترک صلاة مکتوبة متعمدا، فمن ترکها متعمدا فقد برئت منه الذمّة ، و لا تشرب الخمر فانه مفتاح کلّ شرّ۔[2]

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو میرے دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، چاہے تم کو کاٹ دیا جائے اور جلا دیا جائے۔ فرض نماز کو جان بوجھ کر مت ترک کرو، جس نے فرض نماز کو جان بوجھ کر ترک کی تو اس سے اسلام کا ذمہ ختم ہو جائیگا اور شراب نہ پیو۔ کیونکہ شراب ہر برائی کی چابی ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اسلام جو اہل ایمان کی جو بہت سی چیزوں میں ذمہ لیتا ہے، نماز جان بوجھ کر چھوڑنے والوں سے اسلام وہ ذمہ ہٹالیتا ہے۔ اصل میں یہ حدیث انتہائی وعید کے طور پر ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اسلام سے ہی خارج ہو جائیگا۔

۵۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ترک صلاة لقی اللہ و هو علیه غضبان۔[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کہ نہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے نماز ترک کی وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوں گے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نماز کا نہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

۶۔عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ترک الصلاةمتعمدًا فقدکفر جهارا۔[4] یعنی حضرت

[1] المعجم الاوسط للطبرانی: ۲/ ۳۸۳
[2] سنن ابن ماجہ: ۲/ ۱۳۳۹
[3] المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱/ ۲۹۴
[4] المعجم الاوسط للطبرانی: ۳/ ۳۴۳

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے نماز کو جان بوجھ کر ترک کیا تو وہ واضح طور پر کافر ہو گیا۔

اس حدیث شریف میں جو،، کفر،، کہا گیا یہ دراصل وعید کے طور پر ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

۷۔عن عبد الله عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنّه ذكر الصلاة يومًا فقال: من حافظ عليها كانت له نورا وبرهانا و نجاة يوم القيامة ومن لم يحافظ عليها لم يكن له نور و لا برهان و لا نجاة و كان يوم القيامة مع قارون و فرعون و هامان و أُبى بن أبى خلف۔[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا ذکر فرمارہے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نماز کی حفاظت کرے (پابندی کے ساتھ ادا کرے) تو اس کیلئے قیامت کے دن نور، برہان اور نجات ہو گی اور جو اس کی حفاظت نہ کرے (پابندی کے ساتھ ادا نہ کرے) تو اس کیلئے نہ نور ہو گا۔ نہ برہان اور نہ ہی نجات ہو گی اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔

اس حدیث کا مقصد انتہائی وعید بتلانا ہے کہ ان کو قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف جیسے کفار کے ساتھ ملایا جائیگا۔ (اعاذنا اللہ)

۸۔عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: لقد هممت أن آمر فتيانى أن يستعدوا لى بحزم من حطب ، ثم آمر رجلا يصلّى بالناس ثم تحرّق بيوت على من فيها۔[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے جوانوں کو حکم کروں تا کہ وہ میرے لئے لکڑیاں جمع کریں پھر ایک شخص کو حکم کروں کہ وہ نماز پڑھائے لوگوں کو، پھر ان لوگوں گھروں کو آگ لگادی جائے جو اُن میں ہیں۔

اس حدیث شریف سے اندازہ لگائیے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر ناراض نظر آتے ہیں ان لوگوں سے جو نماز کیلئے مسجد نہیں آتے ہیں۔ صرف مسجد نہ آنے پر یہ معاملہ ہے تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو نماز پڑھتے ہی نہیں؟

۹۔عن نوفل بن معاوية رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من فاتته الصلاة فكأنما وتر أهله و ماله۔[3]

ترجمہ: حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس سے نماز فوت ہو جائے وہ ایسا ہے کہ جیسا کہ اس کے گھر والے کو اور مال کو چھین لیا گیا۔

[1] مسند احمد: ۱۱/ ۱۴۱
[2] صحیح مسلم: ۱/ ۴۵۲
[3] صحیح ابن حبان: ۴/ ۳۳۰

۱۰۔عن أبی قتادة بن ربیعی رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ ﷺ:قال اللہ : انی فرضت علیٰ أمّتک خمس صلوات و عھدت عندی عھدا أنّہ من جاء یحافظ علیھنّ لوقتھن أدخلتہ الجنّة ، و من لم یحافظ علیھنّ فلاعھد لہ عندی۔[1]

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ بن ربیعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کیں اور میں نے عہد کیا ہے کہ جو کوئی شخص قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس نے ان نمازوں کی ان کے اوقات کے مطابق حفاظت کی تو میں اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جس نے ان کی حفاظت نہیں کی یعنی نمازیں وقت میں نہیں پڑھی تو اس کیلئے کوئی وعدہ نہیں ہے۔

یہ میں نے دس روایتیں نقل کی ہیں جو ان حضرات کے سمجھنے کیلئے کافی ہیں جو نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ کو نماز پڑھنے کا پابند بنائے۔ (آمین)

نماز نہ پڑھنے کا حکم: تارکِ نماز اگر نماز کی فرضیت ہی کا منکر ہو تو باجماعِ اہلِ اسلام وہ کافر و مرتد ہے اور واجب القتل ہے، اور جو شخص فرضیت کا تو قائل ہو مگر سستی کی وجہ سے نہیں پڑھتا ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک بدترین فاسق ہے، اور ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ہے کہ جو شخص نماز کو جان بوجھ کر چھوڑے تو وہ مرتد ہے اس کو تین دن تک مہلت دی جائے گی اور نماز پڑھنے کا کہا جائے گا اگر نماز پڑھنے لگے تو ٹھیک ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ تارکِ نماز جو سستی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا ہو تو وہ ہے تو مسلمان مگر اس جرم یعنی ترکِ نماز کی سزا قتل ہے، الا یہ کہ وہ شخص توبہ کرلے، لہٰذا اس کو تین دن تک مہلت دی جائے گی اور ترکِ نماز سے توبہ کا حکم کیا جائے گا، اگر توبہ کرلے تو اس سے قتل کی سزا ساقط ہو جائے گی، ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور قتل کے بعد اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، مگر امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کو جان بوجھ کے چھوڑ دے تو حاکمِ وقت اس کو قید کر دے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے اور نماز پڑھنا شروع کر دے یا پھر قید خانہ میں اس کو موت آجائے۔

اور جو مجرم جہنم جائیں گے تو ان کا ایک جرم یہ ہوگا کہ وہ نماز نہیں پڑھتے ہونگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مدثر میں بیان کیا ہے: **فِیْ جَنّٰتٍ ۛ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ مَاسَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَ لَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ**۔ یعنی باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا حال، تم کاہے سے جا پڑے دوزخ میں؟ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے،

[1] سنن ابی داود: ۱/ ۱۱۷

اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو۔

اندازہ کریں کہ کتنی اہمیت ہے نماز کی۔لہذا نماز کو کبھی نہ چھوڑیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے کہیں یہ نہیں فرمایا ہے کہ نماز پڑھو بلکہ نماز قائم کرنے کا کہا ہے اور اگر دن میں ایک دو نمازیں پڑھ لیں تو اس حکمِ خداوندی پر عمل ہو جائے گا۔ ایک بات یاد رکھیں کہ نماز قائم کرنے میں جو تاکید ہے وہ پڑھنے کے لفظ میں نہیں ہے ہمارے یہاں جو محاورہ مشہور ہے کہ ہم لوگوں نے رائے قائم کرلی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اب ہم اس رائے کے خلاف نہیں کرینگے کیونکہ ہم نے رائے قائم کرلی ہے کہ ہم اس پر مضبوطی اور ہمیشگی کے ساتھ اس پر عمل کرینگے۔ **واقیموا الصلوۃ** میں قائم کرنے کی جو طاقت ہے وہ لفظِ پڑھنے میں نہیں ہے کیونکہ قائم کرنے میں بھرپور توجہ بھی ہوتی ہے اور ہمیشگی بھی۔

نماز تمام عبادتوں کا خلاصہ ہے نماز پر اگر ہم غور کریں تو ہمارے سامنے ایک بات آئے گی اور وہ یہ کہ یہ تمام عبادتوں کا خلاصہ ہے۔ کائنات میں جتنی بھی مخلوق ہیں، چاہے آسمانوں میں ہوں، یا زمین میں، اگر اندازہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس نماز میں جملہ مخلوقات کی عبادات کی کیفیات آگئیں۔

قیام کی حالت: ایک مخلوق ایسی ہے کہ جس کا کام یہ ہے کہ وہ ہر وقت کھڑے ہو کر اللہ ﷻ کی عبادت کر رہے ہیں جسے قیام کی حالت کہتے ہیں، جیسے فرشتوں کی ایک بڑی جماعت وہ ہے جن کا کام یہ ہے کہ وہ ہاتھ باندھ کر اللہ ﷻ کے دربار میں کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کا دوسرا کوئی کام ہی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ اللہ ﷻ کے دربار میں ہاتھ باندھے صف میں کھڑے ہیں: **وَالصَّافَّاتِ صَفًّا**[1] اور صف باندھنے والوں کی قسم صف باندھ کر۔ صف باندھنے والے وہ فرشتے ہیں جو صف باندھے ہوئے اللہ ﷻ کے دربار میں کھڑے ہوئے ہیں، اسی طریقے سے کائنات کے اندر اور بھی مخلوق ہیں، کھڑے ہوئے اللہ ﷻ کی عبادت میں لگی ہوئی ہیں، جیسے بڑے بڑے درخت ہیں جو سیدھے کھڑے ہوئے ہیں، یہ سب اللہ ﷻ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں، اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: **وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلاَّ یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ**[2]۔

ترجمہ: کوئی بھی چیز خواہ وہ آسمان کی ہو یا زمین کی ہو، ہر چیز اللہ ﷻ کی تسبیح بیان کر رہی ہے مگر تم اُن کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے ہو۔

الحمدللہ ہم نماز میں جب کھڑے ہوتے ہیں تو گویا کہ ہماری عبادت ان کی مشابہت ہو جاتی ہے جو کھڑے ہو کر عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

[1] سورۃ الصافات: ۱
[2] سورۃ بنی اسرائیل: ۴۴

رکوع کی حالت: اسی طریقے سے فرشتوں کی ایک جماعت وہ ہے جو جھک کر اللہ ﷻ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ رکوع کی حالت میں عبادت میں مصروف ہیں، ہماری چھوٹی سی نماز کے اندر بھی الحمدللہ رکوع ہے۔ ہم جب رکوع کرتے ہیں تو گویا کہ ہم کائنات کی ان تمام مخلوق کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں جو اللہ ﷻ کے دربار میں جھک کر عبادت کرتے ہیں۔

سجدہ کی حالت: کتنے فرشتے ایسے ہیں جو اللہ ﷻ کی عبادت سجدہ کی کیفیت میں کر رہے ہیں، اسی طریقے سے کائنات میں فرشتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو سجدہ کی کیفیت میں اللہ ﷻ کی عبادت میں مشغول ہیں، ہماری نماز کے اندر بھی الحمدللہ سجدہ بھی ہے، تو سجدہ کر کے ہم ان کی مشابہت اختیار کر لیتے ہیں۔

قعدہ کی حالت: اسی طریقے سے ہم التحیات میں بیٹھتے ہیں۔ بیٹھ کر اللہ ﷻ کی عبادت کرتے ہیں، فرشتوں کی ایک جماعت ایسی ہے جن کا کام یہ ہے کہ بیٹھ کر اللہ ﷻ کی عبادت کرنا۔ فرشتوں کے علاوہ اور بھی مخلوق ہیں جو اس کیفیت میں عبادت میں مشغول ہیں۔

جمعہ کی نماز ترک کرنے پر وعیدیں: حدیث شریف میں آتا ہے کہ "**قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ تَرَكَ الجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قَلْبِهِ**"[1]۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی عذر شرعی کے بغیر معمولی سمجھ کر تین جمعہ چھوڑ دے تو اللہ ﷻ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ "**عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثًا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ، فَهُوَ مُنَافِقٌ**"[2]۔

ترجمہ: حضرت ابو الجعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین جمعہ بغیر عذر کے چھوڑے، پس وہ منافق ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ "**يَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ، أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ**"[3]۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو جمعہ کی نماز ترک کرنے سے باز آجانا چاہئے ورنہ اللہ ﷻ ان کے دلوں پر مہر لگا

[1] سنن الترمذی: ۱/ ۶۳۰
[2] صحیح ابن حبان: ۱/ ۴۹۱
[3] صحیح مسلم: ۲/ ۵۹۱

دیں گے پھر وہ غافلوں میں ہو جائیں گے۔

کیا تارکِ نماز واجب القتل ہے؟ حضرت امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ، اسحاق رحمہ اللہ اور عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ جو کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا ہو اور کہنے کے باوجود بھی نماز نہ پڑھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کفر کی وجہ سے وہ واجب القتل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بھی ایسے شخص کے قتل کا ہے مگر وہ کفر کی بنیاد پر نہیں بلکہ بطورِ حد ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کر کے نماز پڑھنے لگ جائے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب سب سے آسان ترین ہے، انہوں نے سب سے آسان راستہ بتایا، انہوں نے کہا کہ قتل مت کرو، ہو سکتا ہے جیل کی مصیبتیں اٹھائے گا تو اس کی آنکھیں کھل جائیں گی اور سیدھے راستے پر آجائے گا۔

دلائل: امام احمد رحمہ اللہ، اسحاق رحمہ اللہ اور ابن مبارک رحمہ اللہ کی دلیلیں درج ذیل احادیث ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان بین الرجل و بین الشرک و الکفر ترک الصلاۃ.**[1]

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **العھد الذی بیننا و بینھم الصلاۃ ، فمن ترکھا فقد کفر۔**[2]

جواب: حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان روایات کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ روایات زجر و توبیخ کے لئے ہیں کہ نماز کو ترک کرنا کافروں کا فعل ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ روایت ہے کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو کسی تین وجوہ کے علاوہ اور کسی وجہ سے قتل کرنا جائز نہیں: ایمان کے بعد کفر کرے، یا شادی شدہ شخص زنا کرے یا کسی شخص کو بغیر بدلہ کے قتل کرے۔[3]

نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں: اگر خدانخواستہ بیماری ہے، اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے، بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں ہے تو لیٹ کر نماز پڑھ لے، نماز اس حالت تک معاف نہیں ہے۔ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ذرا بخار آجائے، نمازیں ترک کر دیتے ہیں۔ شریعت نے آسان راستہ بتا دیا کہ اگر وضو کرنے میں دشواری ہے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لیں۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ: جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

[1] صحیح مسلم: ۱/۸۸
[2] سنن ترمذی: ۴/۳۱۰
[3] صحیح مسلم: ۳/۱۳۰۲

یہاں سے اللہ ﷻ متقین اور پرہیز گاروں کی تیسری صفت بیان فرمارہے ہیں کہ متقین وہ ہیں کہ جو اللہ ﷻ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔

اللہ کے راستے میں خرچ کرنا اس کو انفاق فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔ انفاق کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو وہ خرچ کرنا ہے جو ہماری ذمہ داری ہے۔ یعنی جو اللہ ﷻ نے ہم پر فرض کیا ہے وہ تو کرنا ہی کرنا ہے وہ ہے زکوٰۃ، زکوٰۃ اللہ ﷻ نے فرض کی ہے، وہ تو ہم نے نکالنا ہی نکالنا ہے۔ اور ایک دوسری چیز یہ ہے کہ ہم زکوٰۃ کے علاوہ ویسے ہی راہِ اللہ خرچ کرتے رہیں۔ یہ دونوں چیزیں اس کے اندر شامل ہیں۔

اصل میں انسان کے اندر ایک عجیب چیز ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ کتنا بڑے سے بڑا آدمی کیوں نہ ہو یا چھوٹے سے چھوٹا آدمی کیوں نہ ہو، امیر کیوں نہ ہو، غریب کیوں نہ ہو، انسان کی ایک فطرت ہے ہر انسان کے اندر وہ موجود ہے، جس کا نام ہے کنجوسی اور بخل ہے، اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا: "وَأُحْضِرَتِ الأَنْفُسُ الشُّحَّ".[1]

ترجمہ: انسان کے نفس کے اندر کنجوسی، بخل بھر دی گئی ہے۔

حب مال، حب جان اور حب جاہ:

ہر انسان کے اندر تین طرح کی محبتیں ہوتی ہیں: حب مال، حب جان اور حب جاہ۔ حب مال کا مطلب ہے کہ مال و دولت کی محبت، حب جان کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جان کی محبت، کچھ ہو جائے اپنی فکر کرتا ہے کہ بس میں بچا رہوں، میں کیوں مروں؟ حب جاہ کا مطلب ہے اپنی شان و شوکت، اپنی "انا" جسے بولتے ہیں۔

بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ انسان حب مال سے نکل جاتا ہے اور جان کی محبت بھی نہیں ہوتی ہے لیکن اپنی "انا" ہوتی ہے۔ "انا" بہت خطرناک چیز ہے۔ بڑے سے بڑا آدمی ہو گا وہ اپنے آپ کو جھکائے گا نہیں۔ اپنے آپ کو وہ کہے گا کہ میں کیوں نیچے رہوں۔ میں اپنی ناک کو کیوں نیچے کروں، الا ماشاء اللہ کہ کسی کو اللہ ﷻ اتنا بڑا ظرف دے دیں کہ چاہے لوگ اسے گالیاں دے رہے ہوں، نیچا دکھا رہے ہوں مگر پھر بھی اُس کے نفس میں کسی قسم کی کدورت نہیں آتی۔

مال کی محبت سب سے پہلی محبت ہے۔ یہ بڑی خطرناک محبت ہے۔ اللہ ﷻ نے قرآن کریم کے اندر جہاں جہاد کا ذکر فرمایا ہے کہ جہاد کرو، تو وہاں پر اللہ ﷻ نے یوں فرمایا: جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ [2]. یعنی اے ایمان والوں! تم جہاد کرو اللہ ﷻ کے راستے

[1] سورۃ النساء: ۱۲۸

[2] سورۃ التوبۃ: ۴۱

میں، اپنے مالوں کے ذریعہ سے اور اپنی جانوں سے۔

جان سے پہلے اللہ ﷻ نے مال کو مقدم کیا ہمارے یہاں ایک محاورہ ہے کہ چمڑی تو جائے مگر دمڑی نہ جائے انسان چمڑی تو دینے کو تیار ہو جاتا ہے، یعنی جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے مگر مال دینے کو تیار نہیں ہوتا۔ جب مال خرچ کروگے تو پھر جان دینا آسان ہو جائے گا۔

اگر انسان یہ سمجھے کہ میں نے اپنے فن اور ہنر سے یہ مال کمالیا یہ انسان کی غلط فہمی ہے۔ کاش! کہ یہ بات ہمارے ذہن میں آجائے کہ ہم جب دنیا میں آئے تھے، اللہ ﷻ نے ہماری روزی اس وقت مقرر کر دی تھی، اللہ ﷻ کے علم میں ہے کہ ہم نے دنیا میں آنے کے بعد کتنا مال و دولت کمانا ہے، کتنا ہم امیر ہوں گے، کتنے پیسے ہمارے پاس ہوں گے، اللہ ﷻ نے ہمیں پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری روزی بھی دیدی تھی۔ اب ہم اس مقرر کردہ روزی میں سے ایک پائی جو ہے ہم زیادہ نہیں کما سکتے، نہ ہی اس سے تھوڑا سا کم لے سکتے ہیں، جتنا اللہ ﷻ نے دینا ہے وہ ہمیں مل کر رہے گا اس سے پہلے ہم مریں گے بھی نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أَنَّ نَفْساً لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ أَجَلَهَا، وَتَسْتَوْعِبَ رِزْقَهَا۔[1]

ترجمہ: بلاشبہ! کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ اپنی اجل کو مکمل نہ کرلے اور روزی کو مکمل نہیں کرلیتا۔

ہم جب ہی مریں گے جب ہماری روزی مکمل ہو جائے گی، اب مرضی ہے چاہے ہم اللہ ﷻ پر چھوڑ دیں اور جائز ذریعہ کو اختیار کریں کہ اللہ ﷻ جو دے رہا ہے اسی پر ہم صبر کریں اور شکر بجالائیں۔ بہت سے لوگ غلط کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے ہیں اور حرام ذرائع اختیار کرتے ہیں تاکہ مال و دولت زیادہ آجائے لیکن درحقیقت اس کو اتنا ہی ملے گا جتنا اوپر لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ لوگوں نے دیکھا اور سنا بھی ہوگا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جنہوں نے حرام ذرائع سے بہت سارا مال کمالیا، آج وہ امیر بن گئے کل کو کوئی ایسی آفت آپڑی اور کوئی ایسی مصیبت آئی، پتہ چلا کہ سارا مال و دولت ختم ہو گیا۔ آج وہ غربت کی زندگی گذار رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ابھی اس کی موت کا وقت چونکہ آیا نہیں ہے، ابھی اس کی زندگی باقی ہے، اب وہ کیا کرے گا کہ وہ تنگی کے ساتھ وقت گذارے گا یہاں تک کہ جب اس کی آخری روزی ختم ہوگی تو اس کا انتقال ہو جائے گا۔

ایسے بھی لوگوں کے بارے میں دیکھا اور سنا گیا ہے کہ ساری زندگی انہوں نے غربت کی گذاری، جب آخری وقت آنے والا ہوتا ہے بڑھاپا آجاتا ہے اچانک اللہ ﷻ بے پناہ مال دیدیتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نے زندگی بھر قناعت کی تھی، اللہ ﷻ نے اس کے لئے روزی زیادہ رکھی تھی، کیونکہ آخری وقت آنے والا ہوتا ہے اس لئے اللہ ﷻ زیادہ زیادہ مال اس کو دے دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے کوحصہ کو مکمل کرلے، اس کے بعد اس کا انتقال ہو جائے۔ جب یہ بات ہمارے ذہن میں آجائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ پھر ہمیں اس قدر ناجائز ذرائع استعمال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، ہم اس چیز کو سمجھتے ہی نہیں ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ حاصل

[1] حلیۃ الاولیاء: ۱۰/ ۲۶

کر رہے ہیں اپنے علم سے، اپنے ہنر سے، اپنے فن سے حاصل کر رہے ہیں۔ یہ ہماری بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

قارون کو جو اللہ ﷻ نے مال و دولت دی، جب اس کی قوم نے اس سے کہا: اور احسان کر (یعنی اللہ ﷻ کے راستے میں خرچ کر) جیسا کہ اللہ ﷻ نے تجھ پر احسان کیا، تو اُس نے جواب میں کہا: **إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِندِيٓ**[1]۔ یعنی کہنے لگا یہ جو میرے پاس مال و دولت ہے، یہ میرے علم اور ہنر کی وجہ سے ہے۔

یہ انسان کی غلطی ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ میری فنکاری اور ہنر کی وجہ سے کما رہا ہوں۔ ایسی بات نہیں ہے یہ اللہ ﷻ دے رہے ہیں۔

اللَّهُ لَطِيفٌۢ بِعِبَادِهِۦ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ[2]۔ یعنی اللہ ﷻ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے، جس کو چاہے وہ رزق دیتا ہے۔

اور جس کو چاہے جتنا دیتا ہے۔ اس کی مرضی ہے، پھر اللہ ﷻ نے ایک جگہ فرمایا کہ: **اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ**.[3] یعنی اللہ ﷻ جس کے لئے چاہے خوب روزی دیتے ہیں، اور بعض پر تنگی کر دیتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: **اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ**.[4] یعنی اللہ ﷻ ہی ہے جو روزی دینے والا، زبردست قوت والا ہے۔

ہماری ذمہ داری عبادت، اللہ ﷻ کی ذمہ داری روزی کا دینا: اللہ ﷻ نے تو روزی کا ذمہ اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے جو ہمارے ذمہ لگایا تھا وہ ہم نے چھوڑ دیا اور جو اللہ ﷻ نے اپنے ذمہ لیا تھا وہ ہم نے لے لیا۔ ہمارے ذمہ اللہ ﷻ کی عبادت تھی، روزی کا ذمہ اللہ ﷻ نے اپنے ذمہ لیا تھا، ہم نے عبادت کو چھوڑ دیا اور اللہ ﷻ کے ذمہ جو چیز ہے اس کو ہم خود لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ ﷻ فرماتے ہیں کہ: **وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا**[5]. یعنی زمین میں کوئی جانور بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کا رزق اللہ ﷻ کے ذمہ نہ ہو۔

زکوٰۃ کی اہمیت اور مال کی محبت: جب ہم زکوٰۃ کے فلسفہ کو سمجھیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بات ساری آسان ہو جائے گی۔ زکوٰۃ اللہ ﷻ نے اس لئے رکھی تاکہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے ہمارے دل کے اندر جو مال کی محبت ہے وہ ختم ہو جائے۔ جب مال کی محبت ختم ہو گی تو ہم زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی دینے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ صحابہ کرام ؓ کی مثال سامنے ہے اُن میں کتنے ایسے غریب

[1] سورۃ القصص: ۷۸
[2] سورۃ الشوریٰ: ۱۹
[3] سورۃ الرعد: ۲۶
[4] سورۃ الذاریات: ۵۸
[5] سورۃ ھود: ۶

تھے وہ زکوٰۃ تو کیا دیتے ،سوائے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے، وہ لوگ باوجود غربت کے مال نکالا کرتے تھے۔ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے فرمایا کہ لاؤ جس کے پاس جو ہے دیدو۔ وہاں یہ نہیں تھا کہ ہم پر زکوٰۃ ہی فرض نہیں ہے، یہ بات نہیں تھی۔

ایک غریب صحابی رضی اللہ عنہ کی مہمان داری: ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مسافر آیا،اس نے کہا کہ حضرت میں بھوکا ہوں میرے پاس کھانے کے لئے نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس وقت جتنے لوگ تھے اتفاق سے سارے غرباء بیٹھے ہوئے تھے،سب سے پوچھا کہ تمہارے پاس گنجائش ہے؟ کوئی جواب نہیں دے رہا تھا،سب کو معلوم تھا کہ گھر میں آج فاقہ ہے،خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں فاقہ ہے۔ سب سوچ رہے ہیں کیا ہو گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پکار رہے ہیں کہ کوئی ہے جو آج اس شخص کو اپنے گھر میں مہمان بنالے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ تھے ان سے نہیں رہا گیا اور وہ کھڑے ہو گئے، انہوں نے کہا کہ حضرت میں ان کو مہمان بناتا ہوں، کچھ نہیں سوچا کہ گھر پر کچھ ہے یا نہیں ہے۔ان کو لے کر گھر چلے گئے۔ گھر پہنچے رات کا وقت تھا مہمان کو انہوں نے بٹھایا اور اس کے بعد جاکر بیوی سے انہوں نے پوچھا کچھ ہے؟ تو بیوی نے کہا کہ ہم لوگوں کے لئے تو کچھ نہیں ہے، تھوڑا سا بچوں کے لئے کچھ رکھا ہوا ہے وہ میں نے پتیلی میں رکھا ہوا ہے اور وہ بچوں کو دینا ہے، انہوں نے کہا کہ تم بچوں کو سلادو کسی بھی طریقے سے، یہ کھانا جو ہے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کر چکا ہوں، میں ان مہمان کو کھلاؤں گا۔ اور چونکہ کھانا تھوڑا سا ہے، انہوں نے بیوی کو سمجھا دیا کہ پہلے زمانے میں جو لالٹین یا ڈھبری جو بھی چیز تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ عین کھانے کے ٹائم پر بہانے سے اس کو گرا دینا، تاکہ اندھیرے میں میں اپنا منہ چلاتا رہوں گا۔ مہمان یہ سمجھیں گے کہ میں بھی کھانا کھا رہا ہوں۔اس طریقے سے مہمان کا پیٹ بھر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا اخلاص اتنا پسند آیا کہ آیت نازل فرمائی: **وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ**.[1] یعنی یہ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کی حالت بھی خستہ ہو۔

مال و دولت جمع کرنے اور اس کو خرچ نہ کرنے والوں کا حشر: جو لوگ مال کو خرچ نہیں کرتے ہیں باوجود صاحبِ نصاب ہونے کے، ان کے بارے میں سخت وعید آئی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُونَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لأَنفُسِكُم فَذُوقُواْ مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ**[2]

ترجمہ: وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔

[1] سورۃ الحشر:۹
[2] سورۃ التوبۃ:۳۵

جس دن کہ آگ دھکائیں گے اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے اس کی پیشانی، کروٹیں اور پیٹھیں، (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا اپنے واسطے، اب مزہ چکھو اپنے جمع شدہ خزانے کا۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ: یہاں سے اللہ ﷻ متقین کی چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پرہیز گار وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان لاتے ہیں ان تمام چیزوں کے اوپر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہیں اور جو کچھ آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔

بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ سے مراد مطلق وحی ہے، چاہے وحی متلو (قرآن) ہو یا وحی غیر متلو (حدیث) ہو۔ متقین کی صفات میں سے ایک صفت ان کی یہ بھی ہے کہ جو کچھ بھی رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا ان سب پر ایمان لاتے ہیں، یہ نہیں کہ صرف قرآن پر ایمان لائیں اور یہ کہیں کہ حدیث پر ایمان نہیں رکھتے، جیسا کہ منکرینِ حدیث کا طبقہ ہے جو کہ احادیث کا انکار کر کے دین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ متقین ہمیشہ یہی کوشش کرتے ہیں قرآن و حدیث پر مکمل عمل کر کے تقویٰ کا معیار بلند کرتے ہیں۔

وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ: یعنی آپ سے پہلے جتنے بھی انبیاءِ کرام علیہم السلام تھے ان سب پر جو جو چیزیں نازل ہوتی رہیں، جتنی کتابیں نازل ہوتی رہیں، جتنے صحیفے نازل ہوتے رہیں، ان سب کے اوپر ایمان لاتے ہیں۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ ایمان نام ہے اس چیز کا کہ اللہ ﷻ کے بعد سارے انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا۔ سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں پر ایمان لانا، سارے انبیاء کرام علیہم السلام کی وحی پر ایمان لانا۔

عیسائیوں کا ایمان صرف انجیل پر اور یہودیوں کا ایمان صرف توریت پر ہے۔ مگر ان کے مقابلے میں جو ایمان والے ہیں وہ جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام آئے ہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نبی کریم ﷺ تک سب پر بغیر کسی تفریق کے ایمان لاتے ہیں۔ اسی کو اللہ ﷻ ایک جگہ فرمایا:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ۔[1]

ترجمہ: رسول ایمان لے آئے جو کچھ نازل ہوا اُن پر اُن کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی، سب اللہ ﷻ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لے آئے، (کہتے ہیں) ہم تفریق نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں سے۔ اس تفریق سے مراد یہ ہے کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح نہیں کرتے کہ کسی نبی پر ایمان لائے اور کسی پر نہیں۔

[1] سورۃ البقرۃ:۲۸۵

بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ میں فلاں نبی پر ایمان لاتا ہوں اور فلاں پر نہیں تو وہ مسلمان نہ ہو گا۔

وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ: یہاں سے اللہ ﷻ متقین کی پانچویں صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور جو آخرت کے اوپر یقین رکھتے ہیں۔ آخرت پر یقین رکھنا یہ ایمان کی بہت بڑی علامت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اللہ ﷻ نے جو درحقیقت پیدا کیا ہے وہ آخرت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ دنیا اللہ ﷻ نے ہمارے لئے تخلیق کی ہے لیکن ہم آخرت کے لئے بنائے گئے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **الدنیا خُلِقَتْ لکم وانتم خُلِقْتُمْ لِلآخرة**-[1] یعنی دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے، اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ ہمارا جو اصل گھر ہے، جہاں جانا ہے وہ آخرت ہے۔ دنیا میں ہمیں اللہ ﷻ نے بھیجا ہے تاکہ آخرت کمائیں، آخرت کو حاصل کریں۔ دنیا کو یوں سمجھئے کہ یہ ایک آخرت کی کھیتی ہے جس میں ہم محنت کر رہے ہیں تاکہ اس کا پھل اچھا نکلے۔ ایک کسان جو ہوتا ہے وہ زمین میں بیج اور دانے ڈالنے کے بعد محنت کرتا ہے، باقاعدہ پانی کا اہتمام کرتا ہے، رات رات کو اٹھ کر وہ پانی ڈالتا ہے، چاروں طرف سے باڑ لگاتا ہے، تاکہ کوئی جانور اور کوئی دوسری چیز اس کو ختم نہ کرے۔ ایسا کسان بڑا کامیاب ہوتا ہے کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ محنت کر رہا ہے، اس کی محنت رنگ لائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے، جب موسم آتا ہے تو اس کا پھل سامنے آتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے، تو گویا کہ اس کو کل کے اوپر یقین تھا محنت کرنے کی وجہ سے۔ اسی طریقے سے مؤمن یہی کرتا ہے کہ اس کے دل میں جو ایمان کا بیج ڈالا گیا ہے اس پر خوب اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اس ایمان کے بیج کو بڑھاتا ہے، نماز کا مکمل اہتمام کرتا ہے، چاہے سردی ہو یا گرمی، نماز کے علاوہ اللہ ﷻ نے جو روزے فرض کئے ہیں پورا مہینہ وہ روزہ رکھتا ہے، چاہے کتنی شدید گرمی کیوں نہ پڑ رہی ہو، اسی طریقے سے اگر پیسے والا ہے اللہ ﷻ نے مال و دولت عطا فرمایا ہے تو زکوٰۃ کا اہتمام کرتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، اور اللہ ﷻ نے مزید پیسوں سے نوازا ہے تو حج کا اہتمام کرتا ہے، یہ ساری محنتیں کیوں کر رہا ہے؟ اس لئے تاکہ ایمان کا پھل جب اس کا موسم آئے گا تو اچھا نکلے اور وہ پھل کہاں ملے گا؟ وہ آخرت میں ملے گا، اس لئے ایمان والے اس آخرت پر پکا یقین رکھتے ہیں جہاں ان کو ان کی محنت کا صلہ ملنے والا ہے۔

صفات کا مختصر جائزہ

* پہلی صفت: ایمان بالغیب۔
* دوسری صفت: نماز کو قائم رکھنا۔
* تیسری صفت: اللہ ﷻ کے راستے میں خرچ کرنا۔
* چوتھی صفت: نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام آئے ہیں ان پر جو چیزیں نازل ہوئیں ہیں ان سب پر ایمان لانا۔

[1] تنبیہ الغافلین للسمرقندی: ۲۳۸

*پانچویں صفت: آخرت پر یقین رکھنا۔

یہ پانچ صفات ہیں۔ جو ان پانچ صفات کا حامل ہو، تو در حقیقت وہی پرہیز گار ہے۔ اور یہ قرآن کریم در حقیقت انہی لوگوں کے لئے ہدایت ہے جن کے اندر یہ پانچ صفات موجود ہوں۔

اللہ ﷻ ان کو ہدایت کی سند دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

أُوْلآئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَ أُوْلآئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور جو ہدایت پر ہوں گے، ظاہر ہے کہ سیدھے راستے کے اوپر ہوں گے، جس کا سوال "**اهدنا الصراط المستقيم**" میں کیا گیا، تو ایسے لوگوں کا نتیجہ کامیابی ہی ہے، چنانچہ فرمایا:

وَ أُوْلآئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

تو کامیابی در حقیقت ہدایت پر اور ہدایت تقویٰ پر اور تقویٰ ان پانچ صفات بالا پر موقوف ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾	بیشک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔(٦)
خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٧﴾	مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔(٧)

شروع کی پانچ آیتیں، الم سے **وَ أُوْلآئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** تک، اللہ ﷻ نے پرہیز گار اور متقین کا ذکر فرمایا ہے۔

اب اس کے بعد اللہ ﷻ ان دو آیتوں میں کفار کا ذکر فرماتے ہیں۔

ایک تو وہ طبقہ ہے جو ایمان والوں اور پرہیز گاروں کا ہے۔ ان کے بالکل مد مقابل جو طبقہ ہے وہ کفار کا ہے۔ اور ایمان اور کفر کے درمیان جو طبقہ ہے وہ نفاق کا ہے، جن کا ذکر دوسرے رکوع میں ہے جو تیرہ آیتوں پر مشتمل ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ:

کفر کا مطلب عربی زبان میں چھپانے کے آتے ہیں، جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

فِيْ لَيْلَةٍ كَفَرَ النُّجُوْمَ غَمَامُهَا

(ایک ایسی رات میں رات کے بادل نے ستاروں کو چھپالیا)

اسی طرح کسان کو بھی عربی زبان میں کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے، اللہ ﷻ فرماتے ہیں: **كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ**[1]۔

کافر کو کافر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایمان کو چھپاتا ہے جو اللہ ﷻ نے اس کو ودیعت فرمایا تھا، اس ایمان کو چھپاتے چھپاتے ایک ایسے مقام تک پہونچ جاتا ہے جہاں وہ انکار کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ جو ترجمہ کفر کا انکار سے کرتے ہیں یہ التزامی معنی ہے۔

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ: ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

خَتَمَ اللّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عظِيْمٌ: اللہ ﷻ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے ہیں اور اُن کے لئے بڑا زبردست عذاب ہے۔

خَتَمَ : سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح چھپادینا اور ڈھانپ دینا کہ اس میں دوسری چیز داخل نہ ہوسکے، اسی کا ترجمہ مہر لگانے سے کردیا جاتا ہے۔ اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ مجرم خود یہ کفار ہیں کہ جنہوں نے ایمان کے بیج کو اس قدر چھپالیا کہ وہ اب اس بات کے مستحق ہوگئے کہ ان کے قلوب پر مہر لگادی جائے۔

قلوب : یہ قلب کی جمع ہے، جس کے معنی دھڑکنے کے ہے۔ **قد سمی القلب قلبا من تقلب** یعنی قلب کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دھڑکتا ہے۔ یہ جسم کا عضو صنوبری ہے جو مرکز ہے انوارات و تجلیات جلالیہ و جمالیہ کا، اسی قلب کی وجہ سے انسان کو انسان کہا جاتا ہے کیونکہ اسی میں اللہ ﷻ نے ایمان کو ودیعت فرمایا ہے اور یہ جسم کا وہ حصہ ہے جو بادشاہ ہے، اگر کسی کا قلب درست تو پورا جسم درست اگر کسی کا قلب خراب تو پورا جسم خراب۔ اسی قلب کے اندر یہ کمال ہے کہ قہر و لطف یہیں سے پیدا ہوتا ہے، اسی طرح اخلاقِ مرضیہ و احوالِ ردیہ اور قبض و بسط ان سب کا قلب ہی مرکز ہے۔ وحی کا مہبط بھی قلب ہی ہے۔

اس میں بڑا اختلاف ہے کہ عقل و علم کا مرکز قلب ہے یا دماغ؟ بعض دماغ کو کہتے ہیں، بعض قلب کو اور بعض مشترک کہتے ہیں۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ نے اس پر بہت ہی عمدہ کلام فرمایا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ایک رابطہ معنویہ ہے اس طرح سے کہ قلب مرکز عقل و علم ہے اور دماغ اس کی شاخ ہے، یعنی پہلے دل میں آتا ہے پھر دماغ میں اس کا پھیلاوا ہوتا ہے۔

سمع: اس کے معنی سننے کے آتے ہیں مگر یہاں پر مراد اس سے کان ہے۔

[1] سورۃ الحدید: ۲۰

ابصار: بصر کی جمع ہے، اس کے معنی دیکھنے کے ہیں، مگر مراد یہاں پر اس سے آنکھیں ہیں۔

غشاوۃ: اس کے معنی ڈھانپنے کے آتے ہیں، اس سے مراد پردے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے لہذا اب وہ **حق** نہیں سن سکتے جو ان کے کانوں سے ہوتے ہوئے ان کے دلوں تک پہونچتا، اسی طرح سے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دئے گئے ہیں، اب وہ **حق** دیکھنے سے قاصر ہیں، جب **حق** کو دیکھ ہی نہیں سکتے تو ایمان کیسے لاسکتے ہیں؟ اور یہ سب کچھ ان کے اپنے کفر کی وجہ سے ہوا ہے۔

یہاں سے ان کافروں کا تذکرہ اللہ ﷻ فرمارہے ہیں کہ جنہوں نے آخری وقت تک ایمان لاکر نہیں دیا، جیسے ابو جہل، ابو لہب وغیرہما، جب انہوں نے خود ہی امانتِ ایمان کو ضائع کردیا تو مجرم یہ خود ہوئے، اللہ ﷻ نے تو ان کو مسلمان پیدا کیا تھا۔

ایمان نہ لانے پر کفار کا کیا قصور ہے؟ یہاں پر ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ جب یہ خود ہی فرمارہے ہیں کہ: اے نبی ﷺ! ان کے حق میں یہ بات برابر ہے کہ آپ انہیں ڈرایئے یا نہیں ڈرایئے وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے، پھر ابو جہل، ابو لہب کا کیا یا جتنے کفار ہیں ان کا کیا قصور ہے؟ جب اللہ ﷻ نے ان کے حق میں کفر لکھ ہی دیا ہے۔ ابو جہل، ابو لہب اور اسی طرح سارے کفار کہ جو ایمان نہیں لائے ہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب ہماری تقدیر میں پہلے سے ہی یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ ﷻ ہمیں جہنم میں ڈالیں گے، نبی ﷺ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ہر حالت میں ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تقدیر میں پہلے سے ہی یہ سب طے شدہ ہے تو پھر کافروں پر الزام کیوں؟ اسی طرح سے کوئی چور چوری کرتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میری تقدیر میں روزی اسی طرح سے ہی حاصل کرنا لکھا ہے اس میں میرا کیا قصور؟ علی ہذا القیاس ہر طرح کا گناہ اور نافرمانی جو بندہ کرتا ہے وہ سارا الزام اللہ ﷻ پر رکھ دے کہ یہ اللہ ﷻ نے لکھا تھا اس لئے میں نے ایسا کیا، لہذا جرائم پر حدود و قصاص اور آخرت میں سزا کا مستحق ہونا اللہ ﷻ کے انصاف کے خلاف لگتا ہے۔ یہ تقدیر کا مسئلہ ہے اس پر گفتگو بالکل نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ہم سے پہلے کتنی امتیں صرف اس بات پر ہلاک ہوگئی تھیں کہ وہ تقدیر پر بحث کیا کرتے تھے۔

تقدیر کیا ہے؟

تقدیر کے معاملہ میں بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بڑی بڑی بحثیں کی گئیں ہیں۔ تو بجائے ان تفصیلات میں جانے کے مختصراً یہ سمجھ لیں کہ: تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ تقدیر مبرم ۲۔ تقدیر معلّق۔

جہاں تک "تقدیر مبرم" ہے، "مبرم" کا مطلب ہوتا ہے یقینی فیصلہ، کہ جو بات یقینی طور پر ہوجائے جس میں کوئی کسی بھی قسم کے آگے پیچھے ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہے۔ اسے "تقدیر مبرم،، کہتے ہیں۔ مثلاً موت ہے، اللہ ﷻ نے ایک وقت لکھ دیا ہے اور جگہ بھی متعین فرمادی کہ فلاں بندہ فلاں جگہ پر، فلاں وقت پر مرے گا۔ یہ،، تقدیر مبرم،، ہے۔ اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی

نہیں ہو سکتی۔ اللہ ﷻ نے فرمایا: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ[1] یعنی اللہ ﷻ کی طرف سے جب اجل آجاتی ہے تو اس میں کسی بھی قسم کی تاخیر نہیں کی جاتی اگر تم جان لو۔

تقدیر معلّق بہت ہی وسیع معنی میں ہے، اس کا مفہوم بڑا پھیلا ہوا ہے۔ معلّق کا مطلب یہ ہے کہ کسی بات کے اوپر رکھ دی جائے اگر ایسا کام ہو جائے تو یوں ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر: ہم لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر فلاں آجائے تو ہم لوگ فلاں جگہ پر چلیں گے، اگر وہ فلاں نہیں آئیں گے تو ہم لوگ نہیں جائیں گے، ہم نے اپنا آنا جانا معلّق کر دیا ہے کسی کے آنے کے پر۔ اسی طرح تقدیر معلّق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ کے کچھ ایسے احکام ہیں جو اللہ ﷻ نے انسان کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اللہ ﷻ نے یہ فرمادیا کہ اگر بندہ یہ کام کرے گا تو میں یہ جزا لکھ دوں گا، اگر بندہ یہ کام کرے گا تو یہ سزا لکھ دوں گا۔ اگر توبہ کر لیتا ہے تو معاف کر دیا جائے گا اگر توبہ نہ کی تو معاف نہیں کیا جائے گا۔

لکھی گئی برائیوں کا توبہ سے صاف ہونا: اللہ ﷻ نے اعمال ہمارے ذمہ دے رکھے ہیں، اگر ہم گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لیتے ہیں تو وہ گناہ اللہ ﷻ معاف کر دے گا اور اگر گناہ کرنے کے بعد توبہ نہ کریں تو وہ گناہ لکھا رہ جائے گا۔

اللہ ﷻ کا وعدہ ہے کہ: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ[2] یعنی بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

اسی تقدیر کے مسئلہ کو اللہ ﷻ نے قرآن کریم میں بھی فرمایا: يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ[3]۔

يَمْحُوا میں تقدیر معلق کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ ﷻ بہت سی چیزوں کو صاف کرتا رہتا ہے اور بندوں کے اپنے اوپر چھوڑ دیتا ہے۔

وَ يُثْبِتُ میں تقدیر مبرم کو بتلاتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں ہو گی، جیسے موت، موت کی جگہ اور رزق وغیرہ۔

کفار کا کفر پر رہنا، تقدیر معلّق ہے: اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا: قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ[4] یعنی اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے، کہ حق جو ہے وہ آپ کے رب کی جانب سے ہے اب مرضی ہے جو چاہے ایمان لائے، اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔

[1] سورۃ نوح: ۴
[2] سورۃ ھود: ۱۱۴
[3] سورۃ الرعد: ۳۹
[4] سورۃ الکہف: ۲۹

مشیت اور رضا میں فرق

قرآن حکیم میں ہے: وَمَاتَشَآؤنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ یعنی تمہارا چاہنا اللہ ﷻ کے چاہنے پر ہے۔[1]

اب ایک سوال یہاں ہوتا ہے کہ جب اللہ ﷻ کا چاہنا ہوا تو اس میں بندہ کا کیا قصور؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اختیار دینا اور چاہنا اور چیز ہے اور راضی ہونا اور چیز ہے، بے شک اللہ ﷻ نے ایمان اور کفر کے معاملے پر بندوں کو اختیار تو دیدیا، لیکن کیا اللہ ﷻ کفر اور گمراہی کو پسند کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں، چنانچہ اللہ ﷻ نے دوسری جگہ اس کی وضاحت فرمادی:

وَ لَا یَرْضٰی بِعِبَادِہِ الْکُفْرَ[2]۔ یعنی اللہ ﷻ اپنے بندوں کے کفر کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

تمام بندوں کو اللہ ﷻ نے ایمان سے نوازا ہے۔ ایمان کی دولت اللہ ﷻ نے ہر شخص کو عنایت فرمائی، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والا آخری فرد جو پیدا ہونے والا ہے ان سب کو اللہ ﷻ نے ایمان سے نوازا ہے۔ بڑے سے بڑا کافر جیسے فرعون، نمرود، ابوجہل اور ابولہب اور اسی طرح چھوٹے سے چھوٹا کافر کیوں نہ ہو، علی ہذا القیاس بڑے سے بڑا مؤمن کیوں نہ ہوں ان سب کو اللہ ﷻ نے ایمان سے نوازا ہے۔ ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ وہ کافر پیدا ہوا، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کل مولود یُولدُ علی الفطرة فابواہ یھوّدانه، او ینصرانه او یمجسانه۔[3]

ترجمہ: ہر بچہ اسلام کے اوپر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

گویا کہ کفر کا اختیار کرنا بعد میں ہوتا ہے، فطری طور پر بندہ مسلمان ہی ہوتا ہے۔

اصل میں کافر کہ جس کے دل میں ایمان ہے وہ اس ایمان کو چھپاتا ہے اور ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ وہ ایمان مکمل چھپ جاتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں مہر لگادی جاتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک انگارہ ہو کچھ وقت کے بعد اس کے اوپر راکھ جم جائے اور انگارہ بالکل نظر نہ آئے اور یوں لگے کہ انگارہ ہے ہی نہیں، لیکن جب راکھ ہٹایا جائے اور خوب زور سے پونکھا جائے تو وہ انگارہ پھر سے چمکنے لگے گا، اسی طرح کافروں کے دل کے احوال کو سمجھیں کہ قیامت کے دن اللہ ﷻ ان کے دلوں پر اپنی تجلی ظاہر فرمائیں گے تو وہ سارے پردے اُٹھ جائیں گے اور ایمان کا نور خوب چمکنے لگ جائے گا اور کفار جو فطری طور پر مسلمان پیدا ہوئے تھے وہ اپنے رب سے قیامت کے دن حقیقی طور محبت کرنے لگیں گے، مگر اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ کفار چاہیں گے کہ ان کا رب ان

[1] سورۃ التکویر: ۲۹
[2] سورۃ الزمر: ۷
[3] صحیح البخاری: ۲/ ۱۰۰

سے ہمکلام ہو، مگر اُن کا رب فرمائیں گے: وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ[1]

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ ﷻ اُن سے بات نہیں کرے گا۔

اللہ ﷻ کا اُن سے بات نہ کرنا اُن کے لئے سب سے بدترین عذاب ہو گا، جیسے کوئی کسی سے انتہائی محبت کرے، مگر اس کا محبوب یہ کہے کہ مجھ سے بات مت کرو میں تم سے بات نہیں کروں گا، تو اس محب سے پوچھیں کہ اس وقت اس کا کیا حال ہو گا؟ وہ کہے گا کہ جو سزا دینا ہو دے دو مگر مجھ سے باتیں کرو۔ معلوم ہوا کہ بات کا نہ کرنا بطورِ سزا ہے۔

مختصراً یہ کہ قیامت کے دن کفار اپنے فطری ایمان کی طرف لوٹ آئیں گے مگر اس کا کوئی فائدہ ان کو نہ ہو گا۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾	اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں، ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں۔(۸)
يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ؕ﴿۹﴾	یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں، درحقیقت یہ دھوکہ اپنے آپ کو دے رہے ہیں۔ اور وہ سمجھ نہیں رہے ہیں۔(۹)

یہاں سے اللہ ﷻ ان لوگوں کا ذکر کر رہے ہیں جو لوگ نہ مسلمان ہیں نہ کافر ہیں، بلکہ ان کے درمیان میں ہیں جنہیں منافقین کہا جاتا ہے۔

اس رکوع میں اللہ ﷻ نے منافقوں کے حالات کو انتہائی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق جو ہیں یہ سب سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ کافر تو کھلا ہوا مسلمانوں کا دشمن ہے۔ ہمارا کوئی کھلا ہوا دشمن ہو تو ہم بچ جائیں گے۔ ہمیں پتہ ہے کہ یہ ہمارا دشمن ہے اس سے بچنے کی ہم ساری تدبیریں کریں گے اور اپنے آپ کو ظاہری دشمن سے بچالیں گے، لیکن منافقین جو ہوتے ہیں، وہ آستین کے سانپ ہوتے ہیں، اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، اس لئے وہ کلمہ پڑھ پڑھ کر مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کی سعی کرتے رہتے ہیں اور بعض دفعہ اپنے مذموم حرکتوں میں ان کو ظاہری کامیابی بھی ہوئی اور مسلمانوں کو ان کی وجہ سے بڑا نقصان بھی ہوا۔

منافقین کون ہیں؟ نفاق کا مطلب یہ ہے کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پہ کچھ، منافق کو منافق اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے دل میں کفر رکھتے ہیں اور زبان سے اسلام کو ظاہر کرتے ہیں، اس اعتبار سے ان کا جرم کفار سے بڑھ کر ہے اور ان کی سزا بھی بدترین رکھی گئی

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۷۴

ہے، چنانچہ ارشاد ہے: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ[1]

ترجمہ: منافقین بلاشبہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

منافقین کی تاریخ:

حضرت نبی کریم ﷺ جب ۴۰ چالیس سال کی عمر کو پہنچے ہیں تو اس وقت حضرت نبی کریم ﷺ کو اللہ ﷻ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ تیرہ سالہ زندگی نبوت کے بعد کی نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں گذاری۔ نبوت کے بعد کی تیرہ ۱۳ سالہ زندگی مصیبت اور مشقت کی تھی۔ اس زندگی میں حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے انتہائی اذیتیں برداشت کیں۔ بالآخر اللہ ﷻ نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا حکم دیا، جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ کا تاریخی استقبال ہوا، پورا مدینہ اُمڈ آیا۔

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اوس اور خزرج کے قبیلے آپس کی خانہ جنگیوں سے تھک کر ایک شخص کی قیادت وسیادت پر قریب قریب متفق ہو چکے تھے اور اس بات کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اس کو اپنا بادشاہ بنا کر باقاعدہ اس کی تاج پوشی کی رسم ادا کر دیں حتٰی کہ اس کے لیے تاج بھی بنالیا گیا تھا۔ یہ قبیلۂ خزرج کا رئیس عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔

قبیلۂ خزرج میں اس کی بزرگی بالکل متفق علیہ تھی اور اوس و خزرج اس سے پہلے کبھی ایک شخص کی قیادت پر جمع نہیں ہوئے تھے۔

اس صورت حال میں اسلام کا چرچا مدینے پہنچا اور ان دونوں قبیلوں کے با اثر آدمی مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔ ہجرت سے پہلے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ کو مدینۂ طیبہ تشریف لانے کی دعوت دی جا رہی تھی اس وقت حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری رضی اللہ عنہ اس دعوت کو صرف اس مصلحت سے مؤخر کرنا چاہتے تھے کہ عبد اللہ بن ابی بھی بیعت اور دعوت میں شریک ہو جائے، تاکہ مدینہ بالاتفاق اسلام کا مرکز بن سکے۔ لیکن جو وفد بیعت کے لیے حاضر ہوا تھا اس نے اس مصلحت کو کوئی اہمیت نہ دی اور اس کے تمام شرکاء جن میں دونوں قبیلوں کے ۷۵ آدمی شامل تھے، ہر خطرہ مول لے کر حضور ﷺ کو دعوت دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

اس کے بعد جب حضور اکرم ﷺ مدینے پہنچے تو انصار کے ہر گھرانے میں اسلام اتنا پھیل چکا تھا کہ عبد اللہ ابی بے بس ہو گیا اور اس کو اپنی سرداری بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ خود بھی مسلمان ہو جائے۔ چنانچہ وہ اپنے ان بہت سے حامیوں کے ساتھ، جن میں دونوں قبیلوں کے شیوخ اور سردار شامل تھے، داخلِ اسلام ہو گیا، حالانکہ دل ان سب کے جل رہے تھے اور خاص طور پر ابن ابی کو اس بات کا سخت غم تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بادشاہی چھین لی ہے۔ کئی سال تک اس کا یہ منافقانہ ایمان اور اپنی ریاست چھین جانے کا یہ غم طرح طرح کے رنگ دکھاتا رہا۔ ایک طرف حال یہ تھا کہ ہر جمعہ کو جب رسول اللہ ﷺ

[1] سورۃ النسآء: ۱۴۵

خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے بیٹھتے تو عبد اللہ بن ابی اٹھ کر کہتا کہ:

"حضرات، یہ اللہ کے رسول ﷺ آپ کے درمیان موجود ہیں جن کی ذات سے اللہ ﷻ نے آپ کو عزت اور شرف بخشا ہے، لہٰذا آپ ان کی تائید کریں اور جو کچھ یہ فرماتے ہیں اسے غور سے سنیں اور ان کی اطاعت کریں"

دوسری طرف کیفیت یہ تھی کہ روز بروز اس کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا چلا جارہا تھا اور مخلص مسلمانوں پر یہ بات کھلتی چلی جاتی تھی کہ وہ اور اس کے ساتھی اسلام اور رسول اللہ ﷺ اور گروہ اہل ایمان سے سخت بغض رکھتے ہیں۔

جنگ احد کے موقع پر اس شخص نے صریح غداری کی اور عین وقت پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر میدان جنگ سے الٹا واپس آگیا۔ جس نازک گھڑی میں اس نے یہ حرکت کی تھی اس کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ قریش کے لوگ تین ہزار کا لشکر لے کر مدینے پر چڑھ آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کے مقابلے میں صرف ہزار آدمی ساتھ لے کر مدافعت کے لیے نکلے تھے۔ ان ایک ہزار میں سے بھی منافقین تین سو آدمی توڑ لائے اور حضور ﷺ کو صرف سات سو کی جمعیت کے ساتھ تین ہزار دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

اس واقعے کے بعد مدینے کے عام مسلمانوں کو یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ شخص قطعی منافق ہے اور اس کے وہ ساتھی بھی پہچان لیے گئے جو منافقت میں اس کے شریک کار تھے۔ اسی بنا پر جنگ احد کے بعد جب پہلا جمعہ آیا اور یہ شخص حضور اکرم ﷺ کے خطبے سے پہلے حسب معمول تقریر کرنے کے لیے اٹھا تو لوگوں نے اس کا دامن کھینچ کر کہا "بیٹھ جاؤ، تم یہ باتیں کرنے کے اہل نہیں ہو۔" مدینے میں یہ پہلا موقع تھا کہ علانیہ اس شخص کی تذلیل کی گئی۔ اس پر برہم ہو کر وہ لوگوں کی گردنوں پر سے کودتا پھاندتا مسجد سے نکل گیا۔ مسجد کے دروازے پر بعض انصاریوں نے اس سے کہا "یہ کیا حرکت کر رہے ہو، واپس چلو اور رسول اللہ ﷺ سے استغفار کی درخواست کرو"۔ اس نے بگڑ کر جواب دیا "میں ان سے استغفار نہیں کرانا چاہتا"۔

پھر ۴ھ میں غزوۂ بنی النضیر پیش آیا اور اس موقع پر اس شخص نے اور اس کے ساتھیوں نے اور بھی زیادہ کھل کر اسلام کے خلاف اعدائے اسلام کی حمایت کی۔ ایک طرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ ؓ ان یہودی دشمنوں سے جنگ کی تیاری کر رہے تھے اور دوسری طرف یہ منافقین اندر ہی اندر یہودیوں کو پیغام بھیج رہے تھے کہ ڈٹے رہو، ہم تمہارے ساتھ ہیں، تم سے جنگ کی جائے گی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور تم کو نکالا جائے گا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے۔ اس خفیہ سازباز کا راز اللہ ﷻ نے خود کھول دیا۔ لیکن اس کی اور اس کے ساتھیوں کی اتنی پردہ دری ہو جانے کے باوجود جس وجہ سے رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمارہے تھے وہ یہ تھی کہ منافقین کا ایک بڑا جتھا اس کے ساتھ تھا۔ اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے بہت سے سردار اس کے حامی تھے۔ مدینے کی آبادی میں کم از کم ایک تہائی تعداد اس کے ساتھیوں کی موجود تھی، جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع

پر ظاہر ہو چکا تھا۔ ایسی حالت میں یہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ باہر کے دشمنوں سے لڑائی کے ساتھ ساتھ اندر کے اِن دشمنوں سے بھی جنگ مول لے لی جاتی۔ اسی بنا پر ان کی منافقت کا حال جانتے ہوئے بھی حضور کریم ﷺ ایک مدت تک ان کے ساتھ ان کے ظاہری دعوائے ایمان کے لحاظ سے معاملہ فرماتے رہیں۔ دوسری طرف یہ لوگ بھی نہ اتنی طاقت رکھتے تھے، نہ ہمت کہ علانیہ کافر بن کر اہل ایمان سے لڑ لیتے یا کسی حملہ آور دشمن کے ساتھ کھلم کھلا مل کر میدان میں آ جاتے۔ بظاہر وہ اپنا ایک مضبوط جتھا بنائے ہوئے تھے مگر ان کے اندر وہ کمزوریاں موجود تھیں جن کا نقشہ اللہ ﷻ نے سورۂ حشر کی آیات ۱۲-۱۴ میں صاف صاف کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ اس لئے وہ مسلمان بنے رہنے میں ہی اپنی خیر سمجھتے تھے۔ مسجدوں میں آتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، زکوٰۃ بھی دے ڈالتے تھے، زبان سے ایمان کے وہ لمبے چوڑے دعوے کرتے تھے جن کے کرنے کی مخلص مسلمانوں کو کبھی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ ان کے پاس اپنی ہر منافقانہ حرکت کے لیے ہزار جھوٹی توجیہیں موجود تھیں جن سے وہ خاص طور پر اپنے ہم قبیلہ انصار کو یہ دھوکا دینے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان تدبیروں سے وہ اپنے آپ کو ان نقصانات سے بھی بچا رہے تھے جو انصار کی برادری سے الگ ہو جانے کی صورت میں ان کو پہنچ سکتے تھے اور فتنہ پردازی کے ان مواقع سے بھی فائدہ اٹھا رہے تھے جو اس برادری میں شامل رہ کر انہیں مل سکتے تھے۔

ان آیات میں اللہ ﷻ انہیں منافقین کا یہاں ذکر کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ: اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں، ہم اللہ ﷻ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ ان کا ایمان باللہ کا یا ایمان بالآخرۃ کا دعویٰ کرنا جھوٹ پر مبنی ہے۔ درحقیقت یہ ایمان والے نہیں ہیں، یہ منافقین ہیں۔ ان کے دلوں کے اندر اسلام دشمنی بھری ہوئی ہے۔

اللہ ﷻ نے ۲۸ ویں پارے میں پوری ایک سورۃ نازل فرمائی ہے۔ جس سورۃ کا نام ہے سورۃ المنافقون ہے۔ اس سورہ میں منافقین کے اس ایمان کے دعوے کو رد کرتے ہوئے فرمایا: **إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ**۔[1] یعنی اے نبی ﷺ! جب آپ کے پاس منافقین آئیں گے، وہ کہیں گے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں، اور اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ منافقین بلاشبہ (اس گواہی دینے میں) جھوٹے ہیں۔

اللہ ﷻ نے اس آیت میں ان کی گواہی کو رد فرما دیا، کیونکہ ان کا مقصد اصلی صرف دھوکہ دینا ہے۔ اس آیتِ شریفہ کے علاوہ بھی متعدد جگہوں میں حق ﷻ نے ان منافقین کے جھوٹے دعوؤں کو رد فرمایا ہے۔

[1] سورۃ المنافقون: ۱

منافق کی دو قسمیں:

(۱) منافق باعتبار عقیدہ

(۲) منافق باعتبار عمل

منافق باعتبار عقیدہ: یہ وہ لوگ ہیں جو عقیدہ کے اعتبار سے منافق ہیں کہ دل میں کفر ہے اور صرف زبان سے اسلام کا نام لیتے ہیں

منافق باعتبار عمل: یہ وہ مسلمان ہیں جو کہ دل سے تو اسلام قبول کئے ہوئے ہیں مگر عمل منافقین جیسے کرتے ہیں۔

جہاں تک منافقین جو عقیدہ کے اعتبار سے ہیں اس زمانہ میں بہت ہی مشکل ہے کہ کسی کے لئے یہ کہا جائے کہ فلاں منافق عقیدۃً ہے، کیونکہ دل کا حال اللہ ﷻ ہی جانتا ہے، نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تو نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتلا دیا جاتا تھا کہ کون منافق ہے۔ اس لئے قول محتاط یہی ہے کہ ہمیں کسی پر منافق اعتقادی کے فتوی دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

البتہ جہاں تک منافق عملی کا تعلق ہے تو وہ ہمیشہ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ ان کی نشانیاں احادیث میں بیان کی گئیں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ: **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ.** [1] یعنی منافق کی تین پہچان ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ پورا نہ کرے اور امانت اس کو دی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ جن میں یہ تینوں نشانیاں پائی جاتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ ان میں ایک یا دو نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ بعض روایت میں ایک اور نشانی کا اضافہ ہے کہ: **و اذا خاصم فجر** یعنی جب لڑے تو گالی گلوچ کرے۔ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ جس میں یہ چاروں نشانیاں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے۔ اس پکے منافق سے مراد یہی ہے کہ وہ پکا منافق عملی ہے۔

منافقین کی جانب سے مسلمانوں کو تکالیف پہونچانا: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ان منافقین نے ایک سازش کے تحت اسلام قبول کیا تاکہ اسلام کو نقصان پہونچائیں، چنانچہ جب بھی ان کو موقع ملا انہوں نے اسلام کو نقصان پہونچانے کی بھرپور کوششیں کیں۔ ذیل میں صرف چند واقعات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں:

۱۔ اُحد کے موقع پر مسلمانوں کو بڑا نقصان اِنہیں سے پہونچا۔

۲۔ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنا۔

۳غزوہ خندق میں مسلمانوں کے اندر کمزوری پیدا کرنے کی ناکام سازش۔

[1] صحیح البخاری: ۱/۱۶

۴۔ متعدد مواقع پر مسلمانوں کا مذاق اُڑانا۔
۵۔ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منافق کو قتل کرنا۔
۶۔ چوری کر کے کسی اور پر الزام عائد کرنا۔
۷۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا، جسے واقعۂ اِفک کہتے ہیں۔
۸۔ مسجد ضرار کا بنانا، تاکہ وہاں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں اور اسلحہ جمع کریں۔
۹۔ مسلمانوں کو ان کے صدقات و خیرات میں طعنہ زنی کرنا۔
۱۰۔ مسلمان عورتوں کو جب وہ باہر نکلا کرتیں تو ان کو چھیڑتیں اور ستاتے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ: لفظ "**ناس**" پر بہت گفتگو ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ اناس سے ماخوذ ہے، یا یہ اسم جمع ہے تمام انسان کا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ اُنس سے ماخوذ ہے، جو وحشت کی ضد ہے۔
چنانچہ شاعر کا قول ہے:

و ما سمی الانسان الا لانس هو لا القلب الا انه يتقلّب

انسان کو انسان اس کی اُنسیت کی وجہ سے کہتے ہیں، اسی طرح قلب کو اس کے دھڑکنے کی وجہ سے قلب کہتے ہیں۔
یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے جنس سے اُنسیت رکھتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ناس کو ناس اس کے نسیان یعنی بھول جانے کی نسبت سے کہا گیا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے: **وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَه عَزْمًا** کہا گیا۔

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ: سوال یہ ہے کہ منافقین تو زبان سے نہ صرف ایمان باللہ اور آخرت کے دعویدار تھے، بلکہ ان کے ساتھ ان تمام چیزوں پر ایمان کا دعوی کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے، تو پھر اس آیت میں صرف ایمان باللہ اور ایمان بالاٰخرۃ پر کیوں اکتفاء کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالاٰخرۃ ہی اصل مقصود اعظم ہے، تو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا تو وہ لامحالہ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے رسول ﷺ اور اس کے شرائع پر ضرور ایمان لائے گا، اسی طرح جو آخرت پر ایمان لائے گا تو وہ تمام اعمالِ صالحہ کرے گا جو اس کو آخرت میں فائدہ پہونچائے۔ اس جواب سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان بالرسول بھی اسی دعوی میں آ گیا۔

وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ: اللہ تعالیٰ ان منافقین کے دعوی کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ ہرگز ایمان والے نہیں ہیں۔

سورۃ طٰہٰ: ۱۱۵

اس رد سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام نہیں ہے، تصدیقِ قلبی بھی ضروری ہے۔

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا: خدع اصل میں خ کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ ہے، جس کے معنی چھپانے اور ابہام پیدا کرنے کے ہے، اس عمل سے دوسروں کو ضرر اور دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کا ترجمہ دھوکہ دینے سے کیا جاتا ہے۔

اس آیت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ **یُخٰدِعُوْنَ** باب مفاعلہ میں سے ہے اور باب مفاعلہ کا تقاضہ یہ ہے کہ عمل جانبین سے ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ منافقین اللہ ﷻ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ ﷻ بھی (نعوذ باللہ) ان کو دھوکہ دیتے ہیں، اسی طرح مؤمنین بھی ان کو دھوکہ دیتے ہیں، اس کا جواب مفسرین نے کئی دیئے ہیں، مختصر جواب یہ ہے کہ یہ استعارہ تبعیہ یا تمثیلیہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ منافقین تو اپنے طور پر یہی سمجھ رہے ہیں کہ وہ اپنے ایمان کو ظاہر کرکے وہ اللہ ﷻ کو دھوکہ دے رہے ہیں، یہ منافقین کا دھوکہ ہوا، مگر اللہ ﷻ کا دھوکہ دینا اس طرح سے نہیں ہے، بلکہ وہ دھوکہ کا معاملہ کرتے ہیں وہ اس طرح سے کہ دنیا میں ان پر احکامِ مسلمین جاری کرتے ہیں مگر آخرت میں ان کے لئے جہنم کا سب سے نچلہ طبقہ رکھا۔ اسی طرح مؤمنین کا دھوکہ دینا اس طرح سے ہے کہ یہ اللہ ﷻ کے حکم کو بجالاتے ہوئے ان پر احکامِ مسلمین جاری کرتے ہیں، تو یوں بظاہر صُورۃً مخادعہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ **یُخٰدِعُوْنَ، یَخْدَعُوْنَ** کے معنی میں ہے، مبالغۃً باب مفاعلہ استعمال کیا گیا۔

یہاں پر دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ منافقین کا مسلمانوں کو دھوکہ دینا تو کچھ سمجھ میں بھی آتا ہے مگر اللہ ﷻ کو کیسے دھوکہ دے سکتے ہیں؟ اس کے مفسرین نے دو جواب دیئے ہیں۔ (۱) یہاں پر لفظ اللہ سے پہلے رسول مضاف محذوف ہے، گویا آیت اس طرح سے ہے: **یُخٰدِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ**، یعنی منافقین اللہ ﷻ کے رسول ﷺ کو دھوکہ دیتے ہیں۔

(۲) رسول اللہ ﷺ، اللہ ﷻ کے نائب ہیں اور اللہ ﷻ کے نائب کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے گا وہ معاملہ اللہ ﷻ کے ساتھ بھی سمجھا جائے گا۔

وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ: یہ اللہ ﷻ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو کیا دھوکہ دیں گے، یہ خود ہی اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر اس دھوکہ دینے میں ان کو کچھ شعور نہیں، اگر شعور ہوتا تو یہ حرکتیں نہ کرتے۔

شعور: حواس خمسہ ظاہرہ سے جو ادراک ہو اُسے شعور کہتے ہیں۔ گویا اس آیت میں اُن کی خوب مذمت بیان کی جارہی ہے کہ یہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ وہ حواس ظاہرہ سے بہرحال ادراک حاصل کرلیتے ہیں مگر ان منافقین کی حالت یہ ہے کہ وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوگئے کہ اپنے حواسِ خمسہ کا استعمال بھی نہیں کرتے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ ۬ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ﴿۱۰﴾	ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے۔(۱۰)

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا: یہاں سے اللہ ﷻ منافقین کے مختلف احوال کو بتلا رہے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا مرض، مرضِ نفاق تھا، جو ان کے دلوں میں تھا، اللہ ﷻ نے ان کے مرض میں مزید اضافہ فرمادیا۔ دلوں میں مرض کا ہونا روحانی بیماری میں آتا ہے، روحانی بیماریوں میں حسد، بغض، کینہ، نفرت، عداوت اور نفاق وغیرہ ہے۔ منافقین میں یہ بیماریاں بدرجہ اتم تھیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ میں آمد سے ان کو بڑی تکلیف پہونچی، اس کی اصل وجہ ظاہر ہے یہی تھی کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ مدینہ میں ان کی حکومت قائم ہوگی، مگر ان کے ارادے رسول اللہ ﷺ کی آمد مبارک سے خاک میں مل گئے اس لئے وہ حسد، بغض، کینہ، نفرت، عداوت اور نفاق میں مبتلا ہوگئے، دوسری طرف اللہ ﷻ نے ان کی بیماری کو وحی کو نازل کرکے اور بڑھادیا۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے: وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ۔[1]

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اللہ ﷻ ان کی گندگی کو ان کی گندگی کی طرف مزید بڑھادیتا ہے۔

باطنی بیماریوں کا مرکز دل ہے: انسان کے اندر، جس طریقے سے ظاہر میں بہت ساری بیماریاں ہوتی ہیں۔ اسی طریقے سے باطن میں بھی بہت ساری بیماریاں ہوتی ہیں۔ ظاہری بیماری کا علاج تو آدمی فوراً کرلیتا ہے۔ ہمیں کوئی بھی تکلیف پہنچے تو ہمیں فوراً معلوم ہوجاتا ہے اور ہم فوراً اس کا علاج بھی کروالیتے ہیں اور ٹھیک بھی ہوجاتے ہیں۔ ایک روحانی بیماری ہے جس کو باطنی بیماری بولتے ہیں۔ جس کا تعلق ہمارے جسم کے ظاہر سے نہیں ہے، اس لئے ہمیں اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ بیماری کہاں لگتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ دل ہے جہاں ساری باطنی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

حسد کی بیماری پہلے دل میں ہوتی ہے پھر زبان پر اور ہمارے دل کے اندر جو دوسری بیماریاں ہیں، نفاق کی بیماری ہے۔ اب یہی بیماری دماغ کی طرف جائے گی، دماغ سے ہوتے ہوئے انسان منہ سے نکالے گا۔ ہمارے دل کے اندر اگر حسد کی بیماری ہے۔ تو پہلے وہ بیماری ہمارے دل کے اندر ہوگی۔ وہی بیماری ہمارے دل سے ہوتے ہوئے دماغ کی طرف جائے گی۔ پھر کیا ہے ہم منہ سے حسد کی باتیں کرنا شروع کردیں گے۔ فلاں ایسا ہے، فلاں ایسا ہے۔ ایسی حسد کی حرکتیں شروع ہوجائیں گی۔ حاسدانہ حرکتیں شروع ہوجائیں گی۔

[1] سورۃ التوبۃ: ۱۲۵

اصل میں یہ دل جو ہے انتہائی حساس آلہ ہے۔ ہمارے جسم کے اندر جو سب سے حساس چیز ہے وہ یہی دل ہے، یہ اتنا حساس ہے کہ اس کی مثال آپ آئینہ کی طرح سمجھئے کہ اگر آئینہ میں ذرا سا بھی گرد ہو تو آئینہ میں وہ عیاں ہو جائے گا۔ اسی طریقے سے یہ دل جو ہے یہ آئینہ کی طرح ہے۔ اگر ذرا سی بھی ہم بُرائی کریں گے، یا غیبت کریں گے، حسد رکھیں گے، بغض کی باتیں کریں گے یا گندی مجلسوں میں جا کر بیٹھیں گے، تو فوراً اس کے اثرات ہمارے دل پر آجائیں گے، جو گندگی ہے، فوراً وہ ہمارے دلوں میں آجائے گی، اور ہمارا دل انہیں فوراً قبول کرلے گا۔ جس طریقے سے آئینہ گرد و غبار کو قبول کرلیتا ہے اسی طریقے سے دل ہر چیز کے اثر کو قبول کرتا ہے۔

تصوف میں سب سے پہلے دل پر محنت کی جاتی ہے:

یہ بزرگانِ دین اور اولیاء و صوفیائے کرام، جو لوگوں کو بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاں سب سے پہلے دل میں محنت کی جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ اصل چیز دل ہے اگر یہ صاف اور مزکّٰی ہے تو کامیابی ہے، اسی کو تزکیہ نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی صفائی کے مختلف طریقے ہیں، جن میں استغفار کی کثرت، اور دوسرے ذکر و اذکار ہیں جو صوفیائے کرام بتلاتے ہیں، جن کے پڑھنے سے باطن کی بیماریاں دور ہوتی ہیں، اسی طریقہ سے ان بزرگوں کی صحبت بھی بہت اہم ترین چیز ہے، صالحین کی صحبت سے ہم تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی طرف آسکتے ہیں۔ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔[1]

احادیث میں بھی جلیس الصالح کی ترغیب دی گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو اتنا بڑا مقام ملا ہے، یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی صحبت مبارکہ کی وجہ ملا۔ اسی لئے ہمارے اکابرین فرمایا کرتے تھے کہ اچھی صحبت سے بڑھ کر نہ کوئی چیز ہے اور نہ ہوگی۔ اگر انسان بُری صحبت اختیار کرے گا تو اس بُری صحبت کا اثر اس کے دل میں ہوگا، ایک آدمی نماز روزے کا پابند ہے، زکوٰۃ پابندی سے ادا کرتا ہے، حج بھی کرتا ہے اور شریعت کے دوسرے احکام پر بھی عمل کرتا ہے لیکن اس کا اٹھنا بیٹھنا غلط لوگوں میں ہے۔ بُرے لوگوں کے دلوں میں جو بُرے اثرات ہوتے ہیں اس کے اثرات بھی اس شخص کے دل میں منتقل ہوں گے، تو باوجود اعمالِ صالحہ کے وہ شخص باطنی بیماریوں مبتلا ہو جائے گا۔ کتنے لوگوں کو دیکھئے بظاہر وہ دیندار ہوں گے، لیکن وہ حسد، بغض، کینہ، نفرت اور نفاق جیسی خطرناک بیماریوں مبتلا نظر آتے ہیں، اور اس کی اصل وجہ بُری صحبت ہے۔

روحانی بیماریوں سے بچنے کا طریقہ:

اصل چیز یہ ہے کہ جس سے ہم اپنے آپ کو روحانی بیماریوں سے بچا سکیں وہ تزکیہ نفس ہے، رسول اللہ ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے اہم ترین مقصد تزکیہ نفس تھا، آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ نفس فرماتے تھے، جس کا ذکر مختلف آیات میں ہے۔ صحابہ

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۵۷

کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب اسلام لانے سے قبل کفر وبد اعمالیوں کی تاریکیوں میں مبتلا تھے، تمام روحانی بیماریاں تھیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی توجہ مبارک سے ان کے قلوب کو ان تمام روحانی بیماریوں سے پاک کیا، آج یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری اُمت کے لئے مشعلِ راہ بن گئیں۔ آج بھی ان روحانی بیماریوں سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے نفس کو پاک کیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاک کیا، ہمارے قلوب کیسے پاک ہوسکتے ہیں اور کون کر سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کام کو اولیاء اور صوفیائے کرام کے ذمہ لگایا کہ وہ لوگوں کے دلوں کو پاک کریں۔ ان بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنا اور ان بتائے ہوئے اوراد کو پڑھنا تزکیہ نفس کے لئے بہت نافع ہے۔

حضرت شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ نے فرمایا تزکیہ نام ہے خیالات کی صفائی کا۔ یہ اتنا چھوٹا سا جملہ ہے مگر ہم اس پر غور کریں، تو ساری بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ خیالات کی صفائی کس طریقے سے ہوسکتی ہے، خیالات کی صفائی دل کی صفائی کے اوپر ہے اور ہمارے خیالات جب ہی اچھے ہوسکتے ہیں جب ہمارا دل اچھا ہوگا جب وہ پاکیزہ ہوگا، اور دل کا پاکیزہ ہونا تزکیہ نفس پر منحصر ہے۔

بہر حال! کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بہت ہی بنیادی چیز جو ہے وہ دل ہے۔ اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں پر دل ہی کا ذکر فرمایا کہ **فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً**۔

ترجمہ: ان کے دلوں کے اندر مرضِ نفاق ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے مرض میں اضافہ کر دیا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ توبہ میں یوں فرمایا: **لاَ یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْاْ رِیْبَةً فِیْ قُلُوبِهِمْ إِلاَّ أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ**۔[1] یعنی جو شک کی عمارت جو انہوں نے اپنے دل میں قائم کی ہے وہ ہمیشہ برقرار رہے گی مگر یہ کہ ٹکرے ہو جائے ان کے دل کے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ دل کے ٹکرے ہونے سے مراد موت ہے، مگر ہمارے شیخ مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ موت تو علاج نہ ہوا، وہ فرماتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ضرب سے ان کی باطن کی بیماریوں کے ٹکرے ہوسکتے ہیں۔

وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ: ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رکھا ہوا ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

منافقین کا پہلا عمل جھوٹ بولنا تھا۔ ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ وہ عذاب کیا ہوگا اس کی تفصیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پانچویں پارے یوں فرمایا کہ: **إِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِیْ الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ**۔[2] یعنی

[1] سورۃ التوبۃ: ۱۱۰
[2] سورۃ النسآء: ۱۴۵

منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

ہمارے شیخ مولانا اشفاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس دور کا سب سے بڑا مرض جو ہے وہ نفاق ہے۔ اللہ ﷻ ہم سب کو اس مرضِ نفاق سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾	اور جب کہا جاتا ہے ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ (۱۱)
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾	جان لو وہی ہیں خرابی کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے۔ (۱۲)
وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾	اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف، جان لو وہی ہیں بیوقوف لیکن نہیں جانتے۔ (۱۳)
وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾	اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ہنسی کرتے ہیں (یعنی مسلمانوں سے) (۱۴)

اللہ ﷻ نے ان آیات میں منافقوں کے مزید احوال کو بیان فرمایا کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم دنیا میں فساد نہیں پھیلاؤ تو بجائے یہ کہ وہ سدھر جاتے یہ کہنے لگے کہ ہم فساد تھوڑی مچاتے ہیں۔ ہم تو اصلاح کرتے ہیں، اللہ ﷻ نے فرمایا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ اصلاح کرنے والے ہرگز نہیں ہیں بلکہ یہ درحقیقت فسادی ہیں۔ مگر ان کو سمجھ نہیں ہے۔

اللہ ﷻ نے ان منافقوں کا ذکر دوسرے پارے میں یوں کیا ہے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ: وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلَى مَا فِيْ قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَ اللّٰهُ لاَ يُحِبُّ الْفَسَادَ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ [1]۔ یعنی لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ اُن کی بات آپ کو تعجب میں ڈال دیتی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ اللہ ﷻ کو گواہ

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۰۴۔۲۰۶

بناتا ہے اس بات پر جو اس کے دل میں ہے اور جبکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ آپ (کی مجلس) سے پھرے تو دوڑتا پھرے زمین میں تاکہ اُس میں فساد پھیلائے اور تباہ کرے (مسلمانوں کی) کھیتیاں اور نسل، اور اللہ ﷻ ناپسند کرتا ہے فساد کو۔ اور جب اُس سے کہا جائے کہ اللہ ﷻ سے ڈر تو آمادہ کرے اُس کو غرور گناہ پر، سو کافی ہے اُس کو جہنم اور وہ بے شک بُرا ٹھکانہ ہے۔

مدینہ طیبہ میں ایک منافق اخنس بن شُریق تھا، وہ بڑا فصیح و بلیغ تھا، وہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتا تو اسلام کے بارے میں بہت اخلاص ظاہر کرتا لیکن جب وہ آپ ﷺ کی مجلس سے جدا ہوتا تو کسی مسلمان کی کھیتی جلا ڈالتا، تو کسی مسلمان کے جانور کے پاؤں وغیرہ کاٹ ڈالتا۔ اس پر یہ مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں کہ اس کی باتوں میں آپ مت آئیں، یہ فسادی ہے۔

منافقین کی نشانی زمین میں فساد مچانا: زمین میں فساد کا مچانا یہ بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ بعض مقامات میں قتل جو سب سے بڑا گناہ ہے اس کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں زمین میں فساد پھیلانا، لوگوں میں جھگڑے ڈلوانا، آپس میں منافرت پیدا کرنا، انہیں قتل سے بدترین قرار دیا ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ: **وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔** [1] یعنی اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: **وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔** [2] یعنی اور فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔ اگر کوئی کسی کو قتل کرتا ہے تو ایک آدمی کا قتل ہوا اور قاتل کو بھی قصاصاً قتل کر دیا جائے گا اس کے بعد قصہ ختم لیکن فساد پھیلانے کا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ پوری قوم کو آپس میں لڑوا دینا اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہزاروں قتل ہو جاتے ہیں اور نفرتوں کی ایسی آگ لگ جاتی ہے کہ وہ اس کا بُجھانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کے ناپاک عزائم ان منافقین کے تھے، اللہ ﷻ نے ان کے مقاصد کو ناکام بنا دیا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ: جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اے منافقوں اس طرح سے ایمان لاؤ جیسے کے دوسرے لوگ یعنی صحابہ کرام ؓ ایمان لائے ہیں۔

اس آیتِ شریفہ میں اللہ ﷻ نے صحابہ کرام ؓ کو معیارِ ایمان بتلایا ہے، اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے: **فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔** [3]

ترجمہ: پس اگر اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم (صحابہ) ایمان لائیں تو انہوں نے ہدایت پائی۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان وہی مقبول ہے جو صحابہ کرام ؓ کی طرح ہو۔

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۱۷
[2] سورۃ البقرۃ: ۱۹۱
[3] سورۃ البقرۃ: ۱۳۸

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے کئی جگہوں میں ارشاد فرمایا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ یعنی اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ کی لائی ہوئی جملہ چیزوں پر ایمان لائیں۔ بحیثیت مسلمان ہمارے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام کریں، ہر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم قابلِ صد احترام ہے، ان میں سے کسی کی بھی گستاخی جائز نہیں، منافقین کا طرزِ عمل تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے، ہمارے پاس پورا دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی سے پہونچا ہے، قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انہوں نے ہی قلمبند کیا، احادیث کا جملہ ذخیرہ انہیں کا مرہونِ منت ہے، نماز کا پڑھنا، زکوۃ کا دینا، روزہ رکھنا اور حج کرنا نیز جملہ اوامر اور نہی یہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہم تک پہونچائے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سے اعتماد خدانخواستہ اُٹھتا ہے تو قرآن سے بھی اعتماد نعوذ باللہ اُٹھ جائے گا، کیونکہ وحی لکھنے والے تو یہی تھے، شیطان یہ وسوسہ دلوں میں ڈالے گا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے یا ویسے تھے (نعوذ باللہ) پھر ان کے لکھے ہوئے پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے قرآن (نعوذ باللہ) اپنی طرف سے لکھ لیا ہو، اسی طرح کا وسوسہ احادیث میں بھی ڈالے گا، پھر یہی کچھ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ میں ڈالے گا کہ ان کا ادا کرنا شاید ضروری نہ ہو، کیونکہ یہ سب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا۔ الغرض اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتماد نہ کریں گے تو شیطان، قرآن و احادیث اور تمام ارکانِ اسلام سے بھی فارغ کر دے گا اور کفر کے دلدل میں دھکیل دے گا۔

کتنی آیات ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی ہے، اسی طرح کئی احادیث ہیں کہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کو بیان فرمایا۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔[1]

ترجمہ: سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں (جو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں)، اس کے بعد والے پھر اس کے بعد والے۔

امام مسلم نے اس طرح کی روایت کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیں جن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔

۲۔ حضرت ابو بردۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ قُلْنَا :لَوْ جَلَسْنَا حَتَّى نُصَلِّيَ مَعَهُ الْعِشَاءَ قَالَ فَجَلَسْنَا، فَخَرَجَ عَلَيْنَا، فَقَالَ : مَا زِلْتُمْ هَاهُنَا؟ قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! صَلَّيْنَا مَعَكَ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ قُلْنَا :نَجْلِسُ حَتَّى نُصَلِّيَ مَعَكَ الْعِشَاءَ، قَالَ :أَحْسَنْتُمْ أَوْ أَصَبْتُمْ. قَالَ: فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ،

[1] صحیح مسلم: ۳/ ۹۶۳

وَكَانَ كَثِيرًا مِمَّا يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ : النُّجُومُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُومُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي، فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ، وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ۔[1]

ترجمہ: ہم نے مغرب کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، اس بعد ہم نے کہا کہ اگر ہم بیٹھے رہیں اور عشاء آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ لیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم بیٹھ گئے، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا کہ ابھی تک تم یہیں ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے مغرب آپ کے ساتھ پڑھی تو ہم نے کہا کہ آپ کے ساتھ عشاء بھی پڑھ لی جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بہت ہی اچھا کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھا اور آپ اکثر آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ ستارے آسمان کے لئے امان کا ذریعہ ہیں، اور جب یہ ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان اپنے وعدہ کے ساتھ آئے گا (یعنی قیامت کا وعدہ پورا ہو گا) اور میں اپنے اصحاب کے لئے امان ہوں، اور جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ ؓ آئیں گے جن کا وعدہ کیا گیا، اور میرے اصحاب امان ہیں میری اُمت کے۔

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو پوری امتِ اسلامیہ کے لئے امان اور حفاظت کا ذریعہ بتلایا۔ گویا اللہ ﷻ نے صحابہ کرام ؓ سے پورے دین کی حفاظت فرمائی۔

۳۔مُوسَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ الأَنْصَارِيُّ، قَالَ :سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ خِرَاشٍ، يَقُولُ :سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ ؓ يَقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: لاَ تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِي أَوْ رَأَى مَنْ رَآنِي قَالَ طَلْحَةُ: فَقَدْ رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ ؓ وقَالَ مُوسَى: وَقَدْ رَأَيْتُ طَلْحَةَ قَالَ يَحْيَى: وَقَالَ لِيّ مُوسَى: وَقَدْ رَأَيْتُنِي وَنَحْنُ نَرْجُو اللَّهَ[2].

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن ابراہیم ؒ نے حضرت طلحہ بن حراش ؒ سے اور وہ حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ سے روایت کرتے ہیں، حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اُس مسلمان کو (یعنی صحابہ) آگ نہیں چھو سکتی جس نے مجھے دیکھا، یا اُس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا۔ حضرت طلحہ ؒ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ ؓ (جو کہ صحابی ہیں) کو دیکھا، اور حضرت موسیٰ ؒ کہتے ہیں کہ میں نے طلحہ کو دیکھا ؒ، حضرت یحییٰ ؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت موسیٰ ؒ نے کہا کہ اور تم نے مجھے دیکھا اور ہم اللہ ﷻ سے اسی کی اُمید کرتے ہیں۔

[1] صحیح مسلم: ۴/ ۱۹۶۱
[2] سنن الترمذی: ۶/ ۱۷۷

سبحان اللہ! خیر القرون کے لوگوں کے مزے تو دیکھئے صحابہ تو صحابہ ﷺ، تابعین رحمہم اللہ کہ جنہوں نے صحابہ ﷺ کو دیکھا اُن پر بھی جہنم کی آگ حرام ہو گئی۔

تنبیہ: اس دیکھنے سے مراد ایمان کے ساتھ دیکھنا مراد ہے۔

٣۔عَنْ جَابِرٍ ﷺ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ :لاَ يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ.[1]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ (صحابہ) کہ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کیا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوں گے۔

٤۔عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيفَهُ.[2]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو گالی مت دو، قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے، تب بھی وہ اُن کے (صحابہ کے خرچ کئے ہوئے) ایک صاع اور نہ ہی نصف صاع کے برابر پہونچ سکتے ہو۔

٥۔عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ ﷺ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اَللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي، لاَ تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ، وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ.[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفّل ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارے میں، اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارے میں، میرے بعد اُن کو نشانہ نہ بنانا، جو اُن سے محبت کرے گا، وہ میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کرے گا، اور جو اُن سے بُغض رکھے گا وہ مجھ سے بُغض کی وجہ سے اُن سے بُغض رکھے گا، اور جس نے اُن کو اذیت پہونچائی اُس نے مجھے اذیت پہونچائی اور جس نے مجھے اذیت پہونچائی اُس نے اللہ کو اذیت پہونچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہونچائی، قریب ہے کہ اللہ اُس کو عذاب دے۔

٦۔عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ ﷺ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِي يَمُوتُ بِأَرْضٍ

[1] سنن الترمذی: ٦/١٧٨
[2] سنن الترمذی: ٦/١٧٨
[3] سنن الترمذی: ٦/١٧٩

إِلاَّ بُعِثَ قَائِدًا وَنُورًا لَهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ.[1]

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابی میں سے کوئی کسی زمین میں انتقال کرے، قیامت کے دن وہ لوگوں کے لئے قائد اور نور ہوں گے۔

۷۔عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم : إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ.[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایسے لوگوں کو دیکھے جو میرے اصحاب کو بُرا بھلا کہے تو تم کہو کہ اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر۔

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، پہلی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا بھلا کہنے والا ملعون ہے۔ دوسری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا بھلا کہنے والا شر پسند ہے۔ نیز منافقین کی بھی یہی نشانی تھی کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا بھلا کہتے تھے۔

۸۔عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ:إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَ مُحَمَّدًا فَبَعَثَهُ بِرِسَالَاتِهِ وَانْتَخَبَهُ بِعِلْمِهِ ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ النَّاسِ بَعْدَهُ فَاخْتَارَ لَهُ أَصْحَابَهُ فَجَعَلَهُمْ أَنْصَارَ دِينِهِ وَوُزَرَاءَ نَبِيِّهِ صلی اللہ علیہ وسلم ، فَمَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ قَبِيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ قَبِيحٌ۔[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے تمام بندوں کے دلوں پر پہلی دفعہ نظر ڈالی تو ان میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرمایا اور ان کو اپنا رسول بنا کر بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا علم خاص عطا فرمایا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر لوگوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کو منتخب فرمایا اور اُن کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری سنبھالنے والا بنایا، لہذا جس چیز کو مومن (اس سے مراد صحابہ ہیں) اچھا سمجھیں گے وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہو گی اور جس چیز کو وہ بُرا سمجھیں گے وہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بُری ہو گی۔

۹۔كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يَقُول لَا تَسُبُّوا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً، خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ۔[4]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بُرا مت کہنا اُن کا ایک لمحہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے

[1] سنن الترمذی: ۶/ ۱۸۰
[2] سنن الترمذی: ۶/ ۱۸۰
[3] مسند ابی داود الطیالسی: ۱/ ۱۹۹
[4] سنن ابن ماجہ: ۱/ ۵۷

دربار میں کھڑا ہونا تمہاری ساری زندگی کے اچھے اعمال سے بہتر ہے۔

۱۰۔عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوا خَيْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوبًا، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، قَوْمٌ اخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ ﷺ وَنَقْلِ دِينِهِ، فَتَشَبَّهُوا بِأَخْلَاقِهِمْ وَطَرَائِقِهِمْ فَهُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ وَاللهِ رَبِّ الْكَعْبَةِ.[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ جو انسان کسی طریقہ کو اختیار کرنا چاہے تو اُسے چاہئے کہ وہ اُن لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو دنیا سے جاچکے ہیں اور یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں جو کہ اس اُمت میں سب سے بہترین اور سب سے زیادہ نیک دل اور سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف برتنے والے تھے۔یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کو پھیلانے کے لئے منتخب کرلیا ہے۔لہذا ان جیسی زندگی گذارنے کے طریقے اپناؤ، کعبہ کے رب کی قسم! نبی کریم ﷺ کے یہ تمام صحابہ ہدایت مستقیم پر تھے۔

میں نے صرف چند احادیث و آثار نقل کئے ہیں، صحابہ کرام ﷺ کی منقبت پر اگر تمام احادیث و آثار کو جمع کریں تو مستقل کتاب بن جائے گی۔میرا مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ صحابہ کرام ﷺ کے سلسلہ میں ہمیں اگر کچھ کہنا ہے تو صرف خیر ہی کہنا ہے۔تاریخی روایتوں پر مت جائے کیونکہ زیادہ تر اُن میں روافض ہیں جو ویسے ہی بُغض صحابہ کرام ﷺ میں مشہور ہیں۔

کسی مؤرخ کو جھوٹا کہنا زیادہ بہتر ہے بمقابلہ کسی صحابی ﷺ کی تنقیص کرنے کے۔ اللہ ﷻ ان لوگوں کو ہدایت دے جو صحابہ کرام ﷺ کی شان میں گستاخی کرکے اپنے ایمان کو برباد کرکے منافقین کے صف میں شامل ہورہے ہیں۔

صحابہ کرام ﷺ کی بصیرت منصوص ہے

اللہ ﷻ نے صحابہ کرام ﷺ کی بصیرت پر یوں ارشاد فرمایا:**قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ**[2]

ترجمہ: اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، بُلا رہا ہوں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ، میں اور جنہوں نے میری پیروی کی۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت الی اللہ میں صحابہ کرام ﷺ بھی آپ ﷺ کے شریک ہیں۔اب بھلا اگر کوئی صحابہ کرام ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو پھر یہ دین جو اُنہیں کے توسط سے ہم تک پہونچا ہے اُس پر ہمارا اعتماد ہی ختم ہوجائے گا اور کفر و نفاق کی

[1] ابو نعیم فی الحلیہ:۱/۳۰۵

[2] سورۃ یوسف:۱۰۸

کھائی میں جا گریں گے۔(نعوذ باللہ)

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾	اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں۔(۱۵)
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾	یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی ہدایت کے بدلے سو نافع نہ ہوئی ان کی سوداگری اور نہ ہوئے راہ پانے والے۔(۱۶)
مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾	ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔(۱۷)
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾	بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔(۱۸)
اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾	یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی، دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ کرنے والا ہے کافروں کا۔(۱۹)
يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾	قریب ہے کہ بجلی اُچک لے ان کی آنکھیں جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لیجائے ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۲۰)

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ فرما رہے ہیں کہ یہ کیا منافقین مسلمانوں کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں تو اللہ ﷻ بھی ان کا استہزاء کرتے ہیں حقیقت یہی ہے کہ اللہ ﷻ ان منافقین کے ساتھ استہزاء کر رہے ہیں اور ان کو مہلت دے رہے ہیں ان کو

سرکشی میں اور حال یہ ہے کہ وہ اس گمراہی میں اندھے پڑے ہوئے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی : یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔

تاجر تین طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ جو اپنا مال اس طرح فروخت کرے کہ اس کو منافع ملا۔

۲۔ جس کو منافع تو نہیں ملے مگر اُس کا نقصان بھی نہ ہو بلکہ جتنے کا مال تھا وہ اُس کو واپس مل جائے۔

۳۔ جس کو نہ منافع ملا اور نہ ہی اصل مال کی قیمت ملے بلکہ وہ خسارے میں چلا جائے۔

پہلے اور دوسرے قسم کے تاجر کامیاب ہے مگر تیسرے نمبر کا تاجر ناکام تاجر ہے، کیونکہ نہ اس کو منافع ملا اور نہ اصل قیمت، چنانچہ جن لوگوں کو اللہ ﷻ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی اور انہوں نے محنت کر کے اپنے اس ایمان کے بیج کو بڑا درخت بنالیا تو یہ پہلے نمبر کے تاجر ہیں کیونکہ انہوں نے اصل مال کے ساتھ منافع بھی کمایا، اور جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بیج پر محنت کر کے درخت تو نہیں بنایا مگر اس بیج کو ضائع بھی نہیں کیا تو یہ دوسرے نمبر کے تاجر ہیں کیونکہ انہوں نے اصل مال تو نہیں ضائع کیا اگرچہ نفع بھی نہیں کمایا، اور منافقین وہ ناکام تاجر ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اصل مال ایمان کو ہی ضائع کر دیا لہذا جب انہوں نے اصل مال کو بیچ دیا کہ ایمان کو گمراہی کے بدلے میں بیچ دیا تو ان کی تجارت نے ان کو نفع نہیں پہنچایا اور نہ ہی وہ ہدایت پانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان ہی کو بیچ دیا ہے تو وہ ہدایت کیسے پائیں گے۔

مَثَلُہُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَارًا: اس آیت میں اللہ ﷻ منافقین کی مثال بیان فرمارہے ہیں کہ اُن منافقین کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی آگ جلائے پھر جب آگ روشن ہو جائے اور اس کے چاروں اطراف کو روشن کر دے تو اللہ ﷻ اس روشنی کو ختم کر دے پھر اس کے بعد اس کو اندھیرے میں چھوڑ دے تو وہ دیکھ نہیں سکتے ہیں۔ چنانچہ منافقین بھی ایسے ہی ہیں کہ انہوں جب ایمان کو بیچ دیا تو اب وہ کبھی ہدایت نہیں پاسکتے ہیں۔

صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ: بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔ اس آیت میں اللہ ﷻ منافقین کے بارے میں بیان فرمارہے ہیں کہ وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں لہذا جس طرح بہرے سُن نہیں سکتے تو یہ منافقین بھی حق بات کو سُن نہیں سکتے ہیں، اور جس طرح اندھے دیکھ نہیں سکتے تو یہ منافقین حق کو دیکھ نہیں سکتے ہیں، اور جس طرح گونگے بول نہیں سکتے ہیں تو یہ منافقین کلمہ حق بول نہیں سکتے ہیں اور یہ ہمیشہ گمراہی میں رہیں گے کبھی بھی ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے ہیں۔

اَوۡ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیۡہِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّ بَرۡقٌ: اس آیت میں بھی اللہ ﷻ منافقین کی مثال بیان فرمارہے ہیں کہ ان منافقین کی مثال ایسی ہیں جیسے زوردار بارش ہو رہی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ بادل بھی گرج رہے ہوں اور بجلی بھی کڑک رہی

ہے اور جب ایسا معاملہ ہوتا ہے تو وہ اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں موت کے ڈر سے تو یہ منافقین بھی ایسے ہی ہیں کہ ان کے دلوں پر تاریکیاں ہی تاریکیاں ہیں، ایمان کو بیچنے کی تاریکی، کفر کی تاریکی، گناہوں کی تاریکی اور بھی بہت سی تاریکیاں ہیں لہذا یہ بھی موت سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ ﷻ نے اُن کو گھرا ہوا ہے وہ کہیں بھی بچ کر جا نہیں سکتے ہیں۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ: قریب ہے کہ بجلی اُچک لے اُن کی آنکھوں کو۔

اس آیت میں بھی اللہ ﷻ منافقین کی مثال بیان فرمارہے ہیں کہ قریب ہے کہ اس بجلی کی چمک گرج ان کی آنکھوں کو اُچک لے۔

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ: جب بھی بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں وہ چلنے لگتے ہیں اور جیسے ہی بجلی چمکنا رُک جاتی ہے تو وہ بھی رُک جاتے ہیں۔ تو ان کے پاس ایمان ہے ہی نہیں لہذا وہ گمراہ ہوگئے ہیں اور یہ منافقین جو بجلی کی روشنی میں چلتے ہیں حالانکہ اگر اللہ ﷻ چاہے تو ان کی سماعت کو لے جائے تو وہ کیسے سُنیں گے اور اللہ ﷻ اگر ان کی بینائی کو لے جائے تو وہ کیسے اس بجلی کی چمک میں چلیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: بے شک اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہے۔

لہذا اللہ ﷻ ان کی سماعت اور بینائی کو بھی لے جانے پر قادر ہے مگر اللہ ﷻ نے ان کو مہلت دی ہوئی ہے اس کے باوجود وہ سرکشی میں چلیں جارہے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ ﴿۲۱﴾	اے انسانو! اپنے اُس رب کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلو کو پیدا کیا، تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ (۲۱)
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾	جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش کو آسمان کو چھت بنایا۔ اور اُتارا آسمان سے پانی، پھر اُس نے تمہارے رزق کے لئے پھل نکالے، سو نہ بناؤ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک اور جب کہ تم جانتے ہو (۲۲)

ربط آیات: اس سے قبل تین گروہ کا ذکر کیا گیا (متقین، کفار اور منافقین) اب ان تمام گروہ کو مخاطب کر کے اصل مقصد کی طرف دعوت پیش کی گئی ہے جس کے لئے نزولِ قرآن ہوا۔

یہاں سے عقیدہ توحید کو بتلایا جارہا ہے اور یہ خطاب تمام انسانوں کو کیا جارہا ہے اسی لئے لفظ "الناس" کہا گیا جو مطلق انسان کو کہتے ہیں، توحید یعنی اللہ ﷻ کو باعتبار ذات وصفات کے ایک ماننا، یہ ایک انتہائی اہم ترین عقیدہ ہے، یہی تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی دعوت رہی ہے۔

توحید کی اقسام:

۱۔ توحید فی ذاۃ اللہ ۲۔ توحید فی صفات اللہ ۳۔ توحید فی عبادۃ اللہ۔

۱۔ توحید فی ذاۃ اللہ: اللہ ﷻ کو باعتبار ذات ایک ماننا، اُس کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا، یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ ﷻ کا بیٹا بنایا، جب کہ نصاری نے حضرت عیسی علیہ السلام کو، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: **وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ**[1] اور یہود نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا: مسیح، اللہ کے بیٹے ہیں۔

۲۔ توحید فی صفات اللہ: کا مطلب یہ کہ اللہ ﷻ کی صفات میں غیروں کو شریک نہ کرنا، مثلاً اللہ ﷻ خالق ہیں، رازق ہیں، وہاب ہیں، اب کوئی کہے کہ مجھے تو میری روزی فلاں صاحب دیتے ہیں، یا کوئی یوں کہے کہ مجھے اولاد فلاں نے عطا کی (نعوذ باللہ) تو یہ شرک فی الصفات ہے۔

۳۔ توحید فی عبادۃ اللہ: کا مطلب یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ ﷻ کی جائے، اس عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نماز پڑھے تو صرف اللہ ﷻ کے لئے، حج کرے تو صرف اللہ ﷻ کے لئے، جہاد کرے تو اللہ ﷻ کے لئے، تبلیغِ دین کرے تو اللہ ﷻ کے لئے۔ اگر دل میں یہ خیال آجائے کہ یہ اعمال اس لئے کر رہا ہوں تاکہ مجھے لوگ نیک سمجھے، نماز اس لئے پڑھے کہ لوگ نمازی سمجھے، روزہ رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ کہیں گے کہ بڑا روزے دار بندہ ہے، خرچ کرے تو یہ نیت ہو کہ لوگ اُسے سخی داتا پکارے، حج کرے تو یہ نیت ہو کہ لوگ اُسے الحاج پکارے، جہاد اس لئے کرے کہ مر جائے تو لوگ اُسے شہید کہے اگر بچ کر واپس آجائے تو لوگ غازی پکارے وغیرہ وغیرہ۔

اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ: **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا**[2]۔

ترجمہ: پس جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو اُسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

توحید کی پہلی قسم جو کہ توحید فی الذات ہے، اس میں الحمد للہ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو اس عقیدہ پر مکمل پابند نہ ہو۔ مگر دوسری اور تیسری قسم میں کافی کمی کوتاہی ہے بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کو اللہ ﷻ کی صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں اور بعض اعمالِ صالحہ صرف ریاکاری کے لئے کرتے ہیں۔

[1] سورۃ التوبۃ: ۳۰
[2] سورۃ الکھف: ۱۱۰

اصل مؤحد وہ ہے جو ان تمام اقسام میں مؤحد ہو۔ توحید کے مدِ مقابل شرک ہے، شرک وہ بدترین گناہِ کبیرہ ہے کہ اللہ ﷻ ہر گز معاف نہیں کرے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ[1]۔

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ﷻ نہیں بخشے گا کہ اُس کے ساتھ شریک کیا جائے، اور اس کے علاوہ جس کو چاہے وہ معاف کر دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑا گناہ اللہ ﷻ معاف کر دے گا مگر شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ بندہ توبہ کر کے پکا مؤمن مؤحد بن جائے۔

اُعْبُدُوا رَبَّكُمُ: جب یہ طے ہوا کہ اللہ ﷻ کو باعتبار ذات وصفات کے ایک مانا جائے، تو عبادت بھی صرف اُسی کی جائے، لفظ **"اُعْبُدُوا"** کا ماخذ **ع ب د** ہے عبد، عابد، عبادت اور معبود ان سب کا اصل مادہ **ع ب د** ہے، عبد بندہ کو کہتے ہیں، جس کو چاہئے کہ صرف اپنے معبود کی عبادت کرے، عبادت کرنے والے کو عابد کہتے ہیں اور جس کی عبادت کی جارہی ہے وہ معبود کہے۔

اس آیت میں " رب "کا ذکر عبادت کے لئے اس لئے فرمایا کہ تمہیں پالنے والا ہے۔

اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ: اب یہاں سے "رب" کی صفات کو بیان فرماتے ہیں کہ تمہارا رب وہ ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ اصل منعم حقیقی اللہ ﷻ کی ذات ہے کہ اُس نے تم کو عدم سے وجود عطا کیا، تم عدم میں تھے اور تمہارے آباؤ اجداد بھی عدم میں تھے، اُس نے تم کو وجود بخشا، جو ذات تمہیں وجود عطا کرے تو وہی ذات مستحق ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً: مزید "رب" کی صفات بیان کی جارہی ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔ اس سے پہلے اللہ ﷻ کی ان نعمتوں کا ذکر کیا تھا جو انسان کی ذات کے لئے تھی جسے انفس کہتے ہیں۔ اب آفاقی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت۔

ایک وہ وقت تھا کہ جب اللہ ﷻ کا عرش پانی میں تھا، وَكَانَ عَرْشُه عَلَى الْمَآءِ[2] یعنی اُس کا عرش پانی پر تھا۔

جب اُس نے آسمان وزمین بنانے کا ارداہ فرمایا تو اُس نے آسمان کو جو دھواں تھا اور زمین کو بلایا جس کا ذکر سورۃ حم سجدہ میں ہے:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَه اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ- ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى

[1] سورۃ النسآء: ۴۸

[2] سورۃ ھود: ۷

السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ۔ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ[1]۔

ترجمہ: تو کہہ کیا تم منکر ہو اس سے جس نے بنائی زمین اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُس کی چار دن میں پورا ہوا پوچھنے والوں کے لئے پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا پھر کہا اس کو اور زمین کو کہ آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے پھر کر دیئے وہ سات آسمان دو دن میں اور اتارا ہر آسمان میں حکم اُس کا اور رونق دی ہم نے سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے اور محفوظ کر دیا یہ سادھا ہوا ہے زبردست خبردار کا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ۔[2]

ترجمہ: اور بنایا ہم نے آسمان کو ہاتھ (کی قوت) سے اور ہم کو سب مقدور ہے اور زمین کو ہم نے بچھایا، سو ہم کیا خوب بچھانا جانتے ہیں۔

زمین کے بارے میں ایک اور جگہ یوں فرمایا: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا[3] کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا۔ آسمان کے لئے فرمایا: وَّ بَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا[4] اور چُنی ہم نے تمہارے اوپر سات چُنائی مضبوط۔

غرض کئی آیات ہیں جو آسمان وزمین کی تخلیق کے بارے میں آئی ہے۔

منکرینِ آسمان: جو لوگ محض عقل کی پیروی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آسمان نظر نہیں آتا، نظر نہ آنے کا مطلب یہ کہاں سے نکالا جاسکتا ہے کہ اُس کے وجود کا انکار ہی کیا جائے، کتنی ہی مخلوق ہیں جن کے بارے میں ہم جانتے ہیں مگر وہ نظر نہیں آتی، جیسے فرشتے، جن اور شیاطین۔ اس طرح کے لوگ اصل میں معراج النبی ﷺ کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب آسمان ہی نہیں تو طبقات کیسے؟ لہٰذا یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے آسمان میں گئے جہاں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، پھر دوسرے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے، اور تیسرے میں حضرت یوسف علیہ السلام سے، چوتھے میں حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں میں حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سب باتیں نعوذ باللہ غلط ہیں۔ بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ آسمانوں میں کوئی منفذ اور گذر گاہ نہیں ہے، ان میں محرق التیام کو محال مانتے ہیں کہ ان میں نہ کوئی شگاف پڑ سکتا ہے اور نہ کوئی دراڑ آسکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے محض قیاس اور عقل پر معاملہ نہیں رکھا ہے، عقلِ انسانی

[1] سورۃ حم سجدۃ: ۹-۱۲
[2] سورۃ الذاریات: ۴۷-۴۸
[3] سورۃ النباء: ۶
[4] سورۃ النباء: ۱۱

بہر حال ناقص ہے، جہاں عقلِ انسانی اپنی منتہیٰ کو پہنچتی ہے وہاں سے وحی شروع ہوتی ہے تو ہمیں آسمانوں کے وجود اور طبقات کا علم وحی کے ذریعے دیا گیا ہے، جو کہ بہر حال تسلیم کرنا ہے۔ سائنسدان روزانہ تحقیقات کی منزلیں طے کر رہے ہیں اور ہر وقت غلطیاں کر رہے ہیں صبح کو تحقیق کچھ ہوتی ہے تو شام کو کچھ، اس دنیا کے ہی بارے میں دیکھ لیں ایک وقت تھا جب وہ دنیا کو ربع مسکون کہتے تھے پھر تھوڑی تبدیلی کر کے اسے گول کہا، مگر اب یہ تحقیق تبدیل ہو کر بیضوی شکل پر آ گئے ہیں کہ دنیا بیضوی شکل میں ہے۔ اب کچھ عرصے بعد مثلث کی بھی خبر آ جائے گی۔ یہ تو حال ہے سائنس کا اور لوگ ایسی چیز کو وحی کے مقابلہ میں تسلیم کرتے ہیں کہ جو صبح وشام بدلتی رہتی ہیں۔

کچھ عرصے قبل خنزیر کے اعضاء انسانی جسم میں استعمال کرنے کی کوشش کی گئیں، انگلینڈ کے سائنسدانوں نے کئی سال اس میں لگائے اور اس نتیجہ میں پہونچے کہ خنزیر کے ٹشو انسان کے قریب تر ہے، اس تحقیق پر سالانہ ۶۰۲ بیلین ڈالر خرچ کئے، آخر میں انگلینڈ ہی میں غالباً ۱۹۹۸ء میں ایک سیمینار سائنسدانوں کا منعقد ہوا اور سب نے اتفاق کیا کہ اب اس تحقیق کو بند کر دیا جائے کیونکہ خنزیر کے اعضاء انسانی جسم میں لگانے سے بجائے بیماری کے درست ہونے کے اور کئی بیماریاں جنم لیں گی۔ یہ تو حال ہے ان سائنسی تحقیقات کا۔ آسمان ایک ایسی حقیقت ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ قرآنِ حکیم میں لفظ "**سماء**" ایک سو بیس مرتبہ اور "**سمٰوٰت**" تقریباً ایک سو تیس مرتبہ استعمال ہوا ہے، کیا اللہ ﷻ اتنی بڑی تعداد میں ایسی چیز کا ذکر کریں گے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو؟

آسمان کی طرح زمین کے بھی سات طبقے ہیں: قرآنِ حکیم میں کئی جگہ "**سبع سمٰوٰت**" کا ذکر آیا ہے کہ آسمان سات ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ان سات آسمانوں کا ذکر کیا، خاص طور پر معراج کے موقعے پر ان آسمانوں میں مختلف انبیاء ورسل علیہم السلام سے ملاقاتیں کیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمین صرف ایک ہے، اس کے سات طبقات آسمان کی طرح نہیں ہے، اور دلیل وہی عقلی دیتے ہیں کہ سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے اور ان سائنسدانوں کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے سات طبقات زمین کے نہیں پائے، یہ بات میں نے آسمان کے نہ دیکھنے کی تحت بیان کی ہے کہ نہ نظر آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے وجود کا انکار کیا جائے، کیونکہ جو بات وحی سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

زمین کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے: **اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ**[1]

ترجمہ: اللہ ﷻ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی اتنی ہی۔

[1] سورۃ الطلاق: ۱۲

چنانچہ ترمذی اور دوسری روایات میں اس کی تفصیل ہے کہ اللہ ﷻ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی بنائیں۔

وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ: اور اُس نے آسمان سے پانی اُتارا اور اس سے تمہارے رزق کے لئے پھل پیدا کئے۔

اللہ ﷻ کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے کہ اُس نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے تمہارے رزق کے لئے پھل پیدا کئے۔ اللہ ﷻ نے اپنی قدرت سے مٹی میں یہ خوبی رکھی ہے کہ ان کے امتزاج سے مختلف طرح کے اجناس اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: سو نہ بناؤ کسی کو اللہ کا شریک۔

یہاں یہ بتلادیا کہ جو مالک تم پر اتنا مہربان ہے، جو تمہارا خالق ہے۔ جو تمہارے آباؤ واجداد کا خالق ہے، نیز تمہارے لئے آسمان و زمین پیدا کئے اور تمہارے لئے رزق کا انتظام فرمایا، لہذا اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ۔

ند: کے معنی شریک و نظیر کے ہیں۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾	اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو (۲۳)
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾	پھر اگر ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے (۲۴)

ربطِ آیات: اس قبل دو آیتوں میں عقیدہ توحید کا بیان کیا گیا تھا۔ اب یہاں سے عقیدہ رسالت کو بیان کیا جارہا ہے۔ اللہ ﷻ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا آخری رسول بناکر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔ حضرت محمد ﷺ سے قبل جو انبیاء اور رُسل علیہم السلام آتے رہیں وہ مخصوص قوم کے لئے تھے۔ مگر آپ ﷺ کی بعثت سب کے لئے ہے نیز آپ پر جو کتاب قرآن حکیم اتاری گئی ہے وہ بھی سارے عالم کے لئے ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: **تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا**[1]۔ برکت ہے وہ ذات کہ جس نے اپنے بندہ پر فرقان (قرآن) نازل کیا تاکہ جہاں کے لئے ڈرانے والا بن جائے۔

[1] سورۃ الفرقان:۱

قرآن کا چیلنج

یہ وہ عالمگیر کتاب ہے، جو منزل من اللہ ہے، جو عربی زبان میں نازل کی گئی اور وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ لوگ عربی زبان کے ماسٹر تھے، ان کو دعویٰ یہ تھا کہ ہم سے بہترین کلام کوئی نہیں کر سکتا، اللہ ﷻ نے اُنہی کی زبان میں اس قرآنِ کریم کو نازل فرما کر ان کو چیلنج کیا کہ اس کتاب جیسی ایک سورۃ لے آؤ، اور اگر تم خود نہیں کر سکتے تو اپنے سارے معبودانِ باطلہ کو جمع کر لو اور تم سب مل کر کوشش کر لو کہ اس قران کی ایک چھوٹی سی چھوٹی سورۃ لے آؤ، مگر وہ عاجز ہو گئے، اللہ ﷻ نے فرمایا کہ اگر تم نہ کر سکو آگے فرمایا کہ تم ہر گز نہیں کر سکتے، حقیقت یہ ہے کہ آج چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے مگر کوئی بھی ایک چھوٹی سی چھوٹی سورۃ نہ لا سکا۔

قرآنِ حکیم ایک مُعجز کتاب ہے جس نے واضح طور پر انسانواں کو بتلادیا کہ وہ انسانی کلام نہیں ہے وہ رب العالمین کا کلام ہے، لہذا کوئی انسان بھی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتا۔ بعض لوگوں نے جیسے مسلیمہ کذاب وغیرہ نے کوشش کی کہ قرآن جیسی سورت بنالائے مگر تاریخ شاہد ہے کہ اُس کی عقل خبط ہو گئی اور انتہائی بیہودہ کلام بناڈالا جو آج تک مذاق کا باعث بنا ہوا ہے۔ سورۃ فیل کے مقابلہ میں اُس نے کہا:

الفِيلُ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْفِيلُ، لَهُ ذَنَبٌ وَبِيلٌ، ولَهُ خُرْطُومٌ طَوِيلٌ.

ہاتھی کیا ہے؟ اور تم کیا جانو کہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کی دم بدنما اور ناک لمبی ہے۔

اسی طرح سورۃ الذاریات کے مقابلہ میں کہا: **والذاريات قمحاوَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا، فَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا، فَالْخَابِزَاتِ خَبْزًا، والآكلات أكلا، فاللاقماتِ لقما، إِهَالَةً وَسَمْنًا** وغیرہ۔

قرآن کریم کے مقابلے میں ساری انسانیت کیا، سارے جن بھی اکٹھے ہو جائیں اور انسان اور جن دونوں مل کر بھی کوشش کر لیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں مگر پھر بھی وہ نہیں لا سکتے، اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: **قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا** [1]۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ کہہ دیں! اگر سارے جن و انس جمع ہو جائیں اس بات پر کہ وہ اس جیسا قرآن لے آئیں، وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

قرآنِ حکیم اللہ ﷻ کا کلام ہے، جو خالق ہے ہر چیز کا، لہذا خالق کا کلام مخلوق کے کلام کے کیسے مشابہ ہو سکتا ہے؟

[1] سورۃ الاسراء: ۸۸

اعجازِ قرآن: علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "الشفاء" میں وجوہِ اعجازِ قرآن کے سلسلہ میں چار اہم وجوہ بیان کی ہیں جو مختصراً عرض کرتا ہوں۔

۱۔ **تالیفِ قرآن کا حسن:** ان کے کلام کا باہمی التیام، اُس کی فصاحت، اُس کا وجوہِ اعجاز، اور اس کی بلاغت جس نے میدانِ کلام کے شہسواروں کو حیران کر دیا۔ اس ضمن میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کئی شواہد پیش کئے کہ عربی زبان کے ماسٹر جب اس کلام کو سُنتے تو وہ کہہ پڑتے کہ **مایقول هذا البشر** کہ اس کلام کو کوئی بشر نہیں کہہ سکتا۔

ولید بن مغیرہ جو عرب کا مشہور ترین شاعر تھا، جب اُس نے رسول اللہ ﷺ سے آیت: **اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ**[1] سنی تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم اس آیت میں حلاوت ہے، اور عجیب حسن ہے، اس کلام کو نیچے سے دیکھے تو بھرپور ہے، اور اوپر سے پھلوں سے لدا ہوا ہے، اس کلام کو کوئی انسان نہیں کہہ سکتا۔

حضرت ابو عبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے جب سُنا: **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ**[2] تو سجدہ میں گر گیا اور کہنے لگا کہ اس کلام کی فصاحت کی وجہ سے سجدہ میں گر گیا تھا۔

ایک اور شخص کا واقعہ بیان کیا کہ جب اُس نے کسی شخص کو آیت: **فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا**.[3] پڑھتے ہوا سُنا تو اس نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ کوئی بھی مخلوق اس جیسا کلام بنانے پر قادر نہیں ہو سکتی۔

۲۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ دوسری وجہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن کا وہ عجیب نظم کی صورت اور اس کا وہ غریب اسلوب جو کہ کلامِ عرب کے اسالیب سے بالکل مخالف ہے، اور اس قسم میں قرآن کا وہ نظم و نثر شامل ہے جس پر وہ آیا ہے اور جس پر اس کے مقاطع کا وقف اور اس کے کلمات کے فواصل کی انتہاء ہوتی ہے اور ایسا نظم و نثر نہ تو قرآن سے قبل پایا گیا اور نہ اس کے بعد اس کی کوئی نظیر مل سکی اور نہ کسی میں اتنی استطاعت ہے کہ اس کی مماثلت کر سکے بلکہ ان کی عقلیں دنگ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سُنا تو وہ لرز گیا اور نرم پڑ گیا، ابو جہل اُس کے پاس اُس کو بُرا بھلا کہتا ہوا آیا تو ولید نے کہا کہ اللہ کی قسم تم میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ اشعار نہیں جانتا، اللہ کی قسم کوئی چیز بھی اس کلام کے مشابہ نہیں ہو سکتی۔

[1] سورۃ النحل: ۹۰
[2] سورۃ الحجر: ۹۴
[3] سورۃ یوسف: ۸۰

عُتبہ بن ربیعہ نے جب قرآن سنا تو کہا کہ اے قوم! تم جانتے ہو کہ میں کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی کہ جس کو میں نے جان نہ لیا ہو، پڑھ اور کہہ نہ لیا ہو، مگر اللہ کی قسم میں نے ایک ایسا قول (قرآن) سنا، اللہ کی قسم کبھی بھی اس کی مثل کوئی کلام نہیں سنا، نہ وہ شعر ہے نہ سحر اور نہ ہی کوئی کہانت ہے۔

۳۔ تیسری وجہ اعجاز میں سے یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا غیب کی خبروں کو شامل ہونا ہے اور جو بات نہیں ہوئی تھی اس کا قرآن کی پیشگوئی سے مطابق پایا جانا، چنانچہ کتنی آیات ہیں جن میں مستقبل کی پیشگوئیاں کی گئیں اور سب پوری ہوئیں۔

(الف) لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ .[1] یعنی تم ضرور مسجدِ حرام میں داخل ہوگے ان شاء اللہ۔

الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔

(ب) وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ .[2] یعنی اور (روم) مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔

الحمد للہ چند سالوں کے بعد ایسا ہی ہوا۔

(ت) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَه لَحٰفِظُوْنَ.[3] یعنی بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

آج ہم سب کے سامنے ہے کہ کس طرح اس کی حفاظت ہوئی ہے۔

ان وجوہ کے علاوہ بھی کئی اور وجوہ اعجاز قاضی عیاض نے بیان کئے، کچھ اور کا ذکر مختصراً کرتا ہوں۔

۱۔ رعب ہے کہ اس کے سننے والے کو دلوں میں اس کے سننے سے واقع ہوتا ہے اور ہیبت جو کہ قرأت کے وقت سامعین کے دلوں میں طاری ہوتی ہے، کتنے لوگ ہیں جو قرآن کے سننے کے بعد ایمان ان کے دلوں میں داخل ہوگیا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے سورۃ طور مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا تو اسلام ان کے قلب میں داخل ہوگیا۔

۲۔ قیامت تک یہ کتاب باقی رہے گی، جب تک دنیا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہوا ہے: **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَه لَحٰفِظُوْنَ**[4] دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات ان کے جانے کے بعد ختم ہوگئیں، سوائے ان کے اخبار کے مگر قرآنِ حکیم مکمل طور پر آج تک باقی ہے۔

[1] سورۃ الفتح: ۲۷
[2] سورۃ الروم: ۳
[3] سورۃ الحجر: ۹
[4] سورۃ الحجر: ۹

۳۔ قرآن کا پڑھنے والا اس کی قرأت سے ملول نہیں ہوا کرتا اور نہ ہی سُننے والا اس کے سننے سے اکتاتا ہے بلکہ اس کی تلاوت میں منہمک رہنے سے اس کی حلاوت میں اضافہ ہوتا ہے اور بار بار پڑھنے سے اس کی محبت کو واجب بناتا ہے، جبکہ قرآن کے علاوہ کوئی بھی کلام چاہے کس قدر حسن وبلاغت والا کیوں نہ ہو اس کو دہرانے سے دل اُکتا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اعجازِ قرآنی کے سلسلے میں "آیات بینات" کے حوالے سے لکھتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ملک کی طرف مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کوئی سامان نہیں تھا اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کی گئی جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بداخلاقی اور نفاق اور جنگجوئی کے کسی قسم کی کوئی اخلاقی خوبی نہیں رکھتے تھے مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب وغریب تاثیر کی کہ اس سے ان کی تمام ظاہری وباطنی حالتیں بدل گئیں، برسوں کے بہکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور مدتوں سے سوتے ہوئے غفلتوں کی نیند سے چوک پڑے، جو مشرک تھے وہ مؤحد بن گئے، جو کافر تھے وہ ایمان لے آئے، جو بت پرست تھے وہ بُت شکن بن گئے، جو گمراہ تھے وہ خدا کی راہ دکھاتے، جاہلانہ حمیت اور وحشیانہ عصبیت کا ان میں نام نہ رہا، خاندانی جھگڑے اور پیشتینی عداوتیں جاتی رہیں، دماغ نخوت وغرور سے خالی ہو گیا، اور اُن کے دل صبر وتوکل، حلم وبردباری، زہد وتقویٰ اور جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت نے ایک ایسا گروہ خدا پرست، پاک طبیعت، راست باز، نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا جن کی کوششوں سے شرک وبت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ نمائے عرب سے گونج رہی تھی بند ہو گئی اور اس کے بدلے بیچوں بیچگوں، بے شبہ وبے نموں خدا کی منادی پھر گئے، تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا، اوہام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا حق ظاہر ہو گیا اور باطل مغلوب اور بلاشبہ باطل مغلوب ہی ہوا کرتا ہے۔

الحمد للہ علمائے اسلام نے بیسیوں کتابیں اعجاز قرآنی پر لکھیں جو کہ مختلف زبانوں میں تالیف کی گئیں ہیں اور ابھی تک لکھی جارہی ہے۔

۱۔ نظم القرآن: یہ ابو عثمان بحر بن محبوب جو کہ جاحظ رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے نظم قرآن پر انتہائی دقیق بحثیں کی ہیں۔

۲۔ تاویل مشکل القرآن: یہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ رحمہ اللہ (متوفیٰ:۲۷۶ھ) کی کتاب ہے، اس کتاب میں انہوں نے اعجاز قرآن پر بسیط گفتگو فرمائی ہیں۔

۳۔ اعجاز القرآن: ابو عبد اللہ واسطی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

۴۔ اعجاز القرآن: قاضی ابو بکر الباقلانی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

۵۔ اعجاز القرآن: عبد القاہر جرجانی رحمہ اللہ۔

۶۔ بیان اعجاز القرآن: خطابی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

۷۔ النکت فی اعجاز القرآن: ابو الحسن علی بن عیسی الرمانی (متوفی: ۳۸۴ھ)

یہ معتزلیوں کے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں، مگر اعجاز قرآنی پر سات وجوہ سے بہت عمدہ انداز سے کلام کیا ہے۔

۸۔ الصناعتین: الکتابۃ والشعر: ابو ہلال الحسن بن عبد اللہ العسکری رحمہ اللہ (متوفی: ۳۹۵ھ) کی کتاب ہے۔

۹۔ الاتقان: جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ۔

۱۰۔ خصائص کبریٰ: جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ۔

۱۱۔ اعجاز القرآن: علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، اردو میں۔

۱۲۔ قضیۃ الاعجاز القرآنی: ڈاکٹر عبد العزیز بن عبد المعطی عرفہ۔

۱۳۔ الشفاء: قاضی عیاض رحمہ اللہ کی بہترین کتاب ہے، جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بہترین انداز میں تعریف کی ہے، اس میں آپ کے معجزات میں سے قرآنِ کریم کے معجزہ کا ذکر فرمایا اور وجوہِ اعجاز قرآنی بیان کئے۔

۱۴۔ تفسیرِ کبیر: امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر ہے، اس میں انہوں نے اعجازِ قرآنی پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔

یہ مختصراً چند کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آج چودہ سے سال سے زیادہ کا عرصہ گذر گیا ہے، مگر قرآن کریم کا مقابلہ میں کوئی بھی کھڑا نہیں ہو سکا اور کوئی کھڑا ہو بھی نہیں سکتا۔ **وللہ الحمد علی ذٰلک۔**

وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ کُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَ اُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾	اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں جب ملے گا ان کو وہاں کا کوئی پھل کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے اور دیئے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے اور ان کے لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ وہیں ہمیشہ رہیں گے (۲۵)

ربط آیات: اس سے قبل ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو اسلام اور قرآن کے دشمن تھے، جن کے لئے جہنم تیار کی گئی ہے۔ اب یہاں سے اُن سُعداء کا ذکر کیا جاتا ہے جو صحیح معنوں میں ایمان والے ہیں اور ایمان کے تقاضے جنہیں اعمالِ صالحہ کہتے ہیں، ان پر عمل کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جنت کی خوشخبری دی جارہی ہے، فرماتے ہیں:

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: خوشخبری دیں اُن کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔

یہاں پر ایمان کے بعد عملِ صالحہ کا ذکر کیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمان کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن ہی نہیں ہے مگر جہنم سے بچاؤ کے لئے ضروری ہے کہ انسان عملِ صالح کرے، اور عملِ صالح ایمان کے بیج کو بڑھاتا ہے، اللہ ﷻ نے ہر شخص کے دل میں ایمان کا بیج ڈالا ہے، اس بیج کو تناآور درخت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ عملِ صالح کرے۔

اعمالِ صالحہ ہی سے ایمان کی حفاظت ہوتی ہے، اگر ایک بندہ عملِ صالح ترک کردے تو اس کے ایمان کا بیج جو اس کے قلب میں ودیعت رکھا گیا ہے اس میں نکھار پیدا نہیں ہوگا اور ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ بندہ عملِ صالح کا انکار کرنے والا بن جاتا ہے اور جب بندہ اس حد تک پہونچ جائے تو دل میں مہر لگ جاتی ہے اور پھر اس سے عملِ صالح کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ یہود کے مسلسل انکار اور عملِ صالح سے دوری اختیار کرنے کی وجہ سے اللہ ﷻ نے فرمایا: **فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ.**[1]

ترجمہ: جب وہ پھر گئے تو اللہ ﷻ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا۔

قرآنِ حکیم کوئی قصے کی کتاب نہیں ہے، بلکہ ہر قصہ میں ایک عبرت ہے جو امتِ محمدیہ کو بتلایا جاتا ہے۔

بہرحال! اس آیت میں ان لوگوں کو خوشخبری دی جارہی ہے جو ایمان کے ساتھ عملِ صالح کرتے ہیں۔

ایمان کے بعد عمل صالح پر انتہائی زور دیا گیا ہے۔ عملِ صالح یہ ہے کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کام کرنے کو فرمایا ہے۔ ہم اس طرح سے کریں اور بدعات سے بچیں۔

عمل صالح میں نماز کا پڑھنا، روزہ رکھنا، ذکر کرنا، قرآن شریف کی تلاوت کرنا، تقویٰ کے مطابق زندگی گزارنا، زکوٰۃ اور حج کا ادا کرنا وغیرہ۔ عملِ صالح کے لئے شرط یہ ہے کہ صرف اللہ ﷻ کی خوشنودی اور تقرب کے لئے عمل کیا جائے قرآن کریم کی کتنی آیات ہیں جو عمل صالح کرنے والوں کے لئے جنت کی خوشخبری سناتی ہے۔ پچاس سے زائد آیات ہیں جو عملِ صالح کرنے والوں کے لئے خوشخبری سناتی ہیں۔

[1] سورۃ الصف: ۱

میں دس آیات نقل کرتا ہوں:

۱۔وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ[۱]

ترجمہ: اور ان لوگوں کو خوشخبری سنادیجئے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے کہ اُن کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

۲۔وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ[۲]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے، یہ جنت والے ہیں کہ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۳۔وَالَّذِیْنَ اٰمَنُواوَعَمِلُواالصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِهَا الاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلاً.[۳]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ہم اُن کو عنقریب ایسے باغات میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ ﷻ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ ﷻ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہے؟

۴۔وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اُوْلٰئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَاخٰلِدُوْنَ۔[۴]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے، ہم کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے یہی جنت والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۵۔اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِم تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔[۵]

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، لے جائے گا اُن کو اُن کا رب اُن کے ایمان کے ساتھ (ایسے باغات کی طرف کہ) جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی نعمتوں والے باغات میں۔

۶۔اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَت لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔[۶]

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کے لئے جنات الفردوس ہیں (جہاں ان کی) مہمانی ہو گی۔

[۱] سورۃ البقرۃ:۲۵
[۲] سورۃ البقرۃ:۸۲
[۳] سورۃ النسآء:۱۲۲
[۴] سورۃ الاعراف:۴۲
[۵] سورۃ یونس:۹
[۶] سورۃ الکھف:۱۰۷

۷۔اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔[1]

ترجمہ: بے شک اللہ ایمان والے اور عمل صالح کرنے والوں کو ایسے باغات میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی بے شک اللہ ﷻ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

۸۔اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ۔[2]

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کے لئے نعمتوں والے باغات ہیں۔

۹۔اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی۔[3]

ترجمہ: وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے تو ان کے لئے باغ ہیں رہنے کے لئے۔

۱۰۔وَ مَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَ یَعْمَلْ صٰلِحًا یُّدْخِلْہ، جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا۔[4]

ترجمہ: اور جو اللہ پر ایمان لایا اور اچھا عمل کیا تو وہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ ﷻ ہم سب کو صحیح ایمان اور عمل صالح کرنے والا بنائے تاکہ ہم سب جنتی ہو جائیں۔

اے اللہ! ان حروف کے لکھنے والے کو اور جو ان حروف کو پڑھیں ان سب کو جنت میں داخل فرما۔ (آمین ثم آمین)

اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ: بلاشبہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

جَنّٰتٍ: جنت کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں تاکہ ہمیں جنت میں جانے کا شوق پیدا ہو۔

جنت کا تذکرہ: اب میں جنت کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں تاکہ ہمیں جنت میں جانے کا شوق پیدا ہو۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جنت کا تذکرہ صرف دل کو بہلانے کے لئے ہے یہ بالکل غلط بات ہے۔ اللہ ﷻ نے ہم کو دنیا میں بھیجا ہے تاکہ ہم عمل صالح کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **أَفَمَن يُلقىٰ فِي النّارِ خَيرٌ أَم مَن يَأتِي آمِنًا يَومَ القِيامَةِ ۚ اعمَلوا ما شِئتُم ۖ إِنَّهُ بِما تَعمَلونَ بَصيرٌ**-[5] یعنی بھلا وہ شخص کہ جس کو آگ میں پھینکا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص کہ جو قیامت کے دن امن وہ

[1] سورۃ الحج: ۴۱
[2] سورۃ لقمان: ۸
[3] سورۃ السجدۃ: ۱۹
[4] سورۃ الطلاق: ۱۱
[5] سورۃ حم السجدۃ: ۴۰

کہ جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئے گا؟ جو چاہو کئے جاؤ بے شک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔
لہذا ہم اس دنیا میں اگر جنت والے عمل کریں گے تو امید ہے کہ وہ رحیم و کریم ذات ہم کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے۔

جنت کے اُسماء:

اللہ ﷻ نے جنت کے کئی نام قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ چند اسماء نقل کرتا ہوں:

۱۔ الجنة : مَثَلُ الجَنَّةِ الَّتي وُعِدَ المُتَّقونَ ۖ[1]

ترجمہ: جنت کی مثال جس کا وعدہ پرہیز گاروں کے لئے کیا گیا۔

۲۔ الغرفة: أُولٰئِكَ يُجزَونَ الغُرفَةَ بِما صَبَروا وَيُلَقَّونَ فيها تَحِيَّةً وَسَلامًا۔[2]

ترجمہ: یہ وہ ہیں جن کو بدلہ ملے گا کوٹھوں کی جھروکے، اس لئے کہ وہ صبر کرتے رہے۔

۳۔الفردوس: إِنَّ الَّذينَ آمَنوا وَعَمِلُوا الصّالِحاتِ كانَت لَهُم جَنّاتُ الفِردَوسِ نُزُلًا۔[3]

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ان کے لئے فردوس ہے یعنی ٹھنڈی چھاؤں کے باغ کی مہمانی۔

۴۔جنات النعيم: إِنَّ الَّذينَ آمَنوا وَعَمِلُوا الصّالِحاتِ يَهديهِم رَبُّهُم بِإيمانِهِم ۖ تَجري مِن تَحتِهِمُ الأَنهارُ في جَنّاتِ النَّعيمِ۔[4]

ترجمہ: بلا شبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ان کو ان کا رب ایمان کی وجہ سے ہدایت کرے گا۔ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں باغوں میں آرام کے۔

۵۔جنات عدن: وَعَدَ اللَّهُ المُؤمِنينَ وَالمُؤمِناتِ جَنّاتٍ تَجري مِن تَحتِهَا الأَنهارُ خالِدينَ فيها وَمَساكِنَ طَيِّبَةً في جَنّاتِ عَدنٍ ۚ وَرِضوانٌ مِنَ اللَّهِ أَكبَرُ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الفَوزُ العَظيمُ۔[5]

ترجمہ: وعدہ کیا اللہ نے مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے باغات کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، رہا کریں انہیں میں اور ستھرے مکانوں میں، ہمیشہ رہنے کے باغوں میں اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑھ کر ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

[1] سورۃ محمد: ۱۵
[2] سورۃ الفرقان: ۷۵
[3] سورۃ الکھف: ۱۰۷
[4] سورۃ یونس: ۹
سورۃ التوبۃ: ۷۲

۶۔جنة الخلد: قُل أَذٰلِكَ خَيرٌ أَم جَنَّةُ الخُلدِ الَّتي وُعِدَ المُتَّقونَ۔[1]

ترجمہ: آپ کہہ دیں کہ یہ بہتر ہے یا وہ ہمیشہ رہنے کا باغ ہے جس کا وعدہ پرہیز گاروں سے کیا گیا ہے۔

۷۔جنة عالية : في جَنَّةٍ عالِيَةٍ۔[2] یعنی اونچے بلند باغوں میں۔

۸۔دار السلام :لَهُم دارُ السَّلامِ عِندَ رَبِّهِم ۖ[3]

ترجمہ: ان کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے۔

۹۔دار المقامة : الَّذي أَحَلَّنا دارَ المُقامَةِ مِن فَضلِهِ۔[4]

ترجمہ: جس نے ہم کو آباد رہنے والے گھر میں اُتارا اپنے فضل سے۔

۱۰۔جنة المأوٰى: وَأَمّا مَن خافَ مَقامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفسَ عَنِ الهَوىٰ فَإِنَّ الجَنَّةَ هِيَ المَأوىٰ۔[5]

ترجمہ: اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور روکا اپنے نفس کو خواہش نفسانی سے تو بے شک اس کے لئے جنت ہی ٹھکانا ہے۔

۱۱۔دار الحيوان:وَإِنَّ الدّارَ الآخِرَةَ لَهِيَ الحَيَوانُ۔[6]

ترجمہ: اور بے شک جو پچھلا گھر ہے سو وہی ہے زندہ رہنا۔

۱۲۔مقام امين:إِنَّ المُتَّقينَ في مَقامٍ أَمينٍ۔[7] یعنی بلاشبہ پرہیز گار لوگ چین وامن کے مقام میں ہیں۔

اس طرح کے اور بھی کئی نام جنت کے ہیں۔ جنت ایک ایسی نعمت ہے کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ نہ کسی آنکھ نے اس کو دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال آسکتا ہے کہ وہ کس قدر حسین ہے۔

حدیث قدسی شریف میں جنت کے بارے میں یوں فرمایا :عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ قال:قالَ اللَّهُ تَبارَكَ وتَعالَى: أعْدَدْتُ لِعِبادِي الصَّالِحِينَ، ما لا عَيْنٌ رَأَتْ، ولا أُذُنٌ سَمِعَتْ، ولا خَطَرَ علَى قَلْبِ بَشَرٍ. قالَ

[1] سورۃ الفرقان:۱۵
[2] سورۃ الحاقۃ:۲۲
[3] سورۃ الانعام:۱۲۷
[4] سورۃ فاطر:۳۵
[5] سورۃ النّٰزعت:۴۰-۴۱
[6] سورۃ العنکبوت:۶۴
[7] سورۃ الدخان:۵۱

أبو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: اقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: {فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ}[1]۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار کی ہیں کہ کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آسکتا ہے۔ اس کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو پڑھو: کسی نفس کو نہیں معلوم کہ اس کی آنکھ کی ٹھنڈک کے لئے کیا چھپایا گیا ہے۔

یہ وہ جنت ہے کہ سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوں گے۔

چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے: **عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم آتي باب الجنة يوم القيامة فأستفتح فيقول الخازن من أنت فأقول محمد فيقول بك أمرت لا أفتح لأحد قبلك**۔[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کو چاہوں گا تو جنت کے چوکیدار کہے گا۔ آپ کون ہیں؟ تو میں کہوں گا محمد، تو فرشتہ کہے گا آپ ہی کی وجہ سے مجھ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لئے جنت کو نہ کھولوں۔

جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اسی طرح آپ کی امت میں سب سے پہلے جنت میں جانے والے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ چنانچہ روایت میں ہے: **قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : أما إنك يا أبا بكر أول من يدخل الجنة من أمتي**۔[3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو بکر! آپ میری امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

جنت کی صفات: جنت ایسی جگہ ہے کہ ہر ایک کی خواہش ہے کہ وہ اس میں داخل ہو اور کیوں نہ ہو کیونکہ جنت وہ جگہ ہے کہ جس کی صفت بیان کرنا ناممکن ہے اور خیالات اس سے قاصر ہیں۔ جن کی نظیر دنیا میں ناممکن ہے کیونکہ جنت کی کوئی مثل ہے ہی نہیں۔ وہ ایک نور ہے جو چمکتا ہے، وہ ایک تر و تازہ باغ ہے جو ہر وقت لہلہاتا ہے، اس میں عظیم الشان محلات ہیں جن کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ اس میں صاف و شفاف پانی کی، دودھ کی، شہد کی اور شراب کی نہریں ہیں۔ اس کے محل کی اینٹ سونے اور چاندی کی، اس کا گارا مشک کا، اس کی کنکریاں یاقوت اور موتیوں کی، اس کی مٹی زعفران کی۔ جو اس میں داخل ہو گا ہمیشہ مزہ کرے گا

[1] صحیح البخاری: ۰/ ۱۴۴
[2] صحیح مسلم: ۱/ ۱۸۸
[3] سنن ابی داؤد: ۲/ ۲۱۳

اور پریشانی کبھی نہ آئے گی، اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو گا اور موت کبھی نہ آئے گی نہ کپڑے پرانے ہونگے اور نہ ہی جوانی مٹے گی۔

جنت کے دروازے: جہنم کے سات دروازے ہیں جبکہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ: **عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال في الجنة ثمانية أبواب فيها باب يسمى الريان لا يدخله إلا الصائمون.**[1]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان میں ایک دروازہ کا نام "**الریان**" ہے جس میں سے صرف روزہ رکھنے والے داخل ہوں گے۔

مختلف احادیث میں جنت کے ان دروازوں کے نام آئے ہیں ذیل میں ان کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔**باب الجہاد:** یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔

۲۔**باب التوبۃ:** یہ تائبین یعنی توبہ کرنے والے اس میں سے داخل ہوں گے اس باب کو،، باب محمد،، بھی کہتے ہیں۔

۳۔**باب الصلاۃ:** نمازیوں کے لئے خاص ہے۔

۴۔**باب الریان:** یہ دروازہ روزہ داروں کے لئے مخصوص ہے۔

۵۔**باب الصدقۃ:** صدقہ کرنے والے اس دروازہ سے داخل ہوں گے۔

۶۔**باب الوالد:** ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے اس دروازے سے داخل ہوں گے۔

۷۔**باب الصلۃ:** صلہ رحمی کرنے والے اس دروازہ سے داخل ہوں گے۔

۸۔**باب الضحیٰ:** وہ لوگ جو چاشت کی نماز پڑھتے ہیں وہ اس دروازہ سے داخل ہوں گے۔

جنت کے یہ آٹھوں دروازے مشہور ہیں۔ احادیث میں اور بھی نام آئے ہیں مثلاً:

۹۔**باب الأیمن:** حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ ﷺ سے کہا جائے گا کہ آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں ہے باب الأیمن سے داخل کریں۔

۱۰۔**باب الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس:** وہ لوگ جو غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں وہ اس میں سے داخل ہوں گے۔

[1] صحیح البخاری: ۴/ ۱۱۹

۱۱۔باب الذکر : ذکر کرنے والے اس میں سے داخل ہونگے۔

۱۲۔باب الحج : حج کرنے والے اس میں سے داخل ہونگے۔

کچھ لوگ اس امت میں ایسے خوش نصیب بھی ہیں کہ جنت کے تمام دروازے ان کو پکار کر کہیں گے کہ میرے اندر سے داخل ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قَالَ" :نَعَمْ وَأَرْجُو أَنْ تكون منهم"۔[1]

ترجمہ: میں امید کرتا ہوں کہ تم ان میں سے ہوں گے کہ جن کو جنت کے تمام دروازے پکاریں گے کہ مجھ سے داخل ہو۔

جنت کے درجات:

جنت کے مختلف درجات ہیں۔ اہل جنت درجات کے لحاظ سے اس میں متعارف ہوں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَمَن يَأتِهِ مُؤمِنًا قَد عَمِلَ الصّالِحاتِ فَأُولٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجاتُ العُلىٰ۔[2]

ترجمہ: اور جو شخص اس کے پاس ایمان کے ساتھ حاضر ہو گا اس طرح سے کہ اس نے نیک کام کئے، اس کے لئے اعلیٰ درجے ہوں گے۔ جنت کے درجات حسب مراتب مختلف ہوں گے۔ مختلف احادیث میں جنت کے درجات کا ذکر ہے:

۱-عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ ، وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ ، أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ ، قَالَ : إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللَّهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ أُرَاهُ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ ۔[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے نماز ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے ایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ میں کرلیتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے، وہ کہ جس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا یا اس زمین میں جہاں پیدا ہوا تھا وہیں رہا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو خوشخبری سنادیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار فرمائے ہیں۔ ہر درجے کے درمیان آسمان اور زمین کا فاصلہ ہے۔ لہذا جب بھی تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو۔ کیونکہ

[1] النھایۃ لابن کثیر: ۱/ ۴۶

[2] سورۃ طہ: ۷۵

[3] صحیح البخاری: ۴/ ۱۶

بعض جنت تو بیچ میں ہے اور بعض بہت اوپر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اس سے جنت کی نہریں بہتی ہیں۔

بہر حال! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ ایمان والے جو نمازی ہیں، روزہ دار ہیں اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کے لئے جنت کا اعلیٰ مقام ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

۲-عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : إِنَّ أَهْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلَى يَرَاهُمْ مَنْ هُمْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ كَالْكَوْكَبِ الدُّرِّيِّ ، وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ مِنْهُمْ وَأَنْعَمَا.[1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں بڑے درجات والوں کو نیچے درجہ والے اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ تم چمکتے ہوئے ستاروں کو آسمان کے افق میں دیکھتے ہو۔ اور ابو بکر و عمر، ان اونچے درجے والوں میں سے ہیں اور وہ دونوں کیا خوب ہیں۔

اصل میں جنتی اپنے اعمال کے اعتبار سے جنت کے مختلف درجات میں ہوں گے۔ مثال کے طور پر وہ شہداء جو پہلی صف میں ہو کر لڑتے ہیں، پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے یہاں تک کے وہ اللہ ﷻ کے راستے میں شہید ہو جاتے ہیں۔ یہ اس طرح کے شہداء ہیں کہ جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیں گے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ: **قال النبی ﷺ: أفضل الشهداء الذين يقاتلون في الصف الأول فلا يلفتون وجوههم حتى يقتلوا أولئك يتلبطون في الغرف العلى من الجنة يضحك إليهم ربك فإذا ضحك ربك إلى عبد في موطن فلا حساب عليه.**[2]

ترجمہ: حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے افضل شہداء وہ ہیں جو اللہ کے راستہ میں پہلی صف میں لڑائی کرتے ہیں۔ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے یہاں تک کے شہید ہو جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو جنت کے اعلیٰ کمروں میں ہوں گے۔ آپ کا رب ان پر ہنستا (خوش ہوتا) ہے اور جس بندہ پر تیرا رب خوش ہو کسی مقام پر تو اس پر کوئی حساب نہیں۔

جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے: سب سے پہلے ہستی علی الاطلاق جنت میں داخل ہونے والی وہ آقائے دو عالم **سیدالانبیاء والمرسلین وسید أهل الجنة** حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، اور سب سے پہلی امت جو جنت میں داخل

[1] سنن ابن ماجہ: ۱/ ۳۷
[2] صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ: ۱/ ۲۴۹

ہو گی وہ آپ کی امت ہے اور اس امت میں سب سے پہلے شخص جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہوں گے جو جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

اس سلسلہ میں مسلم شریف کی روایت درج ذیل ہے: **عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ آتي باب الجنة يوم القيامة فأستفتح فيقول الخازن من أنت فأقول محمد فيقول بك أمرت لا أفتح لأحد قبلك۔**[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اس کے کھولنے کا کہوں گا تو جنت کے خازن کہیں گے کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا "محمد" تو خازن کہے گا: آپ ہی کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لئے بھی نہ کھولوں۔

اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ: **عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ أتاني جبريل فأخذ بيدي فأراني باب الجنة الذي تدخل منه أمتي فقال أبو بكر يا رسول الله وددت أني كنت معك حتى أنظر إليه فقال رسول الله ﷺ: أما إنك يا أبا بكر أول من يدخل الجنة من أمتي.**[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے انہوں نے مجھے جنت کا دروازہ دکھلایا، جس میں سے میری امت داخل ہوں گی۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کاش میں بھی آپ کے ساتھ ہوتا تاکہ میں بھی جنت کے دروازہ کو دیکھ لیتا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو بکر! جہاں تک تمہاری بات ہے تم تو میری امت میں سب سے پہلے شخص ہو جو جنت میں داخل ہو گا۔

بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے والے: اس امت میں کچھ ایسے بھی خوش نصیب لوگ ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جن کے دلوں میں ایمان راسخ ہو گا۔ تقویٰ، عمل صالح اور استقامت والے ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: **وَالسّابِقونَ السّابِقونَ أُولٰئِكَ المُقَرَّبونَ في جَنّاتِ النَّعيمِ۔**[3]

ترجمہ: اور پہلے والے تو پہلے والے، وہ لوگ ہیں مقرب، نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔

یہ مقربین بارگاہ ہیں جن کے ایسے مزہ ہوں گے۔ بخاری شریف میں ایسے لوگوں کے لئے اس طرح کے الفاظ آئے ہیں: **عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال ليدخلن الجنة من أمتي سبعون ألفاً أو سبعمائة ألف لايدخل أولهم حتى**

[1] صحیح مسلم: ۱/ ۱۸۸
[2] سنن ابی داؤد: ۲/ ۲۱۳
[3] سورۃ الواقعۃ: ۱۲-۱۰

يدخل آخرهم، وجوههم على صورة القمر ليلة البدر۔[1]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں ستر ہزار یا سات لاکھ ایسے ہوں گے جو جنت میں داخل ہوں گے اس طرح سے کہ پہلے والے اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ آخر والے داخل نہ ہو جائیں۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہونگے۔

اصل میں یہ سب کے سب ایک صف میں اکٹھے ہو کر داخل ہونگے۔

یہ ستر ہزار ایسے خوش نصیب لوگ ہوں گے کہ ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت ہے: **عن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال: أعطيت سبعين ألفا يدخلون الجنة بغير حساب وجوههم كالقمر ليلة البدر و قلوبهم على قلب رجل واحد ، فاستزدت ربي عز وجل ، فزادني مع كل واحد سبعين ألفا۔**[2]

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ستر ہزار لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ ان کے دل ایک فردِ واحد کے دل کی طرح ہوں گے میں نے اپنے رب عزوجل سے مزید اضافہ کی درخواست کی تو میرے رب نے ہر ایک شخص کے ساتھ ستر ہزار افراد بڑھا دیئے۔

سبحان اللہ! اس حدیث کے مطابق ستر ہزار مقربین میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار بندے ہوں گے اس طرح جنتیوں کی تعداد جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ ۴۹۰۰،۰۰۰،۰۰۰ بنتے ہیں یعنی ۴۹۰ بلین بنتے ہیں۔ اس وقت پورے دنیا کی پاپولیشن سات بلین کے قریب ہے۔ یہ تو وہ ہوئے جو بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ کتنے ایسے ہوں گے جو حساب یسیر سے چھٹ جائیں گے، کتنے ایسے ہوں گے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے اور کتنے ایسے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی دو ہتھیوں سے داخل ہوں گے اور کتنے اعراف والے ہوں گے جو بالآخر جنت میں داخل ہوں گے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی جنت وسیع و عریض ہے۔ جس طرح اس کی رحمت لامتناہی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی بے پناہ اور لامتناہی رحمتوں اور فضل سے جنت میں داخل کرے۔ (آمین) میں نے جنت کے بارے میں مختصراً چند باتیں نقل کیں تاکہ جنت میں جانے کا شوق پیدا ہو۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ: جنت کی نہروں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مشک کے پہاڑ سے پھٹ کر نکلتی ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد بار "تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" آیا ہے۔ سورۃ محمد میں اس کی تفصیل ملتی ہے کہ چار طرح کی نہریں جنت میں

[1] صحیح البخاری: ۸/ ۱۱۳
[2] مسند احمد: ۱/ ۲۰۳

ہوں گی، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فِيهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ یعنی اور نہریں ہیں پانی کی جس میں بو نہیں ہے، اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں پھرا، اور نہریں ہیں شراب کی جس میں پینے والوں کی لذت ہے، اور نہریں ہیں شہد کی صاف شفاف۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ: جب ملے گا ان کو پھل کھانے کو تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے ہم کو ملا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی تفسیر یوں منقول ہے کہ جب جنت میں انہیں پھل پیش کیا جائے گا تو جنتی پھل دیکھتے ہی کہیں گے کہ یہ وہی پھل ہے جو ہم کو دنیا میں دیا گیا تھا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ وغیرہما کا قول یہ ہے کہ جو پھل ہمیں کل دیا گیا تھا یہ تو وہی پھل ہے۔

وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ: اور دیئے جائیں گے پھل ان کو ایک صورت کے۔ یعنی دیکھنے میں ایک جیسے ہونگے اور رنگ بھی ملتا جلتا ہو گا، مگر ذائقہ مختلف ہو گا۔

۱۔عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما لَا يُشْبِهُ شَيْءٌ مِمَّا فِي الْجَنَّةِ مَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا فِي الْأَسْمَاءِ۔[۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت کا پھل دنیا کے پھل سے مشابہت صرف نام میں ہو گا۔

۲۔وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ فِي قوله تعالى :وَأُتُوا بِهِ مُتَشابِهاً قَالَ: يَعْرِفُونَ أَسْمَاءَهُ كَمَا كَانُوا فِي الدُّنْيَا التُّفَّاحُ بِالتُّفَّاحِ وَالرُّمَّانُ بِالرُّمَّانِ، قَالُوا فِي الْجَنَّةِ :هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا يَعْرِفُونَهُ وَلَيْسَ هُوَ مِثْلَهُ فِي الطَّعْمِ۔[۳]

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ جنت میں پھل نام سے پہچانیں گے جیسا کہ دنیا میں جانتے تھے، جیسے سیب اور انار وغیرہ کہ جب کسی جنتی کو سیب یا انار وغیرہ پیش کیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہے جو دنیا میں ہمیں دیا جاتا تھا، جبکہ صرف وہ مشابہ ہو گا لیکن ذائقہ میں مختلف ہو گا ایک طرح نہ ہو گا۔

وَ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ: اور ان کے لئے وہاں پاکیزہ عورتیں ہوں گی۔

پاکیزہ سے مراد یہ ہے کہ وہ حیض ونفاس، بول وبزار، تھوک، ناک کی رطوبت، منی اور اولاد کے جننے سے پاک ہوں گی، نیز ظاہری اور اخلاقی گندگیوں سے بھی پاک ہوں گی۔

[۱] سورۃ محمد: ۱۵

[۲] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۱۴

[۳] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۱۴

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ.....:قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ! أَنِسَاءُ الدُّنْيَا أَفْضَلُ أَمِ الْحُورُ الْعِينُ؟قَالَ: بَلْ نِسَاءُ الدُّنْيَا أَفْضَلُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ كَفَضْلِ الظِّهَارَةِ عَلَى الْبِطَانَةِ . قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ وَبِمَا ذَاكَ؟، قَالَ :بِصَلَاتِهِنَّ وَصِيَامِهِنَّ وَعِبَادَتِهِنَّ اللهَ أَلْبَسَ اللهُ وُجُوهَهُنَّ النُّورَ، وَأَجْسَادَهُنَّ الْحَرِيرَ بِيضَ الْأَلْوَانِ خُضْرَ الثِّيَابِ صَفْرَاءَ الْحُلِيِّ مَجَامِرُهُنَّ الدُّرُّ وَأَمْشَاطُهُنَّ الذَّهَبُ يَقُلْنَ :أَلَا نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَمُوتُ أَبَدًا، أَلَا وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْؤُسُ أَبَدًا، أَلَا وَنَحْنُ الْمُقِيمَاتُ فَلَا نَظْعَنُ أَبَدًا، أَلَا وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ أَبَدًا طُوبَى لِمَنْ كُنَّا لَهُ وَكَانَ لَنَا۔[1]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت نقل کی کہ جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! دنیا کی عورتیں افضل ہوں گی یا حورِ عین؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی عورتیں حورِ عین سے اس طرح افضل ہوں گی جس طرح ظاہر باطن سے افضل ہوتا ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس کی وجہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کی افضلیت کی وجہ ان کے روزے اور ان کی نمازیں ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے چہروں میں نور پیدا کردے گا، ان کا جسم ریشم کی طرح ہوگا، رنگ گورا ہوگا، کپڑے سبز ہوں گے، سنہرے زیورات ہوں گے، ان کی انگوٹھی موتی کی ہوں گی، اور ان کی کنگیاں سونے کی ہوں گی، وہ کہیں گی سنو! ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں، کبھی مریں گی نہیں، ہم ہمیشہ نعمت میں ہیں کبھی غم نہیں آئیں گے، ہم قیام کرنے والیاں ہیں، کبھی سفر نہیں کریں گی، ہم خوش ہونے والیاں ہیں کبھی ناراض نہیں ہوں گی، اُس کو مبارک ہو جس کے لئے ہم ہیں اور وہ ہمارے لئے ہے۔

وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جنت میں دخول اہلِ ایمان کے لئے ابدی ہے، اس کا ذکر قرآن کریم میں مختلف جگہوں میں آیا ہے، بعض آیات میں ابدًا بھی آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں دائمی ہیں ان میں زوال نہیں ہیں، اسی طرح اس میں رہنے والے ہمیشہ اس میں برقرار رہیں گے، اگر یہ بات نہ ہو تو جنتی کے دل میں ہمیشہ یہ دھڑک رہے گی کہ کل کو مجھے یہاں سے جانا ہے، زوالِ نعمت کا خیال ساری نعمتوں کے مزہ کو ختم کردیتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اب تم صحت میں رہوگے اور کبھی بیمار نہیں ہوگے، اب تمہارے لئے حیات ہے، اب کبھی نہیں مروگے، اور تمہارے لئے جوانی ہے، کبھی بوڑھے نہیں ہوگے اور تمہارے لئے نعمتیں ہیں اب کبھی بھی مایوس نہیں ہوگے۔

[1] المعجم الکبیر: ۲۳/ ۳۶۷

چنانچہ اللہ ﷻ کا قول ہے: وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔[1]

ترجمہ: اور ان کو آواز دی جائے گی کہ یہ جنت کہ جس کے تم وارث ہو گئے ہو اس لئے کہ تم جو (اچھے) کام کرتے تھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَنْعَمُ لَا يَبْأَسُ، لَا تَبْلَى ثِيَابُهُ وَلَا يَفْنَى شَبَابُهُ۔[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو جنت میں داخل ہو گا تو نعمت میں رہے گا کبھی مایوس نہیں ہو گا، نہ ان کے کپڑے پُرانے ہوں گے اور نہ اُن کی جوانی ختم ہو گی۔

بہر حال اہلِ سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ جنت میں دخول ابدی ہے، اس میں فناء نہیں ہے۔

جہم بن صفوان کا خیال ہے کہ جہنم اور جنت دونوں ختم ہو جائیں گے، اُن پر فنائیت ہے۔

خلاصہ تفسیر: یاایھا الناس اعبدوا تا خٰلدون کے تحت بعض محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کو تین چیزیں دریافت کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ مبداء: کہ کہاں سے آیا ہے اور خود کیا تھا؟

۲۔ معاش: کہ کہاں سے کھاتا ہے اور کہاں سے پیتا ہے؟

۳۔ معاد: کہ آخر کار اس کا انجام کیا ہو گا؟

آیت: **الذی خلقکم** میں انسان کے مبداء کو بتلایا گیا کہ انسان کا خالق اللہ ﷻ ہے۔

آیت: **الذی جعل لکم الارض فراشا** سے **رزقالکم** تک معاش کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کی ذات ہے جو انسانوں کو رزق عطا فرماتے ہیں۔

آیت: **فاتقواالنار التی** سے **ھم فیھا خٰلدون** تک انجام کا ذکر ہے، دو فرقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جہنمی فرقہ وہ ہے جس نے شرک کیا، رسول اللہ ﷺ اور، قرآن پر ایمان نہ لائے۔ جبکہ جنتی فرقہ وہ ہے جو ایمان کے ساتھ عملِ صالح بھی کرتا ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ	بیشک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی ان کے رب کی طرف سے اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال

[1] سورۃ الاعراف: ۴۳

[2] صحیح مسلم: ۴/۱۸۱

مَا ذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾	سے گمراہ کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو اور گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں کو(۲۶)
الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾	جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو اور فساد کرتے ہیں ملک میں یہ وہی ہیں خسارے والے ہیں(۲۷)

ربطِ آیات: اس سے قبل اللہ ﷻ نے منکرینِ قرآن کو چیلنج کیا تھا کہ اگر تم کو قرآن کے بارے میں شک ہے تو کوئی ایک سورت اس جیسی بناؤ۔ اب یہاں پر ان منکرین کے ایک شبہ کو بیان کر رہے ہیں کہ قرآن میں تو مچھر اور مکھی کی مثالیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ ﷻ کا کلام نہیں ہے کہ وہ مچھر یا اس سے کم درجہ کی چیز کو بطورِ مثال بیان کرے۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی کہ جب اللہ ﷻ نے عنکبوت (مکڑی) اور ذباب (مکھی) وغیرہ کی مثالیں بیان کیں جو کہ بہت ہی چھوٹی مثالیں لگتی ہیں، تو یہود نے کہا کہ اللہ ﷻ بہت ہی باعزت اور بڑے ہیں ان حقیر مثالوں سے، اس پر آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖ:

حیاء: امام راغب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حیاء نفس کو قبائح سے روکنے کا نام ہے، ظاہر ہے اللہ ﷻ کے لئے یہ معنی مراد نہیں لے سکتے۔ اس لئے علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بہت عمدہ توجیہ بیان کی کہ حیاء کا التزامی معنی جو کہ "ترک" کے ہوتے ہیں وہ لئے۔ لہٰذا آیت کا مطلب اس طرح سے ہے اللہ ﷻ نہیں شرماتا یعنی ترک نہیں کرتا کہ وہ مچھر کی مثال بیان کرے۔ بعض حضرات نے **لایستحیی** کا معنی **لایخشیٰ** سے کیا جیسا کہ ارشاد ہے: وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ[1]: اس آیت میں **تخشی** سے مراد **تستحیی** ہے۔ بعض نے **لایمتنع** کیا ہے، یعنی اللہ ﷻ اس بات سے رُکتا نہیں کہ وہ مچھر یا اس سے کم کی چیز کی مثال بیان کرے۔

[1] سورۃ الاحزاب: ۳۷

اَنْ یَّضْرِبَ:

"**ضرب**" کہتے ہیں کہ کسی ایک چیز کو دوسری چیز پر رکھنا۔ بعض نے کہا کہ اس کے معنی بیان کرنے کے لئے آتے ہیں۔

فَمَا فَوْقَهَا:

اس سے دو مطلب نکالے جاسکتے ہیں۔

(۱) حجم میں زیادتی۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ ﷻ اس سے بڑی چیز کی بیان کرنے میں نہیں شرماتا۔

(۲) زیادتی معنی میں ہو۔

لہذا اس میں حقیر سے احقر کی طرف تنزل ہے کہ اللہ ﷻ اس مچھر سے بھی کسی چھوٹی چیز کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ج: سو جو لوگ ایمان والے ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ جو ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ سب ٹھیک ہے۔

یہ ایمان والوں کی تعریف ہے، چھوٹی سی چھوٹی چیز ہو یا بڑی سے بڑی، سب پر ایمان لاتے ہیں، آیات محکمات ہو یا متشابہات، علت سمجھ میں آئے یا نہ آئے، تمام چیزوں پر بلا چوں وچراں ایمان لاتے ہیں، یہ شکوک وشبہات میں نہیں پڑتے ہیں۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ: اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے؟ اصل میں کفار کا کام نہ ماننا ہے، ہر بات پر غیر ضروری سوال کا مقصد صرف انکار ہے اور انکار بھی علی سبیل العناد ہے، چونکہ انکار کا مقصد صرف عناد ہے اس لئے آگے اللہ ﷻ نے فرمایا۔

یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا: وہ اس سے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے۔

ضلال کے معنی ہلاک اور گُم ہونے کے ہیں، ایسے لوگ جو انکار کرتے ہیں ظاہر ہے وہ راہِ حق سے دور ہو جاتے ہیں۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ کفار کا قول ہے کہ اللہ ﷻ کی مراد اس طرح کی مثالوں سے کیا ہے کہ جن کی وجہ سے کچھ گمراہ ہو جاتے ہیں اور کچھ ہدایت پا جاتے ہیں؟ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ قول اللہ ﷻ کی طرف سے خبر ہے کہ اللہ ﷻ اس طرح کی مثالوں سے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔ اللہ ﷻ کسی کو اُس وقت گمراہ کرتا ہے جب وہ انکار کے اس حد تک پہونچ جائے جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو، لہذا اللہ ﷻ کی طرف کوئی ظلم کی نسبت نہیں ہے، **وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ**[1]۔ یعنی اور اللہ ﷻ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

[1] سورۃ النحل: ۳۳

وَ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا: اور اللہ ﷻ اس سے بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔

یہ ہدایت ان مؤمنین کو حاصل ہے کہ جنہوں نے اللہ ﷻ کی بات کو من و عن تسلیم کیا، کسی بھی طرح شک میں مبتلا نہیں ہوئے، بڑی سے بڑی ہو یا چھوٹی سے چھوٹی مثال ہو، اس پر ایمان رکھتے ہیں، اس طرح کے لوگ ہی ہدایت کے مستحق ہیں۔

وَ مَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ: اور وہ اس سے صرف فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے۔

فاسق: فسق سے ماخوذ ہے، جس کے معنی نکلنے کے آتے ہیں، چنانچہ اس معنی کو قرآن نے بھی بتلایا:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ[1].

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنوں میں سے تھا، سو وہ نکل گیا اپنے رب کے حکم ماننے سے۔

بے نمازی کو فاسق اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ ﷻ کے حکم سے بھاگتا ہے۔ اِسی طرح مرتکبِ کبائر کو بھی فاسق کہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ ﷻ کے حکم سے عدول کرتا ہے۔

اس آیت میں وہ کفار اور منافقین مراد ہیں جو اللہ ﷻ کی بات ماننے سے نکل کر کفر میں شامل ہو گئے۔

بہر حال! اس آیت میں واضح طور پر اس سوال کا جواب اللہ ﷻ نے دے دیا کہ اللہ ﷻ ظالم نہیں ہے کہ وہ کسی کو بلاوجہ گمراہ کرے، جب بندہ فسق کے اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ: جو توڑتے ہیں اللہ ﷻ کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد۔

عہد: دو اشخاص کے درمیان معاہدے کو کہتے ہیں، جبکہ **میثاق:** ایسے پختہ معاہدہ کو کہتے ہیں جو قسم کے ساتھ مضبوط و مستحکم کیا جائے۔

اس آیت میں اس عہد سے کیا مراد ہے؟ مفسرین نے کئی اقوال نقل کئے ہیں۔

۱۔ اللہ ﷻ کی وہ وصیت مراد ہے جو اس نے اپنی مخلوق سے لی تھی کہ اللہ ﷻ کی اطاعت کرنا اور اس کی معصیت سے اجتناب کرنا۔

۲۔ اس سے مراد کفار، اہلِ کتاب اور منافقین ہیں کہ جن سے اللہ ﷻ نے توراۃ میں عہد لیا تھا کہ توریت کے احکام پر عمل کرنا اور جب حضرت محمد ﷺ مبعوث ہو جائیں تو ان کی اتباع اور تصدیق کرنا مگر انہوں نے جان بوجھ کر اس عہد کو توڑ ڈالا۔

۳۔ اس عہد سے تمام کفار، مشرکین اور منافقین مراد ہیں جنہوں نے عہد الست کو توڑا، عہدِ الست وہ عہد ہے جبکہ تمام انسانوں کی

[1] سورۃ الکھف: ۵۰

پیدائش سے قبل اللہ ﷻ نے تمام انسانوں کی ارواح کو جمع کر کے لیا تھا کہ **الستُ بربکم؟** کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تو سب نے ہی کہا: **قالوا بلی شھدنا** سب نے اعتراف کیا کہ کیوں نہیں؟ اہلِ ایمان نے تو اس عہد کو برقرار رکھا، لیکن کفار، مشرکین اور منافقین اس عہد کو برقرار نہ رکھ سکے۔

وَ یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ: اور توڑتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ ﷻ نے ملانے کو کہا۔

قطع رحمی: صلہ رحمی جس کا حکم اللہ ﷻ نے دیا ہے، مگر وہ اس سے دور رہتے اور قرابت داری جیسے اہم ترین رشتہ کا خیال نہیں رکھتے، یہ یہود اور منافقین کا عام شیوہ تھا کہ وہ قطعِ رحمی کرتے تھے۔ احادیث میں قطعِ رحمی کے سلسلے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، مگر آج اکثر لوگ اس رشتے کا خیال نہیں رکھتے، یہ وہ گناہِ کبیرہ ہے کہ جس کہ وجہ سے ہماری عبادتیں اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں نیز اللہ ﷻ سے دوری کا ذریعہ بھی یہی گناہ ہے۔

آج کے دور کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ خون، خون کا دشمن بنا ہوا ہے، لوگ شاید دوسروں سے دوستی تو برقرار رکھیں گے مگر اپنے بھائی، بہنوں اور خونی رشتہ داروں سے جھگڑے کریں گے۔ رشتہ دار، رشتہ دار کو قتل کر رہا ہے، ان سے ہمیشہ کیلئے تعلق توڑ رہا ہے کتنے قرابت داروں کو دیکھا گیا ہے کہ سالوں ایک دوسرے کے پاس نہیں جاتے، ایک دوسرے کی خوشی غمی کے موقعوں پر بھی آنا جانا موقوف ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنے خالق حقیقی سے دور ہیں جو سب کی اصل ہے جب اسی سے دوری اختیار کی جائیگی تو اس کی بنائی ہوئی مخلوق سے دوری خود بخود ہو گی اگر اللہ ﷻ سے بندہ قریب ہو جائے اللہ ﷻ کی بنائی ہوئی مخلوق سے بھی بندہ قریب ہو جائے گا۔

شیطان انسان کا دشمن ہے وہ کبھی نہیں چاہے گا کہ بندوں کی عبادتیں اور دعائیں قبول ہوں، اسی لئے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہمیں اُلجھا دیتا ہے اور ہم آپس میں لڑتے رہتے ہیں، ظاہر ہے جب دو رشتہ دار آپس میں جھگڑا کریں گے تو ان کی عبادتیں اور دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟ کتنی احادیث اس بارے میں موجود ہیں کہ قطع رحمی کرنے والوں کی عبادتیں اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

کتنے دیندار لوگوں کو بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے خونی رشتہ داروں سے لڑتے ہیں ان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کی نمازیں، روزہ، زکاۃ اور حج جیسی عبادتیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔

لہٰذا عقلمندی اس میں ہے کہ اپنے سارے رشتہ داروں سے تعلقات مستحکم رکھیں۔ انسان کو اپنے ایمان اور عمل کے بارے میں خود غرض ہونا چاہیئے تاکہ ایمان اور اعمال صالحہ سلامت رہیں۔ اگر کوئی رشتہ دار گھر سے نکال دے اور یہ کہے کہ خبر دار! آئندہ میرے گھر میں نہ آنا، تب بھی اس رشتہ دار کو نہ چھوڑے، اگر کوئی بیوقوفی کر رہا ہے اس کی نادانی سے اپنا نقصان کیوں کرے؟ اگر اگلے کی نادانی سے تعلقات کو ترک کریں گے تو دو بندوں کا نقصان ہو گا اپنا اور دوسرے کا۔ لہٰذا اپنے آپ کو اور دوسرے رشتہ دار کو

بچانے کا طریقہ یہی ہے کہ اس رشتہ کو برقرار رکھیں۔اب ذیل میں کچھ احادیث درج کرتا ہوں تاکہ اندازہ ہوسکے کہ قطع رحمی کرنے سے کتنا بڑا نقصان ہوتا ہے۔

۱۔عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ قال: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو ایذاء نہ دے، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے اچھی بات کرے یا پھر خاموش رہے۔

۲۔عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ قال: الرحم متعلقة بالعرش تقول: من وصلنی وصله الله و من قطعنی قطعه الله۔[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رحم عرش سے جڑی ہوئی ہے اور وہ کہتی ہے جس نے مجھ کو جوڑا، اللہ تعالیٰ اس سے جڑے گا اور جو مجھ سے قطع رحمی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے قطع تعلق فرمائیں گے۔

۳۔عن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : قال الله تعالیٰ :أنا الله و أنا الرحمن خلقت الرحم و شققت لها من اسمی ، فمن وصلها وصلته ومن قطعها بتتُّه۔[3]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں رحمن ہوں، میں نے رحم پیدا کیا اور اس کیلئے میں نے نام نکالا اپنے نام سے، سو جو کوئی اس رحم سے جڑے گا میں اس سے جڑوں گا اور جو کوئی اس سے قطع تعلق کرے گا، میں اس سے قطع تعلق کروں گا۔

۴۔عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال :قال رسول الله ﷺ: ان الله تعالیٰ خلق الخلق حتی اذا فرغ منهم، قامت الرحم، فقالت: هذا مقام العائذ بک من القطيعة ، قال: نعم، أما ترضين أن أصل من وصلک و أقطع من قطعک، قالت: بلیٰ، قال: فذاک لک، ثمّ قال رسول اللہ ﷺ: اقرؤا ان شئتم : فهل عسيتم ان

[1] صحیح مسلم:۱/۶۸
[2] صحیح مسلم:۴/۹۸۱
[3] سنن ترمذی:۳/۳۷۸

تولّیتم أن تفسدوا فی الأرض و تقطعوا أرحامکم۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا جب فارغ ہوئیں تو رحم کھڑی ہوئی اور عرض کیا کہ یہ مقام ہے آپ سے پناہ لینے کا کہ جو اس سے قطع تعلق کرے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہاں، کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میں اس سے جڑوں گا جو تم سے جڑے اور میں اس سے قطع تعلق کروں گا جو تم سے قطع تعلق کرے، رحم نے کہا کیوں نہیں (میں راضی ہوں) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: یہ تمہارے لئے ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو ملک میں خرابی ڈالو اور قطع کرو اپنی قرابتیں۔

۵۔عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول:ان الرحم شجنة من الرحمن ، تقول: يارب!انی قطعت يارب، انی أسیٔ الیّ يا رب، انی ظلمت يا رب، فيجيبها:ألا ترضين أن أصل من وصلک و أقطع من قطعک۔[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رحم، رحمن کی شاخ ہے وہ کہتی ہے اے میرے رب! مجھ سے قطع تعلق کیا گیا، اے میرے پروردگار! مجھے ستایا گیا، اے میرے پروردگار! میرے ساتھ ظلم کیا گیا، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں اس کے ساتھ جڑوں گا جو تم سے جڑے اور میں اس سے قطع تعلق کروں گا جو تم سے قطع تعلق کرے۔

۶۔عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ليس الواصل بالمكافی و لكن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها۔[3]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو دونوں طرف سے برابری کرے (یعنی وہ بھی ملتا ہو اور تم بھی اسے ملتے ہو) اصل جوڑنے والا وہ ہے جو اس سے قطع رحمی کرے وہ اس سے صلہ رحمی کرے۔

۷۔روی عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:أسرع الخير ثوباً : البرّ و صلة الرحم و أسرع الشرّ عقوبة: البغی و قطيعة الرحم[4]۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ اچھے کاموں میں تیزی

[1] صحیح البخاری: ۸/ ۵
[2] مسند احمد: ۱۴/ ۵۳۰
[3] صحیح البخاری: ۸/ ۶
[4] سنن ابن ماجہ: ۲/ ۴۰۸

کے ساتھ ثواب دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے اور صلہ رحمی میں ملتا ہے اور سب سے زیادہ بُرے کاموں میں تیزی کے ساتھ عذاب دوسروں کے ساتھ زیادتی کرنے اور قطع رحمی کرنے میں ملتا ہے۔

۸۔عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: ان أعمال بنی آدم تُعرض كلّ خميس ليلة الجمعة، فلايقبل عمل قاطع رحم۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں بلاشبہ بنی آدم کے اعمال ہر شبِ جمعہ میں پیش کئے جاتے ہیں ،جو شخص قطع رحمی کرتا ہے اس کا عمل قبول نہیں ہوتا ہے۔

۹۔عن جبير بن مطعم رضی اللہ عنہ أنه سمع النبی ﷺ يقول: لايدخل الجنة قاطع ، قال سفيان:يعنی قاطع رحم۔[2]

ترجمہ: حضرت جبیرین مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

۱۰۔روی عن عبد اللہ بن أبی أوفیٰ رضی اللہ عنہما قال: كنا جلوساً عند النبی ﷺ فقال:لا يجالسنا اليوم قاطع رحم، فقام فتیً من الحلقة، فأتیٰ خالة له قد كان بينهما بعض الشیء،فاستغفر لها واستغفرت له، ثمّ عاد الی المجلس، فقال النبی : ان الرحمة لاتنزل علیٰ قوم فيهم قاطع رحم۔[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج ہمارے ساتھ قطع رحمی کرنے والا نہ بیٹھے ،اس مجلس سے ایک جوان اٹھا،وہ اپنی خالہ کے پاس گیا،ان کے درمیان کچھ اَن بَن تھی،اس نے خالہ کیلئے استغفار کیا، خالہ نے اس کیلئے استغفار کیا،پھر وہ جوان محفل میں حاضر خدمت ہوا۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ اس قوم پر رحمت نازل نہیں فرماتا جس میں قطع رحمی کرنے والا ہو۔

اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے قطع رحمی کرنے والے لوگ اللہ ﷻ کی رحمتوں سے بھی دور ہیں۔

سورہ رعد میں اللہ ﷻ نے قطع رحمی کرنے والے اور فساد فی الارض کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: **أُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ۔**[4] معلوم ہوا کہ قطع رحمی کرنے والے ملعون اور جہنمی ہیں۔

[1] مسند احمد:۱۶/۱۹۱
[2] مسلم:۴/۹۸۱
[3] الترغیب والترھیب للاصبھانی:۳/۱۸۰
[4] سورۃ الرعد:۲۵

وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ: اور وہ زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ان کا فساد یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی نافرمانی اور انکار کرتے ہیں، نیز اللہ کے رسول ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں اور ان سے لڑائی کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: یہ وہی ہیں جو خسارے والے ہیں۔

خٰسِرُوْنَ: خاسر کی جمع ہے، جس کے معنی خسارہ اور نقصان کے آتے ہیں، جس طرح وہ تاجر جو اپنا مال بازار میں لگاتا ہے اور راس المال سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اسی طرح کفار و منافقین بھی اصل راس المال جو کہ ایمان ہے، نافرمانی اور انکار کی وجہ سے ان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ بعض مفسرین نے **خاسرون** سے **هالکون** مراد لئے ہیں کہ وہ ہلاک ہونے والے ہیں، ظاہر ہے کفر اور انکار کا نتیجہ ہلاکت ہی ہے۔**عن ابن عباس**ؓ**قال :كل شيء نسبه الله إلى غير أهل الإسلام من اسم مثل"خاسر"، فإنما يعني به الكفر، وما نسبه إلى أهل الإسلام، فإنما يعني به الذنب۔**[1] یعنی امام طبری ؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی تفسیر نقل کی ہے کہ ہر وہ چیز کہ جس کی نسبت اللہ ﷻ نے غیر اہلِ اسلام کی طرف لفظ خاسر سے کی، اس سے مراد کفر ہے، اور جس کی نسبت اہلِ اسلام کی طرف لفظ خاسر سے کی، اس سے مراد گناہگار ہونا ہے۔

تو گویا آیت"اولئک هم الخٰسرون" کا مطلب :اولئک هم الکافرون ہوا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾	کس طرح کافر ہوتے ہو خدا تعالیٰ سے حالانکہ تم بیجان تھے پھر جلایا تم کو پھر مارے گا تم کو پھر جلائے گا تم کو پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے(۲۸)
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾	وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان اور خدا تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے(۲۹)

ربط آیات: اس سے قبل اللہ ﷻ نے اپنے وجود، توحید و رسالت کا ذکر کیا، نیز منکرین کے خیالاتِ فاسدہ کا ذکر کیا، اب یہاں یہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ ﷻ کے وجود کے کیونکر انکار کرتے ہو جبکہ تمہارا خالق کہ جس نے تم کو عدم سے وجود بخشا، تم کو دوبارہ مارے گا، پھر زندہ کرے گا اور اس کے دربار میں حاضری دینے والے ہو۔

[1] جامع البیان:۱/۲۴۴

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ: تم کیونکر اللہ ﷻ کا انکار کرتے ہو۔

اللہ ﷻ کے انکار کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا انکار شامل ہے، جو کہ اللہ ﷻ کا پیغام لے کر آئے تھے۔

کفر کی تفسیر آیت ان الذین کفروا (سورۃ البقرۃ:٦) میں گذ چکی ہے۔

وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ: اور تم مردہ تھے، پھر اس نے تم کو زندہ کیا۔ انسان عدم میں تھا، اس نے اس عدم کو وجود بخشا۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو مالک رحمہ اللہ، حضرت ابو صالح رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت مرہ رحمہ اللہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کچھ نہ تھے، پھر اُس نے تم کو پیدا کیا، پھر وہ تم کو موت دے گا، پھر تم کو قیامت کے دن زندہ کرے گا۔

بعض حضرات ابومالک رحمہ اللہ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر آیت "اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ"[1] سے کی کہ وہ مردے تھے، اللہ ﷻ نے ان کو زندہ کیا، پھر اللہ ﷻ ان کو مارا، پھر اللہ ﷻ نے ان کو زندہ کیا۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت "اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ" کے تحت فرماتے ہیں کہ تم مٹی تھے تمہارے پیدا کئے جانے سے قبل، تو یہ ایک میتہ ہوئی، پھر اللہ ﷻ نے تم کو پیدا کیا، تو یہ پہلی حیات ہوئی، پھر اللہ ﷻ تم کو موت دے گا تو تم قبور کی طرف چلے جاؤ گے تو یہ دوسری میتہ ہوئی، پھر اللہ ﷻ تم کو قیامت کے دن مبعوث کرے گا تو یہ دوسری حیات ہوئی، تو اس طرح دو موتیں اور دو حیات ہوئیں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا: اللہ ﷻ وہ ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا زمین میں جو کچھ ہے سب۔

یہاں سے اللہ ﷻ اپنی نعمتِ عام کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تمہارے فائدے کے لئے اللہ ﷻ نے پیدا کیا۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ: پھر اس نے قصد کیا آسمان کی طرف، سو ان کو ٹھیک کر دیا سات آسمان۔

اسْتَوٰى: کے معنی میں مفسرین نے بڑی گفتگو کی ہے، بعض نے قصد کہا، بعض نے اقبال یعنی متوجہ ہونا کہا، اور بعض حضرات نے علو وارتفاع لیا ہے، چنانچہ ربیع بن انس رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر "ارتفع الی السمآء" منقول ہے، ان میں سب سے عمدہ معنی قصد کے لئے جائیں، اس کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اختیار کیا، کیونکہ ارتفاع کے معنی میں کافی کلام کرنے کی ضرورت ہوگی اور پھر تحولِ باری تعالیٰ کا مسئلہ شروع ہو جائے گا۔

[1] سورۃ غافر:١١

فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ: اس کی تفسیر آیت "انزل من السمآء" کے تحت گذر چکی ہے۔

زمین کی تخلیق پہلے ہوئی یا آسمان کی؟

یہاں پر اس آیت کے ذیل میں مفسرین نے تفصیلی گفتگو کی کہ زمین کی تخلیق پہلے ہوئی یا آسمان کی۔ امام قرطبیؒ نے امام طبریؒ کے حوالہ سے حضرت قتادہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ ﷻ نے آسمان کو پہلے بنایا ہے، اس کے بعد زمین کو، چنانچہ ان کی دلیل سورۃ النازعات کی آیت: **ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا۔ رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰىهَا۔ وَ اَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَ اَخۡرَجَ ضُحٰهَا۔ وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا۔**[1]

ترجمہ: آیا تمہاری تخلیق زیادہ سخت ہے یا آسمان کی، جس کو اللہ ﷻ نے آسمان بنایا، اس کی چھت بلند کی، پھر اس نے اس کو ہموار کیا، اس کی رات تاریک کی، اور اس کے دن کی روشنی کو نکالا، اور اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔

اس آیت کو دیکھیں تو حضرت قتادہؒ کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں زمین کی تخلیق کو آسمان کی تخلیق کے بعد واضح طور پر ذکر کیا گیا۔

مگر جمہور مفسرینؒ کی رائے یہ ہے کہ زمین کو پہلے بنایا گیا، پھر آسمان کو، ان کی دلیل سورۃ البقرۃ کی یہی آیت کہ اس میں زمین کے بنانے کو پہلے بتایا پھر آسمان کا ذکر کیا، اسی طرح دوسری دلیل سورہ حم سجدہ کی آیات ہیں:

قُلۡ اَئِنَّكُمۡ لَتَكۡفُرُوۡنَ بِالَّذِىۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ وَ تَجۡعَلُوۡنَ لَهٗۤ اَنۡدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ وَ جَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِىَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَ بٰرَكَ فِيۡهَا وَ قَدَّرَ فِيۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِىۡۤ اَرۡبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيۡنَ ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ ۔ فَقَضٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ وَ اَوۡحٰى فِىۡ كُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ ۖ وَ حِفۡظًا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ۔[2]

ترجمہ: تو کہہ کیا تم منکر ہو اس سے جس نے بنائی زمین اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اوپر سے اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُس کی چار دن میں پورا ہوا پوچھنے والوں کے لئے پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا پھر کہا اس کو اور زمین کو کہ آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے پھر کر دیئے وہ سات آسمان دو دن میں اور اتارا ہر آسمان میں حکم اُس کا اور رونق دی ہم نے سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے اور محفوظ کر دیا یہ سادھا ہوا ہے زبردست خبردار کا۔

[1] سورۃ النازعات: ۲۷-۳۰
[2] سورۃ حم سجدہ: ۹-۱۲

اس آیت کے پورے مضمون کو بغور پڑھا جائے تو واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ ﷻ نے زمین کو پہلے بنایا اور پھر آسمان کو۔ جہاں تک سورۃ النازعات کی آیات ہیں کہ جن سے لگتا ہے کہ آسمان کو پہلے بنایا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام آیات میں تطبیق اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اصل تو تخلیق زمین کی پہلے ہوئی جیسا کہ سورۃ حم سجدہ اور سورۃ البقرۃ کی آیات اس پر دلالت کر رہی ہیں، البتہ زمین کو پھیلانے کا عمل آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا، جیسا کہ سورۃ النازعات کی آیات ہیں، نیز اس میں لفظ "**دحٰھا**" سے بھی یہی مفہوم آرہا ہے کہ یہاں پھیلانے کا ذکر آرہا ہے تخلیق کا نہیں۔

اللہ ﷻ نے کائنات کی تخلیق اتوار کے دن شروع فرمائی، اتوار اور پیر کو زمین کی تخلیق کی، اور اقوات اور پہاڑ کو منگل اور بدھ کے دن بنایا اور آسمانوں کو جمعرات کے اور جمعہ کے دن بنایا اور جمعہ کے دن کے آخری لمحہ میں ان تمام تخلیق سے اللہ ﷻ فارغ ہوئے، اس جمعہ کے دن کے آخری لمحہ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تعجیل کے ساتھ، اور یہی وہ لمحہ ہے جب قیامت واقع ہوگی۔

دوسری حدیث علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نقل کی کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آسمان وزمین کی تخلیق کے بارے میں، تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ ﷻ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا، پہاڑ اور اس کے منافع کو منگل کے دن پیدا فرمایا، بدھ کے دن درخت، پانی، شہر، عمارتیں وغیرہ بنائیں۔ تو یہ چار ہوئیں جو اللہ ﷻ نے فرمایا "**قل ائنکم لتکفرون تاسوآء للسآئلین**" جمعرات کو آسمانوں کو بنایا اور جمعہ کے دن ستارے، سورج، چاند اور فرشتے بنائے۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾	اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو فرمایا بیشک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے (۳۰)

ربط آیات: اس سے قبل اللہ ﷻ نے اپنی ظاہری وصوری نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا، اب یہاں سے معنوی نعمتوں کا ذکر فرمارہے ہیں، ظاہری وصوری نعمتوں میں کھانا، پینا اور رہنے کے لئے مکان وغیرہ ہے جن کو "**ھو الذی خلقکم ما فی الارض جمیعا**" میں فرمایا۔ معنوی نعمتوں میں عزت، مسرت، علم اور مسجودِ ملائکہ وغیرہ کا ہونا ہے جو اللہ ﷻ نے ہمارے باپ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا۔

الْمَلٰٓئِکَة: یہ ملاک کی جمع ہے، جس کے معنی پیغام پہونچانے کے آتے ہیں، تو فرشتوں کو ملائکہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ ﷻ کا

پیغام لے کر آتے ہیں۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ: **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ :كَانَ الْجِنُّ بَنُو الْجَانِّ فِي الْأَرْضِ قَبْلَ أَنْ يُخْلَقَ آدَمُ بِأَلْفَيْ سَنَةٍ، فَأَفْسَدُوا فِي الْأَرْضِ وَسَفَكُوا الدِّمَاءَ فَبَعَثَ اللّٰهُ جُنْدًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَضَرَبُوهُمْ حَتَّى أَلْحَقُوهُمْ بِجَزَائِرِ الْبُحُورِ فَقَالَ اللّٰهُ لِلْمَلَائِكَةِ :إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، قَالُوا :أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ؟ قَالَ :إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تعلمون.**[1]

ترجمہ: انسان کی تخلیق سے قبل جن زمین میں آباد تھے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل زمین میں جن آباد تھے، انہوں نے زمین میں فساد پھیلایا اور خون ریزی کی، تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت کو بھیجا تا کہ ان جنوں کو مار بھگائے، چنانچہ انہوں نے جنوں کو مارا، اور جزائر سمندروں میں ان کو ملحق کر دیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" تو فرشتوں نے کہا کہ آپ ایسے کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خون ریزی کریں گے۔ فرمایا بیشک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔

خَلِیْفَةً: فعیلة کے وزن پر ہے، جس کے معنی نائب اور قائم مقام کے آتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ.[2]

ترجمہ: پھر ہم نے ان کے بعد تم کو نائب بنایا تا کہ جانچیں کیسے عمل کرتے ہو۔ اس نائب سے مراد حضرت سیدنا آدم علیہ السلام ہیں۔

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ: آپ ایسے شخص کو نائب بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا؟

سوال یہ ہوتا ہے کہ فرشتوں کو کیسے علم ہوا کہ انسان زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا؟

مفسرین نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔ مختصراً عرض کرتا ہوں۔

۱۔ لوحِ محفوظ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ انسان زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا۔

۲۔ فرشتوں کو یہ خیال تھا کہ معصوم ہونا صرف انہی کا خاصہ ہے، لہٰذا دوسرا جو کوئی بھی ہو فساد کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے جنوں کا حال دیکھ لیا تھا، اس لئے ان پر قیاس کر کے کہا کہ وہ زمین میں فساد اور خون ریزی کریں گے۔

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۲۶

[2] سورۃ یونس: ۱۴

۳۔لفظ خلیفہ سے ممکن ہے کہ استنباط کیا ہو، کیونکہ خلافت میں اصلاح کا تقاضا رہتا ہے، ظاہر ہے کبھی وہ فساد ذاتی طور پر ہو سکتا ہے اگر وہ خلیفہ غلط کام کرے گا، اور کبھی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیفہ دوسروں کی اصلاح کرے اور اس میں لوگ اس کی اتباع نہ کرے تو خلیفہ بزور اپنا حکم نافذ کرے گا یوں فساد اور خونریزی ہو گی۔

وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ: حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ تسبیح اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے: **وَ الْمَلٰٓئِکَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ**[1] نیز ارشاد ہے: **اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ**[2] مختلف فرشتے مختلف طرح کی اللہ ﷻ کی تسبیح میں مشغول ہیں، چنانچہ احادیث میں ان کی تسبیح منقول ہیں، چند ایک عرض کرتا ہوں۔

۱۔ سمآءِ دنیا کے فرشتے قیامت تک بسجود ہیں اور یہ تسبیح کرتے ہیں "**سبحان ذی الملک والملکوت**"۔

۲۔ دوسرے آسمان کے فرشتے قیامت تک رکوع میں یہ تسبیح پڑھ رہے ہیں: "**سبحان ذی العزة والجبروت**"

۳۔ تیسرے آسمان کے فرشتے قیامت تک قیام کی حالت میں یہ تسبیح پڑھ رہے ہیں: "**سبحان الحیی الذی لایموت**"۔

تسبیح سے مراد مطلق تسبیح ہے اور بعض حضرات نے نماز مراد لئے ہیں۔

تقدیس سے مراد تطہیر اور تعظیم ہے۔

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: بلاشبہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اس کے کئی مطالب ہیں:

۱۔ مجھے معلوم ہے کہ ابلیس کے قلب میں کیا ہے؟ اس نے تکبر کرنا ہے اور میری نافرمانی کرنی ہے۔ اور جب میں حکم کروں گا کہ آدم کو سجدہ کرو تو وہ انکار کرے گا۔

۲۔ مجھے معلوم ہے کہ ان انسانوں میں کچھ ایسے ہونگے جو نافرمان ہوگے اور فساد اور خونریزی کریں گے۔

۳۔ مجھے معلوم ہے کہ ان میں بعض اہلِ طاعت اور اہل اللہ ہوں گے، حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام ہوں گے۔

۴۔ مجھے معلوم ہے کہ ان انسانوں میں ایک ایسی عظیم ہستی بھی ہے جو سب سے افضل اور تمام کائنات کی سردار ہیں، وہ سب فرشتوں اور انسانوں سے افضل ترین ہستی ہے، یہاں تک کہ جو چیز تخلیق ہوئی ہے ان میں سب سے افضل ہیں، اس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔

[1] سورۃ الشوریٰ: ۵
[2] سورۃ غافر: ۷

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾	اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو (۳۱)

اٰدَمَ: آدم کو آدم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ادیم الارض (سطح زمین) سے پیدا ہوئے، چنانچہ حضرت ابومالک رحمہ اللہ، حضرت ابوصالح رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت مرہ رحمہ اللہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں کہ **أنّ ملك الموت لما بُعث ليأخذ من الأرض تربةَ آدم، أخذ من وجه الأرض وخلط فلم يأخذ من مكان واحد، وأخذ من تربة حمراء وبيضاءَ وسوداء، فلذلك خرج بنو آدم مختلفين. ولذلك سُمي آدم،لأنه أخذ من أديم الأرض۔**[1]

ترجمہ: جب ملک الموت کو بھیجا گیا کہ زمین سے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے مٹی لے کر آئیں تو انہوں نے زمین کے اوپری (سطح) سے مٹی کو لیا اور آپس میں خلط کیا، انہوں نے مٹی ایک جگہ سے نہیں لی، انہوں نے سرخ، سفید اور کالی مٹی اُٹھائی، یہی وجہ ہے کہ بنو آدم مختلف رنگ کے ہوئے، اور آدم کو آدم کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ ادیم الارض یعنی زمین کی سطح سے پیدا ہوئے۔

تخلیق آدم: قرآن کریم میں مختلف آیات میں سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر ہوا ہے، نیز احادیث میں بھی مختلف روایات میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ملتا ہے۔

تفسیر درِ منثور سے حضرت آدم علیہ السلام کا مختصراً پیدائش کا ذکر کرتا ہوں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر اس کو کیچڑ کر دیا پھر اس کو چھوڑ دیا حتی کا سیاہ گارا ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا اور ان کی صورت بنائی تو کہتا کہ یہ کسی بڑے کام کے لئے بنایا گیا ہے، پھر اس پتلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ روح پھونک دی، اس روح کا اثر سب سے پہلے ان کی آنکھوں اور ناک میں ظاہر ہوا، ان کو چھینک آئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو "**الحمدللہ**" کہنے کا الہام کیا، انہوں نے "**الحمدللہ**" کہا، اللہ تعالیٰ نے جواب میں "**یرحمک اللہ**" فرمایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! (فرشتوں کی) جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو، دیکھو وہ کیا کہتے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور "**السلام علیکم**" کہا، فرشتوں نے "**وعلیک السلام ورحمة اللہ**" کہا، پھر حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان فرشتوں نے کیا کہا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ: اے میرے

[1] جامع البیان: ۱/۴۸۱

پروردگار! میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے "**وعلیک السلام ورحمة الله**" کہا، اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! یہ تمہارے اور تمہاری اولاد کے سلام کرنے کا طریقہ ہے۔[1]

حضرت ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کی تفصیل فرمائی ہے، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ ﷻ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ زمین سے کچھ مٹی لے آئے، تو زمین نے پناہ مانگی کہ اس سے کچھ کم کیا جائے، تو وہ لوٹ گئے، اور زمین سے کچھ نہ لیا، اللہ ﷻ سے عرض کیا کہ اے میرے رب! زمین نے آپ کا نام لے کر پناہ مانگی تھی، اس لئے میں نے پناہ دے دی، اس کے بعد اللہ ﷻ حضرت میکائیل علیہ السلام کو بھیجا، تو زمین نے ان سے بھی پناہ مانگی تو انہوں نے پناہ دے دی، (اور بعض روایات میں حضرت اسرافیل علیہ السلام کا بھی ذکر آیا ہے، انہوں نے بھی زمین کے پناہ مانگنے پر زمین کو پناہ دے دی)۔ بالآخر اللہ ﷻ نے حضرت ملک الموت علیہ السلام کو بھیجا، زمین نے ان سے بھی پناہ مانگی، مگر انہوں نے زمین کی ایک نہ سنی اور فرمایا کہ میں اللہ ﷻ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ اُس کے حکم کی تعمیل کئے بغیر لوٹ جاؤں، اس کے بعد حضرت ملک الموت علیہ السلام نے زمین کی سطح سے مٹی اُٹھائی اور خلط کیا مگر انہوں نے ایک جگہ سے مٹی نہیں اٹھائی، انہوں نے سرخ، سفید اور کالی مٹی اٹھائی یہی وجہ ہے کہ بنو آدم کے مختلف رنگ ہیں۔[2]

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ابلیس کو بہت تکلیف ہوئی اور مارے حسد کے وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے کو پاؤں ٹھوکر مارا کرتا تھا، جس کی وجہ سے اُن کے جسم سے آواز پیدا ہوتی تھی، اسی طرح وہ کمبخت ان کے منہ میں داخل ہوتا تھا اور فرشتوں سے کہتا تھا کہ اس پتلے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ تمہارا رب بے نیاز ہے اور یہ بھوکا ہے، اگر میں اس پر مسلط ہو گیا تو اسے ہلاک کر دوں گا۔ حکم ہوا کہ اس کی اطاعت کرو تو تم کیا کرو گے؟ فرشتوں نے کہا کہ ہم اپنے رب کی اطاعت کریں گے، ابلیس نے اپنے دل میں یہ چھپایا کہ اگر اس کو مجھ پر فضیلت دی گئی تو میں نہیں مانوں گا اور اگر مجھے اس پر فضیلت دی گئی تو میں اسے ہلاک کر دوں گا۔

بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کا طول ساٹھ ذراع (انگریزی لحاظ سے تیس گز) تھا، اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو، دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں اور یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہو گا، حضرت آدم علیہ السلام نے ان فرشتوں کو "**السلام علیکم**" کہا، فرشتوں نے "**السلام علیک ورحمة الله**" کہا، انہوں نے "**ورحمة الله**" کا لفظ زیادہ کہا، سو جو شخص بھی حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں جنت میں داخل ہو گا اس کا طول ساٹھ ذراع ہو گا۔ اب یہ طول بتدریج کم ہوتا رہا یہاں تک کہ اب اتنا رہ گیا۔

[1] تفسیر درِ منثور: ۱/ ۱۱۵-۱۱۶
[2] جامع البیان: ۱/ ۴۵۹

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا: اور اللہ ﷻ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھلائے۔ تمام چیزوں کے نام سکھلانے سے کیا مراد ہے؟

چند اقوال درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام اسماء جس نے انسان ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتا ہے جیسے، انسان، جانور، زمین، سہولت، سمندر، پہاڑ، گدھا وغیرہ۔

۲۔ حضرت مجاہد ؒ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا نام بتلایا۔

۳۔ حضرت سعید بن جبیر ؒ، حضرت قتادہ ؒ نیز حضرت ابن عباس ؓ وغیرہم سے بھی اسی طرح کے اقوال ملتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے ہر چیز کا نام حضرت آدم ؑ کو بتلایا۔

۴۔ حضرت ربیع بن خُثیم ؒ کہتے ہیں کہ صرف فرشتوں کے نام بتلائے گئے۔

۵۔ حضرت قُتبی ؒ کہتے ہیں کہ جو کچھ زمین میں پیدا ہوئی، ان کے اسماء کو بتلایا گیا۔

۶۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اجناس و انواع کے اسماء بتلائے گئے۔[1]

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ: پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ اس عرض سے کیا مراد ہے؟ کیا صرف اسماء کو پیش کیا گیا یا اشخاص کو؟

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے نزدیک صرف اسماء کو پیش کیا گیا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور دوسرے حضرات صحابہ کرام ؓ کے نزدیک اشخاص یعنی خلق کو پیش کیا گیا۔

۳۔ حضرت ابن زید ؒ کہتے ہیں کہ حضرت آدم ؑ کی تمام ذریت کا نام پیش کیا گیا۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾	بولے پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا (۳۲)
قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ	فرمایا اے آدم بتا دے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیئے اس نے ان کے نام فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب

[1] تفسیر قرطبی: ۱/ ۲۸۲

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾	جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو (۳۳)

ربط آیات: یہاں سے فرشتے اپنے قول کی نفی کر رہے ہیں اور اللہ ﷻ کی تنزیہ "**سُبْحٰنَکَ**" سے کر رہے ہیں اور اعتراف کر رہے ہیں کہ غیب کا علم سوائے تیرے کوئی نہیں جانتا، ہمارے پاس جو علم ہے وہ آپ کا ہی عطا کردہ ہے۔

اس آیت سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب کسی کو کوئی سوال کا جواب نہ آئے تو اُسے "**اللہ اعلم**" کہنا چاہئے، تاکہ ملائکہ علیہم السلام، انبیاء علیہم السلام، اور علماء کی اقتداء ہو۔

خود حضرت نبی کریم ﷺ سے کئی دفعہ سوال کیا گیا، تو آپ ﷺ فرماتے "**لاادری حتی اسال جبرئیل**"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "**اللہ اعلم**"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "**لاعلم لی بہ**" یعنی مجھے اس کا جواب نہیں معلوم۔

اَلْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "**العلیم**" کی تفسیر اس طرح سے بیان کی کہ علیم اُس ذات کو کہتے ہیں جس کا علم بذاتہ مکمل ہو (یعنی کسی سے حاصل نہ کیا ہو)۔

بعض مفسرین نے **حکیم** بمعنی **حاکم** اور **علیم** بمعنی **عالم** مراد لیا ہے۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ: جب اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے آدم! ان فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام بتادو، تو انہوں نے وہ سارے نام بتلادیئے، تو فرشتوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم جو کہتے تھے کہ "**اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ**" وہ صحیح نہیں تھا، اللہ ﷻ نے فرشتوں سے کہا کہ کیا میں تم کو نہیں کہتا تھا کہ میں آسمان وزمین کے سارے غیب کا جاننے والا ہوں؟ اور یہ کہ اُس کو بھی جانتا ہوں جو تم اپنے اندر چھپائے ہوئے ہو۔

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ: بعض مفسرین نے **مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ** سے مراد لیا ہے کہ جو ابلیس اپنے جی میں چھپا رہا تھا وہ مراد ہے۔ ابلیس نے اپنے دل میں ٹھان لیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کرے گا۔

بعض مفسرین جیسے حضرت قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ ہیں انہوں نے کہا کہ جب اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا تو فرشتے اپنے جی میں یہ چھپا رہے تھے کہ اللہ ﷻ جو مخلوق چاہے بنائے ہم ان سب پر فضیلت رکھتے ہیں۔

حضرت ربیع بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے اپنے جی میں یہ چھپایا کہ ہمارا پروردگار ایسی کوئی مخلوق نہیں بنائے گا جو ہم سے زیادہ علم اور کرم والی ہو۔ بہر حال ان فرشتوں کو معلوم ہو گیا کہ اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان پر علم و کرم میں فضیلت عطا فرمائی۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾	اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں (۳۴)

اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کا مقام واضح کرنے کے بعد حکم دیا کہ اے فرشتوں! آدم کو سجدہ کرو، تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا نتیجہ یہ نکلا کہ باوجود عبادت گذار ہونے کے وہ کافروں میں شمار ہوا۔

فَسَجَدُوْٓا: شرع میں سجدہ کہتے ہیں **:وضع الجبهة على قصد العبادة۔** یعنی پیشانی کو عبادت کی غرض سے (زمین پر) رکھنا۔

سجدہ کی دو قسمیں ہیں: پہلی سجدہ تعبدی جو کہ عبادت کے غرض سے کیا جاتا ہے۔

دوسری سجدہ تعظیمی جو کہ صرف تعظیم کے لئے جھکا جاتا ہے، جس پر باقاعدہ پیشانی کو زمین میں رکھنا نہیں ہوتا ہے، صرف عاجزی وتذلل کے ساتھ جھکنا ہوتا ہے، اس کو سجدہ لغوی کہتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کو کون سا سجدہ کیا گیا؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے جو سجدہ کیا، وہ کون سا سجدہ تھا؟ سجدہ تعبدی تو کبھی بھی کسی زمانہ ومکان میں جائز نہیں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:

۱۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا اور سجدہ تعظیمی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک جائز تھا۔ آپ ﷺ نے منع فرمادیا کہ سجدہ تعظیمی اب کسی کے جائز نہیں کہ کوئی کسی کو تعظیماً سجدہ کرے۔ چنانچہ مشہور حدیث ہے کہ اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا گیا بلکہ ان کو بطورِ قبلہ بنایا گیا اور سجدہ اللہ ﷻ ہی کو کیا لہٰذا **لاٰدم** کا لام بمعنی "الی" ہوا۔

۳۔ یہ سجدہ فرشتوں کا لغوی معنی کے اعتبار سے تھا کہ صرف عاجزی وتذلل کے ساتھ حکمِ الٰہی کے آگے جھک کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا یعنی عاجزی وتذلل کے ساتھ جُھک گئے۔

اِبْلِيْسَ: لفظ ابلیس کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس کو مشتق کہا ہے جیسا کہ امام طبری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ **وابلیس**

[1] روح المعانی: ۱/ ۲۳۰

"إفعِيل"من الإبلاس وهو الإياس من الخير والندمُ والحزن.[1]

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ یہ ابلاس سے مشتق ہے، جس کے معنی خیر اور بھلائی سے محروم ہونے کے آتے ہیں۔

بعض حضرات نے اسے عجمی علم قرار دیا ہے اِس کی وجہ یہ غیر منصرف بھی ہے۔

ابلیس کا نام حارث تھا، جو کہ اچھے ناموں سے ہے، مگر اُس نے اللہ ﷻ کی نافرمانی کی جس کی وجہ سے اللہ ﷻ نے اُس کو ہمیشہ کے لئے خیر سے مایوس کر دیا اور اس کو شیطان رجیم بنا دیا۔

ابلیس جن تھا یا فرشتہ: یہ مسئلہ بھی مفسرین میں معرکۃ الآرآء ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت مرہ رحمہ اللہ، حضرت ابو صالح رحمہ اللہ، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن جریج رحمہ اللہ، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ وغیرہم کا قول ہے کہ وہ فرشتہ تھا۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابلیس نافرمانی سے قبل ملائکہ میں سے تھا، اُس کا نام عزازیل تھا، جو زمین میں رہتا تھا، فرشتوں میں سب سے زیادہ محنت کرنے والا اور علم کے لحاظ سے سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ سمآئے دنیا میں ابلیس مامور تھا اور فرشتوں کے قبیلہ سے تھا جس کو جن کہا جاتا تھا۔[3] حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابلیس سمآئے دنیا کے فرشتوں کا سردار تھا۔

جبکہ حضرت حسن رحمہ اللہ، حضرت شہر بن حوشب رحمہ اللہ، حضرت ابن زید رحمہ اللہ اور بعض اصولیین کے نزدیک ابلیس جنوں میں سے تھا۔

چنانچہ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس ایک لمحہ کے لئے بھی ملائکہ میں سے نہ تھا کیونکہ وہ اصلاً جن تھا۔[4]

حضرت شہر بن حوشب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابلیس جنوں میں سے تھا جس کو فرشتوں نے دھتکار دیا۔

حضرت ابن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابلیس ابو الجن تھا، جس طرح حضرت آدم علیہ السلام ابو الانس ہیں۔

احقر کا رجحان بھی یہی ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا، کیونکہ اگر دلائل کی طرف دیکھیں تو سب سے زیادہ دلیلیں ابلیس کے جن ہونے کی ملتی ہیں۔ چنانچہ چند دلائل پیشِ خدمت ہے۔

۱۔ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ.[5]

ترجمہ: سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنوں میں سے تھا۔

[1] جامع البیان: ۱/۵۰۹
[2] جامع البیان: ۱/۵۰۳
[3] جامع البیان: ۱/۵۰۳
[4] جامع البیان: ۱/۵۰۳
[5] سورۃ الکھف: ۵۰

اس آیت میں وضح طور پر ارشاد ہے کہ ابلیس جن تھا۔

۲۔ فرشتوں کا توالد وتناسل نہیں ہے، جبکہ ابلیس کی ذریت ہے، چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشادِ خداوندی ہے: **اَفَتَتَّخِذُوْنَه وَ ذُرِّيَّتَه اَوْلِيَآءَ**[1] یعنی کیا تم ابلیس اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو؟

۳۔ فرشتوں میں عصیان ونافرمانی نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہے: **لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ.** [2]

۴۔ فرشتے نور سے پیدا ہوئے جبکہ شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے۔

اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ: یہاں سے شیطان کی نافرمانی کا ذکر فرماتے ہیں، چونکہ ابلیس اپنے دل میں یہ چھپا رہا تھا کہ میں زمین میں اللہ ﷻ کا خلیفہ بنوں گا مگر جب ایسا نہ ہوا تو وہ حسد میں آگیا، جس کی وجہ سے اللہ ﷻ کی نافرمانی کی، نیز تکبر میں مبتلا ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ حسد اور تکبر شیطانی عمل ہے، یہ دونوں عمل اتنے خطرناک ہیں کہ انسان اس سے تباہ ہو جاتا ہے۔ حسد کے لئے آتا ہے کہ **اَلْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ**[3]۔ یعنی نیکیوں کو اس طرح جلا کر راکھ کر دیتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو۔

حدیث شریف میں حسد کی سخت ترین بُرائی بیان کی گئی ہے، بخاری شریف میں ہے کہ: **لاتحاسدوا**[4] کہ حسد مت کرو، ایک اور روایت میں ہے کہ **وَلَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ الْإِيمَانُ وَالْحَسَدُ**۔[5] یعنی بندہ کے دل میں دو چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں: ایک ایمان اور دوسرا حسد۔

اسْتَكْبَرَ:

تکبر ایک بدترین گناہ کبیرہ ہے اللہ ﷻ کو تکبر انتہائی ناپسند ہے۔ شیطان کی بربادی کا سب سے بڑا سبب تکبر ہی ہے۔ تکبر اللہ ﷻ کی چادر ہے اسے کوئی لے گا تو وہ برباد ہو جائے گا۔ کتنی آیات ہیں جن میں اللہ ﷻ نے تکبر کی بُرائی بیان فرمائی ہے۔

چند آیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ **وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا**[6]۔

ترجمہ: اور زمین میں اکڑ اکڑ مت چلو کیونکہ نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم پہاڑوں تک لمبائی میں پہنچ سکتے ہو۔

[1] سورۃ الکھف: ۵۰
[2] سورۃ التحریم: ۶
[3] سنن ابن ماجہ: ۲/ ۴۰۸
[4] صحیح بخاری: ۸/ ۲۱
[5] سنن نسائی: ۶/ ۱۲
[6] سورۃ الاسراء: ۳۷

آدمی تکبر کرتا ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور زمین میں اکڑا اکڑ چلتا ہے کیا اس کے اس طرح اکڑنے سے کیا وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور کیا سینہ تان کر چلنے سے پہاڑ سے لمبا ہو سکتا ہے؟

۲۔اِنَّه لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ۔[1]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ﷻ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تکبر کرنے والے اللہ ﷻ کے ناپسندیدہ بندے ہیں۔

۳۔فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ۔[2]

ترجمہ: سو داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، اس میں ہمیشہ رہو، سو کیا بُرا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا۔ معلوم ہوا کہ جہنم متکبروں کا ٹھکانہ ہے۔

اللہ ﷻ کو عجز وانکساری پسند ہے انسان کو مٹی سے پیدا کیا مٹی کی فطرت میں عاجزی وانکساری ہے تو جو شخص تکبر کرتا ہے وہ اپنی فطرت سے ہٹتا ہے، اس طرح کے لوگ جو اپنی فطرت کے خلاف جاتے ہیں بلاشبہ وہ عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

کتنی احادیث ہیں کہ جن میں متکبروں کی برائی اور وعیدیں بیان ہوئی ہیں۔

۱۔عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال : یحشر المتکبرون یوم القیامة أمثال الذّرّ فی صور الرجال یغشاهم الذّلُّ من کل مکان یساقون الی سجن فی جهنم یقال له:بولس، تعلوهم نار الأنیار، یسقون من عصارة أهل النار، طینة الخبال۔[3]

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تکبر کرنے والے مردوں کی صورت میں چیونٹیوں کی جسامت میں اٹھایا جائے گا، ان کو ہر طرف سے ذلت ڈھانپ لے گی ان کو جہنم کے اس قید خانہ کی طرف ہانکا جائے گا جس کا نام بولس ہے، ان کے اُوپر آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے اور ان کو دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی۔

جو لوگ شیطان کی پیروی کرتے ہوئے تکبر کرتے ہیں تو ان کو کوئی بھی عزت نہیں دیتا، ہمیشہ لوگ تکبر کرنے والوں کو بُرا کہتے ہیں، تو گویا متکبرین اللہ ﷻ اور بندے، سب کی نگاہوں میں ذلیل رہتے ہیں۔ شیطان اللہ ﷻ کے دربار سے ہمیشہ کے لئے محروم

[1] سورۃ النحل:۲۳
[2] سورۃ النحل:۲۹
[3] سنن الترمذی:۴/۲۳۶

ہو گیا، بنیادی وجہ تکبر ہی تھا، اور اس تکبر نے اس کو نافرمانی پر اُکسایا اور وہ کافروں اور جہنمیوں میں بن گیا۔

۲۔عن أبی سعید الخدری و أبی هریرة ؓ قالا: قال رسول الله ﷺ: العزّ ازاری والکبریاء ردائه،فمن ینازعنی عذبته۔[1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عظمت میری ازار ہے کبریائی اس کی چادر ہے، سو جو کوئی اس کو مجھ سے چھینے گا تو میں اس کو عذاب دوں گا۔

اس روایت میں عذاب دینے کا ذکر آیا ہے ابن ماجہ کی روایت میں: **ألقیته فی النار** یعنی میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا، آیا ہے۔

۳۔عن عبد الله ؓ عن النبی ﷺ قال: لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرّة من کبر۔[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اشاد فرمایا کہ وہ شخص کہ جس کے دل میں ذرّہ کے برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں داخل ہو گا۔

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۵﴾	اور ہم نے کہا اے آدم رہا کر تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم (۳۵)
فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۳۶﴾	پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا ان کو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہونگے اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک (۳۶)
فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۳۷﴾	پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان (۳۷)

[1] صحیح مسلم: ۴/ ۲۰۲۳
[2] صحیح مسلم: ۱/ ۹۳

اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ: بیوی سے مراد حضرت حواء علیہا السلام ہیں۔

امام طبری رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی ہے کہ:

فأخرِج إبليسُ من الجنة حين لعن، وأسكِن آدم الجنة. فكان يمشي فيها وَحْشًا ليس له زوج يسكن إليها، فنام نومة فاستيقظ، وإذا عند رأسه امرأة قاعدةٌ خلقها الله من ضلعه، فسألها :من أنت؟ فقالت :امرأة .قال :ولم خلقت؟ قالت :تسكن إليّ. قالت له الملائكة – ينظرون ما بلغ علمه ما اسمها يا آدم؟ قال :حواء .قالوا :ولم سُميت حواء؟ قال :لأنها خلقت من شيء حيّ۔[1]

جب ابلیس کو جنت سے نکالا گیا اور اس پر لعنت کی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رکھا گیا، حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے، ان کو وحشت ہوتی تھی، ان کی بیوی نہ تھی، جس سے وہ سکون حاصل کرتے، ایک دن وہ سوگئے پھر بیدار ہوئے تو سرہانے پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جن کو اللہ جل جلالہ نے ان کی (آدم علیہ السلام کی) پسلی سے پیدا کیا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا عورت! حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تم کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ انہوں نے کہا تاکہ تم مجھ سے سکون حاصل کرو۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے ان کے مبلغ علم کو دیکھتے ہوئے کہا: اے اُدم! ان کا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا حواء، فرشتوں نے کہا کہ ان کا نام حواء کیوں رکھا گیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اس لئے کہ وہ "حی" یعنی زندہ شخص سے پیدا کی گئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حوآء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل کرنے کے بعد پیدا کیا گیا۔

جبکہ بعض دوسرے مفسرین جیسے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی روایت کے مطابق حضرت حواء علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل کرنے سے پہلے پیدا کیا گیا۔ ویسے بھی کلام اللہ کے ظاہر کو دیکھے تو یہی زیادہ انسب معلوم ہوتا ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی اِسی قول کو ترجیح دی ہے۔[2]

چنانچہ تائید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت پیش کی ہے جس میں ہے کہ اللہ جل جلالہ نے فرشتوں کی ایک جماعت کو بھیجا، جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حواء علیہا السلام کو سونے کی سریر پر اُٹھایا، جس طرح بادشاہوں کو اُٹھایا جاتا ہے، ان دونوں کا لباس نور کا تھا یہاں تک کہ فرشتوں نے ان دونوں کو جنت میں داخل کر دیا۔[3]

[1] جامع البیان: ۱/ ۵۱۳
[2] روح المعانی: ۱/ ۲۳۵
[3] روح المعانی: ۱/ ۲۳۶

وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ: اور تم دونوں اس درخت کے قریب مت جاؤ۔

اس درخت سے کون سا درخت مراد ہے، مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ گیہوں کا خوشہ، یہ قول ابو مالک رحمہ اللہ، قتادہ رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔

۲۔ انگور کا بیل، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

۳۔ انگور کا درخت، یہ شیخ سدی رحمہ اللہ، محمد بن قیس رحمہ اللہ اور جعدہ بن ہبیرہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

۴۔ شراب کا درخت، یہ شعبی رحمہ اللہ اور جعدہ بن ہبیرہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

۵۔ زیتون کا درخت، بعض مفسرین کا قول ہے۔

۶۔ انجیر کا درخت، یہ ابن جریج رحمہ اللہ اور بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

بہر حال یہ مختلف اقوال ملتے ہیں۔ قول کوئی سا بھی ہو، بہر کیف وہ ایک شجر ممنوعہ تھا، جس کے کھانے سے کیا اس کے قریب جانے سے بھی منع کیا، تاکہ کھانے کا ارتکاب نہ ہو جائے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا: پھر شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعہ لغزش میں ڈال دیا۔

شیطان نے ان دونوں کو کیسے میں لغزش ڈالا؟ اس میں بھی مفسرین نے کئی اقوال نقل کئے ہیں۔

۱۔ شیطان حضرت آدم و حضرت حواء علیہما السلام کے جنت میں داخل ہونے کے بعد ابتلاء کے لئے خود جنت میں داخل ہوا۔

۲۔ جنت کے دروازے میں کھڑے ہو کر ان کو دونوں کو بُلایا اور ان کو خراب کیا۔

۳۔ جانور کی شکل اختیار کر کے جنت میں داخل ہو گیا تاکہ جنت کے فرشتوں کو معلوم نہ ہو سکے۔

۴۔ اپنے بعض چیلوں کو ان دونوں کے پاس بھیجا۔

۵۔ سانپ کے پیٹ میں چھپ کر گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان اور سانپ بنو آدم کے لئے ہمیشہ دشمن رہے ہیں۔

۶۔ اس نے وسوسہ ڈالا تھا، اور وسوسہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ شیطان جنت میں داخل ہو کر ہی وسوسہ ڈالتا، چنانچہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زمین سے ہی شیطان نے وسوسہ ڈالا۔

شیطان کا بہکانہ: مفسرین میں یہ بحث بھی بہت طول پکڑی ہے کہ شیطان نے حضرت آدم و حواء علیہما السلام دونوں کو بہکایا یا صرف حضرت حواء علیہا السلام کو۔

امام طبری رحمہ اللہ نے متعدد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و حضرات تابعین رحمہم اللہ سے روایات نقل کیں کہ شیطان سب سے پہلے حضرت حواء علیہا السلام کے پاس آیا اور ان کو بہکایا کہ تم کو اس درخت کے کھانے سے اس لئے منع کیا گیا کہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اُس

درخت سے کھائے تو ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

حضرت حواء علیہا السلام نے شیطان کے بہکانے پر آکر درخت کا پھل کھالیا، پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گئیں کہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ آپ اگر اس سے کھالیں تو ہمیشہ جنت میں رہیں گے، حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حواء علیہا السلام کی بات میں آکر کھالیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے کپڑے اُتر گئے، تو یہ دونوں ایک درخت کے پیچھے یا پیٹ میں چھپنے لگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم کہاں ہو؟ انہوں نے کہا کہ اے پروردگار میں یہاں ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم باہر کیوں نہیں نکلتے تو انہوں نے کہا کہ آپ سے شرمسار ہوں۔

اسی طرح اور بھی روایات ہیں کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا کے بہکانے پر حضرت آدم علیہ السلام بہک گئے۔

تو گویا سب سے پہلے فتنے میں پڑنے والی عورت ہے اور عورت کی وجہ سے مرد بھی فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہ بات تو بہت حد تک صحیح ہے کہ اکثر گھروں میں عورتوں ہی کی وجہ سے فتنہ ہوتا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کا فتنہ مال اور عورت ہے۔

اگر قرآنِ کریم کے سیاق وسباق کو غور سے دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ شیطان نے دونوں کو ایک ساتھ بہکانے کی کوشش کی چنانچہ آیت: **فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا**[1] شیطان نے دونوں کو بہکایا۔ **وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ**[2] یعنی تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے صرف اس لئے روکا کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے بن جاؤ۔

ان آیات کو دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ شیطان نے دونوں کو ورغلایا۔

البتہ تطبیق یوں کی جاسکتی ہے کہ پہلے حضرت حواء علیہا السلام نے کھایا پھر ان کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے، یوں آیاتِ قرآنیہ اور احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔ **واللہ اعلم۔**

عصمتِ حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام: یہ بھی ایک اہم ترین مسئلہ ہے، علمائے اسلام کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔

۱۔ حشویہ کا مذہب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہِ کبیرہ کا ہونا جائز ہے۔

۲۔ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ان سے عمداً گناہِ کبیرہ کا سرزد ہونا جائز نہیں، البتہ صغائر عمداً ممکن ہے۔

۳۔ رافضیوں کا مذہب یہ ہے کہ ان سے صغائر و کبائر ممکن ہی نہیں، نہ سہواً نہ عمداً، نہ تاویلاً نہ خطأً۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے نبوت کے زمانہ میں کسی طرح کا گناہ کبیرہ یا صغیرہ صادر نہیں ہوتا۔

[1] سورۃ البقرۃ: ۳۶

[2] سورۃ الاعراف: ۲۰

ہمارے شیخ مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: انبیاء نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد ہر دو زمانہ میں معصوم تھے، ان سے نہ صغائر سرزد ہوئے اور نہ کبائر، نیز بعض دفعہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ: انبیاء نبوت سے قبل محفوظ ہوتے تھے اور نبوت کے بعد معصوم۔ بہر حال! یہ بہت ضروری ہے کہ ہم حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم ہر حال میں مانیں ورنہ شیطان اس قدر وسوسہ ڈالے گا کہ ایمان سے ہی دور کر دے گا۔ نہ قرآن پر ایمان رہے گا نہ حدیث پر اور نہ ہی احکام پر۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہونچانے والے ہیں اگر ان میں عصمت نہ ہو تو پھر بھلا پیغام کس طرح بحفاظت پہونچائیں گے؟

بعض لوگ ایسے ہیں کہ بعض آیات اور احادیث اور روایاتِ بنی اسرائیل کو لے کر بیان کرتے ہیں کہ فلاں نبی سے فلاں گناہ ہوا تھا۔ جبکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ ان روایات کی صحت تک کو وہ نہیں دیکھتے۔

مختصراً چند جواب درج ذیل ہیں۔

۱۔ اخبارِ آحاد سے اس طرح کی روایتیں ملتی ہیں۔

۲۔ احادیثِ ضعیفہ سے ثابت ہوتی ہیں۔

۳۔ بنو اسرائیل کی روایتوں سے ثابت ہوتی ہیں، جن پر مکمل اعتماد نہیں کر سکتے۔

۴۔ خطا اجتہادی ہوئی ہے، مجتہدین اگر خطاء بھی کرے تو ایک درجہ کا ثواب پھر بھی ملتا ہے۔

۵۔ **حسنات الابرار سئیات المقربین** کا معاملہ ہے، کہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں سئیات شمار ہوتی ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خطا: حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کے بارے میں ایک جگہ ہے: **وَ عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی**۔[1] حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح کا عصیان عصمت کے منافی ہے؟ اس کا جواب سیدھے سادھے لفظوں میں یہ ہے کہ قطعاً نہیں، کیونکہ اس "**عَصٰۤی**" سے مراد "**نَسِیَ**" ہے، چنانچہ اِسی سورہ طہ میں ہے: **وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ**[2]۔

ترجمہ: اور ہم نے اس سے قبل آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گئے۔

ظاہر ہے یہ بھولنا عصمت کے منافی نہیں۔ بھولنا انسان کی فطرت میں ہے۔ لفظ انسان نسیان سے ماخوذ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں بھولتا نہیں ہوں مگر بُھلا دیا جاتا ہوں تاکہ طریقہ معلوم ہو جائے۔

[1] سورۃ طہ: ۱۲۱

[2] سورۃ طہ: ۱۱۵

معلوم ہوا کہ اللہ ﷻ عمداً حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کو بُھلا دیتے ہیں تا کہ بھول کی صورت میں کیا کرنا چاہئے معلوم ہو جائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے اجتہاد کیا تھا کہ اس "نہی" سے "نہی تنزیہی" مراد ہے۔، تحریمی نہیں۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا: اور ہم نے کہا اترو۔

"**ھبوط**" اوپر سے نیچے اُترنے کو کہتے ہیں۔ یہ خطاب حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو ہے۔ نیز ابلیس اور سانپ بھی اس خطاب میں شامل ہیں۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور حضرت حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بنو آدم اور بنو ابلیس مراد ہیں۔

حضرت ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے طریق سے روایت نقل کی کہ: حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں، حضرت حواء علیہا السلام کو جدہ میں، ابلیس کو دستمیسان میں (جو کہ بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے) اور سانپ کو اصبہان میں اتارا گیا۔[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ نے ہند کی جگہ متعین کرتے ہوئے فرمایا کہ ہند کے علاقہ سراندیپ کے پہاڑ جس کا نام "بوذ" ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا گیا۔[2]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہزارہا ہندو اور مسلمان اُس پہاڑ کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔[3]

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ: ایک دوسرے کے دشمن ہوگے، یعنی انسان، ابلیس اور سانپ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہونگے۔ ابلیس کی دشمنی انسانوں کے حسد کی وجہ سے ہے کہ انسان کی وجہ سے وہ اللہ ﷻ کے دربار سے مردود ہوا۔ سانپ کی دشمنی ظاہر ہے کہ اُسی کے پیٹ میں شیطان چھپ کر جنت میں داخل ہوا تھا اور اب وہ جنت سے نکال دیا گیا ہے۔

ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **مَا سالمناهُنّ مُنذحَارَبْناهن فمن تركهنّ خشيةَ ثأرهنَّ فليس منَّا.**[4] یعنی جب سے ہمارے اور سانپ کے درمیان لڑائی ہوئی پھر کبھی صلح نہ ہوگی، لہذا جو کوئی شخص سانپ کو خوف کی وجہ سے نہ مارے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ مگر بعد میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **إِنَّ بِالْمَدِينَةِ جِنًّا قَدْ أَسْلَمُوا، فَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئًا فَآذِنُوهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ، فَاقْتُلُوهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔**[5]

ترجمہ: مدینہ میں جنوں کی ایک جماعت مسلمان ہو چکی ہے، لہذا تم میں سے کوئی (سانپ کو) دیکھے تو تین دن مہلت دو (ممکن ہے کہ

[1] تفسیر ابنِ کثیر: ۱/ ۱۴۴
[2] تفسیر قرطبی: ۱/ ۳۰۹
[3] تفسیر حقانی: ۲/ ۱۶۰
[4] جامع البیان: ۱/ ۵۳۷
[5] صحیح مسلم: ۴/ ۱۷۵۶

کوئی ان جنوں میں سے ہو) اگر اس کے بعد وہ پھر ظاہر ہو تو اُسے قتل کر دو کیونکہ وہ شیطان ہے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ: پھر آدم نے سیکھ لئے اپنے رب سے چند کلمات۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن رحمہ اللہ، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حضرت ضحاک رحمہ اللہ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ کلمات یہ تھے: **رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ**۔[1] یعنی اے ہمارے رب ہم نے نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور برباد ہو جائیں گے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ کلمات یہ تھے: **سبحانک اللھم لاالہ الاانت ربی ظلمت نفسی فاغفرلی انک انت الغفورالرحیم**۔ بعض حضرات نے کہا کہ ان کلمات سے مراد ان کا رونا، حیاء کرنا اور دعاء کا کرنا ہے۔

یزید بن معاویہ کہتے ہیں کہ وہ کلمات یہ تھے: **اللھم لاالہ الاانت سبحانک وبحمدک استغفرک واتوب الیک، تب علی انک انت التواب الرحیم**۔[2]

بہر حال! کلمات کوئی بھی ہوں، ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے یہ کلمات سیکھے اور توبہ کی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی۔

فَتَابَ عَلَيْهِ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

توبہ کے اصل معنی رجوع کے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف توبہ کی نسبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے غضب سے رجوع فرما کر اپنی رضا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت حواء علیہا السلام کے توبہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ عورت مرد کے تابع ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکثر عورت کے معاملے میں اخفاء کا معاملہ فرماتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو پردہ میں رکھنا چاہتے ہیں تو عورتوں کو بھی چاہئے کہ وہ بھی پردہ میں رہیں۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾	ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۳۸)

[1] سورۃ الاعراف: ۲۳

[2] جامع البیان: ۱/ ۵۴۵-۵۴۶

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾	اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ میں جانے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (۳۹)

ہدایت کا سلسلہ اللہ ﷻ نے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا اور اس کی انتہاء جناب رسول اللہ خاتم الانبیاء ﷺ پر فرمائی۔

هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: ایسے لوگ جنہوں نے اللہ ﷻ کی ہدایت کی پیروی کی ان کو موت کے وقت نہ ہی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

خوف: کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے، مراد یہ ہے موت سے لے کر جنت میں داخل ہونے تک جتنے بھی خوف کے مراحل ہوں گے، اس سے محفوظ ہوں گے۔ ان کو خوف یہ ہو گا کہ جو فرشتہ روح نکالنے کے لئے آیا ہے وہ رحمت کا ہے یا غضب کا؟ میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا کفر پر؟ میری روح کو اللہ ﷻ کے دربار میں رسائی ہو گی یا نہیں؟ اس کے بعد میری روح کا ٹھکانہ "**علیین**" میں ہو گا یا "**سجین**" میں؟ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنے گی یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا؟ روزِ محشر "**اصحاب الیمین**" میں ہو گا یا "**اصحاب الشمال**" میں؟ پل صراط سے گذر کر جنت میں جانا نصیب ہو گا یا جہنم میں گرا دیا جاؤں گا؟ یہ سب خوف کے مراحل ہیں۔ ایسے لوگوں کو خوشخبری ہے کہ ان پر کسی طرح کا کوئی خوف نہیں ہو گا۔

حزن: غم کو کہتے ہیں، یعنی دنیا کے امور جو چھوڑے جا رہا ہے اس پر غم کرنا۔ بیوی بچے کا غم سب سے بڑا ہوتا ہے، فرمایا کہ ایسے لوگوں کو فرشتے تسلی دیتے ہیں کہ غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ ﷻ ان کی کفالت فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: **لایضل فی الدنیا ولایشقی فی الأخرة۔**[1]

ترجمہ: دنیا میں نہ گمراہ ہوں گے اور نہ ہی آخرت میں نامراد ہوں گے۔

اس آیت میں زمین میں اُترنے کا پھر حکم دیا گیا، جبکہ اس سے قبل "**وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ**" آچکا ہے۔ اس کی تطبیق یوں ممکن ہے کہ پہلے "**اهباط**" سے مراد جنت سے سمائے دنیا میں اُترنا ہو، اور دوسرے "**اهباط**" سے مراد سمائے دنیا سے زمین میں اُترنا مراد ہو۔ بعض حضرات نے اس دوسرے "**اهباط**" کو بطورِ تاکید لیا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ الخ: اس آیت میں بتلا گیا کہ کفار کے لئے جہنم ہے، اور جہنم میں ان کا داخل ہونا ابدی ہے جہنم سے نکلنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ (**اعاذنااللہ**)

[1] تفسیر ابن کثیر: ۵/ ۲۸۳

يٰبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِيۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَ اِيَّايَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾	اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے اس احسان کو جو میں نے تم پر کئے اور تم پورا کرو میرا اقرار تو میں پورا کروں تمہارا اقرار اور مجھ ہی سے ڈرو (۴۰)
وَ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَ لَا تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِيۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۫ وَّ اِيَّايَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾	اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے اُتاری ہے سچ بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اور مت ہو سب میں اول منکر اس کے اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھ ہی سے ڈرو (۴۱)
وَ لَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ تَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾	اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر (۴۲)

اس سے پہلے اللہ ﷻ نے تمام انسانوں کو مخاطب کیا تھا کہ اے لوگو! اس رب کی اطاعت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا اور اب خاص بنی اسرائیل کو خطاب کر رہے ہیں۔ بنو کے معنی ہے بیٹوں اور اسراء کے معنی ہے بندے اور ائیل کے معنی ہے اللہ یعنی اے اللہ کے بندے کے بیٹوں۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے اور سب سے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا۔ تمام یہودی انہی کی اولاد ہیں اسی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔ بنی اسرئیل امت محمدیہ کے بعد دوسرے نمبر میں بڑی امت ہے اور اس امت میں بہت زیادہ انعام کیا گیا ہے جیسے من و سلوی کا اترنا، اُس وقت تمام عالم پر فضیلت دینا اور فرعون سے نجات کا پانا وغیرہ وغیرہ۔ مگر انہوں نے نافرمانی کی حتی کہ اللہ ﷻ نے ان سے ارضِ مقدسہ یعنی ملکِ شام کا وعدہ کیا مگر ان کی عادت یہ تھی کہ سب کچھ آرام سے مل جائے۔ کہنے لگے کہ ہمیں آرام سے مل جائے تو ٹھیک ہے اور نافرمانی کرنے لگے تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ اے بنی اسرئیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں اور تم میرے عہد کو پورا کرو تو میں تمہارے عہد کو پورا کرونگا۔ یہ عہد کیا تھا؟

اس بارے میں کئی اقوال ہیں۔

۱۔ **عہد الست:** یعنی جب اللہ ﷻ نے تمام روحوں کو ارواحِ عالم میں جمع کیا تھا تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا تھا کہ "**بلیٰ**" یعنی آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ آیت میں اسی عہد کا ذکر ہے۔

۲۔ یہ وہ عہد ہے جو اللہ ﷻ نے سب سے لیا تھا کہ جب حضرت محمد ﷺ آئیں گے تو تم سب کو ان پر ایمان لانا لازمی ہے۔ اس

آیت میں یہی عہد مراد ہے کہ اب حضرت محمد ﷺ تشریف لا چکے ہیں تو اب اس عہد کو پورا کرو جو توریت میں بھی موجود ہیں۔ دونوں عہد میں سے کوئی بھی عہد ہو اس کو پورا کرو تو میں بھی اپنے عہد کو پورا کروں گا یعنی میں تم کو جنت میں داخل کرونگا اور مجھ سے ہی ڈرو۔ اللہ ﷻ اس عہد کو بیان فرما رہے ہیں کہ ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل کیا یعنی قرآن پر کہ یہ قرآن تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے یعنی توریت۔

توریت میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات بھی موجود ہے۔ چنانچہ سورہ محمد ﷺ میں اللہ ﷻ نے فرمایا کہ: **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا**۔[1]

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی اول اس دین پر ایک آدمی تھا پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی حضرت کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں"۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ **اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ** میں عہد صدیقی **فَاٰزَرَهٗ** میں عہد فاروقی **فَاسْتَغْلَظَ** میں عہد عثمانی اور **فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ** میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض دوسرے بزرگوں نے **وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا** کو علی الترتیب خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم پر تقسیم کر دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام جماعت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجموعی مدح و منقبت پر مشتمل ہے۔ خصوصًا اصحاب بیعت الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور یہ یہود آپ ﷺ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے باپ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے دوسرے پارے میں فرمایا کہ **اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَاءَهُمْ**[2] یعنی یہ یہود آپ ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے باپ اپنے بیٹے کو پہچانتا ہے۔ مگر پھر بھی آپ ﷺ کی مخالفت آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے حالانکہ یہود کا یہ حال تھا کہ جب ان کی آپس لڑائی ہوتی تو کہتے کہ نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لے آئیں گے تو ہم ان پر ایمان لے آئیں گے مگر جب آپ ﷺ تشریف لے آئیں تو آپ ﷺ کی مخالفت کرنے لگے۔

[1] سورۃ الفتح:۲۹
[2] سورۃ البقرۃ:۱۴۷

وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ: تم آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کر کے اول کافر مت ہو جاؤ کیونکہ تمہیں سب معلوم ہے اور اس کے باوجود تم انکار کر رہے ہو۔

وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا: تم لوگ میری آیتوں کو تھوڑے ثمن میں مت بیچو۔

یہود کا یہ حال تھا کہ وہ توریت کی آیتوں کو بیچ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ **عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ :أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَهُودِيٍّ وَيَهُودِيَّةٍ قَدْ أَحْدَثَا جَمِيعًا، فَقَالَ لَهُمْ:مَا تَجِدُونَ فِي كِتَابِكُمْ قَالُوا: إِنَّ أَحْبَارَنَا أَحْدَثُوا تَحْمِيمَ الوَجْهِ وَالتَّجْبِيهَ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلاَمٍ :ادْعُهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِالتَّوْرَاةِ، فَأُتِيَ بِهَا، فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ، وَجَعَلَ يَقْرَأُ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا، فَقَالَ لَهُ ابْنُ سَلاَمٍ :ارْفَعْ يَدَكَ، فَإِذَا آيَةُ الرَّجْمِ تَحْتَ يَدِهِ، فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَرُجِمَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ :فَرُجِمَا عِنْدَ البَلاَطِ، فَرَأَيْتُ اليَهُودِيَّ أَجْنَأَ عَلَيْهَا۔**[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت لائے گئے، جنہوں نے بدکاری کی تھی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہاری کتاب (تورات) میں کیا حکم ہے؟ کہنے لگے: ہمارے علماء نے یہ حکم ایجاد کیا ہے کہ چہروں کو کالا کر دیا جائے اور گدھے پر اُلٹا بٹھایا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان سے تورات لانے کا کہہ دیں، چنانچہ تورات لائی گئی، ان میں ایک شخص نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر چھپایا اور اس سے پہلے اور بعد والی آیتوں کو پڑھنے لگا۔ حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ اُٹھادیں، چنانچہ اس کے ہاتھ کے نیچے والی جگہ میں آیتِ رجم موجود تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے رجم کا فیصلہ جاری فرمایا اور ان کو رجم کیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بلاط نامی جگہ میں ان کو رجم کیا گیا، میں نے اس یہودی مرد کو اس عورت پر جھکتے ہوئے دیکھا۔

یہ حال تھا یہودیوں کا کہ چند روپے کی خاطر توریت کو بیچ دیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو منع فرمایا کہ ایسا مت کرو۔

وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ: حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ۔

یہودیوں میں ایک عادت یہ بھی تھی کہ وہ حق اور باطل کو آپس میں ملا دیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس بُری خصلت سے منع فرمارہے ہیں کہ یہ کام مت کرو۔ میرے شیخ حضرت مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب حق اور باطل آپس میں مل جاتے ہیں تو خالص باطل اتنا بُرا نہیں ہوتا جتنا کہ حق کا باطل سے ملنے کے بعد باطل بُرا ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب میں چھوٹا تھا تو گرمی کا زمانہ تھا تو میں نے اپنے رومال میں عطر لگایا کہ جب پسینہ آئے گا تو رومال سے صاف کر لوں گا تو عطر کی وجہ

[1] صحیح البخاری: ۸/ ۱۶۵

سے بدبو نہیں آئے گی لیکن تھوڑی دیر بعد جب میں نے رومال کو اپنے منہ صاف کرنے کے لئے ناک کے قریب کیا تو جتنے پسینے کی بدبو ہوتی ہے اس سے کئی زیادہ اس عطر لگے رومال کی تھی۔ تو مجھے سمجھ آ گیا کہ جب باطل کے ساتھ حق مل جاتا ہے تو باطل اور بھی زیادہ بُرا ہو جاتا ہے۔

وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ: تم حق کو جان بوجھ کر چھپاتے ہو۔

اللہ ﷻ یہودیوں کو اس سے بھی منع کر رہے ہیں کہ حق کو جان بوجھ کر مت چھپاؤ کیونکہ یہودیوں کی ایک بُری عادت یہ بھی تھی کہ وہ حق کو چھپا لیا کرتے تھے۔ اسی سورہ بقرہ میں اللہ ﷻ نے فرمایا: **اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ**۔ یعنی بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اُتارا صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے[1]۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: **اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ**[2]۔

ترجمہ: بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ کیا نازل اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے لئے ہے عذاب دردناک۔

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾	اور قائم کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ (۴۳)
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾	اور تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو تم کیوں عقل نہیں (۴۴)
وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾	اور مدد چاہو صبر اور نماز سے اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی عاجزوں پر (۴۵)

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۵۹
[2] سورۃ البقرۃ: ۱۷۴

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾	جن کو خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (۴۶)

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ: اس آیت میں اللہ ﷻ نے تین چیزیں بیان کی ہیں پہلی چیز نماز کا پڑھنے کا حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو۔ اس کی تفسیر سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳ میں گذر چکی ہے۔

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ: زکوۃ کے لغوی معنی کے متعلق صاحب معجم الوسیط فرماتے ہیں۔

یعنی زکوٰۃ لغت میں "**زكّا الشئی**" کا مصدر ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ کوئی شئ بڑھے یا زیادہ ہو جائے اور "**زكّا فلان**" اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ وہ شخص درست ہو جائے۔[1]

زکاۃ کا اطلاق ان چار چیزوں پر ہوتا ہے: ۱۔ برکۃ۔ ۲۔ بڑھوتری۔ ۳۔ طہارۃ۔ ۴۔ صلاح۔ اصطلاحی معنی کے متعلق علامہ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں: زکوٰۃ کا اطلاق شرعاً مال کے اس مقدر حصہ پر ہوتا ہے جس کو اللہ ﷻ نے مستحقین کیلئے فرض کیا ہے۔[2]

قرآن کریم میں ۳۲ مقامات ایسے ہیں جہاں پر زکوٰۃ کا ذکر صراحۃً کیا گیا ہے۔ دس مکی سورتوں میں اور بائیس مدنی سورتوں میں مذکور ہیں۔

زکوٰۃ کی فرضیت: زکوٰۃ کی باقاعدہ فرضیت کہ جس میں تحدید مال کی گئی ہے وہ مدینہ منورہ میں ۲ھ میں ہوئی ہے، البتہ نفس فرضیت زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی جس طرح کہ نماز چنانچہ جہاں کہیں بھی آپ قرآن کریم میں دیکھیں زکوٰۃ کا بیان کثرت سے نماز کے بیان کے متصل ہے۔ البتہ بعض حضرات کا اختلاف ہے ان لوگوں کا خیال ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مطلقاً مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔

اس اختلافی مسئلہ میں علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان کو قول فیصل سمجھتا ہوں۔ وہ سورۃ مومنون کی آیت (**والذين هم للزكاة فاعلون**) کے تحت فرماتے ہیں: اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہاں پر زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ اموال ہے باوجود اس کے کہ یہ آیت مکی ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں ۲ھ میں فرض کی گئی، ورنہ ظاہر بات یہ ہے کہ نفس زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں واجب ہو چکی تھی۔ اللہ ﷻ نے سورہ انعام جو کہ مکی ہے اس میں فرمایا: **و اٰتوا حقه يوم حصاده** یعنی تم جس دن کھیتی کئے اس کا حق دو (یعنی زکوٰۃ دو)۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں زکاۃ سے مراد نفس کا شرک اور گندگی سے پاک ہونا مراد ہو، جیسا کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

[1] المعجم الوسیط: ۱/ ۳۹۶
[2] فقہ الزکاۃ: ۱/ ۳۸

قد افلح من زکّاھا و قد خاب من دسّھا یعنی بلاشبہ جس نے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور بلاشبہ جس نے گندہ کیا وہ برباد ہوا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں مراد ہوں یعنی زکاۃ نفوس اور زکاۃ اموال۔

نیز ہماری تائید حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو نجاشی کے دربار میں نبی کریم ﷺ کے متعلق کہہ رہے تھے: **یأمرنا بالصلاۃ والزکاۃ والصوم** کہ آپ ﷺ ہمیں نماز، زکوٰۃ اور روزہ کا حکم دیتے ہیں۔

زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ہے: صحیح بخاری و مسلم میں مشہور حدیث جبرئیل علیہ السلام ہے، اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارکان اسلام کے متعلق نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا: اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ تم نماز قائم رکھو، زکوٰۃ دیتے رہو، رمضان کے روزے رکھتے رہو اور حج کرتے رہو اگر تم میں بیت اللہ تک پہونچنے کی طاقت ہے۔

یہ زکوٰۃ اسلام کا اس قدر اہم ستون ہے کہ بعض مقامات میں تو نبی کریم ﷺ نے شہادتین کے علاوہ زکوٰۃ و صلوۃ پر اکتفا فرمایا: چنانچہ صحیحین میں ہے کہ: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ گواہی دینے لگیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم رکھتے رہیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔

عبادات مالیہ:

عبادات کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عبادات بدنیہ مثلاً نماز روزہ وغیرہ۔ (۲) عبادات مالیہ مثلاً زکوٰۃ و صدقات۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے پناہ نعمتیں اور رحمتیں نازل فرمائیں، منجملہ نعمتوں میں مال کی نعمت بہت بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ اگر انسان کے پاس سب کچھ ہو لیکن مال نہ ہو تو وہ شخص بالکل مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے اور نہ صرف مفلوج ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو معاملہ کفر کی حد تک پہونچ جاتا ہے۔ چنانچہ شریف میں ہے کہ: **کَادَ الْفَقْرُ أَنْ یَکُونَ کُفْرًا**[2] یعنی ہو سکتا ہے کہ فقر کفر ہو جائے یعنی قریب ہے کہ فقر انسان کو کفر تک پہونچادے۔ جب یہ طے ہے کہ مالوں کو عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر انسان کو چاہئے کہ عطا کرنے والی ذات کا حکم مانیں اور مال کو جہاں صرف کرنے کا حکم ہو وہاں خرچ کیا جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور جس کو چاہا امیر بنایا اور جس کو چاہا غریب بنایا۔ چنانچہ سورۃ نحل میں ہے۔

وَ اللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ۔[3] یعنی اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے رزق میں۔

[1] تفسیر ابن کثیر ۸۲/۴۰۰
[2] حلیۃ الاولیاء: ۳/۵۳
[3] سورۃ النحل: ۷۱

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ افضل اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھنے لگے کہ مال پر اس طرح قابض ہو جائے کہ غرباء کا حق جاتا رہے کیونکہ سورۃ الذاریات میں ہے: وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ۔[1] یعنی ان کے مالوں میں سوال کرنے والوں اور محتاجوں کا حق ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے: وہ لوگ جو صاحب نصاب ہوتے ہیں یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا ان مالیت کی کوئی اور چیز (جو مال تجارت میں سے ہو) کے مالک ہوں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اور اس کی فرضیت بعینہ نماز کی فرضیت کی طرح ہے چنانچہ جہاں کہیں بھی قرآن میں حکم صلوۃ آیا ہے وہاں زکوٰۃ کے ادا کرنے کا حکم عام طور پر ملتا ہے، اسی طرح احادیث میں جہاں کہیں بھی نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھنے کا حکم فرمایا تو اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔

زکوٰۃ کا منکر کافر ہے: جس طرح نماز کا منکر کافر ہے اسی طرح زکوٰۃ کا منکر بھی کافر ہے کیونکہ زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پس جو کوئی شخص زکوٰۃ کا انکار کرے تو اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی، لہٰذا اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ تقریباً یہی الفاظ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی میں فرمایا۔[2]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بہت سارے فتنوں نے سر اٹھایا، منجملہ فتنوں کے مانعین زکوٰۃ کا فتنہ بھی تھا اس پُر فتن موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا حکم فرمایا تو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان تھے کیونکہ بیرونی فتنوں کے علاوہ داخلی فتنے بھی بہت تھے خصوصاً مسیملہ کذاب کا فتنہ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ ابھی مانعین زکوٰۃ سے مقابلہ نہ کیا جائے کیونکہ یہ لوگ بہر حال نماز پڑھتے ہیں اور توحید پر بھی قائم ہیں، اگر ان سے مقابلہ کیا جائے تو پھر ہم بہت کمزور ہو جائیں گے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمت کر کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ایسے لوگوں سے کیونکر لڑ رہے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں لوگوں سے جہاد کرتا رہونگا یہاں تک کہ وہ **لا الہ الا اللہ** کہنے لگیں، پس جب وہ یہ پڑھ لیں تو ان کے خون اور مال مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ اس حدیث میں مانعین زکوٰۃ کا کوئی حکم نہیں ہے اگر ان سے جہاد ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کا ذکر بھی ضرور کرتے، اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں ان لوگوں سے ضرور لڑونگا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، خدا کی قسم! اگر وہ (زکوٰۃ کی مد میں) اونٹ کے ناکہ دینے سے مجھے انکار کرے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں ان سے ضرور لڑونگا ان کے اس منع کرنے پر۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس پر جوش تقریر کرنے کے بعد جہاد کیلئے اکیلے روانہ ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور کہا کہ ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔

[1] سورۃ الذاریات: ۱۹
[2] المغنی لابن قدامہ: ۲/۴۲۸

بعض روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ جاہلیت میں تو بڑے بہادر تھے لیکن اسلام میں بزدل ہو گئے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا اور کہنے لگے: خدا کی قسم! بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سینہ کو جہاد کیلئے کھول دیا اور میں سمجھ گیا کے وہ حق پر ہیں۔

اس پوری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مانعین زکوۃ کافر ہیں جب ہی تو ان سے جہاد کیا گیا یہ اور بات ہے کہ پہلے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اختلاف تھا لیکن بعد میں سب متفق ہو گئے تھے کہ ان سے جہاد کیا جائے۔ چنانچہ ان سے جہاد کیا گیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

زکوۃ نہ دینے کی اخروی سزا: جو لوگ زکوۃ ادا نہیں کرتے ہیں قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ایسے لوگوں پر اخروی عذاب بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ توبہ میں ہے: وَ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ - یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیں کہ (قیامت کے) دن ان مالوں کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس کے ذریعہ داغا جائے گا ان کی پیشانیوں کو ان کے پہلوؤں کو اور ان کے پیٹھوں کو اور کہا جائیگا کہ یہ تمہارا وہ خزانہ ہے کہ جن کو تم اپنی ذات کیلئے جمع کرتے تھے پس اب چکھو ان کو جو تم جمع کرتے تھے۔ ان آیات مبارکہ میں کس قدر سخت وعیدیں بتلائی گئی ہیں کہ یہی مال ایسے لوگوں کیلئے عذاب جان ہو گا۔ سورہ مدثر میں ہے کہ: فِیْ جَنّٰتٍ ۛؕ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِیْنَ ۲۔ یعنی باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا حال۔ تم کاہے سے جا پڑے دوزخ میں؟ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے، اور نہ تھے کھانا کھلاتے محتاج کو۔ سورہ آل عمران میں ارشاد ہے: وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ ۳ یعنی اور جو لوگ ان چیزوں کو خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ وہ ان کے حق میں بہت بُرا ہے وہ مال قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا، دیکھئے! جو مال انسان مزے لے کر جمع کر رہا

[1] سورۃ التوبۃ: ۳۴-۳۵
[2] سورۃ المدثر: ۴۰-۴۴
[3] سورۃ آلِ عمران: ۱۸۰

ہے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو وہی مال اس کے لئے رسوائی کا سبب بنے گا (معاذ اللہ) احادیث مبارکہ میں بھی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

۱۔عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: من اٰتاه الله مالاً فلم يؤدّ زكاته مثّل له يوم القيامة شجاعاًاقرع له زبيبتان يطوّقه يوم القيامة ، ثمّ يآخذ بلهزمتيه يعنی شدقيه ، ثمّ يقول: أنا مالک ، أنا كنزک ، ثمّ تلا هذه الآية : و لا يحسبنّ الّذين يبخلون الآية۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے دن اس کیلئے ایسا سانپ مقرر ہو گا جس کے بال نہ ہوگے (انتہائی زہریلا ہونے کی وجہ سے یا کافی عمر ہونے کی وجہ سے) اور اس کے دونوں آنکھوں کے اوپر دو نقطے سیاہ ہونگے۔ یہ سانپ اس کی گردن پر طوق بنا ہو گا قیامت کے دن پھر وہ اپنے دونوں جبڑوں سے اس آدمی کو لیا ہو گا اور کہہ رہا ہو گا میں تمہارا مال ہوں میں تمہارا خزانہ ہوں، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ: اور وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال ان کو اپنے فضل سے دیا ہے ان کے حق میں بہتر ہے۔ درحقیقت وہ مال ان کے حق میں بہت بُرا ہے عنقریب ان کے بخل کی وجہ سے وہ مال ان پر طوق بنے گا قیامت کے دن۔

۲۔عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: مانع الزكاة يوم القيامة فی النار۔[2]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا جہنم میں ہو گا۔

لوگوں کے دلوں میں مال کی محبت اس قدر ہے کہ وہ آخرت کی ان سزاؤں کی پرواہ بھی نہیں کرتے، اس مسئلہ میں بہت سی عورتیں کوتاہیاں کرتی ہیں۔ ان کو سونا اور چاندی جمع کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے مگر زکوٰۃ ادا کرنے کا ان کو خیال بھی نہیں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دین کی صحیح سمجھ عطا کرے۔ (آمین)

۳۔عن أسماء بنت يزيد رضی اللہ عنہا قالت: دخلت أنا وخالتی علی النبی ﷺو علينا أسورة من ذهب، فقال لنا: أتعطيان زكاته؟ قالت: فقلنا: لا، فقال : أما تخافان ان يسوّركما الله من أسورة من نار، أدّيا زكاته۔[3]

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اپنی خالہ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں، ہم نے سونے کی کنگھن

[1] صحیح البخاری: ۶/ ۳۹
[2] المعجم الصغیر للطبرانی ۲/ ۱۴۵
[3] مسند احمد: ۴۵/ ۵۸۶

پہن رکھے تھے، آپ نے پوچھا ہم سے کہ کیا تم نے ان کی زکوٰۃ ادا کی؟ ہم نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اللہ ﷻ تم کو آگ کے کنگھن پہنائے گا؟ تم ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔

خواتین کو چاہئے کہ زیورات کے زکاۃ کی ادائیگی میں قطعاً کوتاہی نہ کریں۔

ضروری تنبیہ: حدیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ جو عورتیں زیورات استعمال کرتی ہیں ان پر بھی زکاۃ لازمی ہے، آج کل کچھ گمراہ قسم کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ استعمال میں جو زیورات ہیں ان پر زکاۃ نہیں ہے، ان جاہل لوگوں کی بات پر بالکل توجہ نہ دیں، یہ لوگ اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کے دشمن ہیں۔ اللہ ﷻ اور اس کے نبی ﷺ کی تعلیمات کے خلاف چلنے اور چلانے والے ہیں، ان کا مقصدِ حیات ہی یہی ہے کہ لوگوں کو دین سے دور کر دیں۔ یہ صرف زکاۃ ہی کا مسئلہ نہیں ہے، ہزاروں مسائل میں وہ یہی کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں کجی ہے، بجائے نبی کریم ﷺ کی پیروی کرنے کے وہ ان گمراہ لوگوں کی پیروی کرتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

زکوٰۃ نہ دینے کی دنیوی سزا: جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہیں تو ان کو آخرت میں تو سزا ملے ہی گی لیکن اللہ ﷻ ایسوں کو دنیا میں بھی سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے سامنے ایسی بہت سی مثالیں اہل ثروت کی ہیں کہ جن کو اپنے پیسوں پر بہت ناز تھا اور جو کچھ کمائی کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے ہنر مندی کی وجہ سے کمارہے ہیں اللہ ﷻ نے ایسے لوگوں کو اس طرح ہلاک فرمایا ہے کہ قیامت تک لوگوں کیلئے درس عبرت بنے ہوئے ہیں۔ سورہ قصص میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے فرمایا **وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ- قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔـلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ**[1] یعنی تم بھلائی کرو جیسا کہ اللہ ﷻ نے تمہارے ساتھ بھلائی فرمائی یعنی بہت سارا مال عطا کیا قارون نے کہا یہ مال جو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر مندی سے جو میرے پاس ہے۔ اس مغرور کا حشر یہ ہوا کہ اللہ ﷻ نے اس کو اور اس کے گھر جو خزانہ سے بھرا ہوا تھا زمین میں دھنسا دیا، چنانچہ فرماتے ہیں: **فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ**[2] یعنی پس دھنسا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں۔ نیز زکوٰۃ نہ دینے کی دنیوی سزا حدیث شریف میں بھی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس قوم نے بھی زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو اللہ ﷻ نے اس قوم کو قحط میں مبتلا کیا۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے فائدے: زکوٰۃ کے لغوی معنی میں اس کا اطلاق طہارۃ پر بھی ہوتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان جب

[1] سورۃ القصص: ۷۷-۷۸

[2] سورۃ القصص: ۷۷-۷۸:۸۱

زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو تزکیہء ظاہری و باطنی دونوں حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا**۔[1]

ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ یعنی زکوٰۃ وصول کریں جن کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک کریں اور تزکیہ (بابرکت) کریں۔ تزکیہ ظاہری اس طرح سے مال کے اندر جو گندگی ہوتی ہے وہ سب صاف ہو جاتی ہے۔ تزکیہ باطنی یہ کہ مال کے خرچ کرنے سے قلب کی صفائی ہوتی ہے اور نفس بھی پاک ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کا نصاب: **الزكاة :واجبة على الحر المسلم البالغ العاقل إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول**۔[2] یعنی زکوٰۃ ہر اس شخص پر واجب ہے جو آزاد، بالغ، عاقل ہو اور نصاب (ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر یا زائد کیش پیسے موجود ہو) کا مالک ہو اور اس پر سال گذر گیا ہو تو اس شخص پر زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

زکوٰۃ کا مصرف: اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: **إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ.**"[3] جن کو زکاۃ دے سکتے ہیں وہ یہ ہیں: ۱۔ فقراء ۲۔ مساکین ۳۔ عاملین ۴۔ مؤلفۃ القلوب ۵۔ گردن چھڑانے پر ۶۔ جو قرض میں ڈوبا ہوا ہے ۷۔ جو اللہ کے راستے ۸۔ مسافر (اگر کوئی مسافر اگرچہ مالدار ہو مگر کسی ملک میں گیا اور کسی وجہ سے اس کے پاس پیسے ختم ہو گئے تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں)۔

فقیر: جو کسی سے سوال نہ کرے۔

مسکین: جو اپنی حاجت کے لئے دوسروں سے سے سوال کرے۔

عاملین: جو اپنا وقت زکوٰۃ کے حصول کے لئے صرف کرے۔

مؤلفۃ القلوب: شروع اسلام میں ان کو زکوٰۃ دی جاتی تھی جو اسلام نہیں لائے تھے، تالیفِ قلب مقصود تھا، یا اسلام لائے تھے مگر کمزور تھے، ان کو اسلام میں مضبوط کرنے کے لئے دی جاتی تھی۔ اب ایسوں کو دی جائے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت

[1] سورۃ التوبۃ: ۱۰۳
[2] المختصر للقدروی: ۵۱
[3] سورۃ التوبۃ ۶۰

عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اسلام اب مضبوط ہو چکا ہے۔ ان کو دینے کی ضرورت نہیں۔ فرماتے تھے: اَلْحَقّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ.[1] حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

رقاب: گردن چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ آقا غلام سے کہے کہ اتنے پیسے دے دو تو آزاد ہے۔ اس کو شرع میں مکاتب / مکاتبہ کہتے ہیں تو ان کو زکوٰۃ کے پیسے دے کر ان کو آزاد کرنے کے لئے دے سکتے ہیں۔ اب یہ غلام شخص کہاں سے پیسہ لائے۔ تو ایسے شخص کی زکوٰۃ کے مدد کی جاتی تھی۔ اب چونکہ غلاموں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو اب یہ مصرف بھی نہیں رہا۔

فی سبیل اللہ: اصل تو اس سے مراد مجاہدین ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ لیکن اس میں وہ غریب طلباء بھی آجاتے ہیں جو مستحق زکوٰۃ ہوتے ہیں۔

ابن السبیل: مسافر اگرچہ وہ صاحبِ نصاب ہو، مگر ہو سکتا ہے کہ حالتِ سفر میں اس کا سب کچھ ختم ہو گیا ہو، کھانے پینے کے لئے کچھ نہ ہو حتیٰ کہ واپسی کا کرایہ بھی نہ ہو۔

وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ: رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ عاجزی کرنے والے ہیں ان کے ساتھ مل جاؤ۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ صحبت کا فائدہ و حکم بتلا رہے ہیں کہ نماز اور زکوٰۃ جب ادا کر لی تو اس کو ضائع مت کرو بلکہ نیکوں کی صحبت میں رہ کر اس کی حفاظت کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحبت کی مثال دی کہ **مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ، كَحَامِلِ المِسْكِ وَنَافِخِ الكِيرِ، فَحَامِلُ المِسْكِ :إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الكِيرِ :إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً**[2]۔

ترجمہ: اچھی صحبت کی مثال ایسی ہے کہ عطر فروش کی کی یا تو عطر دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا تم عطر کی خوشبو پاؤ گے اور بُری صحبت کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی بھٹی والے کی کہ کہ یا تو کپڑے جلائے گی یا اس کی بدبو تجھے آئے گی۔ اسی طرح حضرت جلال الدین رومی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی اللہ والے کی صحبت میں ایک لمحہ کے لئے بیٹھ جانا سو سال بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

ایک بزرگ تھے جو بہت عبادت گذار تھے اور مقامِ ولایت تک پہنچ چکے تھے مگر اس میں داخل نہیں ہو پا رہے تھے (سلوک میں ایک مقام ہے اس کو ولایت کا مقام کہتے ہے) تو اس زمانہ میں ایک بزرگ تھے تو انہوں نے خواب دیکھا کہ ان عبادت گذار بزرگ

[1] سورۃ الکہف: ۲۹
[2] صحیح البخاری: ۷/ ۹۶

کے بارے میں یہ کہا جارہا ہے کہ ان کو بیعت کرو اور مقامِ ولایت میں داخل کرو تو ان بزرگ نے ان کو بیعت کیا اور مقامِ ولایت میں داخل کر لیا۔

اب دیکھیں کہ وہ کتنے سالوں سے عبادت کر رہے تھے مگر جیسے ہی بیعت ہو کر اللہ والے کی صحبت میں آئیں تو ایک ہی لمحہ میں وہ مقامِ ولایت میں پہنچ گئے۔

لہٰذا صحبتِ اہل اللہ کی بڑی اہمیت ہے اور اس آیت میں اللہ ﷻ اسی صحبت کو بیان کر رہے ہیں کہ جھکنے والوں ساتھ مل جاؤ اور تم بھی جھکنے والوں کے ساتھ جھکو۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ: اس آیت میں اللہ ﷻ بنو اسرائیل کے علماء کی ایک اور بُرائی کو بیان کر رہے ہیں کہ تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم توریت کی تلاوت کرتے ہو اور اس میں جو احکامات ہیں اس کو جانتے بھی ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: تمام امت پر عمومی طور پر اور علماء پر خصوصی طور پر لازم ہوتا ہے کہ نیکی کا حکم کرنا اور بُرائی سے روکنا لیکن علماء بنی اسرائیل کے اندر یہ عادت تھی کہ وہ لوگوں کو بُرائی سے روکا نہیں کرتے تھے حالانکہ یہ ہی اصل ہے کیونکہ بُرائی کی مثال اندھیرے کی ہے اور نیکی کی مثال روشنی کی ہے اور اندھیروں کو دور کرنا ہی اصل ہے کیونکہ جب اندھیرا دور ہو گا تو روشنی ہو جاتی ہے لیکن بنی اسرائیل کے علماء یہ اندھیروں کو دور نہیں کیا کرتے تھے اور اسی طرح بنی اسرائیل کے صوفیاء بھی نہی عن المنکر نہیں کیا کرتے تھے۔

چنانچہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے: **لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ**۔[1]

ترجمہ: کیوں نہیں (یہود) کے علماء اور صوفیاء لوگوں کو گناہ کی باتوں کے بارے میں منع نہیں کرتے اور حرام کھانے سے، بہت ہی بُرے عمل ہیں جو کر رہے ہیں۔ اور اسی طرح آگے اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا: **لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ**۔[2] یعنی ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کہ داؤد کی زبان پر اور مریم بن عیسیٰ کی زبان سے یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے۔

اللہ ﷻ بنی اسرائیل کے علماء کے حالات بیان کر کے در حقیقت اس امت محمدیہ کے علماء کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ تم ان بنی اسرائیل کے

[1] سورۃ المائدۃ: ۶۳
[2] سورۃ المائدۃ: ۷۸

علماء کی طرح مت بنو۔ اس آیت میں اللہ ﷻ یہ بیان کر رہے ہیں کہ تم لوگوں کو امر بالمعروف کرتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو یعنی خود اس پر عمل نہیں کرتے ہو کہ تم خود بھی نیک کام نہیں کرو بلکہ صرف دوسروں کو دعوت دیتے ہو نیک کام کرنے کی اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم توریت کی تلاوت بھی کرتے ہو کہ اس میں کیا کیا احکامات ہیں مگر پھر بھی تم عمل نہیں کرتے ہو۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ: کہ تم کیوں عقل نہیں رکھتے ہو۔

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ: اور مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعے۔

صبر کی تین اقسام ہیں:

۱۔الصبر فی المصیبة۲۔الصبر عن المعصیة۳۔الصبر علی الطاعة۔

۱۔الصبر فی المصیبة: یہ ہے کہ اگر کوئی مصیبت آجائے تو اس مصیبت پر صبر کرنا۔ یہ صبر کا پہلا درجہ ہے چنانچہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: **وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ- الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ**[1] یعنی آپ خوشخبری دے دیں صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ﷻ ہی کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ ﷻ ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۲۔الصبر عن المعصیة: یہ دوسری قسم ہے صبر کی اور یہ بہت مشکل ہے پہلی قسم کے مقابلے میں اور یہ وہ ہے کہ گناہوں سے بچنے کے لئے صبر کرنا کہ گناہ کرنے کا موقع ہو اور کوئی روکنے والا نہ ہو مگر انسان پھر بھی گناہ نہیں کرتا کہ اللہ ﷻ تو دیکھ رہے ہیں اور قیامت کے دن اس کا پوچھیں گے۔ یہ صبر بڑا مشکل ہے۔

کیونکہ انسان کو اگر کوئی لالچ دے پیسہ وغیرہ کی تو وہ انسان بہک جاتا ہے کیونکہ گناہوں سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔ سورۃ الجمعۃ میں اللہ ﷻ نے بنی اسرائیل کے علماء کی مثال گدھے کی دی ہے کیونکہ وہ گناہوں سے نہیں بچتے تھے اور توریت کے احکامات پر عمل پیرا نہیں ہوتے تھے، اللہ ﷻ نے فرمایا: **مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا**[2] یعنی مثال اُن لوگوں کی جو توریت کے حاملین تھے، پھر انہوں نے توریت کو نہیں اُٹھایا، اُن کی مثال گدھے کی طرح ہے کہ بوجھ لادے پھرتا ہے۔ توریت کے حاملین، توریت پر عمل نہیں کرتے تھے، ان کی مثال گدھے کی طرح ہے کیونکہ گدھے کے اوپر کتاب رکھیں یا نمک اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ اسی طرح بلعام بن باعوراء جو کہ بنی اسرائیل میں ایک مستجاب الدعوات شخص تھا اور اللہ ﷻ نے اس کے

[1] سورۃ البقرۃ:۱۵۵-۱۵۶
[2] سورۃ الجمعۃ:۵

بارے میں فرمایا: وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔[1]

ترجمہ: اور ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کا رتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو ہو رہا زمین کا اور پیچھے ہو لیا اپنی خواہش کے تو اس کا حال ایسا جیسے کتا اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔

اس شخص نے اپنی معرفت جو اللہ ﷻ نے اس کو عطا فرمائی تھی اس کا استعمال نہیں کیا بلکہ اپنی خواہشات کی پیروی کی اور اس نے صبر عن المعصیۃ نہیں کیا۔

۳۔**الصبر علی الطاعة:** یہ صبر کی تیسری قسم ہے اور یہ صبر کی قسم دونوں قسموں سے زیادہ مشکل ہے کہ نیک کام کرنے پر صبر کرنا یعنی اس کام کو ہمیشہ کرتے رہنا۔ یعنی نیکی کے کاموں میں ہمیشگی اختیار کرنا مثلاً نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا اب چاہے بیماری ہو یا صحتیابی ہو، غمی ہو یا خوشی ہر حال میں نماز پر قائم رہنا۔ یہ ہے صبر علی الطاعۃ۔

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ: اور مدد حاصل کرو نماز کے ذریعے سے کہ اگر کوئی بھی مشکل کام درپیش ہو تو دو رکعت نمازِ حاجت پڑھو یا کوئی کام کرنا ہو تو دو رکعت استخارہ کی پڑھو۔

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ میں **تو ایاک نستعین** آیا ہے اور اس کا ہم سب ہر نماز میں بار بار اقرار کرتے ہیں کہ **وایاک نستعین** تو یہاں صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا حکم کیوں ہو رہا ہے؟۔

اور جو لوگ غیر اللہ سے مدد مانگنے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ یہ آیت دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ دیکھو صبر اور نماز غیر اللہ ہے اور اللہ ﷻ نے اس سے مدد مانگنے کا حکم دیا ہے تو غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صبر اور نماز سے مدد نہیں مانگی جا رہی ہے بلکہ یہاں اللہ ﷻ یہ بیان کر رہے ہیں کہ صبر اور نماز کو ذریعہ بناؤ مجھ سے مدد حاصل کرنے کا کیونکہ یہاں **بالصبر** میں جو "ب" ہے وہ ذریعہ کے لئے ہے لہذا یہاں غیر اللہ سے مدد حاصل کرنے کی دلیل لینا درست نہیں ہے۔

وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ: اس آیت میں اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک نماز کا پڑھنا بڑا بھاری ہے مگر ان لوگوں کے لئے بھاری نہیں ہے جو لوگ اللہ ﷻ سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ ﷻ سے ڈرنے والے کون لوگ ہیں؟ ان کے لئے فرمایا: **الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ:** یہ اللہ ﷻ سے ڈرنے والوں کی صفات ہیں کہ ان کے اندر دو

[1] سورۃ الاعراف: ۱۷۶

صفتیں ہیں پہلی صفت یہ ہے کہ جن کو یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرینگے۔

یہاں خشوع کرنے والوں کی دو صفات ذکر کی گئی ہے اول ان کو اپنے رب سے ملنے کا یقین ہے کہ جب ہم مر جائیں گے تو اللہ ﷻ ہم کو زندہ کرینگے اور ہم اپنے رب کا دیدار کرینگے اور جنت میں بھی ہم اپنے رب کا دیدار کرینگے۔

قیامت کے دن اللہ ﷻ کی زیارت: بعض لوگ اللہ ﷻ کی زیارت کے منکر ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔ قرآن واحادیث سے زیارت کا ثبوت ہے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ یعنی ہرگز نہیں یہ کافر قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے سے روک دیئے جائیں گے یعنی اللہ ﷻ کی زیارت نہیں کر سکیں گے۔[1]

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصری ؒ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ ﷻ بنفسِ نفیس ظاہر ہوں گے ساری مخلوق اللہ ﷻ کی زیارت کرے گی مگر کافروں کے سامنے پردہ کر دیا جائے گا وہ اللہ ﷻ کی زیارت نہیں کر سکیں گے۔[2]

حضرت صہیب رومی ؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **إِذَادَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى تُرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ فَيَقُولُونَ أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوهَنَا أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنْ النَّارِ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَاأُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ {لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ}**۔[3]

ترجمہ: جب جنتی جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ ﷻ ان سے ارشاد فرمائیں گے کوئی اور نعمت چاہتے ہو تو میں تمہیں عطاء کرو نگا تو وہ عرض کریں گے کیا آپ نے ہمارے چہرے بارونق نہیں فرمائے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور (کیا) دوزخ سے ہمیں نجات نہیں بخشی، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ ﷻ پردہ ہٹائیں گے تو جنت والوں کو کوئی ایسی نعمت نہیں دی گئی جو ان کو اللہ ﷻ کے دیدار سے زیادہ محبوب ہوگی، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ**۔[4]

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے جنت ہے اور اس سے زائد (اللہ ﷻ کی زیارت) ہے۔

علامہ قرطبی ؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں پردہ ہٹانے کا معنی یہ ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے کے وہ حجاب دور کر دیئے

[1] سورۃ المطففین: ۱۵
البدور السافرۃ: ۶۰۱
[3] صحیح مسلم: ۱/ ۱۶۳
[4] سورہ یونس: ۲۶

جائیں گے جو اللہ ﷻ کی زیارت کرنے سے رکاوٹ بن رہے ہوں گے حتی کہ وہ اللہ ﷻ کو اس کے نور عظمت و جلال سمیت زیارت کر سکیں گے، یہ پردہ مخلوق کا اپنا ہو گا نہ کہ اللہ ﷻ کے سامنے ہو گا۔[1]

اللہ ﷻ کی زیارت قطعی اور یقینی ہے

امام الالکائی رحمہ اللہ حضرت مفضل بن غسان رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے سنا آپ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ﷻ کی زیارت کے متعلق سترہ احادیث مروی ہیں جو سب کی سب صحیح درجہ کی ہیں۔[2]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ یہ بات نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ زیارت خداوندی کے ثبوت میں (۱)حضرت انس رضی اللہ عنہ (۲)حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما (۳)حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ (۴)حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما (۵)حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۶)حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ (۷)حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (۸)حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (۹)حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما (۱۰)حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (۱۱)حضرت لقیط بن عام رضی اللہ عنہ (۱۲)حضرت ابن ابی رزین عقیلی رضی اللہ عنہ (۱۳)حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب (۱۴)حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (۱۵)حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما (۱۶)حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ (۱۷)حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (۱۸)حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۱۹)حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (۲۰)حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ (۲۱)حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ (۲۲)حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲۳)حضرت رویبہ رضی اللہ عنہ (۲۴)حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۲۵)حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۲۶)حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ (۲۷)حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ (۲۸)ورجل غیر مسمی رضی اللہ عنہ (۲۹)حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث رسول اللہ ﷺ روایت ہیں۔[3]

وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ : دوسری صفت اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کو یقین ہے کہ وہ اپنے رب کی ہی لوٹ کر جائینگے۔ یہ دونوں صفات عقیدہ آخرت کو بیان کر رہی ہے کہ قیامت واقع ہو گی اور ہم زندہ کیے جائینگے اور اپنے رب کی طرف لوٹائے جائینگے اور اس سے ملاقات ہو گی۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾	اے اسرائیل کے بیٹوں یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تم پر انعام کیں اور یہ کہ میں نے تم کو تمام عالم پر فضیلت دی(۴۷)

[1] التذکرۃ للقرطبی: ۱۰۱۲

[2] کتاب السنۃ لالکائی، البدور السافرہ: ۲۲۲۳

[3] البدور السافرہ: ۲۲۲۴۔ مع اضافہ از حادی الارواح: ۳۷۳

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾	اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی نفس کسی نفس کے کام نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ ہی کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی مدد کی جائے گی (۴۸)

ربط آیات: پہلی آیت میں اللہ ﷻ بنی اسرائیل کو فرمارہے ہیں کہ میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی ہے اور آگے اللہ ﷻ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت کو بیان فرمارہے ہیں کہ ایک نعمت یہ ہے کہ میں نے تم کو تمام عالم پر فضیلت دی کیونکہ امتِ محمدیہ کے بعد دوسرے نمبر پر بنی اسرائیل بڑی امت ہے اور اللہ ﷻ نے اُن پر کافی انعامات کئے ہیں تو یہاں ایک نعمت کا ذکر کررہے ہیں اور اس سے آگے اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ ڈرو اس دن سے جس دن کوئی نفس کسی نفس کے کوئی کام نہیں آئے گا اور نہ ہی کسی کی کوئی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ ہی کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی کسی کی کوئی مدد کی جائے گی۔

یہاں قیامت کی ہولناکی کا ذکر ہورہا ہے اور جو یہ فرمایا ہے کہ کوئی نفس کسی نفس کے کوئی کام نہیں آئے گا تو قرآنِ حکیم کی اور آیت بھی اس بارے میں آئی ہیں جیسا کہ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى[1]۔ یعنی کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اسی طرح اس آیت میں جو چار چیزیں بیان کی گئی ہے اس کا ذکر قرآنِ حکیم کی اور آیتوں میں بھی ہے مگر یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ شفاعت اور نفس کا دوسرے نفس کے کام آنا بھی تو نص میں موجود ہیں تو اس کا کیا جواب ہوگا؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جن آیات میں شفاعت کا قبول نہ ہونا مذکور ہے یا پھر جہاں نفس کا نفس کے کام نہیں آنا مذکور ہے وہاں عدمِ ایمان یعنی ایمان کا نہ ہونا ہے یعنی جو ایمان والا نہیں ہوگا یہ حکم اس کے لئے ہیں ورنہ قرآنِ حکیم کی بہت سی آیات اس بات کی شاہد ہیں کہ جہاں ایمان ہوگا وہاں یہ سب چیزیں کام آئیں گی جیسا کہ نفس کا نفس کے کام آنے کے بارے میں مذکور ہے: وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ[2]۔ یعنی اور جو لوگ ایمان لائیں اور اُن کی راہ پر چلیں اُن کی اولاد ایمان سے پہنچا دیا ہم نے اُن تک اُن کی اولاد کو اور گھٹایا نہیں ہم نے اُن سے ان کا کیا ذرا بھی ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے۔ اس آیت میں نفس کا نفس کے کام آنا مذکور ہے اور شفاعت کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہیں کہ **شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي**[3]۔ یعنی میری شفاعت میری امت کے گناہگاروں کے لئے ہیں۔

[1] سورۃ فاطر: ۱۸
[2] سورۃ والطور: ۲۱
[3] سنن الترمذی: ۴/ ۲۰۳

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **خُیِّرت بین الشفاعة و بین ان یدخل نصف امتی الجنة فاخترت الشفاعة لانها اعم واکفٰی ترونها للمتقین لا ولکنها للمذنبین الخطائین المتلوثین.**[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لے لو یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ عام اور زیادہ کام آنے والی ہے، کیا تم یہ سمجھ لیے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے؟ نہیں بلکہ وہ ان گنہگاروں کے واسطے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت خطاکار ہیں۔

وَ اِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ یَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ ؕ وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ﴿۴۹﴾	اور یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے تم کو فرعون سے نجات دی کہ وہ تمہیں بُرا عذاب دیتا تھا کہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتا تھا اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے (۴۹)

وَ اِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں میں سے ایک نعمت اور واقعہ کی طرف یاد دہانی کروا رہے ہیں کہ اس وقت کو یاد کرو کہ جب فرعون تمہیں عذاب دیا کرتا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ ایک بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہو گا اور میری سلطنت کو ختم کر دے گا تو اس نے نجومیوں سے خواب بیان کیا تو نجومیوں نے بتایا کہ اب تمہاری سلطنت ختم ہونے والی ہے کیونکہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جو تیری سلطنت کو ختم کر دے گا تو فرعون نے یہ کیا کہ اپنے بندوں کو کہہ دیا کہ جہاں کہیں بھی لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دو تاکہ نہ کوئی لڑکا بچے گا اور نہ میری سلطنت کو کوئی نقصان ہو گا۔ چنانچہ جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اسی زمانہ میں ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں میرے بیٹے کو قتل نہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں بات ڈالی کہ ان کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور پریشان مت ہو یہ بچہ آپ کے پاس واپس لوٹے گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے یہ کام کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بہن سے کہا کہ دیکھنا کہ یہ تابوت کہاں جاتا ہے اور وہ اس تابوت کا پیچھا کرتی رہیں تو دیکھا کہ یہ تابوت فرعون کے محل کے قریب سے گذرنے لگا تو فرعون کی بی بی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے اس تابوت کو دیکھا تو اس تابوت کو

[1] سنن ابن ماجہ: ۲/ ۱۴۴۱

نکلوایا تو دیکھا کہ اس میں ایک خوبصورت بچہ ہے۔ ان کی اولاد نہیں تھی تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اللہ ﷻ نے ہمیں اولاد سے نوازا ہے مگر فرعون نہ مانا مگر حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے سمجھایا تو فرعون مان گیا مگر جب دودھ پلانے کا وقت آیا تو حضرت موسی علیہ السلام کی بہن نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ دودھ پلائیں، جب وہ وہ آئیں تو حضرت موسی علیہ السلام نے ان کا دودھ پیا اور دودھ پلانے کے لئے حضرت موسی علیہ السلام کی والدہ ہی متعین ہوئیں مگر انہوں نے کہا کہ میں اپنے گھر میں ہی دودھ پلایا کرونگی تو اس طرح حضرت موسی علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس واپس آگئے اور پھر بڑے ہو کر حضرت موسی علیہ السلام نے ہی فرعون کی حکومت کو ختم کیا تو اس آیت میں اللہ ﷻ اسی واقعہ کی طرف یاد دہانی کروا رہے ہیں۔

وَ اِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ وَ اَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۰﴾	کہ اس وقت کو یاد کرو کہ ہم نے تمہارے لئے سمندر کے ٹکرے کئے اور تمہیں نجات دی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کیا اور حال یہ تھا کہ تم اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے (۵۰)

وَ اِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ: اللہ ﷻ اس واقعہ کی طرف یاد دہانی کروا رہے ہیں کہ اس وقت کو یاد کرو جب میں نے تمہیں فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دی اور تم نے فرعون اور اس کے لشکر کو اپنی آنکھوں سے غرق ہوتے ہوئے دیکھا۔

واقعہ: یہ ہے کہ جب فرعون نے ظلم اور زیادہ کر دیا باوجود یکہ حضرت موسی علیہ السلام نے سمجھایا مگر وہ نہ سمجھا بلکہ اور زیادہ ظلم وزیادتی شروع کر دی تو اللہ ﷻ نے حضرت موسی علیہ السلام کو وحی کی کہ بنی اسرائیل کو لے کر چلیں تو جب حضرت موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو آگے دریا آگیا اور پیچھے فرعون کا لشکر تو اللہ ﷻ نے حضرت موسی علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنے عصا کو سمندر میں ماریں، انہوں نے نے ایسا ہی کیا تو سمندر میں راستے بن گئے اور بنی اسرائیل سارے نکل گئے اور جب فرعون اور اس کا لشکر نے تعاقب کیا تو سارے کا سارا لشکر اور فرعون غرق ہو گیا تو اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَ اِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤى اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۵۱﴾	اور اس وقت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے حضرت موسی علیہ السلام کو چالیس دن کے لئے کوہِ طور پر بلایا تو تم نے بچھڑے کو خدا بنالیا اور تم نے ظلم کیا (۵۱)
ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۲﴾	پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کیا کہ تم شکر گذار بنو (۵۲)

وَ اِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤی اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَةً: واقعہ یہ ہے کہ جب فرعون غرق ہوا تو اللہ ﷻ نے حضرت موسی علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلایا توریت عطا کرنے کے لئے تو حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف جارہا ہو اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ میری غیر موجودگی میں قوم کا خیال رکھیئے گا۔ حضرت موسی علیہ السلام کے جانے کے بعد سامری نامی شخص نے ایک بچھڑا بنایا اور قوم سے کہا کہ یہ تمہارا رب ہے اس کی پوجا کرو تو بعض لوگ تو خاموش رہے اور باقیوں نے اس کی عبادت شروع کر دی تو حضرت ہارون علیہ السلام قوم کو سمجھاتے رہے مگر قوم نہ مانی اور اسی بچھڑے کی عبادت کرتے رہے تو اللہ ﷻ نے حضرت موسی علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ اپنی قوم کے پاس کے انہوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی ہے تو حضرت موسی علیہ السلام جب اپنی قوم کے پاس آئے تو ان کے ہاتھ میں جو تختی تھی وہ گر گئی اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑی اور ان پر غصہ کیا۔ بھائی نے سمجھایا کہ معاملہ یہ ہوا ہے تو حضرت موسی علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ اس کے بعد سامری سے پوچھا تو اس نے ساری حقیقت بتلائی کہ میں نے بچھڑے کا پُتلا بنایا اور اس میں فرشتہ کے پیروں کی مٹی ڈالی تو بچھڑا بولنے لگا۔ میں نے ان لوگوں سے کہا کہ یہی ہمارا اور موسی علیہ السلام کا" اله "ہے، تو قوم نے اس کی پرستش شروع کر دی۔

حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ جاتجھے ایسی بیماری لگے گی کہ تو لوگوں سے کہا کرے گا کہ مجھ سے دور رہو۔ کوئی اس کے قریب جاتا تو اس کی طبیعت خراب ہو جاتی۔ تو اسی بیماری میں وہ مرا۔ جن لوگوں نے یہ بُرا کام کیا ان کی سزا یہ طے ہوئی کے وہ اپنے آپ کو قتل کریں یا جو لوگ خاموش ہو گئے تھے وہ ان لوگوں کو قتل کریں۔

وَ اِذۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ الۡفُرۡقَانَ لَعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۵۳﴾	اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے موسی علیہ السلام کو کتاب اور فرقان دیا تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ(۵۳)

وَ اِذۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ الۡفُرۡقَانَ: اس آیت میں اللہ ﷻ ایک اور نعمت کا ذکر فرمارہے ہیں کہ تم اس نعمت کو یاد کرو جب میں نے حضرت موسی علیہ السلام کو کتاب اور فرقان عطا کی تا کہ تم سیدھے راستے پر آجاؤ۔

اب یہاں سوال ہوتا ہے کہ کتاب اور فرقان سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول کتاب سے مراد توریت ہے اور فرقان اس توریت کی تفسیر ہے کہ وہ توریت ایسی کتاب ہے کہ جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہیں۔ دوسرا قول کتاب سے مراد توریت ہے اور فرقان سے مراد معجزات ہیں جو حضرت موسی علیہ السلام کو عطا کیے گئے ہیں جیسے عصا جو حضرت موسی علیہ السلام کو عطا ہوا کہ جب حضرت موسی علیہ السلام اپنے دست مبارک سے زمین پر رکھتے تو وہ اژدھا بن جاتا تھا اور دوسرا معجزہ وہ یدِ بیضاء تھا یعنی حضرت موسی علیہ السلام جب اپنا دست مبارک اپنے بغل میں رکھ کر نکالتے تو وہ روشن اور چمک دار ہو جاتا تھا۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ بِاتِّخَاذِکُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ عِنۡدَ بَارِئِکُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۴﴾	اور یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنی قوم سے فرمایا کہ اے قوم تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے بچھڑے کو معبود بنا کر پس تم توبہ کرو اپنے رب سے اور قتل کرو اپنے آپ کو یہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے رب کے نزدیک تو وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بہت رحم کرنے والا ہے (۵۴)

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ: اس آیت میں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک اور نعمت کا ذکر فرمارہے ہیں کہ جب تم نے بچھڑے کو خدا بنایا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی اور توبہ کی قبولیت کی یہ صورت رکھی کہ اپنے آپ کو خود قتل کرو۔

اس کی دو صورت ہو سکتی ہے۔ پہلی یہ کہ خود کو چھری سے مارو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ دوسری یہ کہ جب سامری نے بچھڑے کو خدا بنا کر پیش کیا تو بنی اسرائیل کے تین گروپ بن گئے۔ پہلا جو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ ہو گیا اور دوسرا گروپ خاموش رہا اور تیسرا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔ صورت یہ ہوئی کہ جو لوگ خاموش ہو گئے تھے انہوں نے بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کو قتل کیا۔ اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔

اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ:

ظلم کی تعریف:

وضع الشئ فی غیر محلہ: جس چیز کا جو مقام ہو اس چیز کو وہاں نہیں رکھنا۔

ان بنو اسرائیل کو چاہئے تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرتے مگر انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کی عبادت کی تو اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے؟

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾	اور یاد کرو جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ کہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم اللہ کو نہ دیکھ لیں پس تم کو چیخ نے پکڑا اور حال یہ تھا کہ تم دیکھ رہے تھے۔(۵۵)
ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾	پھر ہم نے تم کو تمہارے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا تاکہ تم شکر گذار بنو۔(۵۶)
وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾	اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اُتارا تم پر من اور سلویٰ کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے دیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔(۵۷)

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً: اس آیت میں اللہ ﷻ ایک اور نعمت کا ذکر فرما رہے ہیں کہ وہ نعمت اور واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور جا رہے تھے تو بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو ساتھ لیا تو جب اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم پردہ میں سننے کا اعتبار نہیں کرتے، جب تک ہم اللہ ﷻ کو بالکل آمنے سامنے نہیں دیکھ لیتے اس وقت تک ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ ﷻ نے کوہِ طور پر اپنی تجلی ڈالی تو سب آدمی اسی وقت مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ﷻ سے دعا کی تو اللہ ﷻ نے سب کو زندہ کر دیا تو اللہ ﷻ نے اسی نعمت کو ذکر کیا ہے کہ تم کو میں نے مرنے کے بعد زندہ کیا تاکہ تم شکر گذار بنو مگر تم نے نافرمانی کی اور ناشکرے بن گئے۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ : اس آیت میں اللہ ﷻ ایک اور نعمت کا ذکر کر رہے ہیں کہ ہم نے تمہارے اوپر بادلوں کا سایہ کیا واقعہ یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو جنگل میں رہنے لگے تو گرمی کا موسم تھا تو خیمے وغیرہ خراب ہو گئے تو اللہ ﷻ نے ان کے لئے بادلوں کا سایہ کیا۔

وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى : ان کے کھانے کے لئے من و سلویٰ اُتارا۔

الْمَنَّ: شبنم کی طرح تھا جو سب جگہ مل جاتا تھا۔

السَّلْوٰى: سے مراد بٹیر ہے۔

مگر بنی اسرائیل نے ان نعمتوں کی ناشکری کی اور من وسلویٰ کے بجائے دوسرے اشیاء کو طلب کرنا شروع کر دیا تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ انہوں نے من وسلویٰ کا منع کر کے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾	اور یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے کہا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں اور جو چاہو کھاؤ اس میں سے اور داخل ہو جاؤ اس دروازے سے جُھک کر اور کہتے ہوئے حطۃ (معاف کر دے اے پروردگار) تاکہ ہم تمہاری خطایوں کو معاف کریں اور ہم محسنین کو بڑھاتے ہیں (۵۸)
فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾	مگر بدل دیا ظالموں نے اس قول کو جو ان سے کہا گیا تھا دوسرے قول سے پس ہم نے آسمان سے عذاب نازل کیا بسبب اس کے جو فاسقوں نے کیا (۵۹)
وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾	اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر سو بہہ نکلے اس سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو اللہ کی روزی اور نہ پھرو ملک میں فساد مچاتے (۶۰)

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ: اس آیت میں اللہ ﷻ ایک اور نعمت کا اور بنی اسرائیل کی ناشکری کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ ؑ بنی اسرائیل کو ملکِ شام لے کر جا رہے تھے تو راستے میں ایک بستی آئی تو اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ ؑ کو وحی کی کہ اس بستی میں سے بنی اسرائیل جو چاہے کھا سکتے ہیں مگر دو کام کرنے ہیں پہلا یہ کہ اس بستی کے دروازے سے جُھک کر جانا ہے اور دوسرا **حِطَّةٌ** کہتے ہوئے جانا ہے مگر بنی اسرائیل نے دونوں کام نہیں کئے جُھک کر جانے کے بجائے سُرین کے بل داخل ہوئے اور **حِطَّةٌ** کے بجائے **حنطة** (گندم) کہنے لگے۔ اللہ ﷻ نے آسمان سے عذاب نازل کیا اور وہ عذاب طاعون کا تھا اور اس عذاب سے ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔

وَ اِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ: اس آیت میں بھی اللہ ﷻ اپنی ایک اور نعمت کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی طلب کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ﷻ سے دعا کی تو اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ اپنا عصا پتھر میں ماریں تو اس سے پانی نکلے گا تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پتھر میں مارا تو اس سے بارہ چشمے نکلے اور ہر کوئی اپنے پینے کی جگہ کو جانتا اور پہچانتا تھا تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ کھاؤ اور پیو اللہ ﷻ کے رزق سے مگر زمین میں فساد مت پھیلانا۔

بعض لوگ جو معجزات کے منکر ہیں ان کے لئے اس آیت میں بہت بڑی دلیل ہے معجزہ کی کیونکہ پتھر پر عصا مارنے سے چشمے کا نکلنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ معجزہ ہے کیونکہ معجزہ کہتے ہیں کہ جو چیز عقل میں نہ آئے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَکُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْکَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾	اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکال دے ہمارے واسطے جو اُگتا ہے زمین سے ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور پھرے اللہ کا غضب لے کر یہ اس لئے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔(۶۱)

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ: یہاں اللہ ﷻ ان کی ایک اور ناشکری کا ذکر فرما رہے ہیں کہ من و سلویٰ کی نعمت کو ٹھکرا کر کہنے لگے کہ ہم ایک ہی طرح کا کھانا کھا کر تھک چکے ہیں۔ اے موسیٰ! آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ ہمارے لئے زمین سے ترکاری، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز اُگائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا لینا چاہتے وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے، اچھا پھر اترو کسی دوسرے شہر میں وہاں تم کو وہی ملے گا جو تم چاہتے ہو۔

وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْکَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ: اللہ ﷻ نے ان پر ذلت و مسکنت ڈالدی اور جہاں کہیں بھی پھریں گے اللہ ﷻ کا غضب لے کر پھریں گے۔ قیامت تک ان یہودیوں پر اللہ ﷻ کا غضب رہے گا۔ در در کی ٹھوکرے

کھاتے رہیں گے اور اللہ ﷻ کا غضب ان پر رہے گا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ: ان پر ذلت ومسکنت اور غضب کی وجہ بیان فرمارہے ہیں کہ ایک تو وہ ناشکری کرتے تھے دوسرا یہ کہ وہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو قتل کیا کرتے تھے۔ قتل انسانی تو ویسے ہی حرام ہے اور پھر حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام جیسی مقدس ہستیاں ان کو قتل کیا جائے اس سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ یہ ظالم ابدی غضب اور ابدی ذلت ومسکنت کے مستحق ہیں۔ (لعنھم اللہ)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾	بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صائبین جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور کام کئے نیک تو ان کے لئے ہے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۶۲)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِئِیْنَ: یہودیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم اللہ ﷻ کے بیٹے ہیں اور اس کے قرابت دار ہیں لہٰذا جنت میں صرف ہم ہی جائیں گے۔ اللہ ﷻ نے اس آیت میں فرمایا کہ جن کے اندر دو چیزیں ہوں گی تو اللہ ﷻ ان کو معاف فرمائیں گے۔ پہلی چیز ایمان ہے اور دوسری چیز اعمالِ صالحہ ہے۔ لہٰذا جو لوگ مؤمن ہیں وہ اور جو یہودی ہیں وہ اور جو لوگ عیسائی ہیں وہ اور جو لوگ صائبین ہیں، ان تمام میں سے جو لوگ ایمان بھی لائیں اللہ ﷻ پر اور آخرت پر اور اعمالِ صالحہ کریں تو اُن کے لئے ان کے رب کے پاس بڑا اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ یعنی اس طرح کے لوگ جنت میں جائیں گے۔ ایمان بنیادی چیز ہے اگر یہ نہ ہو تو انسان کا داخلہ جنت میں ناممکن ہے اور ایمان کے بعد جنت میں جو چیز کام آئے گی انسان کی بلندیٔ درجات کے لئے تو وہ اعمالِ صالحہ ہے لہٰذا ایمان کے بعد اہم کام وہ اعمالِ صالحہ کا کرنا ہے۔

ایک اہم نکتہ: بعض گمراہ لوگ کہ جن کے قلوب اندر سے یہود و نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ بھی جنتی ہیں وہ جنت میں جائیں گے اور دلیل میں اسی مذکورہ آیت کو پیش کرتے ہیں کہ جنت میں جانے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ مسلمان بھی ہوں۔ ان کا مختصر جواب یہ ہے کہ اس میں "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ" آیا ہے۔ ایمان باللہ میں ایمان بالرسل بھی شامل ہے۔ صرف اللہ ﷻ پر ایمان لانا اور رسولوں علیہم السلام پر ایمان نہ لانا وہ ایمان باللہ نہیں ہے۔ کتنی آیات ہیں کہ جن میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسل کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَ یَجْعَلْ**

لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور **ایمان لاؤ اُس کے رسول پر** دے گا تم کو دو حصے اپنی رحمت سے اور رکھ دے گا تم میں روشنی جس کو لئے پھرو اور تم کو معاف کرے گا اور اللہ ﷻ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں رسول پر ایمان لانے کا ذکر ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا[2]۔

ترجمہ: اے ایمان والو! **ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر** اور اس کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول ﷺ پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی پہلے اور جو کوئی **ایمان نہ رکھے** اللہ ﷻ پر اور اس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور **رسولوں پر** اور قیامت کے دن پر وہ بہک کر دور جا پڑا۔

اس آیت میں بھی ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول ذکر فرمایا اور آگے یہ بھی فرمایا کہ جو اللہ ﷻ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ رکھے وہ واضح گمراہی میں دور جا پڑا، ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ میں ایمان بالرسول بھی شامل ہے۔ ہم مسلمان الحمدللہ، اللہ ﷻ پر ایمان کے ساتھ ساتھ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں، یہود و نصاریٰ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ لہٰذا وہ اس آیت کی بشارت میں شامل نہیں ہیں۔

صابئین کون لوگ ہیں

صابئین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کر لیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔

وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ: اللہ ﷻ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کئے ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑا اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

خوف آئندہ آنے والے حالات سے ہوتا ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ آخرت کے لحاظ سے بالکل مطمئن ہونگے ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور حزن ماضی کا ہوتا ہے تو اللہ ﷻ ایمان والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو خوشخبری دے رہے ہیں کہ نہ ان کو ماضی کا غم ہوگا اور نہ ہی مستقبل کا کوئی غم ہوگا۔

[1] سورۃ الحدید: ۲۸
[2] سورۃ النساء: ۱۳۶

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾	اور جب ہم نے لیا تم سے قرار اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کہ پکڑو جو کتاب تم کو دی زور سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم ڈرو(۶۳)
ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ۚ فَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ لَکُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۴﴾	پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی تو ضرور تم تباہ ہو جاتے(۶۴)
وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ فِی السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَہُمۡ کُوۡنُوۡا قِرَدَۃً خٰسِئِیۡنَ ﴿۶۵﴾	اور تم خوب جان چکے ہو جنہوں نے تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ بندر ذلیل ہو کر۔(۶۵)
فَجَعَلۡنٰہَا نَکَالًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہَا وَ مَا خَلۡفَہَا وَ مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۶۶﴾	پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے(۶۶)

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ: اس آیت میں اللہ ﷻ ایک اور واقعہ کو بیان فرمارہے ہیں کہ جب اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمائی تو اللہ ﷻ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اس توریت کے احکامات پر عمل کرو تو وہ انکار کرنے لگے تو اللہ ﷻ نے کوہِ طور کو اُن پر اٹھالیا اور فرمایا کہ ہم نے تم سے جو میثاق لیا تھا توریت کے احکام پر عمل کرنے کا تو اس میثاق کو پورا کرو اور اس توریت کو مضبوطی سے تھامو اور جو کچھ اس میں ہیں اس کو یاد کرو اور عمل کرو تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

سوال: ایک سوال ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ **لااکراہ فی الدین**[1] کہ دین میں کوئی سختی نہیں ہے تو یہاں اللہ ﷻ بنی اسرائیل پر یہ سختی کیوں فرمارہے ہیں کہ پہاڑ کو اُن پر اٹھادیا؟

جواب: یہ ہے کہ دین میں سختی کا نہ ہونا یہ اس کے لئے ہے جو ایمان نہیں لایا یعنی زبردستی اسلام میں داخل کرنا، اب اس کی ضرورت نہیں۔ ہاں جب ایمان لے آیا تو اس پر عمل نہ کرنے پر سختی کا معاملہ ہوگا۔ یہاں جو بنی اسرائیل پر سختی کا معاملہ ہو رہا ہے وہ یوں ہو رہا ہے کہ انہوں نے عہد کو توڑا ہے کہ جب ان سے عہد لے لیا گیا کہ ہم تمہیں توریت دیں گے اور تم اس کے احکامات پر عمل کروگے اور وہ مان بھی گئے تو اب توریت عطا ہو جانے کے جو انکار کر رہے ہیں یہ اس پر سختی ہے۔

[1] سورۃ البقرۃ:۲۵۶

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ: اللہ ﷻ اس آیت میں بنی اسرائیل کی نافرمانی بیان فرمارہے ہیں کہ جب تم کو توریت عطا کی گئی تو بجائے اس کے کہ تم اس پر عمل کرتے مگر تم نے روگردانی کی اور توریت کے احکامات پر عمل نہیں کیا، مگر یاد رکھو اگر اللہ ﷻ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم لوگ خسارے والے ہوتے۔

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بنی اسرائیل کی ایک اور نافرنی کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ ﷻ نے بنی اسرائیل کو ہفتے کے دن مچھلی کا شکار کرنے سے منع کر دیا اور امتحان یہ لیا کہ ہفتے کے دن مچھلیاں پانی میں زیادہ آتیں اور باقی دنوں میں مچھلیاں کم آتیں۔ بنی اسرائیل نے یہ کام کیا کہ ہفتے کے دن تالاب میں باڑ لگا لیتے اور اگلے دن شکار کرتے۔ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ اس میں چار طبقے ہو گئے۔

۱۔ ان کو روکتے رہے۔

۲۔ ایک عرصہ تک روکا پھر مایوس ہو کر خاموشی اختیار کر لی۔

۳۔ خاموشی اختیار کی۔

۴۔ مکمل نافرمانی کی۔ جنہوں نے نافرمانی کی ان کو بندر بنا دیا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر روتے تھے اور تین دن کے بعد وہ سب کے سب مر گئے۔ (واللہ اعلم)

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے ان کو جو بندر بنایا ہے یہ ایک سزا اور سبق ہے ان لوگوں کے لئے جو موجود ہیں اور اُن لوگوں کے لئے جو بعد میں آنے والے ہیں اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کے لئے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾	اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ فرماتا ہے تم کو ذبح کرو ایک گائے وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو، کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں میں (۶۷)
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾	بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بن بیاہی درمیان میں ہے بڑھاپے اور جوانی کے اب کر ڈالو جو تم کو حکم ملا ہے (۶۸)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ﴿۶۹﴾	بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کیسا ہے اس کا رنگ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے اس کی زردی خوش لگتی ہے دیکھنے والوں کو (۶۹)
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیْنَا ؕ وَ اِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾	بولے دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کس قسم میں ہے وہ کیونکہ اس گائے میں شبہ پڑا ہے ہم کو اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے (۷۰)
قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾	کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے محنت کرنے والی نہیں کہ جوتی ہو زمین یا پانی دیتی ہو کھیتی کو بے عیب ہے کوئی داغ اس میں نہیں بولے اب لایا تو ٹھیک بات پھر اس کو ذبح کیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کرلیں گے (۷۱)
وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾	اور جب مار ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے (۷۲)
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ کَذٰلِکَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی ۙ وَ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾	پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور دِکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو (۷۳)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً: ان آیات میں اللہ ﷻ بنی اسرائیل کی نافرمانی کا ایک اور قصہ بیان فرمارہے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کا نام عامیل تھا اس کا ایک بھتیجا تھا اس نے اپنے چچا کو قتل کرکے اس کے تمام مال کا وارث بن گیا جب قاتل معلوم نہ ہوسکا تو یہ معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ﷻ سے دعا کی، اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ایک گائے کو ذبح کرکے اس کا گوشت اس مقتول پر ڈالو تو وہ مقتول زندہ ہوکر اپنے قاتل کا نام بتائے گا تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اللہ ﷻ حکم فرماتے ہیں کہ گائے ذبح کرو تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اے

موسیٰ! کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں کہ بھلا ایسا کیسے ممکن ہے؟ حالانکہ وہ وحی تھی مگر بنی اسرائیل کے اندر عادت تھی ہر کام میں نقص نکالتے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سُنا تو فرمانے لگے کہ اللہ ﷻ کی پناہ کہ میں یہ مذاق کر کے جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اچھا اپنے رب سے معلوم کریں کہ وہ گائے کیسی ہو، اللہ ﷻ نے بیان فرمایا کہ وہ نہ زیادہ بوڑھی ہو اور نہ ہی جوان بلکہ درمیانی ہو۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اچھا اپنے رب سے اُس گائے کا رنگ معلوم کریں۔ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ وہ زرد رنگ کی گائے ہو اور دیکھنے والوں کو بھی اچھی معلوم ہو۔ تو وہ کہنے لگے اچھا اُس گائے کی صفت کیا ہے؟ اللہ ﷻ نے بیان فرمایا کہ نہ ہی تو اس نے کھیت جوتا ہو اور نہ ہی پانی سیر اب کیا ہو اور نہ ہی اس پر کوئی دھبہ وغیرہ ہو۔ اس پر وہ کہنے اب آپ صحیح بات لے کر آئیں ہیں۔

اب ایسی گائے کہاں سے ملے؟ تلاش کرنے کے بعد ایسی گائے ایک آدمی کے پاس ملی جو اپنی ماں کی خدمت میں لگا ہوا تھا۔ یہ آدمی گائے بیچنے کے لئے راضی نہیں تھا تو اس گائے کی قیمت یہ لگی کہ گائے کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال میں جتنا سونا آیا اتنا سونا بھر کے اس کی قیمت لگے گی، اس قیمت پر قوم راضی ہو گئی۔ جب گائے کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو عامیل مقتول پر مارا تو وہ زندہ ہو گیا اور بتایا کہ مجھے میرے بھتیجے نے مارا ہے اس کے بعد وہ دوبارہ مر گیا۔

وَاِنَّآ اِنْ شَآءَاللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ: بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر وہ ان شاء اللہ نہیں کہتے تو یہ معاملہ چلتا رہتا۔

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى: اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ہم اسی طرح مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم تمہیں اپنی نشانیاں اس لئے دکھاتے ہیں کہ تاکہ تم عقل رکھو۔

فائدہ: ماں کی خدمت کا اُس کو اللہ ﷻ نے یہ صلہ دیا کہ اتنا سارا سونا اُس کو مل گیا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾	پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہے نہریں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے (۷۴)
اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾	اب کیا تم اے مسلمانوں! توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے (۷۵)

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے (۷۶)

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

کیا اتنا بھی جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں (۷۷)

وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات (۷۸)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھنے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے (۷۹)

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے کہہ دو کیا لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا بولتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے (۸۰)

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے (۸۱)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے (۸۲)

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً: اس آیت اللہ ﷻ یہودیوں کے دلوں کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ یہودیوں کے دل کا حال یہ ہے کہ ان کے دل پتھر بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

اللہ ﷻ نے فرمایا کہ بعض پتھر تو ایسے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے ہیں کہ اُن سے پانی نکلتا ہے اور بعض پتھر ایسے ہیں کہ وہ اللہ ﷻ سے خوف سے گر جاتے ہیں یعنی پتھر باوجود اپنی سختی میں مشہور ہونے کے پھر بھی اس کے اندر یہ خصوصیات ہیں مگر یہودیوں کے دل ان پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوگئے ہیں کہ نہ وہ اثر قبول کرکے دوسروں کو سیر اب کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے قلوب ایسے ہیں کہ خود اثر قبول کریں اور اور نہ ہی ان کے دلوں کے اندر خشیتِ الٰہی ہے کہ وہ اللہ ﷻ سے ڈریں۔ اس کے بعد اللہ ﷻ فرمارہے ہیں کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ ﷻ اس سے غافل نہیں ہیں۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ ان لوگوں کے بارے میں جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، جو تمنا کرتے تھے کہ یہ یہود بھی ایمان لے آئے، ان مسلمانوں سے یہود کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ ان یہودیوں میں ایک گروہ ایسا ہے کہ وہ لوگ اللہ ﷻ کا کلام سنتے ہیں پھر اس کے بعد اللہ ﷻ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں یعنی توریت کے احکامات کو باوجود جاننے کہ پھر بھی اس میں تبدیلیاں کرتے تھے اور یہ تبدیلیاں اللہ ﷻ کے کلام کو سمجھنے کے بعد کرتے تھے اور اس تحریف کرنے کو وہ لوگ جانتے بھی ہیں تو بھلا وہ کیسے ایمان لاسکتے ہیں؟

لہذا اے مسلمانو! تم ان یہودیوں کے ایمان لانے کی چاہت مت کرو کیونکہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں میں جو لوگ منافق تھے ان کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں کہ جب وہ ایمان والوں کے ساتھ ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم ایمان والے ہیں نیز یہ بھی بتایا کرتے تھے کہ ہمارے علماء بتایا کرتے ہیں کہ ایک نبی علیہ السلام آئیں گے اور وہ آخری نبی ہونگے اور اور اُن کا دین حق پر ہو گا مگر جب یہ اپنے علماء کے پاس جاتے تو ان کے علماء کہتے کہ تم مسلمانوں کو یہ سب باتیں کیوں بتاتے ہو؟ قیامت کے دن مسلمان تم پر اپنی حجت تمام کردینگے اور تم عقل کیوں نہیں رکھتے ہو؟ ان یہود اور ان کے علماء کی مثال ایسی ہے جیسے کہ سورج نکلا ہو اور کوئی آدمی اپنی آنکھیں بند کرکے کہے کہ ابھی اندھیرا ہے حالانکہ یہ بے وقوفی ہے اور اس میں سورج کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ اس میں اس آدمی کا قصور ہے۔ لہذا اسی طرح آپ ﷺ کی جو ذات مبارک سورج کی طرح ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام چاند ہیں یعنی آپ ﷺ سورج ہیں اور آپ ﷺ کے نور سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام جو کہ چاند ہیں وہ روشن ہوئے ہیں۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستارے کی طرح ہیں تو ان یہودیوں کو چاہئے یہ تھا کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لاتے مگر انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت اور دینِ اسلام کا انکار کیا اور ساتھ میں توریت کے احکامات کو بدل دیا۔

اَوَ لَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کو فرمارہے ہیں کہ تم لوگ جو بھی میٹنگ کرتے ہو، چاہے چھپ کر و یا اعلانیاں طور پر، تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ ﷻ تمہاری ان باتوں کو نہیں جانتے؟ تمہاری یہ سوچ غلط ہے کیونکہ تمہارے ہر عمل کو اللہ ﷻ خوب جانتے ہیں۔

وَ مِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کے اس گروہ کا ذکر کر رہے ہیں جو بہت ہی بے وقوف تھے جن کو اُن کے علماء نے جو کہہ دیا اسی پر عمل پیرا ہو گئے اور بات یہ ہے کہ جو لوگ جاہل ہیں اور امیدیں باندھی ہوئی ہیں تو دراصل یہ اُن کا اپنا گمان ہے اور حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

فَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْھِمْ وَ وَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ: اس آیت میں یہودی علماء کی ایک بُرائی کو بیان فرمارہے ہیں کہ یہ توریت کے احکامات کو بدل دیا کرتے تھے اور اپنے ہی ہاتھوں سے توریت لکھا کرتے تھے ااور کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ ﷻ کی طرف سے ہے حالانکہ یہ اللہ ﷻ پر جھوٹ ہے۔ ان کا صل مقصد اس سے یہ تھا کہ چند پیسے اُن کے پاس آجائیں۔ اللہ ﷻ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لئے بھی ہلاکت ہے اور جو یہ کماتے ہیں اُس کمائی پر بھی ہلاکت ہے۔

وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً: اس آیت میں بنی اسرائیل کے علماء کی ایک اور بُرائی بیان کی گئی کہ انہوں کہ انہوں نے اپنے لوگوں کو بے وقوف بنایا ہوا تھا اور قوم بھی ان کی باتوں میں آگئی تھی اور بات یہ تھی کہ علماءِ بنی اسرائیل نے لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ تم جنت میں جاؤ گے اور کوئی اور جنت میں نہیں جائے گا اور تم جہنم میں نہیں جاؤ گے اور اگر بالفرض تم جہنم میں گئے بھی تو صرف چند دنوں کے لئے جاؤ گے ہمیشہ کے لئے تم جہنم میں نہیں جاؤ گے۔ اللہ ﷻ اُن کی اس بات کا رد فرمارہے ہیں کہ اے نبی ﷺ ذرا ان یہودیوں سے پوچھئے کہ کیا تم نے اللہ ﷻ سے عہد لیا ہوا کہ تم جہنم میں نہیں جاؤ گے یا تم اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھتے ہو؟

بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّ اَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ: جو لوگ گناہ کرتے ہیں اور ان کے گناہوں نے اُن کو گھیرے میں لے رکھا ہے تو یہی لوگ جہنمی ہیں اور اُس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ: اور جو لوگ ایمان لائیں اور ایمان لانے کے اعمالِ صالحہ کرتے رہے تو یہ ہی جنتی ہیں اور ہمیشہ اُس جنت میں رہیں گے۔

اللہ ﷻ کا طریقہ ہے کہ جب وہ اہلِ جہنم کا ذکر کرتے ہیں تو اُس کے ساتھ اہلِ جنت کا ذکر بھی کرتے ہیں کیونکہ جب ایمان والا جہنم کے احوال کو سُنتا ہے تو وہ ڈر جاتا ہے تو اللہ ﷻ فوراً جنت کا ذکر فرما کر ایمان والوں کا ڈر ختم کر دیتے ہیں۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾

اور جب ہم نے لیا قرار بنی اسرائیل سے کہ نہ عبادت کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے کہیں سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہو ہی پھرنے والے (۸۳)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٨٤﴾

اور جب لیا ہم نے وعدہ تمہارا کہ نہ کروگے خون آپس میں اور نہ نکال دوگے کو اپنوں کو وطن سے پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم مانتے ہو (۸۴)

ثُمَّ أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٨٥﴾

پھر تم وہ لوگ ہو کہ ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے فرقہ کو ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے اور اگر وہی آویں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا بدلہ دے کر چھڑاتے ہو حالانکہ حرام ہے تم پر ان کا نکال دینا بھی، تو کیا مانتے ہو ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو سو کوئی جزاء نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے (۸۵)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا ہوگا ان پر عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی (۸۶)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ: اس آیت میں اللہ ﷻ نے یہودیوں سے جو عہد لیا تھا اس ذکر فرما رہے ہیں اور اس آیت میں آٹھ عہد کا ذکر ہے۔

۱۔**لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللّٰہَ:** عبادت صرف اللہ ﷻ کی ذات کی کرنی ہے کیونکہ اللہ ﷻ نے ہمیں پیدا فرمایا ہے اور ہماری پیدائش کا مقصد بھی عبادت ہی ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ کا فرمانِ مبارک ہے کہ: **وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ**[1]۔

ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔

ہماری پیدائش کا مقصد ہی اللہ ﷻ کی عبادت ہے لہذا اس آیت میں اسی کا ذکر ہے اور یہ عہد صرف بنی اسرائیل سے ہی نہیں ہے بلکہ امتِ محمدیہ ﷺ سے بھی ہے۔ لہذا ہمیں اللہ ﷻ کی ہی عبادت کرنی چاہئے تاکہ ہم اپنے مقصدِ حیات کو پورا کر سکیں۔

۲۔**وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا:** والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ﷻ ہی اس کائنات کی اصل ہیں اور اللہ ﷻ کے بعد جو مجازی اصل ہے وہ ہمارے والدین ہیں۔ لہذا ہمیں اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ قرآن وحدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ ﷻ نے متعدد مقامات پر اپنی توحید وعبادت کا حکم دینے کے ساتھ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے والدین کی اطاعت ان کی خدمت اور ان کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ احادیث میں بھی والدین کی فرمانبرداری کی خاص اہمیت وتاکید اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

چند آیات واحادیث درج کرتا ہوں:

آیات قرآنیہ

وَقَضىٰ رَبُّكَ أَلّا تَعبُدوا إِلّا إِيّاهُ وَبِالوالِدَينِ إِحسانًا ۚ إِمّا يَبلُغَنَّ عِندَكَ الكِبَرَ أَحَدُهُما أَو كِلاهُما فَلا تَقُل لَهُما أُفٍّ وَلا تَنهَرهُما وَقُل لَهُما قَولًا كَريمًا . وَاخفِض لَهُما جَناحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحمَةِ وَقُل رَبِّ ارحَمهُما كَما رَبَّيانى صَغيرًا۔[2]

ترجمہ: اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اُف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا، اور عاجزی ومحبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنا اور دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔ **أَنِ اشكُر لي وَ**

[1] سورۃ الذٰریات: ۵۶
[2] سورۃ بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴

لِوالِدَيك۔ یعنی کہ شکر کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

احادیث:

۱۔عن عبدالله بن مسعودٍ ؓ قال: سألت رسول الله ﷺ قلت: يا رسول الله، أي العمل أفضل؟ قال: الصلاة على ميقاتها،قلت: ثم أي؟ قال: ثم برُّ الوالدينِ،قلت:ثم أي؟ قال: الجهاد فى سبيل الله[۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کو اپنے وقت میں ادا کرنا، میں نے پوچھا پھر اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں نے عرض کیا پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

۲۔قال رسول الله ﷺ : من سره أن يمد له في عمره، ويزاد في رزقه؛ فليبر والديه، وليصل رحمه۔[۳]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی کو اس بات سے خوشی ہو کہ اس کی عمر لمبی ہو اور رزق میں اضافہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور صلہ رحمی کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے رزق میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے۔ والدین کی ناراضگی اللہ ﷻ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ لہذا ہمیں والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ خاص کر جب والدین یا دونوں میں سے کوئی بڑھاپے کو پہنچ جائے تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا حتی کہ ان کو اُف تک نہیں کہنا چاہئے۔ ادب واحترام اور محبت وخلوص کے ساتھ ان کی خدمت کرنی چاہئے۔ ممکن ہے کہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کی کچھ باتیں یا اعمال آپ کو پسند نہ آئیں، آپ اس پر صبر کریں، اللہ ﷻ اس صبر کرنے پر بھی اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں کہ جو ماں باپ کی خدمت کر کے جنت میں داخل ہوں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

۳۔عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ : رغم أنف، ثم رغم أنف، ثم رغم أنف ، قيل: من يارسول الله؟ قال: من أدرك أبويه عند الكبر أحدهما أو كلاهما فلم يدخل الجنة ۔[۴] یعنی حضرت ابو ہریرہ ؓ

[۱] سورۃ لقمان: ۱۴

[۲] صحیح بخاري: ۴/ ۱۴

[۳] الترغیب والترھیب للاصبہانی: ۱/ ۲۷۴

[۴] صحیح مسلم: ۴/ ۹۷۸

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ذلیل وخوار ہو، ذلیل وخوار ہو، ذلیل وخوار ہو، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کون ذلیل وخوار ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو اپنے ماں باپ میں سے کسی ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت کے ذریعہ) جنت میں داخل نہ ہو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت نہ کرنے والا ذلیل وخوار ہو گا اور جنت میں داخل نہ ہو گا، ان کے برعکس ان کی خدمت کرنے والا جنت میں داخل ہو گا۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحت کو جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی، نقل کرتے ہیں: **قال لقمان لابنه: يا بني، إن الوالدينِ بابٌ من أبواب الجنة، إن رضيَا عنك مضيتَ إلى الجنة، وإن سخِطا حُجِبت.**[1] یعنی حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! بلاشبہ ماں باپ جنت کے دروازوں میں سے ہیں، اگر وہ تم سے راضی ہیں تو تم جنت میں داخل ہو گے اور وہ ناراض ہوئے تو پھر رکاوٹ ہو گی (جنت میں جانے کے لئے)۔

لما ماتت أم إياس بن معاوية بكى، قيل له: ما يبكيك؟ قال: كان لي بابانِ مفتوحان إلى الجنة، وغُلِّق أحدُهما.[2] یعنی جب ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو بہت روئے، کسی نے وجہ پوچھی تو کہا کہ: میرے لئے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے تھے، اب ایک دروازہ بند ہو گیا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء نے والدین کے حسب ذیل بعض حقوق مرتب کئے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو والدین کے حقوق ادا کرنے والا بنائے۔ (آمین)

دوران حیات حقوق:

۱۔ ان کا ادب واحترام کرنا۔

۲۔ ان سے محبت کرنا۔

۳۔ ان کی فرمانبرداری کرنا۔

۴۔ ان کی خدمت کرنا۔

۵۔ ان کو حتی الامکان آرام پہنچانا۔

۶۔ ان کی ضروریات پوری کرنا۔

[1] کتاب البر والصلۃ لابن الجوزي: ۸۰
[2] کتاب البر والصلۃ-لابن الجوزي: ۷۲

۷۔ وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات کرنا۔

بعد از وفات حقوق:

۱۔ ان کے لئے اللہ ﷻ سے معافی اور رحمت کی دعائیں کرنا۔

۲۔ ان کی جانب سے ایسے اعمال کرنا جن کا ثواب ان تک پہنچے۔

۳۔ ان کے رشتے دار، دوست و متعلقین کی عزت کرنا۔

۴۔ ان کے رشتے دار، دوست و متعلقین کی حتی الامکان مدد کرنا۔

۵۔ ان کی امانت و قرض ادا کرنا۔

۶۔ ان کی جائز وصیت پر عمل کرنا۔

۷۔ کبھی کبھی ان کی قبر پر جانا۔

۳۔**وَذِي الْقُرْبٰى**: خونی رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔ چنانچہ اللہ ﷻ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ **وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ**[1]۔ یعنی اللہ ﷻ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر تم سوال کرتے اور خونی رشتے داروں کے معاملے میں بھی ڈرو۔ لہذا خونی رشتے داروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہئے۔

ذوالقربیٰ کے ساتھ صلہ رحمی کے بارے میں سورہ بقرہ آیت ۲۷ (**وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ**) کے تحت اس کی تفسیر گذر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

۴۔**وَالْيَتَامٰى**: یہ ہے کہ یتیم کے اچھائی کا برتاؤ کرنا ہے اور یتیم وہ نابالغ بچہ یا بچی ہے جس کے باپ کا انتقال ہو جائے۔ تو یتیم کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ یتیموں کی کفالت کرتے ہیں، ایسے لوگ جنت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔ چند احادیث پیش کرتا ہوں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

۱-عن سهل ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: وَأَنَا وَكَافِلُ اليَتِيمِ فِي الجَنَّةِ هَكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالوُسْطَى، وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا.[2]

ترجمہ: حضرت سہل ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس

[1] سورۃ النسآء: آیت: ۱
[2] صحیح بخاری: ۷/ ۵۳

طرح ہوں گے اور آپ ﷺ نے شہادت اور بیچ والی انگلیوں کی طرف اشارہ فرمایا اور ان دونوں میں ذرا سا فرق کیا۔

اصل میں بچہ اپنی ہر ضرورت کے لیے ماں باپ کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر وہ ماں باپ کے سہارے سے محروم ہو جائے تو پھر اس سے زیادہ بے بس و بے کس شاید ہی اور کوئی ہو۔ چنانچہ آپ نے بتایا کہ جو شخص کسی یتیم کی ذمہ داری اٹھاتا ہے اور اُس کی کفالت کرتا ہے وہ خدا کی نظر میں اتنا پسندیدہ عمل کرتا ہے کہ اسے جنت میں میرا ساتھ اس طرح میسر ہو گا جیسے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی ساتھ ساتھ ہوتی ہیں۔

۲-عن ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ إِلٰى طَعَامِه وَشَرَابِه أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُلَه۔[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی مسلمان یتیم بچے کے کھانے پینے کی کفالت کرے اللہ ﷻ ضرور اُسے جنت میں داخل کرے گا سوائے اس کے کہ وہ کوئی ایسا (شرک جیسا) گناہ کرے جس کی بخشش نہ ہو۔

۳-عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِه، فَقَالَ لَه: إِنْ أَرَدْتَ تَلْيِيْنَ قَلْبِكَ فَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ.[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اپنے دل کے سخت ہونے کا ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اپنے دل کو نرم کرنا چاہتے ہو تو مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ رکھو۔

معلوم ہوا کہ یتیم کے سر پر دستِ شفقت رکھنا نرمی قلب کا بھی باعث ہے۔

۵-وَالْمَسَاكِيْنِ: یہ ہے کہ مسکینوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا ہے اور مسکین وہ ہے جس کے پاس ایک وقت کا کھانا موجود ہو۔ یہ جنتیوں والا عمل ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ ارشاد فرماتے ہیں: **وَيُطْعِمونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهِ مِسكينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔**[3] یعنی اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ ﷻ کی محبت میں مسکین کو، یتیم کو اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

یہ آیت ان جنتیوں کے لئے ہے جو دنیا میں یہ عمل کرتے ہیں۔

ایسا شخص جو غریبوں کو کھانا کھلاتا ہے اسلام کی نگاہ میں وہ بہترین اسلام والا ہے۔

[1] سنن ترمذي: ۳/ ۳۸۳
[2] مسند احمد: ۱۳/ ۲۱-۲۲
[3] سورۃ الدھر: ۸

چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے: **عن عبد الله بن عمرو ﷺ أن رجلا سأل النبي ﷺ أي الإسلام خير قال تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف۔**[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو ﷺ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ: سب سے بہترین چیز اسلام میں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھانا کھلانا اور سلام کا کہنا ہر شخص کو، جس کو تم جانتے ہو اور جس کو تم نہیں جانتے۔

وہ لوگ جو کھانا کھلانے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے: **عن عبدالله بن سلام ﷺ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول : أفشوا السلام وأطعموا الطعام وصلوا الأرحام وصلوا بالليل والناس نيام تدخلوا الجنة بسلام.**[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن سلام ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو اور رات کو نماز (تہجد) پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم جنت میں داخل ہوں گے سلامتی کے ساتھ۔

۶۔**وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا**: لوگوں کے ساتھ اچھی باتیں کرو اور ان کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرو۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر ہو سب کے ساتھ اچھائی کا معاملہ رکھنا ہے۔ اسلام حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے تشریف لائے اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو حسن اخلاق کی تعلیم دی ، یہاں تک کہ آقائے دو عالم ﷺ نے فرمایا: **عن عائشة ﷺ قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن المؤمن ليدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم۔**[3]

ترجمہ: حضرت عائشہ ﷺ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ مؤمن اچھے اخلاق کی وجہ سے اس شخص کا مقام حاصل کرلیتا ہے جو دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات میں اللہ ﷻ کی عبادت کرتا ہو۔

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: **عَنْ جَابِرٍ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ :إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحْسَنَكُمْ أَخْلاقًا۔**[4]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قریب مجھ سے

[1] صحیح بخاری: ۱/ ۱۲
[2] مسند احمد: ۳۹/ ۲۰۱
[3] سنن ابی داود: ۴/ ۲۵۲
[4] سنن ترمذی: ۳/ ۴۳۰

قیامت کے دن وہ ہو گا جو کہ سب سے عمدہ اخلاق رکھتا ہو۔

آج ہماری حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہر طرف بد اخلاقی ہے، نہ چھوٹا بڑوں کا ادب کرتا ہے اور نہ بڑا چھوٹوں کا لحاظ رکھتا ہے۔ قیامت کے دن ایسے بد اخلاق لوگوں کے اعمال برباد ہوں گے اور رسول اکرم ﷺ سے بہت دور ہوں گے۔ لہذا ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے اخلاق درست کرے اور بد اخلاقی سے بچیں۔ ذیل میں بد اخلاقی کے سلسلے میں چند احادیث درج کرتا ہوں۔

۱-عن أَبِي الدَّرداءِ رضی اللہ عنہ أَن النبيَّ ﷺ قالَ :مَا مِنْ شَيءٍ أَثْقَلُ في ميزَانِ المُؤمِنِ يومَ القِيامة مِنْ حُسْنِ الخُلُقِ وإنَّ اللهَ يُبْغِضُ الفَاحِشَ البَذِيَّ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میزان میں حسن خلق سے بڑھ کر کوئی چیز اتنی بھاری نہیں ہو گی (سب سے بھاری چیز میزان میں اچھے اخلاق ہوں گے) اور اللہ ﷻ ناپسند کرتا ہے بد اخلاق اور بیہودہ کلام کرنے والوں کو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بد اخلاق لوگ اللہ ﷻ کے ناپسندیدہ بندے ہیں۔

۲-عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : قال رسول الله ﷺ الخلق الحسن يذيب الخطايا كما يذيب الماء الجليد، و الخلق السوء يفسد العمل كما يفسد الخل العسل۔[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اچھا اخلاق گناہوں کو اس طرح دھوتا ہے جیسا کہ بہت قوت والا پانی (گندگی کو دھوڈالتا ہے) اور بُرا اخلاق عمل (صالح) کو اس طرح گندہ اور خراب کر دیتا ہے جیسا کہ سرکہ شہد کو۔

۳-عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ إن هذه الأخلاق من الله ، فمن أراد الله به خيرا منحه خلقا حسنا ، ومن أراد به سوءا منحه خلقا سيئا[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ اخلاق اللہ ﷻ کی طرف سے ہے، لہذا جس کے ساتھ اللہ ﷻ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اُسے حسن خلق عطا فرماتے ہیں اور جس کے لئے شر اور بُرائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو بد اخلاقی عطا فرماتے ہیں۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا ہے کہ بد اخلاق لوگوں کے ساتھ اللہ ﷻ خیر کا معاملہ نہیں فرماتے ہیں۔

[1] سنن ترمذی: ۳/ ۴۳۰
[2] المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰/ ۳۱۹
[3] فیض القدیر: ۲/ ۵۴۸

۴۔عن ابی ثعلبة الخشنی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان أحبکم الی واقربکم منی فی الآخرة محاسنکم اخلاقا ، وان ابغضکم الی وابعدکم منی فی االآخرة مَسَاوِئُكُمْ اخلاقا : الثرثارون المتفیھقون المتشدقون.[1]

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قریب مجھ سے آخرت میں وہ ہے کہ جس کے اخلاق سب سے عمدہ ہے اور بلاشبہ تم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے دور آخرت میں وہ ہے کہ جس کے اخلاق سب سے بُرے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بکثرت کلام کرنے والے اپنی گفتگو میں اپنے آپ کو سب سے بڑے سمجھنے والے اور منہ بھر کر اپنے کلام کو ادا کرنے والے۔ اس طرح کے لوگ متکبر ہوتے ہیں اور انتہائی بد اخلاق ہوتے ہیں۔

۵۔عن رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ وکان ممکن شھد الحدیبیة أن رسول اللہ ﷺ قال: حسن الخلق نماء و سوء الخلق شؤم والبر زیادة فی العمر والصدقة تدفع میتة السوء۔[2]

ترجمہ: حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ جو حدیبیہ میں شریک تھے، وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: حسن خلق بڑھنا ہے یعنی اس کی وجہ سے اس کے مقام میں اضافہ ہوتا ہے۔ بد اخلاقی منحوس اور نامرادی ہے۔ نیکی زندگی میں اضافہ ہے (یعنی عمر میں برکت ہو جاتی ہے) اور صدقہ بُری موت سے بچاتا ہے۔

۶- وفی روایة للأ صبھانی عن رجل من اھل الجزیرة لم یسمه عن میمون بن مھران قال: قال رسول اللہ ﷺ مامن ذنب أعظم عند اللہ من سوء الخلق وذلک ان صاحبه لا یخرج من ذنب الا وقع فی ذنب۔[3]

ترجمہ: امام اصبہانی میمون بن مہران رحمہ اللہ کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں بد اخلاقی سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے اور یہ بد اخلاقی کرنے والا اس گناہ سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک کہ وہ خود اس گناہ سے نہ نکل جائے۔

۷۔عن أبی ھریرة رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو : اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ۔[4] یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا

[1] مسند احمد: ۲۹/ ۲۶۷
[2] مسند احمد: ۲۵/ ۴۸۷
[3] الترغیب والترھیب للاصبہانی: ۲/ ۱۹۸
[4] سنن الصغری للنسائی: ۸/ ۲۶۸

ہوں، دشمنی، نفاق اور بداخلاقی سے۔

اندازہ فرمایئے کہ آقائے دوعالم ﷺ بداخلاقی سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ بداخلاقی میں سب سے بڑا عمل دخل زبان کا ہے، اگر انسان اسے قابو میں کرلے تو سب کچھ صحیح ہو سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: اگر تم زبان اور ستر کی حفاظت کی ذمہ داری دو تو میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اور اس زبان کا حال یہ ہے کہ جہنم میں سب سے زیادہ لوگوں کو یہی زبان داخل کرے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

٨۔عن أبي هريرة رضي الله عنه قال سئل رسول الله ﷺ عن أكثر ما يدخل الناس الجنة فقال تقوى الله وحسن الخلق وسئل عن أكثر ما يدخل الناس النار فقال الفم والفرج .[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا سب سے زیادہ کونسی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ ﷻ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق اور آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ کونسی چیز لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: زبان اور شرم گاہ۔

بہر حال یہ چند روایات نقل کی ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بداخلاقی کس قدر قبیح عمل ہے۔ اللہ ﷻ ہمارے اخلاق کو اچھا کرے تاکہ ہم رسول خدا ﷺ کے قریب اور محبوب بنیں۔ (آمین)

٧۔وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ: عہد یہ ہے کہ نماز قائم رکھنا، کیونکہ ایمان لانے کے بعد سب سے اونچا درجہ نماز کا ہے۔ نماز کا مکمل بیان سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۳ میں ہو چکا، وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

٨۔وَآتُوا الزَّكَاةَ: یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنا کیونکہ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو اُن کا مال کل قیامت کے دن سانپ بچھو بن کر ان کے عذاب کا سبب بن جائیں گے۔ زکوٰۃ کا مکمل بیان سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۴۳ میں ہو چکا ہے، وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ: اللہ ﷻ فرمارہے ہیں کہ اس عہد لینے کے باوجود تم لوگ پھر گئے اور عہد پورا نہیں کیا مگر تھوڑے لوگوں نے اس عہد کو پورا کیا اور تمہارا کام ہی عہد کو توڑنا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ: اس آیت میں دو اور عہد کا ذکر ہے پہلا یہ کہ آپس میں تم خون ریزی نہیں کروگے اور دوسرا یہ کہ ایک دوسرے کو اپنے وطنوں سے نہیں نکالوگے پھر اس عہد کا تم نے اقرار بھی کرلیا تھا اور تم اس پر گواہ بھی تھے۔

[1] سنن الترمذي: ٣/٤٣١

ثُمَّ أَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ:

شانِ نزول: قال السدّی ان الله تعالی أخذ علی بنی إسرائیل في التورية ان لا يقتل بعضهم بعضا ولا يخرج بعضهم بعضا من ديارهم وأيما عبد وامة وجدتموهم من بنی إسرائيل فاشتروه بما قام من ثمنه وأعتقوه- فكانت قريظة حلفاء الأوس والنضير حلفاء الخزرج وكانوا يقتتلون في حرب سمين فيقاتل بنو قريظة وحلفاؤهم النضير وحلفاءهم- وإذا غلبوا خرّبوا ديارهم وأخرجوهم منها- وإذا اسر رجل من الفريقين جمعوا له حتى يفدوه وان كان الأسير من عدوهم فتعيرهم العرب ويقول كيف تقاتلونهم وتفدونهم- قالوا انا أمرنا ان نفديهم۔[1]

ترجمہ: حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی اسرائیل سے توریت میں یہ عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دسرے کو قتل نہیں کریں گے اور جلا وطن بھی نہیں کریں گے اور غلام یا باندی بنی اسرائیل میں سے کہیں پائیں تو اسے خرید کر آزاد کریں گے اس پر جو کچھ انہوں نے عمل کیا اس کا قصہ یہ ہے کہ بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے بنو نضیر خزرج کے حلیف تھے بنو قریظہ اور ان کے حلیف نضیر اور ان کے حلیف سے قتال کرتے اور جب ایک دوسرے پر غالب آجاتے تو گھروں کو برباد کرتے اور گھر والوں کو جلاوطن کرتے لیکن اگر کسی اور موقع پر دونوں گروہوں میں سے کسی کا گروہ کوئی آدمی قید ہو جاتا تو پھر مال جمع کر کے دونوں گروہ اس کا فدیہ دے کر اسے چھڑا لیتے اس پر عرب ان پر طعن کرتے اور کہتے کہ تم ان سے قتال بھی کرتے ہو اور فدیہ دے کر چھڑاتے بھی ہو تو یہ جواب دیتے کہ ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے کہ فدیہ دے کر چھڑالو۔

أُولٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ: یہی لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اور دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید اپس آخرت میں اُن پر عذاب کو کم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اُن کی کوئی مدد کی جائے گی۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾	اور بیشک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اس کے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو پاک روح سے پھر بھلا کیا جب تمہارے پاس آیا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم نے تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا (۸۷)

[1] التفسیر المظہری: ۱/ ۹۱

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کے حالات کو بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کی اور صرف یہی نہیں کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اُن کی رہنمائی نہیں کی ہو بلکہ ہم نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پے درپے رسول بھیجے تاکہ تم لوگ سمجھ جاؤ مگر تم نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھٹلایا اور اُن کے بعد جتنے رسول آئے اُن سب کی تکذیب کی۔ ہم نے اُن رسولوں کے بعد عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بھیجا، ہم نے ان کی مدد کی روح القدس کے ساتھ۔

فائدہ: اللہ ﷻ نے قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے تو وہاں صرف عیسیٰ نہیں فرمایا بلکہ عیسیٰ بن مریم فرمایا تاکہ نصاریٰ کے عقیدہ کا بطلان ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ ﷻ کے بیٹے نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ یہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ ﷻ کا بیٹا مانتے ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش باپ کے بغیر ہوئی ہے حالانکہ دیکھا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تو بِناماں اور باپ کے ہوئی ہے مگر اُن کو اللہ ﷻ کا بیٹا نہیں کہتے۔

روح القدس: اس سے کیا مراد ہے؟

اس بارے میں دو قول ہیں۔

۱۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔

۲۔ اسمِ اعظم مراد ہے۔

اس کے بعد اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ تمہارا حال تو یہ ہے کہ جب بھی کوئی رسول آتا اور تمہارے نفسوں کو اچھا نہیں لگتا تو تم لوگ متکبر بن جاتے اور رسولوں کی ایک جماعت کو تم نے جھٹلا دیا اور دوسری جماعت کو تم قتل کرتے اور ابھی بھی قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو یعنی تم نے حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کو قتل کیا اور ابھی بھی حضرت نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾	اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے اُن کے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لاتے ہیں (۸۸)
وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى	اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر

الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٩٠﴾	جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر (۸۹) بُری چیز ہے وہ جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو کہ منکر ہوئے اس چیز کے جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے سو کمالائے غصہ پر غصہ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا (۹۰)

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ: اس آیت میں یہود کے ایک قول کا ذکر ہے جو وہ لوگ بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے دلوں میں تو پردہ ہے جب ہی ہم دوسرے رسولوں کو نہیں مانتے کیونکہ ان کی باتیں ہمارے دلوں میں نہیں اُترتی، کیونکہ ہمارے دلوں میں پردہ ہے۔ اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ ان کی بات تو درست ہے کہ ان کے دلوں میں پردہ ہے مگر یہ پردہ وہ نہیں جو یہ لوگ سمجھ رہے ہیں بلکہ اللہ ﷻ نے اُن پر اُن کے کفر کی وجہ سے اُن پر لعنت کی ہیں اور اُن میں بہت کم ہیں جو ایمان لانے والے ہیں کیونکہ جب انہوں نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانا اور اُن پر ایمان نہیں لائیں تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے نبیوں پر ایمان کیسے لائیں گے؟

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جب ان کے پاس قرآن آیا جو کہ توریت کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اُن کا حال یہ تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! اُس نبی آخر الزمان ﷺ کو مبعوث فرمادیں تاکہ ہم اُن پر ایمان لے آئیں اور کافروں پر ہم فتح حاصل کر سکیں مگر جب حضرت نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو پہچان بھی لیا مگر انہوں نے انکار کر دیا تو جب انہوں نے انکار کیا تو ایسے منکروں پر اللہ ﷻ کی لعنت ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ: اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ انہوں جو قرآن کا انکار کیا اور اپنے آپ کو بیچا یہ بہت ہی بُرا کام ہے اور یہ ان کا انکار کرنا اُن کی ضد اور بغض کی وجہ سے تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ بنو اسحاق سے ہونگے مگر جب آپ ﷺ بنو اسماعیل میں سے تشریف لائیں تو انہوں نے تعصب کی وجہ سے انکار کیا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ ﷻ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل فرمادے مگر یہ یہودی اس انکار کرنے کی وجہ سے اللہ ﷻ کے غضب کے ساتھ لوٹے اور ان منکروں کے لئے دنیا میں تو ذلت اور مسکنت اور غضب ہے اور آخرت میں ذلت کا عذاب ہے۔ آخرت میں ان کو ذلت کا عذاب اس

لئے ہو گا کہ جو دوسرے کافر ہیں وہ ان کو کہیں گے کہ تم تو دنیا میں بڑے دعویدار تھے اب کیا ہوا؟ تو یہ ان کو ذلیل کرنا ہو گا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾	اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ ﷻ نے بھیجا ہے تو کہتے ہیں ہم مانتے ہیں جو اترا ہم پر اور نہیں مانتے اس کو جو سوا اس کے ہے حالانکہ وہ کتاب سچی ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے کہہ دو پھر قتل کیوں کرتے رہے ہو اللہ ﷻ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے (۹۱) اور آچکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر پھر بنالیا تم نے بچھڑا اس کے گئے پیچھے اور تم ظالم ہو (۹۲)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ: اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ تم ایمان لاؤ اس پر جو چیز اللہ ﷻ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر یعنی ہمارے نبی حضرت موسیٰ ؑ پر نازل ہوئی اور اس کے علاوہ پر ہم ایمان نہیں لاتے ہیں بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہاں پر اللہ ﷻ ان یہودیوں کے جھوٹ کو بیان فرمارہے ہیں اور قرآن کی حقانیت کو بیان فرمارہے ہیں کہ یہ قرآن جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا ہے وہ قرآن ایسا ہے کہ یہ توریت کی بھی تصدیق کررہا ہے۔ اگر یہ قرآن توریت کی نفی کررہا ہوتا تو قرآن پر ایمان نہیں لانے کی وجہ سمجھ میں آتی مگر یہ قرآن تو توریت کی تصدیق بھی کررہا ہے۔ درحقیقت یہ ان کا بغض وعناد تھا کہ ہم قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ ﷻ ان کو ڈاٹ رہے ہیں کہ اگر تم توریت پر ایمان رکھتے تھے تو انبیاء کرام ؑ کو قتل کیوں کرتے رہے تھے؟ تو معلوم ہوا کہ تمہارا قرآن پر ایمان نہیں لانا وہ سراسر بغض وعناد کی بنیاد پر تھا۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کے جھوٹ کو بیان فرمارہے ہیں کہ تمہارے پاس جب حضرت موسیٰ ؑ آئیں تھے اور معجزات بھی لے کر آئے تھے تو تمہارا حال تو یہ تھا کہ جب وہ کوہِ طور توریت لینے گئے تھے تو تم نے سامری کے کہنے پر بچھڑے کو خدا بنالیا جب کہ حضرت موسیٰ ؑ کے بھائی حضرت ہارون ؑ تم کو منع بھی فرمارہے تھے لیکن تم نے نہیں مانا اور تم نے اس بچھڑے کو خدا بنانے کی وجہ سے اپنے اوپر ظلم کیا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۖ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ	اور جب ہم نے لیا اقرار تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہِ طور کو پکڑو جو ہم نے تم کو دیا زور سے اور سنو بولے سنا ہم نے اور نہ مانا اور پلائی گئی ان کے دلوں میں محبت اسی بچھڑے کی بسبب ان کے کفر

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾	کے کہہ دے کہ بری باتیں سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو(۹۳)
قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۴﴾	کہہ دے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں تنہاسوا اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو(۹۴)
وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۵﴾	اور ہر گز آرزو نہ کرینگے موت کی کبھی بسبب ان گناہوں کے کہ بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ،اور اللہ خوب جانتا ہے گناہ گاروں کو(۹۵)
وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾	اور تو دیکھے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی چاہتا ہے ایک ایک ان میں کا کہ عمر پاوے ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں(۹۶)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ: اس آیت میں اللہ ﷻ واقعہ گذشتہ کو بیان فرمارہے ہیں اور یہودیوں کی مخالفت اور انکار کو بیان فرمارہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لے آئے تو تم نے اقرار کیا تھا کہ ہم کو جو کتاب ملے گی تو ہم اس پر ایمان لائیں گے مگر جب توریت آئی تو تم نے نہیں مانا تو ہم نے کوہِ طور کو تمہارے سروں پر اٹھالیا تو تم نے اس عذاب کو دیکھ کر کہا کہ ہم نے مان لیا مگر تمہارا حال اتنا بُرا ہے کہ جیسے ہی ہم نے اس عذاب کو ہٹالیا تو فوراً کہنے لگے کہ ہم نے نہیں مانا تو تمہارا یہ کہنا کہ ہم نے توریت کو مانا ہے اور اس پر ایمان لائیں ہیں یہ بالکل جھوٹ بات ہے کیونکہ تم نے توریت پر بھی ایمان نہیں لایا تھا تو تم اس قرآن پر کیا ایمان لاؤ گے ؟ پھر اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ اصل میں ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت ڈال دی گئی ہے اور یہ بچھڑے کی محبت اور توریت پر ایمان نہیں لانا اور اس کے قرآن پر ایمان نہیں لانا تو یہ تو بہت ہی بُری بات ہے جو تمہارا ایمان تم کو بتاتا ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کے اس دعویٰ کو جو وہ کیا کرتے تھے کہ ہم اللہ ﷻ کے مقرب بندے ہیں اور آخرت کا گھر ہمارے ہی لئے ہیں تو اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں اگر بات یہی ہے تو تم موت کی آرزو کرو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

سوال: اس آیت میں اللہ ﷻ موت کی تمنا کرنے کا فرمارہے ہیں اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ موت کی تمنا نہیں کرو۔

جواب: یہ ہے موت کی تمنا کرنا وہاں پر منع ہے جب انسان کسی مصیبت یا بیماری میں مبتلا ہو تو وہاں پر موت کی تمنا کرنا منع ہے اور جب حالات اچھے ہو تو موت کی تمنا کرنا اس جگہ منع نہیں ہے بلکہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ **تحفة المؤمن الموت**[1] کہ مؤمن کا تحفہ موت ہے۔

وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ یہ یہودی کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کرینگے کیونکہ ان کے اعمال اس طرح نہیں ہے کہ وہ موت کی تمنا کریں کیونکہ موت کی تمناوہ کرے گا جس کو معلوم ہو کہ موت کے بعد روشنی ہے اور جس کو معلوم ہو کہ موت کے بعد اندھیرا ہے ہے تو وہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کرے گا۔ لہذا ان یہودیوں کو معلوم ہے کہ انہوں نے جو اعمال کیے ہیں تو آگے اندھیرا ہے تو یہ کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کرینگے اور اللہ ﷻ ظالموں کو خوب جانتے ہیں۔

فائدہ: موت کو یاد کرنا ایک بہترین علاج ہے کہ جو انسان کو حقیقی انسان بنائے گا اور اعمال درست ہونگے کیونکہ موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار کوئی نہیں کرتا لہذا یہ ایک بہترین علاج ہے ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **اكثروا ذكر هاذم اللذات يعنى الموت**[2]۔ یعنی لذتوں کو توڑنے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو یعنی موت کو۔

واقعہ: جو لوگ اللہ ﷻ کی ملاقات کا شوق رکھتے ہیں تو اُن کی زندگی بھی عجیب ہوتی ہے اور وہ دنیا کو ہیچ نگاہ سے دیکھتے اور رکھتے ہیں۔ چنانچہ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ بانی مدرسہ دارالعلوم دیوبند ایک مرتبہ حجام کی دُکان میں تھے تو ایک رئیس آیا اور حضرت رحمہ اللہ کو کہا کہ میں آپ کو چند پیسہ دینا چاہتا ہوں تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھائی میری تنخواہ چار روپے ہے تو ایک روپے میری ضروریات میں خرچ ہوتا ہے اور ایک روپیہ گھر کے لئے ہے اور دو روپے بچ جاتے ہے تو وہ مصیبت بن جاتے ہے کہ کہاں خرچ کروں تو آپ نے پیسے لینے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ بندہ ضد کرتا رہا اور حضرت منع فرماتے رہے تو جب حضرت رحمہ اللہ نہیں مانے تو اس نے پیسے حضرت رحمہ اللہ کے جوتے میں ڈال دیئے تو جب حضرت رحمہ اللہ نے جوتا پہنا تو پیسے جوتے میں تھے تو حضرت رحمہ اللہ نے پیسے کو لات ماری اور فرمایا کہ ہم دنیا کو لات مارے ہیں اور یہ ہمارے قدموں میں آرہی ہے۔[3]

[1] المستدرک للحاکم: ۴/ ۳۵۵
[2] سنن ترمذی: ۴/ ۱۲۹
[3] ارواح ثلاثہ

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کی عادت کو بیان فرمارہے ہیں کہ وہ لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس دینا میں زیادہ جئیں حالانکہ اس دنیا کی زندگی ان کو زیادہ مل بھی جائے تو ان کو آخرت کے عذاب سے بچا نہیں سکتی ہے جب تک ایمان نہ ہو اور اعمالِ صالحہ نہیں کریں اور اللہ ﷻ سب دیکھتے ہیں جو کچھ وہ کررہے ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴿٩٧﴾	تو کہہ دے جو کوئی ہووے دشمن جبرائیل کا سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو(۹۷)
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴿٩٨﴾	جو کوئی ہووے دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا(۹۸)
وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ﴿٩٩﴾	اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کرینگے ان کا مگر وہی جو نافرمان ہیں(۹۹)
أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴿١٠٠﴾	کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دیگی اس کو ایک جماعت ان میں سے بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں کرتے(۱۰۰)
وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴿١٠١﴾	اور جب پہنچا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں(۱۰۱)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کی ایک اور حرکت کو بیان فرمارہے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ حضور نبی کریم ﷺ پر وحی کون لاتا ہے؟ جب ان سے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تو کہنے لگے اگر جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور فرشتہ وحی لاتا تو ہم اُن پر ایمان لے آتے۔ دراصل ان کو ایمان لانا نہیں تھا اس لئے یہ بہانا کررہے تھے۔ اللہ ﷻ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت کو بیان فرمارہے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے دل پر میرے حکم سے وحی لے کر اُترتے ہیں اور

ایسی چیز لاتے ہیں یعنی قرآن جو توریت کی تصدیق کرتا ہے اور گمراہی سے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے اور یہ کہ ایمان والوں کو جنت کی خوشخبری سناتا ہے۔

وحی: وحی کی لغوی تعریف : **الْإِعْلَام فِي خَفَاء**(پوشیدہ بات کی خبر دینا)۔

اصطلاحی تعریف : **هُوَ كَلَام الله الْمنزل على نَبِي من أنبيائه وَالرَّسُول۔**

ترجمہ: انبیاءِ کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والے اللہ ﷻ کے کلام کو وحی کہتے ہیں۔

پھر وحی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وحی متلو ۲۔ وحی غیر متلو۔

وحی متلو: ایسی وحی ہے جس کے الفاظ و معانی دونوں اللہ ﷻ کی طرف سے ہوں۔

وحی غیر متلو: ایسی وحی ہے جو نبی کریم ﷺ کے قلب مبارک پر صرف معانی و مضامین کی شکل میں القاء کی گئی ہو۔ اور ان معانی کو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کبھی اپنے الفاظ سے اور کبھی اپنے افعال سے اور کبھی دونوں سے بیان فرمایا ہو۔

وحی کی تین صورتیں ہوتی تھی: **وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ**[1]۔

۱۔ یہ تھی کہ اللہ ﷻ کلام فرماتے وحی کے ذریعے۔

۲۔ پردہ کے پیچھے سے اللہ ﷻ بات کریں جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمانِ مبارک ہے **وكلم الله موسى تكليما**[2]۔ اور باتیں کیں اللہ ﷻ نے موسیٰ علیہ السلام سے بول کر۔

۳۔ اللہ ﷻ کسی فرشتے کو بھیج دیتے جو اللہ ﷻ کے حکم سے اللہ ﷻ کا پیغام نبی علیہ السلام تک لاتے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ: اس آیت میں اللہ ﷻ کھلا اعلان فرمارہے ہیں کہ جو کوئی اللہ ﷻ کا دشمن ہو یا اس کے کسی بھی فرشتے کا دشمن ہو یا کسی بھی پیغمبر علیہ السلام کا دشمن ہو یا جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کا دشمن ہو تو یاد رکھو کہ اللہ ﷻ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔ اور اللہ ﷻ جس کا دشمن ہو جائے تو اس کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ و برباد ہے۔

جبرائیل امین: یہ اللہ ﷻ کے مقرب فرشتے ہیں اور عرش کے نیچے ان کا مقام ہے اور ان کی بہت سی صفات ہیں ان میں سے ایک

[1] سورۃ الشوریٰ: ۵۱
[2] سورۃ النسآء: ۱۶۴

امانت داری ہے اور دوسری طاقتور ہونا ہے اور تمام فرشتے ان کے تابع ہیں اور بڑے عزت والے ہیں۔
آپ کے مختلف القاب میں ناموس اعظم، روح اعظم، روح القدس اور روح الامین وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ ﷻ کے سب سے مقرب فرشتے ہیں۔ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام پر وحی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے توسط سے ہی آتی رہی ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ: اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ پر بے شمار نشانیاں اتاری ہیں مراد معجزات ہے اس آیت سے معجزات کا ثبوت ہو رہا ہے اور معجزات کے منکر کو فاسق قرار دیا گیا ہے یعنی اگر کوئی شخص معجزات کا منکر ہے تو وہ قرآن کی رو سے فاسق ہے کہ اللہ ﷻ نے اس کو فاسق قرار دیا ہے۔

أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کی ایک اور بُرائی کو بیان فرما رہے ہیں کہ وہ معاہدہ کو توڑنے والے ہیں اور حقیقت یہی ہے اور اُن میں اکثر جاہل ہیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ: اس آیت میں بھی اللہ ﷻ ایک اور بُرائی کو بیان فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ جاہل ہیں اور ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو انہوں نے جن کو کتاب دی گئی تھی یعنی یہودی نے انکار کر دیا اور جو چیز آپ ﷺ لے کر آئیں یعنی قرآن اس کو پس پشت ڈال دیا اور اس کا انکار کر دیا۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾	اور پیچھے ہو لئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو اور اس علم کے پیچھے ہو لئے جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہ دیتے کہ ہم آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو پھر اب سے سیکھتے وہ جادو جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اس کی عورت میں اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم اللہ کے اور سیکھتے ہیں وہ چیز جو نقصان کرے ان کا، اور فائدہ نہ کرے اور وہ خوب جان چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ اور بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو اگر ان کو سمجھ ہوتی (۱۰۲)

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾	اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو بدلہ پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی (۱۰۳)

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کی ایک اور بُرائی کو بیان فرمارہے ہیں کہ یہ یہودی کہنے لگے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جو بادشاہت تھی، وہ جادو کی بدولت تھی تو اللہ ﷻ اس کا رد فرمارہے ہیں اور بیان فرمارہے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جادو نہیں کیا اور نہ ہی کفر کیا بلکہ یہ شیطانوں نے کیا۔ اس آیت میں جادو کی طرف کفر کی نسبت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جادو کرنا کفر ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جادو کرنا کفر ہے۔ ویسے اصلاً تو جادو کرنا فسق ہے اور گناہ کبیرہ میں سے ہے مگر جادو میں اگر کلمات کفریہ وغیرہ شامل ہوں تو پھر اس طرح کا جادو کفر ہوگا۔ جادو بہر حال حق ہے اس سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے، جس طرح نظر سے نقصان پہنچتا ہے۔ یہودی تو خاص کر اس گندہ عمل میں مبتلا ہیں۔ کتنے بڑے بڑے لوگوں کا جادو کے ذریعہ سے قتل ہو جاتا ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں بیماری میں فلاں مر گیا جبکہ اس کے پیچھے جادو کا عمل ہوتا ہے۔

آج کل یہ جادو کا عمل بہت عام ہوتا جارہا ہے لوگ اپنی ذاتی دشمنیوں کو نمٹانے کے لئے یہ گندہ عمل کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کسی طرح دوسرے کو نقصان پہنچائے، چاہے جادو جیسا کفریہ عمل ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

جادو کے سلسلے میں کئی سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله! وما هن؟ قال ﷺ:الشرک بالله والسحر و قتل النفس التی حرّم الله الا بالحق و أكل الربا و أكل مال اليتيم والتولّی يوم الزحف و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، کسی نفس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا اور پاکدامن بے گناہ مؤمن عورت پر تہمت لگانا۔

اس حدیث شریف میں شرک کے بعد جادو کو دوسرا ہلاک کر دینے والا گناہ قرار دیا گیا جو لوگ یہ گناہ کبیرہ کرتے ہیں، درحقیقت

[1] صحیح البخاری: ۸/۱۷۵

وہ اپنے آپ کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

۲-عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال: من عقد عُقدةً ثم نفث فيها فقد سحر و من سحر فقد أشرک۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی گرہ باندھتا ہے پھر اس میں پھونکتا ہے تو اس نے سحر کیا اور جس نے سحر کیا اس نے بلاشبہ شرک کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سحر کا گناہ شرک جیسا ہے۔

مسئلہ: جادو کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے۔ اور جادو کا توڑ کرنے کے لئے اس کا علاج سیکھنا جائز ہے۔

وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ: ہاروت اور ماروت جو دو فرشتے بابل میں تھے وہ لوگوں کو منع کیا کرتے تھے کہ جادو مت سیکھو اور ہم آزمائش کے لئے بھیجے گئے ہیں اور بیان فرمارہے ہیں کہ یہ جادو لوگ میاں بیوی کے درمیان جدائی کے لئے سیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جادو اسی وقت نقصان دے گا جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسی طرح فائدہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے اور یاد رکھو جس نے جادو اختیار کیا تو آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا او یہ جادو کا سیکھنا بڑا ہی گھاٹے کا سودا ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

تنبیہ: ہاروت وماروت کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور ہیں، زیادہ تر اسرائیلی روایات ہیں جو کہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام: حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بادشاہت عطا فرمائی اور ان کی حکومت انسانوں، جنوں، پرندوں، ہواؤں، اور پہاڑوں پر تھی اور ایسی حکومت اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو عطا نہیں فرمائی۔ مختلف آیات میں ان کی عظیم بادشاہت کا ذکر ہے۔

۱-قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ۔[2] یعنی اے میرے رب! معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب نہ ہو کسی کو میرے پیچھے۔

۲-وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ[3]۔ یعنی اور مسخر کر دیا سلیمان کے آگے ہوا کو صبح کی منزل اس کی ایک مہینہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی اور بہا دیا ہم

[1] سنن النسائی: ۷/ ۱۱۲
[2] سورۃ ص: ۳۵
[3] سورۃ سبا: ۱۲

نے اس اس کے واسطے چشمہ پگھلے ہوئے تانبے کا اور جنوں میں کتنے لوگ تھے جو محنت کرتے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ - وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ- وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ-[1] یعنی اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم اور بولے شکر اللہ ﷻ کا جس نے ہم کو بزرگی دی اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں پر اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا اور بولے اے لوگوں! ہم کو سکھائی ہے بولی اُڑتے پرندوں کی اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے بیشک یہی ہے فضیلت صریح اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اس کے لشکر جن اور انسان اور اُڑتے جانور پھر ان کی جماعتیں بنائی۔

ان چند آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر عظیم بادشاہت اُن کو عطا ہوئی۔

وَلَوْاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر ان کو سمجھ ہوتی تو وہ لوگ جادو اور کفر کو اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے اور اللہ ﷻ کے ہاں بہترین بدلہ پاتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾	اے ایمان والوں نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے دردناک (۱۰۴)
مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٥﴾	دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور نہ مشرکوں میں اس بات کو کہ اترے تم پر کوئی نیک بات تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کرلیتا ہے اپنی رحمت جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے (۱۰۵)
مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾	جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۰۶)

[1] سورۃ النمل: ۱۵-۱۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کی ایک اور بُرائی کو بیان فرمارہے ہیں کہ آپ ﷺ کی مجلس میں مسلمان کے ساتھ ساتھ یہودی بھی آجایا کرتے تھے اور مسلمان **رَاعِنَا** کہتے تھے کہ جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ہماری رعایت کریں اور یہودی یہ "**راعینا**" کہا کرتے تھے جس کا معنی یہ ہے کہ ہمارے چرواہے (نعوذ باللہ) اور یہودی کی زبان میں اس کا معنی احمق ہوا کرتا تھا (نعوذ باللہ من ذلک) اللہ ﷻ نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ تم لوگ "**رَاعِنَا**" مت کہو کیونکہ تمہارا مطلب تو درست ہوتا ہے مگر یہ بدبخت یہودی غلط معنی مراد لیتے ہیں لہذا تم لوگ "**رَاعِنَا**" کے بجائے "**انظرنا**" (ہم پر نظر کرم کریں) کہو تا کہ یہ بدبخت یہودی نبی کریم ﷺ کی بے ادبی نہ کر سکیں اور تم لوگ سنتے رہو اور اطاعت کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

فائدہ: اللہ ﷻ آپ ﷺ کا اتنا احترام کرتے ہیں یہ ہمیں سمجھانا اور بتانا مقصود ہے۔ اللہ ﷻ نے پورے قرآن میں کہیں بھی آپ ﷺ کا نام مبارک نہیں لیا بلکہ کہیں "**یاایھاالنبی**" فرمایا تو کہیں "**یاایھاالرسول**" فرمایا۔ لہذا ہمیں بھی اس بات کا پورا خیال کرنا ہے اور آپ ﷺ پر درود بھیجنا ہے جہاں کہیں بھی آپ ﷺ کا نام مبارک آئے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ: اس آیت میں اللہ ﷻ اہل کتاب اور مشرکین کی ایک صفت بیان فرمارہے ہیں یہ لوگ کبھی نہیں چاہتے ہیں کہ تمہارے اوپر اے مسلمانو! کوئی خیر اُترے کوئی بھلائی تمہیں ملے۔ لہذا یہ ان کی فضول سوچ ہے کیونکہ اللہ ﷻ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے خاص کرتا ہے اور اللہ ﷻ بڑے فضل والا ہے۔

فائدہ: ایک ہوتی ہے رحمت اور ایک ہوتا ہے فضل۔ رحمت وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی عمل ہو یعنی جب ہم کوئی نیک کام کریں گے تو اللہ ﷻ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہوگی اور فضل کہتے ہیں کہ بغیر عمل کے مہربانی والا معاملہ ہو۔

ہمارے شیخ مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیشہ اللہ ﷻ کے فضل پر نگاہ رکھو۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا: اس آیت میں ناسخ اور منسوخ کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے اصل میں دینِ اسلام کامل اور مکمل دین ہے۔ انسانی فطرت چونکہ مختلف ہیں اللہ ﷻ کسی وقت کوئی حکم نازل فرماتے اور بعد میں اس حکم کو ختم کر کے کوئی دوسرا حکم لے آتے، جیسا کہ شراب کا معاملہ ہوا کہ اس کی حرمت آہستہ آہستہ آئی۔ اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جب کوئی حکم ہم منسوخ کرتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر کوئی حکم لے آتے ہیں یا اس جیسا کوئی اور حکم لے آتے ہیں۔ تو احکام میں تبدیلی کا ہونا ہم انسانوں کی وجہ سے ہیں۔ اور کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن کا نسخ کس سے ہو سکتا ہے؟

۱۔ قرآن کے حکم کا "**نسخ**" قرآن سے ہو سکتا ہے۔ ۲۔ قرآن کے حکم کا "**نسخ**" حدیثِ متواتر سے بھی ہو سکتا ہے۔

حدیثِ متواتر:

حدیث متواتر کی لغوی تعریف: "متواتر" کا لفظ "تواتر" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے مسلسل، پے در پے، جیسے کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تترى[1] یعنی پھر ہم نے پے در پے رسول بھیجے۔

اصطلاحی تعریف: وہ روایت جسے ایک بہت بڑی تعداد روایت کرے جن کا جھوٹ پر متفق و متحد ہونا ناممکن ہو، یہ تعداد اپنے ہی جیسی تمام صفات کی حامل ایک بڑی جماعت سے روایت کرے، اور انہوں نے یہ خبر بذریعہ حس حاصل کی ہو۔

علمائے کرام نے متواتر حدیث کیلئے ۴ شرائط ذکر کی ہیں:

۱۔ اسے بہت بڑی تعداد بیان کرے۔

۲۔ راویوں کی تعداد اتنی ہو کہ عام طور پر اس قدر عدد کا کسی جھوٹی خبر کے بارے میں متفق ہونا محال ہو۔

۳۔ مذکورہ راویوں کی تعداد سند کے ہر طبقے میں ہو، چنانچہ ایک بہت بڑی جماعت اپنے ہی جیسی ایک بڑی جماعت سے روایت کرے، یہاں تک کہ سند حضرت نبی کریم ﷺ تک پہنچ جائے۔

۴۔ ان راویوں کی بیان کردہ خبر کا استنادی ذریعہ حس ہو، یعنی: وہ یہ کہیں کہ: ہم نے سنا، یا ہم نے دیکھا، کیونکہ جو بات سنی نہ گئی ہو، اور نہ دیکھی گئی ہو، تو اس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے وہ روایت متواتر نہیں رہے گی۔

متواتر حدیث کی اقسام:

۱۔ **متواتر لفظی:** ایسی روایت جس کے الفاظ اور معنی دونوں تواتر کے ساتھ ثابت ہوں۔ اس کی مثال: حدیث: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنْ النَّارِ۔[2] یعنی جو مجھ [محمد ﷺ] پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اس روایت کو نقل کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ۷۲ سے بھی زیادہ ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ روایت بیان کرنے والوں کی تعداد ناقابل شمار ہے۔

۲۔ **متواتر معنوی:** ایسی روایت جس کا مفہوم تواتر کے ساتھ ثابت ہو، الفاظ میں کچھ کمی بیشی ہو۔ اس کی مثال: دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کی احادیث ہیں، چنانچہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے سے متعلق ایک سو کے قریب روایات ملتی ہیں، ان تمام احادیث میں یہ بات مشترک ہے کہ آپ ﷺ نے دعا کے وقت ہاتھ اٹھائے، ان تمام روایات کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے ایک رسالے میں

[1] سورۃ المؤمنون: ۴۴
[2] صحیح البخاری: ۲/ ۸۰

جمع کیا ہے، جس کا نام ہے: " فض الوعاء في احاديث رفع اليدين في الدعاء" ۔

متواتر حدیث کا حکم: متواتر حدیث کی تصدیق کرنا یقینی طور پر لازمی امر ہے؛ کیونکہ متواتر حدیث سے قطعی اور یقینی علم حاصل ہوتا ہے، اور اس قطعی و یقینی علم کیلئے ایسی حدیث کو کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز حدیث متواتر کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: **ومن أنكر المتواتر فقد كفر۔**[1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **والجاحد لها كافر بالاتفاق۔**[2]

اسی طرح کا قول علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا "**مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة**" اور علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ کا "**شرح العمدة**" میں ہے کہ حدیث متواتر کا منکر کافر ہے۔

ناسخ و منسوخ: علم تفسیر میں "**ناسخ ومنسوخ**" کی بحث بڑی اہم اور معرکۃ الآراء مانی جاتی ہے، یہودی تو "**نسخ**" مانتے ہی نہیں وہ کہتے ہیں کہ "**نسخ**" ایک عیب اور غلطی ہے، جو خدا کے احکام میں نہیں ہو سکتی، جس کو اصطلاح میں "بُداء" کہا جاتا ہے یعنی پہلے ایک حکم دینا پھر غلطی ظاہر ہونے پر اس حکم کو واپس لینا "بُداء" کہلاتا ہے۔ معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی بھی "**نسخ**" کو ایک عیب مانتے ہیں، اس لیے قرآن کریم میں عیب والی چیز کو واقع ہونا نہیں تسلیم کرتے۔ اسی طرح متقدمین علمائے سلف اور متأخرین میں بھی "**نسخ**" کے سلسلے میں اختلاف ہے، جس کی وجہ سے یہ بحث اہم ہے۔

متقدمین علمائے تفسیر کے یہاں "**نسخ**" کی تعریف الگ ہے اور متاخرین کے نزدیک الگ۔ ان کی الگ الگ تعریفات جان لینے سے یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

متقدمین کے نزدیک نسخ:

لغوی تعریف: نسخ کے لغوی معنی، ہٹانا، زائل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: متقدمین کے نزدیک نسخ کی اصطلاحی تعریف وہی ہے جو لغوی تعریف ہے، یعنی کسی شئ کو ہٹانا، زائل کرنا اور اس کی جگہ پر دوسری چیز رکھ دینا۔ عربی میں مختصراً کہہ سکتے ہیں "**اِزَالَةُ شَيْئٍ بِشَيْئٍ**"۔

تشریح: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۱۱۴ھ ۱۱۷۶ھ) نے فرمایا ہے کہ ہمیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین

[1] الفتاوی الہندیۃ: ۲/ ۲۶۵
[2] مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۱۲/ ۴۹۶

عظام رحمہم اللہ کی تمام بحثوں کو پڑھنے کے بعد یہی پتہ چلتا ہے کہ متقدمین کے نزدیک "نسخ" کی اصطلاحی تعریف کوئی الگ نہیں ہے، جو لغوی تعریف ہے وہی اصطلاحی تعریف بھی ہے۔ البتہ متاخرین نے نسخ کی لغوی و اصطلاحی تعریف میں فرق کیا ہے۔

متقدمین نے لغوی معنی **ازالہ** ہی کو اصطلاحی معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس کی ۷ مثالیں ہیں:

(۱) کسی شرعی عمل کی مدت ختم ہونے کو بیان کرنا نسخ ہے، کیوں کہ یہاں ازالہ پایا جاتا ہے۔

(۲) کلام کا فوراً سمجھ میں آنے والے معنی سے پھیرنا اور دیر میں سمجھ میں آنے والے معنی کو مراد لینا۔ متقدمین کے نزدیک یہ بھی "نسخ" ہے کہ یہاں ہٹانا اور ازالہ پایا جارہا ہے۔

(۳) صفت موصوف میں صفت کی قید کو اتفاقی بتانا بھی "نسخ" ہے، مثلاً "رقبة مومنة" میں "مومنة" کو قید اتفاقی بتانا نسخ ہے، اس لیے کہ صفت احتراز کے لیے لائی جاتی ہے، احتراز سے ہٹا کر اتفاق کی طرف لانا نسخ ہے۔

(۴) عام کو خاص کرنا، متقدمین کے نزدیک یہ بھی نسخ ہے کیوں کہ عام کے معنی کو ہٹادیا اور خاص کر کے معنی کم کر دیا۔

(۵) مقیس اور مقیس علیہ میں فرق بیان کرنا، یہ بھی نسخ ہے، کیوں کہ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان مناسبت ہوتی ہے، مناسبت کو ہٹا کر فرق بیان کرنا نسخ ہوگا۔

(۶) کسی جاہلی عادت کو ہٹا کر اسلامی عادت و حکم کو لانا، متقدمین کے نزدیک "ازالہ" کے مفہوم کی وجہ سے نسخ ہے۔

(۷) سابقہ شریعت و حکم کو بدل کر موجودہ شریعت و حکم کو لانا بھی نسخ ہے، کہ یہاں بھی ازالہ پایا جاتا ہے۔

متاخرین کے نزدیک نسخ: نسخ کے لغوی معنی وہی ہیں "اِزَالَةُ شَيْئٍ بِشَيْئٍ" یعنی ہٹانا، زائل کرنا۔

اصطلاحی معنی: بَيَانُ اِنْتِهَاءِ حُكْمٍ شَرْعِيٍ ، بِطَرِيْقٍ شَرْعِيٍ ، مُتَرَاخٍ عَنْهُ حَتّٰى لَايَجُوْزُ اِمْتِثَالُه.

ترجمہ: شرعی طریقے پر کسی حکم شرعی کے ختم ہونے کو بیان کرنا "نسخ اصطلاحی" کہلاتا ہے اس طرح کہ اب پہلا حکم معمول بہ نہیں ہوگا۔

متقدمین کے نزدیک منسوخ آیتوں کی تعداد:

متقدمین مفسرین کے نزدیک نسخ کے معنی میں نہایت وسعت ہے، اس لیے قرآن میں جہاں کہیں ازالہ یا ہٹانے کا مفہوم ہوگا اسے متقدمین منسوخ مانیں گے، جہاں بھی عام کو خاص کیا جائے یا قید احترازی کے بجائے قیدِ اتفاقی ہوگی، تو متقدمین اسے منسوخ ہی کہیں گے، اسی لیے متقدمین کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد بے شمار ہوگی۔ البتہ علمائے تفسیر نے تلاش و استقراء سے طے کیا ہے کہ متقدمین مفسرین کے یہاں آیات منسوخہ کی تعداد کل ۵۰۰ ہے۔

آیاتِ منسوخہ کی تعداد متاخرین کے نزدیک:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹ھ، ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں اس پر بحث کی ہے اور علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے بتائی ہے کہ ان کے نزدیک آیاتِ منسوخہ کی تعداد صرف ۲۱ ہے۔ پھر بتلایا ہے کہ اصل آیت استیذان اور آیات تقسیم میراث میں منسوخ نہ ہونا ہے تو کل منسوخ آیات ۱۹ ہوئیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی رائے:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی اصولِ تفسیر کی کتاب "الفوزالکبیر فی اصول التفسیر" میں تحریر فرمایا ہے کہ مَا حررته لَايَتَعَيَّنُ النَّسْخَ اِلاَّ فِيْ خَمْسِ آيَاتٍ[1].

ترجمہ: میری تحریر کے مطابق متعین طریقے پر نسخ صرف پانچ آیات میں پایا جائے گا۔

قرآن کریم کی پانچ منسوخ آیتیں:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک جو ۵ آیات منسوخ ہیں وہ ذیل میں اپنے ناسخ کے ساتھ دی جارہی ہیں:

۱۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَانِ الْوَصِيَةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ.[2]

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہو جائے اگر وہ مال چھوڑ رہا ہو تو اس پر والدین اور اقرباء کے لئے وصیت بالمعروف کرنا فرض قرار دے دیا گیا ہے، یہ حکم متقیوں پر لازم ہے۔

یہ آیت اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب میراث کے احکام نہیں آئے تھے، اس میں ہر شخص کے ذمے یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے ترکے کے بارے میں وصیت کر کے جائے کہ اس کے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کو کتنا کتنا مال تقسیم کیا جائے۔

ناسخ آیت: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ[3]۔۔۔الخ۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام رشتہ داروں میں ترکے کی تقسیم کا ایک ضابطہ خود مقرر کر دیا، لہٰذا اب اس آیت نے اوپر والی آیت کو

[1] الفوزالکبیر: ص ۹۳
[2] سورۃ البقرۃ: ۱۸۰
[3] سورۃ النسآء: ۱۱

منسوخ کر دیا، اور اب کسی شخص پر مرنے سے پہلے وصیت کرنا فرض نہیں۔

۲۔اِنْ یَکُنْ مِنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِأتَیْنِ ، وَ وَ اِنْ یَّکُنْ مِنْکُمْ مِائَۃٌ یَغْلِبُوْا اَلْفًا مِنَ الَّذِیْنُ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَایَفْقَھُوْنَ.[1]

ترجمہ: اگر تم سے بیس آدمی استقامت رکھنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، کیوں کہ یہ کافر ایسے ہیں جو صحیح سمجھ نہیں رکھتے۔

ناسخ آیت:اَلآنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا ، فَاِنْ یَکُنْ مِنْکُمْ مِائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَ اِنْ یَّکُنْ مِنْکُمْ اَلْفٌ یَغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ، وَاللّٰہُ مَعَ الصَّابِرِیْنَ۔[2]

ترجمہ: جب اللہ نے تمہارے لیے آسانی پیدا کر دی ہے اور اللہ کو علم ہے کہ اب تم میں کچھ کمزوری ہے، پس اب اگر تم میں سے سو افراد استقامت رکھنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت نے پہلی آیت کے حکم میں تخفیف کر کے اسے منسوخ کر دیا، اور دس گنا دشمن کے بجائے دوگنا کی حد مقرر کر دی کہ مسلمان ایک ہو اور کافر دو، تو مسلمان کے لیے اس حالت میں کافروں سے بھاگنا جائز نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک تیسری منسوخ آیت سورۂ احزاب کی آیت نمبر:۵۱ ہے، یہ آیت نمبر:۵۰ سے (اسی سورت کی) منسوخ ہے۔

۳۔لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَ لَا اَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَ لَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ.[3]۔

ترجمہ: (اے نبی!) آپ کے لیے اس کے بعد عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ ان (موجودہ ازواج) کو بدل کر دوسری عورتوں سے نکاح کریں خواہ آپ کو ان کا حسن پسند آئے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، بعد میں اجازت دے دی گئی اور منع کا حکم منسوخ کر دیا گیا، اس حکم کے لیے ناسخ آیت اسی سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۰ ہے جو ترتیب میں مقدم ہے۔

ناسخ آیت: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ أَزْوَاجَکَ اللاَّتِیْ آتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ[4]۔الخ

[1] سورۃ الانفال:۶۵
[2] سورۃ الانفال:۶۶
[3] سورۃ الاحزاب:۵۱
[4] سورۃ الاحزاب:۵۰

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت اس پہلے والی آیت کو منسوخ کر رہی ہے۔

لیکن ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تفسیر مان لینے سے دونوں آیتیں معمول بھا رہتی ہیں، ان کی تفسیر سادہ اور آسان بھی ہے کہ پہلی آیت میں کچھ مخصوص عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کے لیے حلال کی گئی ہیں اور اس کے بعد دوسری آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے علاوہ عورتیں حلال نہیں۔ اب ترتیبِ آیات بھی برقرار ہے معنی بھی واضح ہے۔

سورہ مجادلہ کی آیت نمبر: ۱۲ چوتھی آیت ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک منسوخ ہے۔

۴۔ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً**[1]۔ الخ

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرگوشی کرنی ہو، تو سرگوشی سے پہلے صدقہ کر دیا کرو۔

ناسخ آیت: **ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَاكُمْ صَدَقٰتٍ ، فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوْاالصَّلٰوةَ وَآتُوْا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه.**[2]

ترجمہ: کیا تم اس بات سے ڈر گئے کہ تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرو پس جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی تو (اب) نماز قائم رکھو، اور زکاۃ ادا کرتے رہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں اس طرح سرگوشی سے پہلے صدقات پیش کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ اس منسوخ آیت پر، منسوخ ہونے سے پہلے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کیا، ایک مرتبہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کی ضرورت تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے صدقہ دیا اور پھر سرگوشی کی۔

۵۔ **يٰٓاَيُّهَاالْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ، نِصْفَه اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً**.[3] یعنی اے مزمل (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم)! رات کو (تہجد میں) کھڑے رہیے، مگر تھوڑا سا حصہ، آدھی رات یا اس میں سے بھی کچھ کم کر دیجیے۔

اس آیت میں رات کے کم سے کم آدھے حصے میں تہجد پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا، جسے اگلی آیت سے منسوخ کر دیا گیا۔

ناسخ آیت: **عَلِمَ اَنْ لَنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**.[4] حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ تہجد کا حکم واجب تو پہلے بھی نہیں تھا، لیکن پہلے اس میں زیادہ تاکید بھی تھی اور اس کا وقت بھی زیادہ وسیع تھا، بعد میں تاکید

[1] سورۃ المجادلۃ: ۱۲
[2] سورۃ المجادلۃ: ۱۳
[3] سورۃ المزمل: ۱
[4] سورۃ المزمل: ۲۰

بھی کم ہوگئی اور وقت کی اتنی پابندی بھی نہ رہی۔

قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ اندلسی رحمہ اللہ (۴۶۸ھ، ۵۴۳ھ) کے نزدیک منسوخ آیات ۲۱ ہیں:

قاضی ابو بکر محمد بن عبداللہ اندلسی معافری رحمہ اللہ مالکی (۴۶۸ھ ۵۴۳ھ) جو ،، ابن عربی ،، کے نام سے مشہور ہیں، اور ابن عربی رحمہ اللہ صوفی کے علاوہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں زیادہ سے زیادہ ۲۱ آیتیں منسوخ ہیں، اس سے زیادہ کا دعویٰ حق بجانب نہیں، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "**الاتقان فی علوم القران**" میں اسی رائے کو نقل کیا ہے۔

ذیل میں ۲۱ منسوخ آیات اپنے ناسخ کے ساتھ مختصراً دی جارہی ہیں۔

اکیس منسوخ آیتیں:

۱۔کُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَانِالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ، حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ.[1]

سورۂ نساء کی آیت ۱۱ سے ۱۴ تک میں میراث کا ذکر ہے اس کو "آیت المواریث" کہتے ہیں۔ یہ آیت یہ ہے: **يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِمِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ**[2]۔۔۔الخ

اسی آیت نے اوپر والی آیت کو منسوخ کر دیا۔

۲۔وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَه فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ.[3]

ناسخ آیت: فَمَنْ شَهِدَمِنْكُمُ الشَّهْرَفَلْيَصُمْهُ.[4]

۳۔يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْاكُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ.[5]

ناسخ آیت: اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَاءِ كُمْ.[6]

۴۔يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِالْحَرَامِ

[1] سورۃ البقرۃ: ۱۸۰
[2] سورۃ النسآء: ۱۱-۱۴
[3] سورۃ البقرۃ: ۱۸۴
[4] سورۃ البقرۃ: ۱۸۵
[5] سورۃ البقرۃ: ۱۸۳
[6] سورۃ البقرۃ: ۱۸۷

وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِوَلَايَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا.[1]

ناسخ آیت: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِعِنْدَ اللّٰهِ اثْنَاعَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ، وَقَاتِلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ[2]۔

۵۔وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.[3]

ناسخ آیت: وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ، فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ.[4]

۶۔وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ.[5]

ناسخ آیت: لَايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَهَا.[6]

۷۔اِتَّقُوْا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ.[7]

ناسخ آیت: فَاتَّقُوْا اللّٰهَ مَااسْتَطَعْتُمْ.[8] پہلی آیت میں اللہ ﷻ سے ڈرنے کا حکم ہے، لیکن جتنا اللہ کا حق ہے اس کے بقدر ڈرنے کا حکم ہے، جو بندے کی قدرت سے باہر ہے۔ اسی لیے آیت کو منسوخ کر دیا گیا، منسوخ کرنے کے لیے اللہ ﷻ نے آیت اتاری کہ اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے۔

[1] سورۃ البقرۃ:۲۱۷
[2] سورۃ التوبۃ:۳۶
[3] سورۃ البقرۃ:۲۴۰
[4] سورۃ البقرۃ:۲۳۴
[5] سورۃ البقرۃ:۲۸۴
[6] سورۃ البقرۃ:۲۸۶
[7] سورآل عمران:۱۰۲
[8] سورۃ التغابن:۱۶

۸۔وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ.[۱]

ناسخ آیت: وَ اُولُوْ الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ.[۲]

۹۔وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوْ الْقُرْبٰی وَ الْیَتَامٰی وَ الْمَسَاکِیْنَ فَارْزُقُوْھُمْ مِنْهُ وَ قُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلاً مَعْرُوْفًا.[۳]

ناسخ آیت: یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ.[۴]

۱۰۔وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِنْکُمْ ، فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتَ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلاً.[۵]

ناسخ آیت: اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ.[۶]

۱۱۔یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاْ تُحِلُّوْا شَعَائِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَاْ الْهَدْیَ وَلَاْ الْقَلَآئِدَ وَلَآآمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَاناً.[۷]

ناسخ آیت: قَاتِلُوْا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّةً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَافَّةً.[۸]

۱۲۔فَاِنْ جَاؤُ کَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئاً وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ، اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ.[۹]

ناسخ آیت: اَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ ، وَلَاْ تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ یَفْتِنُوْکَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکَ ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ کَثِیْرًامِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُوْنَ.[۱۰]

[۱] سورۃ النسآء:۳۳
[۲] سورۃ الانفال:۷۵
[۳] سورۃ النسآء:۸
[۴] سورۃ النسآء:۱۱-۱۲
[۵] سورۃ النسآء:۱۵
[۶] سورۃ النور:۲
[۷] سورۃ المائدۃ:۲
[۸] سورۃ التوبۃ:۳۶
[۹] سورۃ المائدۃ:۴۲
[۱۰] سورۃ المائدۃ:۴۹

۱۳۔یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ اَوْ آخَرَانِ مِنْ غَیْرِکُمْ ، اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْکُمْ مُصِیْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ۔[1]

ناسخ آیت: فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِکُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ، وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْکُمْ۔[2]

۱۴۔یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ، اِنْ یَکُنْ مِنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ، وَ اِنْ یَکُنْ مِنْکُمْ مِائَةٌ یَغْلِبُوْا اَلْفًا مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَایَفْقَهُوْنَ۔[3]

ناسخ آیت: اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْکُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَکُنْ مِنْکُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَ اِنْ یَکُنْ مِنْکُمْ اَلْفٌ یَغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔[4]

۱۵۔اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالاً وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ، ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔[5]

ناسخ آیات: الف:۔ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ۔[6] ۔۔۔الخ۔

ب:۔ لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَاءِ[7] ۔۔۔الخ

ج:۔ وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَافَّةً۔[8] ۔۔۔الخ

۱۶۔اَلزَّانِیْ لَاْ یَنْکِحُ اِلاَّ زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ، وَالزَّانِیَةُ لَاْ یَنْکِحُهَا اِلاَّ زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔

ناسخ آیت: وَاَنْکِحُوْا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصَّالِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ ، اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَاءَ یُغْنِیْهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ

[1] سورۃ المائدۃ:۱۰۶
[2] سورۃ الطلاق:۲
[3] سورۃ الانفال:۶۶
[4] سورۃ الانفال:۶۶
[5] سورۃ التوبۃ:۴۱
[6] سورۃ الفتح:۷
[7] سورۃ التوبۃ:۹۱
[8] سورۃ التوبۃ:۱۲۲

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔[1]

۱۷۔یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوْا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاْثَ مَرَّاٰتٍمِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِوَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِنَ الظَّهِیْرَةِ ، وَمِنْ بَعْدِصَلَاةِ الْعِشَاءِ[2]---الخ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔

۱۸۔لَاْ یَحِلُّ لَكَ النِّسَائُ مِنْ بَعْدُ وَ لَاْ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ ، وَ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَامَلَكَتْ یَمِیْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْئٍ رَّقِیْباً.[3]

ناسخ آیت: اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْ[4]--- الخ

۱۹۔یٰۤاَیّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَانَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْابَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَكُمْ وَاَطْهَرُ فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.[5]

ناسخ آیت: ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَاِذْلَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوةَ وَآتُوْاالزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ.[6]

۲۰۔وَاِنْ فَاتَكُمْ شَیْ ئٌ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَی الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوْا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا اَنْفَقُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِیْنَ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ.[7]

ناسخ آیت: قَاتِلُوْا الْمُشْرِكِیْنَ كَافَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً.[8]

۲۱۔قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً ، نِصْفَهُ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً.

[1] سورۃ النور:۳۲
[2] سورۃ النور:۵۸
[3] سورۃ الاحزاب:۵۲
[4] سورۃ الاحزاب:۵۰
[5] سورۃ المجادلۃ:۱۲
[6] سورۃ المجادلۃ:۱۳
[7] سورۃ الممتحنۃ:۱۱
[8] سورۃ التوبۃ:۳۶

ناسخ آیت: عَلِمَ اَنْ لَنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُوْامَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ.[1]

قرآن شریف میں تین قسم کا نسخ واقع ہوا ہے:

(الف) کسی آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا، لیکن قرآن شریف میں تلاوت اس کی باقی رہی۔

(ب) تلاوت منسوخ کر دی گئی مگر حکم باقی رہا۔

(ج) تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کر دیئے گئے: **المنسوخ إما أن يكون هو الحكم فقط أو التلاوة فقط أو هما معًا**[2]۔ اور یہ تینوں قسم کا نسخ قرآن شریف میں من جانب اللہ ہوا: **مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا (الآية)** اور قرآن شریف میں نسخ بذریعہ وحیٔ الٰہی نبی کریم ﷺ کی زبانی ہوا، آپ ﷺ کے بعد قرآن میں کوئی نسخ نہیں ہوا۔ اور نسخ صرف چند آیات میں ہوا ہے لہٰذا نسخ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو قرآن پڑھا کرتے تھے آج بھی بعینہ وہی قرآن ہے۔

منسوخ الحکم آیت کی مثال جو قرآن میں موجود ہے:

۱۔ **وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعاً إِلَى الْحَوْلِ (الآية)** اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا مگر تلاوت باقی ہے۔

۲۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً (الآية)** اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا مگر تلاوت اس کی باقی ہے۔

منسوخ التلاوۃ آیت کی مثال جس کا حکم باقی ہو: **يروى عن عمير رضي الله عنه أنه قال: كنا نقرأ آية الرجم: الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما البتة نكالا من الله والله عزيز حكيم۔**[3]

ایسی آیت جس کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہو گئے ہوں: **عن عائشة رضي الله عنها إن القرآن قد نزل في الرضاع بعشر معلومات ثم نسخن بخمس معلومات فالعشر مرفوع التلاوة والحكم جميعا والخمس مرفوع التلاوة باقي الحكم**[4]۔

[1] سورۃ المزمل: ۲۰

[2] تفسیر کبیر: ۳/ ۵۴۰

[3] تفسیر کبیر: ۳/ ۵۴۰

[4] تفسیر کبیر: ۳/ ۵۴۰

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠٧﴾	کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان وزمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ ﷻ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار (۱۰۷)
أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾	کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو کوئی کفر لیوے بدلے ایمان کے تو وہ بہکا سیدھی راہ سے (۱۰۸)
وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾	دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر بنادیں بسبب اپنے دلی حسد کے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکا ان پر حق سو تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۰۹)

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ ﷻ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور تمہارے لئے اللہ ﷻ کے علاوہ کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کی ایک اور بُری عادت کو بیان فرمارہے ہیں کہ ان کو اپنے نبی علیہ السلام سے سوال کرنے کی عادت تھی اور اس طرح احکام میں سختی آجاتی تھی کیونکہ نبی علیہ السلام جو بھی حکم لاتا ہے وہ اللہ ﷻ کی طرف سے آتا ہے۔ لہذا نبی علیہ السلام جو حکم دیں اس پر عمل کرلو۔ اصل میں بعض مسلمان بھی آپ ﷺ سے سوال کیا کرتے تھے تو اللہ ﷻ اس سے منع فرمارہے ہیں تم ایسا نہیں کرو کیونکہ اگر تم سوال کروگے تو احکام میں سختی آئے گی تو تمہارے لئے مشکلات بڑھ جائے گی۔

واقعہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر حج فرض کردیا گیا ہے تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا۔ اللہ ﷻ نے آیت نازل فرمادی: **يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ**[1] یعنی اے ایمان والوں! ایسا سوال مت کرو کہ اگر اس کا جواب آگیا تو تم پریشانی میں پڑ جاؤ گے۔

[1] سورۃ المائدۃ:۱۰۱

لہذا ایسے سوالات مت کرو جیسا کہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوالات کئے اور تم لوگ اے مسلمانو! ان یہودیوں کے نقشِ قدم پر مت چلو لہذا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے دیں اُن پر عمل کرو اسی میں بہتری ہے۔

وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ: اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں کہ جس نے کفر کو اختیار کیا ایمان کے بدلے یعنی مرتد ہو گیا تو وہ سیدھے راستے سے ہٹ گیا اور وہ گمراہ ہو گیا۔

اہم بات: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو چاہے فرعون ہو یا ابو جہل ہو یا کوئی بھی کافر ہو، سب کو اللہ تعالیٰ نے ایمان پر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ "**مامن مولودالا یولد علی الفطرة**"[1] ہر پیدا ہونے والا اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ لہذا یہاں جو فرمایا کہ: "جس نے کفر کو اختیار کیا ایمان کے بدلے" اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ پہلے ایمان ہو گا اور بعد میں کفر۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہودیوں کی ایک عادت کو بیان فرمارہے ہیں کہ یہودیوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مسلمانوں کو ایمان سے نکال کے یہودی بنا دیا جائے یا پھر ان کو ان کے پُرانے دین کی طرف لے جائیں اور یہ ایمان سے نکالنا حسد کی وجہ سے تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد لوگ ایمان اور اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس حسد کی وجہ سے یہ خواہش کی کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کفر میں واپس چلے جائیں اور یہ حسد جو پیدا ہوا تو یہ جہالت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ یہ حسد اُن کو اس وقت پیدا ہوا جب ان کو حق کا علم ہو گیا تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنا کام کریں اور ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئیں اور خیال میں بھی ان کی یہ بات نہیں لائیں اور درگزر کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم آجائے اور وہ حکم یہ ہو گا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ صرف مدینے سے نہیں بلکہ جزیرہ عرب سے یہودیوں کو نکالا جائے گا۔ لہذا ابھی آپ ان کی طرف توجہ مت دیں۔ ہم نے ان کا بندوبست کر رکھا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾	اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے اپنے واسطے بھلائی پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے (۱۱۰)
وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ	اور کہتے ہیں کہ ہر گز نہ جاوینگے جنت میں مگر جو ہونگے یہودی یا نصرانی یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے، کہہ دے لے آؤ سند

[1] صحیح مسلم: ۴/۲۰۴۸

كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴿۱۱۱﴾	اپنی اگر تم سچے ہو(۱۱۱)
بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴿۱۱۲﴾	کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنیوالا ہے تو اسی کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے(۱۱۲)

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ: اس آیت میں اللہ ﷻ حکم دے رہے ہیں کہ نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور یہ اہم ترین حکم ہیں کیونکہ ایمان لانے کے بعد سب سے اہم اور پہلا حکم نماز کا ہے اور دوسرا حکم زکوٰۃ کا ہے اور یہ کام جو کچھ تم کرتے ہو اس کو تم اللہ ﷻ کے پاس پاؤگے جو بھلائی بھی تم کرتے ہو اللہ ﷻ کے ہاں پاؤگے۔ اب چاہے وہ نیکی ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ ﷻ سب کو دیکھتے ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں کی امید کو بیان فرمارہے ہیں کہ یہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہودی داخل ہوگا یہ دعویٰ یہودیوں کا ہے یا نصاریٰ جنت مین داخل ہونگے یہ دعویٰ عیسائیوں کا ہے۔ اللہ ﷻ فرمارہے ہیں کہ یہ ان کی امیدیں ہیں اور اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہئے کہ اگر تمہارے پاس اپنے دعویٰ کہ کوئی دلیل ہے تو دلیل پیش کرو؟ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ: اس آیت میں اللہ ﷻ جنت میں داخل ہونے والوں کو بیان فرمارہے ہیں کہ حقیقت میں جنت میں وہی داخل ہوگا جس نے اپنے آپ کو اللہ ﷻ کے سپرد کر دیا ہو اور غلامی اختیار کرلی ہو کہ جو کچھ اللہ ﷻ کا حکم ہوگا بس وہی کرونگا اور اس کے خلاف نہیں کرونگا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوے فضول ہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی ہے، حقیقت بالکل بھی نہیں ہے۔ ہاں البتہ جو مسلمان ہوگا اور اعمالِ صالحہ بھی کرتا ہوگا تو اُن کے لئے میرے پاس بہترین اجر ہے اور نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہونگے یعنی موت کے وقت نہ اُن کو اپنے ماضی کا کوئی غم ہوگا اور نہ ہی اپنے مستقبل کی کوئی پریشانی ہوگی اور اسی طرح کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ	اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں کسی راہ پر اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود نہیں کسی راہ پر باوجود یکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب، اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں ان ہی کی سی بات اب اللہ حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے(۱۱۳)

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾	اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ ﷻ کی مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہو ان میں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے میں بڑا عذاب ہے (۱۱۴) اور اللہ ﷻ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ بیشک اللہ ﷻ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کو جاننے والا ہے (۱۱۵)

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکینِ مکہ کے ایک قول کا ذکر فرمارہے ہیں کہ یہودی عیسائیوں کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ کچھ بھی نہیں ہیں ہم ہی سب کچھ ہیں اور عیسائی یہودیوں کے بارے میں کہتے تھے ہم سب کچھ ہیں یہودی کچھ بھی نہیں ہیں حالانکہ ان دونوں کے پاس کتابیں بھی تھیں اور کتابوں کی تلاوت بھی کیا کرتے تھے کہ توریت اور انجیل ہر ایک، ایک دوسرے کی تصدیق کرتی تھی مگر پھر بھی منکرین بنے ہوئے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی مشرکینِ مکہ بھی کہنے لگے کہ ہم ہی سب کچھ ہیں یہ یہود اور نصاریٰ کچھ بھی نہیں ہیں تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ کون حق پر ہے اس کا فیصلہ کل قیامت کے دن اللہ ﷻ فرمائیں گے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا: اس آیت میں اللہ ﷻ مشرکینِ مکہ کو خاص کر ہر اُس کو شخص کو عام دردناک عذاب کی خبر دے رہے ہیں جو لوگوں کو مسجد آنے میں رکاوٹ ڈالتا ہے کہ لوگ مسجد میں نہ جائیں اور مسجد کو ویران کرنے کے درپے ہیں، اللہ ﷻ فرمارہے ہیں یہ سب سے بڑا ظالم ہے، ہونا یہ چاہئے تھا کہ یہ لوگ بھی مسجد میں ڈرتے ہوئے داخل ہوتے، مگر یہ لوگ دوسروں کو بھی مسجد آنے سے روکنے لگے اور بہت سی رکاوٹیں ڈالنے لگے، ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

مسجد کے آداب:

۱۔ مسجد کے آداب میں سے یہ ادب بھی ہے مسجد میں آئے تو دعا پڑھ کے داخل ہو۔ مسجد میں داخل ہونے کی دعا یہ ہے "**اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ**"[۱]

[۱] صحیح مسلم: ۱/۴۹۴

۲۔ اگر کوئی عبادت میں مشغول نہ ہو تو سلام کرے۔

۳۔ اعتکاف کی نیت کرے "نَوَيْتُ الْاِعْتِكَافَ مَادُمْتُ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ". یعنی میں نے اعتکاف کی نیت کی جب تک میں مسجد میں ہوں۔

۴۔ اگر مکروہ وقت نہ ہو، تحیۃ المسجد پڑھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس" یعنی جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

۵۔ مسجد میں دنیا کی باتیں نہ کرے۔

۶۔ کوئی بدبودار چیز کھا کر مسجد میں نہ جائے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ :فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ – يَعْنِي الثُّومَ – فَلَا يَأْتِيَنَّ الْمَسَاجِدَ۔[۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو اس درخت سے کھائے یعنی لہسن تو وہ مسجد نہ آئے (یہاں تک کہ اس کی بدبو زائل ہو جائے)۔

۷۔ جب مسجد سے نکلے تو دعا پڑھ کے نکلے۔ مسجد سے باہر نکلنے کی دعا یہ ہے "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ"۔

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ: جب تحویلِ قبلہ ہوا لوگ کہنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ ان مسلمانوں کا قبلہ تبدیل ہو گیا ہے، اللہ ﷻ نے فرمایا ہے مشرق بھی اللہ ﷻ کا ہے اور مغرب بھی اللہ ﷻ کا ہے اور جس طرف منہ کرو، ہر جگہ اللہ ﷻ کو پاؤ گے۔ لہذا پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا ہے یہ آیت سفر کے لئے ہے کہ اگر کوئی شخص سفر کر رہا ہے اور نماز پڑھ رہا ہے تو اگر سواری کا رخ بدل جائے تو پریشان نہ ہو کیوں کہ ہر طرف اللہ ﷻ کو پاؤ گے اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ اللہ ﷻ بڑی مغفرت فرمانے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾	اور کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ رکھتا ہے اولاد، وہ تو سب باتوں سے پاک ہے بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سب اسی کے تابعدار ہے (۱۱۶)

[۱] صحیح مسلم: ۱/ ۴۹۵
[۲] صحیح مسلم: ۱/ ۳۹۳

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾	نیا پیدا کرنے والا آسمان و زمین کا اور جب حکم کرتا ہے اسی کام کو وہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے (۱۱۷)
وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾	اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی آیت اسی طرح کہہ چکے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہی کی سی بات ایک سے ہیں دل اُن کے بیشک ہم نے بیان کر دی نشانیاں اُن لوگوں کے واسطے جو یقین لاتے ہیں (۱۱۸)
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾	بیشک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دے کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں دوزخ میں رہنے والوں کی (۱۱۹)
وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾	اور ہر گز راضی نہ ہونگے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا تو کہہ دے جو راہ اللہ کی بتلا دے وہی راہ سیدھی ہے اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا اور تیرا کوئی نہیں اللہ ﷻ کے ہاں سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار (۱۲۰)
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾	وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہو گا اس سے تو وہی نقصان پانے والے ہیں (۱۲۱)

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ: اس آیت میں اللہ ﷻ مشرکینِ مکہ کے اس قول کا رد فرما رہے ہیں یا جو لوگ اللہ ﷻ کے لئے اولاد کے ہونے کے قائل تھے اُن کا رد فرما رہے ہیں کہ یاد رکھو کہ اللہ ﷻ کی کوئی اولاد نہیں ہے بلکہ وہ اس سے پاک ہیں کیونکہ اولاد کا ہونا کمزوری کی علامت ہے اور اللہ ﷻ قوت والے، طاقت والے ہیں اور آسمان و زمین اسی کی ملکیت ہے اور اسی کی بادشاہت ہے اور سب کے سب اسی کے تابعدار ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ: اللہ ﷻ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اور وہ کمزور نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو جو اس کا ہاتھ بٹائے یا وہ بوڑھا ہو جائے بلکہ اس کی قوت اور بادشاہت تو ایسی ہے کہ جب وہ کسی بھی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ ہو جاتی ہے۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ لفظ "کُن" ہمیں سمجھانے کے لئے ہے ورنہ تو اللہ ﷻ کا ارادہ فرمانا ہی ہو جانا ہے۔ اُسے لفظ "کُن" کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: اس آیت میں اللہ ﷻ اُن جاہلوں کا قول ذکر فرمارہے ہیں کہ جو یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ ﷻ ہم سے کیوں بات نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی آیت نازل کیوں نہیں ہوتی اور اس سے پہلے یہ بات بنی اسرائیل نے بھی کہی تھی اور یہ مشرکینِ مکہ ہو یا یہود و نصاریٰ ہو سب کے دل آپس میں ایک جیسے ہی ہے اور یہ بات جو آیت یا نشانی کی کر رہے ہیں بلکہ ہم نے لاتعداد اور بے شمار آیتیں اور نشانیاں اُتاری ہیں اُن لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہو اور یہ لوگ تو یقین ہی نہیں رکھتے ہیں جب ہی بلاوجہ ایسی فضول فضول باتیں کر رہے ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا: اس آیت میں اللہ ﷻ حضور نبی کریم ﷺ کو تسلی فرما رہے ہیں کہ اے نبی (ﷺ)! ہم نے آپ کو ایمان والوں کے لئے جنت کی خوشخبری دینے والا اور کافروں کے لئے دوزخ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ (ﷺ) سے جہنمیوں کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہو گا۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ: اس آیت اللہ ﷻ حضور نبی کریم ﷺ کے ذریعے ہم امتیوں کو سمجھا رہے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہونگے یہاں تک کہ تم ان کے دین کی پیروی نہیں کر لو لیکن ایک بات یاد رکھو کہ اصل ہدایت اللہ ﷻ ہی کی ہداہت ہے اور اگر بالفرض و محال اللہ ﷻ کی ہدایت اور علم آجانے کے بعد تم نے اُن کی خواہشات کی پیروی کر لی تو یاد رکھو پھر تمہارے لئے اللہ ﷻ کی طرف سے نہ کوئی ولی ہو گا اور نہ ہی مددگار ہو گا۔ اس آیت میں آپ ﷺ کو خطاب کر کے ہم امتیوں کو سمجھانا ہے اور اس کے علاوہ اس آیت کا کوئی اور مطلب نکالنا گمراہی اور کفر ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَه حَقَّ تِلَاوَتِهٖ: اس آیت اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جن کو ہم نے کتاب دی اور کتاب کے پڑھنے کا حق بھی ادا کرتے ہیں یعنی قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کی آیتوں پر عمل کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں تو یاد رکھو جو کوئی بھی اس کتاب کا منکر ہو گا یا کتاب کو تجوید کے بغیر اس طرح پڑھے گا کہ مطلب ہی تبدیل ہو جائے تو وہ لوگ خسارے میں ہیں۔

يٰبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَ اَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِيۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّ لَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾	اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان کو ہمارے جو ہم نے تم پر کئے اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر (۱۲۲) اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جاویگا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ کام آوے اس کو سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے (۱۲۳)

يٰبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ: اس آیت میں اللہ ﷻ نے جو سلسلہ اس سورت کے شروع میں بیان فرمایا تھا اب اس سلسلہ کو اسی طرز پر ختم فرمارہے ہیں اور بنی اسرائیل کو اپنی نعمت کی یاد دہانی کروارہے ہیں کہ میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے پر انعام کیں اور تم کو تمام عالم پر فضیلت بخشیں مراد اُس وقت جتنی امتیں تھیں اُن سب پر میں نے تم لوگوں کو فضیلت بخشی۔

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِيۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّ لَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ: یہ تمام چیزیں (شفاعت وسفارش وغیرہ) کافروں کے لئے نہیں ہوگی۔

وَاِذِ ابۡتَلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۲۴﴾	اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا میرا اقرار ظالموں کو (۱۲۴)
وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدۡنَاۤ اِلٰۤى اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَ الۡعٰكِفِيۡنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾	اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم دیا ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو کہ پاک کر رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے (۱۲۵)
وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَ	اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو شہر امن کا اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں سے

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾	ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت کے دن پر فرمایا اور جو کفر کریں اس کو بھی نفع پہچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس کو جبراً بلاؤنگا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بُری جگہ ہے رہنے کی (۱۲۶)

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ: اب اللہ ﷻ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمارہے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے رب نے آزمایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام کی تمام آزمائشوں کو پورا کرلیا۔ وہ آزمائشیں یہ تھی کہ آگ میں ڈالا جانا اور اپنے وطن سے نکلنا اور بیوی بچے کو بیابان میں چھوڑنا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا یہ تمام آزمائشیں تھی جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پورا کیا۔ جب یہ تمام آزمائشیں پوری کرچکے تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ میں اب تم کو تمام لوگوں کا امام بناؤں گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً فرمایا کہ میری اولاد کو بھی امام بنا، اللہ ﷻ نے فرمایا کہ میرا عہد یعنی امام بنانا یہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا یعنی جو کافر ہوگا وہ امام نہیں بن سکتا۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا: اس آیت میں اللہ ﷻ خانہ کعبہ کے بارے میں بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے آنے کا اور امن کی جگہ بنایا۔

کعبہ: مکہ مکرمہ روئے زمین میں سب جگہوں سے زیادہ عزت اور بزرگی والا شہر ہے۔ اور آسمان سے نیچے یقینی طور پر سب سے افضل جگہ ہے۔ کیونکہ اس میں بیت اللہ شریف ہے جس میں حج کیا جاتا ہے، اس شہر کو اللہ ﷻ نے بلد الحرم فرمایا، نزول وحی اور نزول ملائکہ کا مرکز، انبیاء و اولیاء کا ٹھکانہ، ہر چیز کی پیدائش کا موجب و سبب، اور ہر انعام خداوندی کی بنیاد یہ ہے۔

اس شہر میں شراب الابرار (زمزم) اور مصلی اخیار (حطیم) پایا جاتا ہے۔ اس مقدس شہر سے قیامت کے دن انبیاء، صدیقین، ابرار، فقہاء، اتقیاء، صلحاء اور عبادت گزار مرد عورتیں اٹھیں گے۔ یہ لوگ خوش و خرم ہونگے اور عذاب سے بے خوف و خطر ہونگے۔ اس مقدس شہر میں ہر روز جنت کی ہوا کے جھونکے اور خوشبو آتی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے ہجرت کا حکم بارگاہ خداوند قدوس سے نہ ملتا تو میں مکہ مکرمہ کی سکونت ہرگز نہ چھوڑتا۔ میں نے آسمان کو مکہ مکرمہ کی زمین سے زیادہ کہیں بھی نہیں دیکھا، اور نہ ہی میرے دل نے مکہ معظمہ کی سرزمین کے سوا کہیں قرار و سکون حاصل کیا، اور مجھے اس شہر سے چاند بے حد حسین و جمیل دکھائی دیتا ہے۔

اللہ ﷻ نے تمام اولاد آدم میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کو منتخب فرمایا۔ پھر ان میں سے رسولوں کو چنا اور اولوالعزم رسولوں کا انتخاب ہوا، جس کا تذکرہ سورۃ الاحزاب اور سورۃ شوریٰ میں موجود ہے۔ پھر اپنے ان اولو العزم رسولوں میں سے اپنے خلیل علیہ السلام اور اپنے

حبیب ﷺ کو منتخب فرمایا۔ پھر ان کے لئے بہترین اور بزرگی والی جگہ مکہ مکرمہ کو پسند فرمایا۔ جہاں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں، جہاں کا داخلہ عاجزی، انکساری، خشیت و تذلل کے ساتھ ننگے سر اور دنیا کا لباس ترک کر کے احرام پہنے ہوئے ہوتا ہے۔ بس یہی شہر تمام شہروں سے بہتر اور افضل ہے۔

پھر احرام کی حالت میں بارگاہ خداوند قدوس میں حاضری بھی عجب حکمت کی حامل ہے۔

دنیا میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی آدمی دنیا کے بادشاہوں کے در پہ جاتا ہے، تو وہ خوبصورت قیمتی اور فاخرانہ لباس پہن کر بڑے ٹھاٹھ سے جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس جب وہ اللہ کریم کے در کی حاضری دیتا ہے تو بے حد سادہ اور مختصر سا لباس زیب تن کئے عجز و انکساری سے جا رہا ہوتا ہے۔ یہی فرق ہے رب کے دروازے اور دنیا کے بادشاہوں کے دروازے میں۔[1]

جب سیدنا آدم علیہ السلام اس مقدس شہر میں قدم رنجا فرما ہوئے، اسی وقت سے اس کی عزت و بزرگی دوبالا ہو گئی۔ خصوصاً جد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف تعمیر کیا، اور لوگوں میں حج کا اعلان فرمایا تو دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ حج کرنے کیلئے یہاں آنا شروع ہو گئے، یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر انبیاء اور دوسرے لوگ حج کے لئے اس شہر خوباں میں آئے، اور حج کے مہینہ میں یہ روح پرور نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مختلف رنگ و نسل زبان اور ملکوں کے لوگ موج در موج دنیا کے چاروں اطراف سے فریضہ حج ادا کرنے کیلئے دیوانہ وار یہاں چلے آ رہے ہیں شہر کے گلی کوچوں میں ہر جانب زائرین کی آمد کے وقت دعا اور تکبیر و تہلیل کی ایمان افروز صدائیں گونج رہی ہوتی ہیں۔ ہر آدمی دنیا کی زیب و زینت کا لباس اتار کر احرام کا سادہ سا لباس پہنے طواف اور سعی کرنے، حرم شریف کی طرف پروانہ وار بڑھ رہا ہوتا ہے۔

روئے زمین کے تمام شہروں پر مکہ مکرمہ کی فضیلت کی یہ ایسی روشن اور بین دلیل ہے جس کی نظیر دنیا بھر سے نہیں ملتی۔ زمانہ گواہ ہے کہ اس حال میں اس قدر لاتعداد مخلوق معمورہ عالم میں مکہ معظمہ کے سوا کہیں بھی جمع نہیں ہوتی اور ان شاء اللہ قیامت تک ہر سال اسی جوش و خروش، جذبہ اور ولولہ کے ساتھ فرزندانِ توحید یہاں آتے رہیں گے۔

یہ معزز شہر مہبط وحی، نزول قرآن مجید، اور ظہور اسلام کا مقدس مرکز ہے۔ اس شہر میں ایک ہی دین اور مذہب کا بول بالا ہے۔ دوسرے کسی مذہب کے پیروکار یہاں نہیں ہیں۔ اس شہر میں کافر کا داخلہ اور اس کی تدفین شرعاً ممنوع ہے۔ ماسوا اشد ضرورت کے یہاں لڑائی کرنا حرام ہے، شکار کرنا بھی قطعاً حرام ہے، شکاری خواہ مکہ کا باشندہ ہو۔ حل (حدود حرم) میں رہنے والا ہو یا کسی دوسرے شہر یا ملک کا ہو، احرام میں ہو یا نہ ہو یہ حکم سب کے لئے یکساں نافذ ہے۔ اس شہر کے درخت کاٹنا، یہاں سے مٹی اور پتھر باہر لیجانا بھی حرام ہے۔ خواہ حل (حدود حرم) میں لے جائے یا کسی دوسرے شہر میں جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہاں نیکیوں اور بالخصوص

[1] جامع اللطیف: ۹۳-۹۷

نماز کا اجر ایک لاکھ گنا زیادہ ملتا ہے۔

اس مقدس شہر قبرستان (جنت المعلیٰ) سے قیامت کے دن ستر انسان اٹھائے جائیں گے، جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک آدمی ستر ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا ان کے چہرے چودھویں کی چاند کی مانند چمک رہے ہونگے۔ دجال کے داخلہ سے یہ شہر محفوظ رہے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے متعدد نبی ایسے گزرے ہیں کہ جب ان کی دعوت پر قوم نے لبیک نہیں کہی اور انہیں جھٹلایا، تو وہ بے بس ہو کر مکہ مکرمہ میں ہجرت کر کے آ گئے، یہاں اللہ ﷻ کی عبادت میں مشغول و مصروف رہے۔ حتیٰ کے دنیا سے رخصت ہو گئے، اسی وجہ سے کعبہ شریف کے ارد گرد تین سو انبیاء کی قبریں ہیں۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ستر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں اور حطیم کے اندر میزاب کعبہ کے نیچے سیدنا اسمعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کی قبریں ہیں۔ اسی طرح چاہ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان سیدنا ہود علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کی قبریں ہیں (ایک روایت کے مطابق رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان ۹۹ انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں ہیں)۔[1]

اتنی کثیر تعداد میں انبیاء کی قبریں دنیا بھر کے کسی خطہ میں بھی نہیں ہیں اور اہل مکہ نماز میں کعبہ شریف کی طرف چاروں طرف سے رخ کرتے ہیں، جب کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا شہر نہیں جہاں نماز میں چاروں طرف رخ کیا جا سکتا ہو۔

اس متبرک شہر میں اللہ ﷻ ایک نیکی کے عوض میں ایک لاکھ گنا اجر مرحمت فرماتے ہیں۔ لیکن جہاں رحمت خداوندی کا بحر بیکراں موجزن اور اس کی عنایات لامتناہی ہیں، وہاں گناہ پر مواخذہ بھی اسی نسبت سے شدید ہونا ایک فطری تقاضا ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مکہ مکرمہ میں مجھ سے ایک گناہ سرزرد ہونا زیادہ شاق ہے بنسبت اس کے کہ دوسرے کسی شہر میں ستر گناہ ہو جائیں۔

اس خوف سے کہ مبادا اس مقدس شہر میں رہتے ہوئے ان سے کوئی غلطی سرزرد نہ ہو جائے۔ بعض اصحاب نے طائف وغیرہ میں سکونت اختیار فرمالی تھی۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے مکہ معظمہ میں رمضان المبارک پایا اور اس کے روزے رکھے اور تراویح ادا کی تو کسی دوسرے مقام کی نسبت یہاں ایک لاکھ رمضان شریف کا اجر و ثواب عنایت ہو گا۔ اس کے علاوہ اسے ہر دن اور رات ایک ایک غلام آزاد کرنے کا اجر بھی ملے گا، اور ہر روز دو گھوڑوں کا بوجھ اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کا ثواب بھی حاصل ہو گا۔[2]

[1] تاریخ القویم: ۳/۴۷

[2] مرقاۃ المفاتیح: ۶/۱۱

علامہ قزوینی، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ: میں نہیں جانتا کہ مکہ کے سوا بھی زمین پر کوئی ایسا شہر ہو گا جس میں نیکیاں سو گنا بڑھ جاتی ہیں اور نماز کی ایک رکعت کے بدلے ایک سو رکعت کا اجر ملتا ہے، اور اس مکان بیت اللہ شریف کی طرف صرف دیکھنے سے ایک سال کی عبادت کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور ایک درہم صدقہ کرنے پر ایک ہزار درہم کا بدلہ ملتا ہے۔[1]

مؤرخ جلیل علامہ قطب الدین رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مسلمان نے مکہ مکرمہ کی گرمی ایک ساعت بھی برداشت کی، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے ایک سو سال کی مسافت پر دور کر دیتا ہے۔[2]

مکہ مکرمہ میں ایک رمضان المبارک کے روزے رکھنا کسی دوسرے شہر میں ایک ہزار رمضان کے روزے رکھنے سے بلحاظ ثواب کے بہتر ہے۔[3]

سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے: جو آدمی مکہ مکرمہ میں ایک دن بیمار ہو جائے اس سے روزمرہ کے نیک کاموں کے معمولات ادا نہ ہو سکیں، تو اللہ تعالیٰ اسے نہ صرف اس دن کے اعمال کے اجر سے نوازتے ہیں بلکہ سات سال کے اعمال کا خطیر اجر بھی مرحمت فرماتے ہیں۔[4]

علامہ قزوینی رحمہ اللہ روایت بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے مکہ مکرمہ کی گرمی پر ایک ساعت بھی صبر کیا تو اس سے جہنم ایک سو سال کے فاصلے تک دور کر دی جائے گی اور جنت جو دو سو سال کی مسافت پر ہے اس کے قریب کر دی جائے گی۔ یہ شہر نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد ہو گا (جنگ کیلئے) اور میرے لئے بھی دن میں تھوڑی سی دیر کے لئے حلال ہوا تھا۔[5]

مقدس شہر کے مقدس نام: علاوہ ازیں اس متبرک شہر کے کئی اور نام بھی بیان کئے گئے ہیں: **البیت العتیق، البیت الحرام، البلد الامین، المامون، ام رحم، ام القریٰ، الصلاح، القرش، (بروزن برد)، العرش، القادس، الناسة، الباسة، المعادا، المْاذرأ، المعطشة، العروض، القریة، الکوثی، القریة النمل، الحاطمة، البرة، الطیبة الراس۔**[6]

[1] آثار البلاد: ۱۱۲
[2] اعلام الاعلام: ۲۲
[3] جامع الصغیر: ۲/ ۲۴
[4] اعلام الاعلام: ۲۲
[5] آثار البلاد: ۱۱۲
[6] اعلام الاعلام: ۱۸

البیت العتیق: جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے **ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ**۔[1] یعنی پھر قربانیوں کے حلال ہونے کی جگہ بیت العتیق ہے۔

چونکہ قربانی کا محل بیت اللہ شریف نہیں ہے بلکہ منیٰ ہے اور حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ اور منیٰ کی تمام گھاٹیاں اور پہاڑیاں قربانی کی جگہ ہیں۔ تو اس سے یہ واضح ہے کہ اس آیت قدسیہ میں **بیت العتیق** مکہ مشرفہ کو کہا گیا ہے نہ کہ بیت اللہ شریف کو۔[2]

المسجد الحرام: اللہ ﷻ نے مکہ معظمہ کو **المسجد الحرام** کے نام سے بھی نوازا ہے جیسا کہ فرمان ذی شان ہے: **يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوْا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا**۔[3]

ترجمہ: اے ایمان والو! بلاشبہ مشرکین نجس ہیں، پس اس سال کے بعد یہ مسجد الحرام کے قریب نہیں آسکتے۔

وأخرج عبد الرزاق والنحاس عن عطاء أنهم نهوا عن دخول الحرم كله۔[4]

ترجمہ: یہاں مسجد الحرام سے مراد پورا حرم محترم اور ان مشرکین کو اس میں داخلے سے روک دیا گیا ہے۔

مشرکین کا داخلہ صرف بیت اللہ میں نہیں بلکہ حدود حرم میں ممنوع ہے۔ اب تو حدود حرم پر تختیاں آویزاں ہیں جن پر لکھا ہوا ہے اس جگہ سے آگے مشرکین نہیں جاسکتے۔ اسی طرح حدیبیہ کے مقام پر جب مشرکین مکہ اور حضور اکرم ﷺ کے مابین معاہدہ طے پایا تو اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا: **إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ**[5]۔ یعنی مگر جن لوگوں نے تم سے عہد کیا تھا مسجد الحرام کے پاس۔ ایک اور جگہ فرمان ہے: **اِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ**[6]۔ یعنی جو لوگ کافر ہیں روکتے ہیں اللہ ﷻ کی راہ اور مسجد الحرام سے جسے ہم نے سب لوگوں کے واسطے بنایا ہے۔ اس میں برابر ہیں وہاں کے رہنے والے اور باہر سے آنے والے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں بھی مسجد حرام سے پورا حرم شریف یعنی مکہ مکرمہ مراد ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ العاکف سے

[1] سورۃ الحج: ۳۳
[2] التفسیر الکبیر: ۲۳/ ۲۲۴
[3] سورۃ التوبۃ: ۲۸
[4] روح المعانی: ۶/ ۷۷
[5] سورۃ التوبۃ: ۷
[6] سورۃ الحج: ۲۵

مراد قیام کرنا ہے اور یہ بات عیاں ہے کہ لوگوں کا قیام بیت اللہ میں نہیں بلکہ شہر کے مکانات میں ہوتا ہے۔ اسلئے یہاں مسجد حرام سے مراد مکہ مشرفہ ہے۔[1]

ام القریٰ: فرمان باری تعالیٰ ہے: **لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا**۔[2] یعنی تاکہ آپ مکہ اور اس کے گرد و پیش والوں کو ڈرائیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ یہ شہر عزت و تکریم میں دنیا کے شہروں سے بزرگ و برتر ہے اور چونکہ اس کو پھیلا کر کرۂ ارض وجود میں آیا ہے، اس لئے اسے ام القریٰ کہا جاتا ہے۔

کوثی: جبل تعیقعان کے دامن میں بنی عبد الدار کی قیام گاہ تھی اس نسبت سے کوثی اس شہر معظم کا نام رکھا گیا۔

قریۃ النمل: اس مقام پر چیونٹیوں کی کثرت پائی جاتی تھی اس لئے یہ نام پڑ گیا۔

الحاطمۃ: ظالم و جابر لوگوں کو تباہ و برباد کرنے یا اس جگہ سے باہر نکال دینے والا شہر غالباً اصحاب فیل کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس مناسبت سے یہ نام پڑ گیا۔ **المعاد:** اللہ ﷻ فرماتے ہیں: **اِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَآدُّكَ إِلٰى مَعَادٍ**۔[3] یعنی جس نے آپ پر قرآن کا حکم بھیجا ہے وہ پھر آپ کو پہلی جگہ لانے والا ہے

اس آیت میں اس شہر کو معاد فرمایا گیا ہے۔

الرأس: اس نام کی وجہ امام یاقوت الحموی یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ اس شہر کی شکل انسان کی سر کی مانند ہے اس لئے اس کو الرأس بھی پکارا جاتا ہے۔

الباسۃ: اس شہر کے نام کا خاصہ ہے کہ یہ ملحدین کو ختم کر دیتا، یا باہر نکال دیتا ہے۔[4]

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى:

شانِ نزول: عن أنس بن مالك قال، قال عمر بن الخطاب :قلت: يا رسول الله، لو اتخذت المقام مصلى! فأنزل الله": واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى."[5]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس جگہ کو نماز کی جگہ بنا دیا جائے،

[1] التفسیر الکبیر: ۶/ ۱۵۴
[2] سورۃ الشوریٰ: ۷
[3] سورۃ القصص: ۸۵
[4] تاریخ المکۃ المکرمۃ: ۱/ ۲۲-۲۵
[5] جامع البیان: ۲/ ۳۰

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور بھی بہت سی قرآنِ حکیم کی آیتیں ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چاہت پر نازل ہوئی جن کو موافقتِ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، مثلاً آیتِ حجاب، اور آیاتِ خمر، اور اُسارٰی بدر وغیرہ۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ: اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے عہد لیا یعنی ہم نے ان حضرات سے فرمایا کہ بیت اللہ کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا: اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء کی کہ اے اللہ! اس شہر کعبہ کو امن والا شہر بنادیں اور اس کے اہل کو رزق عطا فرما جو ایمان لائیں ہیں یہاں ہر ایمان والوں کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس لئے فرمایا کہ جب امامت کا ذکر ہوا تھا اللہ ﷻ نے فرمایا تھا کہ یہ امامت ایمان والوں کے لئے ہوگی، اس لئے یہاں بھی ایمان کا ذکر کیا، اللہ ﷻ نے فرمایا کہ رزق میں کافروں کو بھی دونگا کیونکہ امامت کا معاملہ الگ ہے اور رزق کا معاملہ الگ ہے اور کافروں کی نیکیوں کا بدلہ اللہ ﷻ دنیا میں مال و دولت دے کر دے دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد کافروں وظالموں کو جہنم کی طرف بلایا جائے گا اور جہنم بہت ہی بُری جگہ ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾	اور یاد کرو جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل اور دعاء کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا (۱۲۷)
رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾	اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان (۱۲۸)
رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾	اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں رسول انہی میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا (۱۲۹)

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ: یہاں بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر فرما رہے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ ایک ایسا کام ہے کہ اس وقت دعاء قبول ہو گی، فرمانے لگے کہ اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت کو قبول فرما کیونکہ آپ سننے والے اور جاننے والے ہیں۔

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ: یہاں بھی دعاء کا سلسلہ جاری ہے کہ اے ہمارے رب! ہم کو تابع دار بنا۔

مسلم: کے معنی ہوتے ہیں اپنے آپ کو حوالے کرنا۔ مسلمان وہ ہوتا ہے کہ جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دے۔

وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ: اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو بھی تابع دار بنا دیں اور جب بیت اللہ کی تعمیر ہو جائے گی، لوگ حج و عمرہ کے لئے آئیں گے، ہم کو حج و عمرہ کے اعمال بھی سکھا دیں اور ہماری توبہ قبول فرما۔

وَ تُبْ عَلَیْنَا: توبہ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی متوجہ ہونا اور توبہ قبول کرنا۔ اور جب انسانوں کی طرف ہو تو معنی ہوتا ہے توبہ کرنا۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ یُزَکِّیْهِمْ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ مقاصدِ بعثت نبوت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء فرمائی تھی اس کو بیان فرما رہے ہیں کہ اُن میں سے انہیں سے کا ایک رسول بھیج، یہ فرما کر واضح ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے جو ان کی اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا کام یہ ہو گا کہ وہ لوگوں کو آیت اللہ کی تلاوت سُنایا کریں گے اور اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینگے اور ان کا تزکیہ کرینگے تو معلوم ہوا کہ تزکیہ نفس پچھلی امتوں میں بھی تھا۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ان میں ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سُنائیں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور اُن کا تزکیہ کریں۔ اس طرح کا مضمون تین جگہ اور آیا ہے، پہلا سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۱، دوسرا سورۃ اٰل عمران آیت ۱۶۴، اور تیسرا سورۃ الجمعۃ آیت ۲ میں مگر ان تین آیتوں میں تزکیہ کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا ہے اور اس آیت میں تزکیہ کو چوتھے نمبر پر ذکر کیا۔ میرے شیخ حضرت مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے ان تین جگہوں میں تزکیہ کو دوسرے نمبر پر ذکر کرنا تزکیہ کی اہمیت کو بتلانا مقصود ہے کہ اگر کوئی قرآن و حدیث کو صحیح معنوں میں سمجھنا چاہتے ہو تو اس کے لئے لازمی و ضروری ہے کہ وہ تزکیہ کے راستے سے گذرے کیونکہ بغیر تزکیہ کے راستے سے گذرے ہوئے قرآن و حدیث کو سمجھنا مشکل و محال ہے اور مذکورہ آیت میں تزکیہ کو نمبر چار رکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو صحیفے نازل ہوئے وہ قرآن کے مقابلے میں چھوٹے تھے تو اُن کے سمجھنے کے لئے معمولی سا تزکیہ بھی کافی تھا اس لئے اس کو چوتھے نمبر پر لائے جبکہ قرآن کریم کو سمجھنے کے

لئے معمولی سا تزکیہ کافی نہیں ہے بلکہ عظیم تزکیہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت کو سمجھانے کے لئے دوسری آیات میں دوسرے نمبر پر ذکر کیا۔ بلاشبہ اللہ ﷻ کا ہم سب پر احسانِ عظیم ہے کہ ہم رسولِ اکرم، محبوبِ رب العلمین ﷺ کی امت میں سے ہیں۔ اللہ ﷻ نے اپنے بندوں پر بے شمار احسان فرمائے ہیں۔ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا[1]۔

ترجمہ: اور اگر تم اللہ ﷻ کی نعمتوں کو شمار کرو تو ان کا احصاء نہیں کر سکتے۔ اللہ ﷻ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہدایت ہے جو اللہ ﷻ نے حضراتِ انبیاء ورسل علیہم السلام کے توسط سے ہم تک پہونچائی۔ ہر نبی علیہ السلام ورسول علیہ السلام نے اپنی امت کو ہدایت کی تبلیغ فرمائی اور ہر ایک نے اپنا مشن مکمل کیا۔ اللہ ﷻ نے ہر قوم کے لئے ایک نذیر بھیجا: وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ.[2] مگر اللہ ﷻ نے اس احسان کو اُممِ سابقہ کو جتلایا نہیں۔ اصل میں یہ وہ چار مقاصد ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ ﷻ کے حضور دعا فرمائی: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ[3]۔

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور پاک کرے ان کو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

۱۔ تلاوتِ آیات

۲۔ تعلیمِ کتاب

۳۔ تعلیمِ حکمت

۴۔ تزکیہ نفس

یہ وہ چار مقاصدِ بعثت ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے لئے دعا فرمائی تھی۔

اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور انہی چار مقاصد کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ صرف فرق اتنا ہے کہ دعا کی قبولیت میں ترتیب بدل دی گئی اور وہ یہ کہ تزکیہ دوسرے نمبر پر یعنی تعلیمِ کتاب وحکمت پر مقدم فرمایا، جس کی بہت ہی اہم وجہ ہے۔ ان چار مقاصد جو اللہ ﷻ نے تین جگہوں میں بیان فرمایا اور ہر جگہ میں تزکیہ نفس کو تعلیمِ کتاب وحکمت پر مقدم رکھا۔

۱۔ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. [4] یعنی جیسا کہ

[1] سورۃ النحل: ۱۸

[2] سورہ فاطر: ۲۴

[3] سورۃ البقرۃ: ۱۲۹

[4] سورۃ البقرۃ: ۱۵۱

بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار۔

۲۔لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ.[1]

ترجمہ: اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہیں میں کا پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات۔

۳۔هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ.[2]

ترجمہ: وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں کا پڑھ کر سناتا ہے اُن کو اُس کی آیتیں اور اُن کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے اُن کو کتاب اور عقلمندی۔

ان تینوں مقامات میں ترتیب یوں ہے:

۱۔ تلاوتِ آیات

۲۔ تزکیہ نفس

۳۔ تعلیمِ کتاب

۴۔ تعلیمِ حکمت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار مقاصد کے ساتھ دعا فرمائی، ہمیں ان مقاصد کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔ ان مقاصد کی قبولیت کی ترتیب ملحوظِ خاطر رہنی چاہئے۔ ہم سورۃ الجمعۃ کی آیت نمبر ۲ کو سامنے رکھتے ہوئے اس مضمون کو شروع کرتے ہیں۔

سورہ جمعہ کی پہلی آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی چار صفات کو بیان فرمایا ہے: يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَافِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ.[3]

ترجمہ: اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں بادشاہ پاک ذات زبردست حکمتوں والا۔

۱۔ **الملک**، بادشاہ۔

[1] سورۃ آل عمران: ۱۶۴

[2] سورۃ الجمعۃ: ۲

[3] سورۃ الجمعۃ: ۱

۲۔**القدوس**، حقیقی پاک ذات۔

۳۔**العزیز**، زبردست۔

۴۔**الحکیم**، حکمت والا۔

اللہ ﷻ نے رسول اللہ ﷺ کو جن مقاصد کے ساتھ مبعوث فرمایا ان میں سے ہر ایک کا تعلق اللہ ﷻ کی مذکورہ بالا صفات سے ہیں۔ پہلی صفت "**الملک**" یعنی بادشاہ ہے اس کا تعلق **یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ** سے ہے کہ بادشاہ چاہتا ہے کہ اس کا حکم رعایا تک پہونچایا اور رسول اللہ ﷺ اللہ ﷻ کے پیغمبر ہیں جو اللہ ﷻ کے حکم کو اللہ ﷻ کے بندوں تک پہونچاتے ہیں۔ دوسری صفت "**القدوس**" یعنی خوب پاک ذات ہے، جب اللہ ﷻ پاک ذات ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی پاکیزہ ہوں، تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کو پاک کرتے ہیں۔ تیسری صفت "**العزیز**" ہے، وہ زبردست ہے، غالب ہے، اُسی ذات نے کتاب کو آپ کی طرف نازل فرمایا: **تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ**.[1] تو آپ ﷺ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں۔ چوتھی صفت "**الحکیم**" یعنی حکمت والا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے حکمت کی باتیں سیکھیں رسولِ اکرم ﷺ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

مقاصدِ بعثت کا جائزہ:

ا۔ تلاوتِ آیات: اس سے مراد قرآنِ کریم کے الفاظ پڑھتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ تلاوت کا تعلق الفاظ سے ہے اور تعلیم کا تعلق معانی سے ہے۔ تلاوت اٰیات اور تعلیم اٰیات دو الگ الگ مقاصد ہیں۔

آج کل جہاں ہر طرف فتنہ ہے، ان فتنوں میں سے ایک فتنہ لوگوں کو تلاوتِ قرآن سے روکنے کا فتنہ ہے، کہتے ہیں کہ الفاظ کے رٹنے سے کیا فائدہ ہوگا، اصل بات تو سمجھنا ہے، اگر صرف معانی کے سمجھنے پر زور دیں اور تلاوت کو نظر انداز کر دیں تو ہم ایک مقصدِ بعثت کو ترک کرنے کے گناہ میں داخل ہوں گے۔ تلاوت آیات ایک مستقل عبادت ہے اور عبادت وہ ہے کہ جس کے کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

تلاوتِ قرآن کی اہمیت: تلاوتِ کلامِ پاک کی اہمیت کا کچھ اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ ﷻ نے نبی آخر الزمان ﷺ کو جب مبعوث فرمایا تو آپ ﷺ کے فرائضِ منصبی کو بیان کرتے ہوئے "**تلاوت**" کو سب سے مقدم رکھا (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۶۴، سورۃ الجمعۃ آیت ۲)۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب امتِ مسلمہ کے ظہور اور ان میں ایک رسول کے بعثت کی درخواست کی تو فرائضِ رسالت کی نشاندہی کرتے ہوئے سب سے پہلے تلاوت کو ذکر کیا (سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۹) اور جہاں رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داریوں

[1] سورۃ الزمر: ۱

کو نبھانے کا ذکر کیا تو دیکھئے تلاوتِ کتاب ہی کو پیش پیش رکھا جاتا ہے (سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۱) اور پھر خود یہ کہ تلاوت خود اللہ ﷻ کا فعل ہے (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۲) اور رسول اللہ ﷺ کا محبوب عمل ہے، حضرات صحابہ ؓ کا پسندیدہ مشغلہ ہے، مزید براں اللہ ﷻ نے اس کو پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے اور کلام اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور حقِ تلاوت ادا کرنے پر خصوصی نوازش کی ہے، تو جس چیز کی یہ شان و اہمیت ہو اس کے آداب و طریقے اور اس پر مرتب ہونے والے فوائد و ثمرات بھی کیا کچھ ہوں گے۔

سرکاری و شاہی القاب:

مسلمان تمام قوموں میں اس اعتبار سے بھی ممتاز اور بڑے خوش نصیب ہیں کہ احکم الحاکمین نے رحمتِ عالم ﷺ کے طفیل میں اپنے مخصوص شاہی و سرکاری القاب بھی اُن کو مرحمت فرمائے ہیں، حکیم الاسلام قاری محمد طیب ؒ صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں حقیقت میں پڑھنے اور پڑھانے والے حق ﷻ ہیں: **فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَى**۔ معلوم ہوا قاری حق تعالیٰ ہیں۔ تلاوت کرنے والے وہی: **نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَبَإِ مُوسى، ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ**، معلوا ہوا کہ اصل تلاوت کرنے والے حق تعالیٰ ہیں۔ حفاظت کرنے والے وہی: **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ** ذکر (قرآن) ہم نے اتارا اور ہم ہی حافظ ہیں، تو قاری بھی وہ، تالی بھی وہ، حافظ بھی وہ۔ بس یہ اللہ کا فضل ہے کہ جو حفظ کر لیتا ہے تو کہتے ہیں کہ آج سے جو لقب ہمارا تھا تمہارا بھی ہے، کوئی قرات سیکھ لیتا ہے تو فرماتے ہیں کہ قاری تو ہم ہیں، لیکن آج سے ہم نے اپنا لقب تمہیں دے دیا۔

اسی طرح تلاوت کرنے والے ہم ہیں، مگر جب تم تلاوت کر رہے ہو تو تم بھی یہ لقب استعمال کر سکتے ہو حالانکہ سرکاری القاب کوئی اختیار نہیں کر سکتا، جب تک سرکار ہی کسی کو کوئی لقب یا خطاب نہ دے، اس کے بغیر وہ سرکاری مجرم ہوگا اور پروانہ گرفتاری اس کے نام آجائے گا، تو یہ اللہ کا کرم اور حضور ﷺ کا طفیل ہے کہ جس نے قرآن کو سینے میں محفوظ کر لیا اس نے شاہی لقب پالیا، جس نے قرآنی حروف کے مخارج اور صفات پر محنت کر کے اس کی ادائیگی صحیح کر لی وہ قاری (سرکاری آدمی) بن گیا، جس نے شاہی فرامین تلاوت کر کے دوسروں کو سنائے وہ شاہ سے قریب اور سے مناجات کرنے والا ہو گیا[1]۔

ذیل میں قرآن و احادیث سے تلاوتِ آیات کا ثواب درج کرتا ہوں۔

[1] خطبات حکیم الاسلام: ۱/ ۲۰۵

قرآن کریم:

۱۔الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔[1]

ترجمہ: وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہو گا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔

۲۔وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ.[2]

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔

۳۔إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ .[3]

ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں ان کے دل اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔

۴۔أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا.[4]

ترجمہ: قائم رکھ نماز کو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تکاور قرآن پڑھنا فجر کا بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لئے قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں۔

۵۔إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ.[5]

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان میں سے جو ہم نے ان کو دئے ہیں چھپا کر اور سب کے سامنے، یہ وہ لوگ ہیں جو امید کرتے ہیں ایسی تجارت کی کہ جس میں خسارہ نہیں ہے۔

۶۔اللَّهُ نزلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ

[1] سورۃ البقرۃ:۱۲۱
[2] سورۃ الاعراف:۲۰۴
[3] سورۃ الانفال:۲
[4] سورۃ الاسراء:۷۸-۷۹
[5] سورۃ فاطر:۲۹

وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ[1]۔

ترجمہ: اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب کی آپس میں ملتی دہرائی ہوئی بال کھڑے ہوئے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے اور جس کو راہ بھلائے اللہ اس کو کوئی نہیں سجھانے والا۔

۷۔وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ[2] یعنی اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا۔

احادیث مبارکہ:

۱۔روى الشيخان من حديث عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول الله ﷺ قال: الماهر بالقرآن مع السفر الكرام البررة، والذي يقرأ القرآن ويتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران.[3]

ترجمہ: ماہر قرآن کا ماہر (قیامت کے دن) ان فرشتوں کے ساتھ ہو گا جو (دنیا میں) وحی الٰہی لانے والے بزرگ اور نیکو کار ہوں گے اور جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کے پڑھنے میں اسے مشقت ہوتی ہے، اس کے لیے دگنا اجر ہے۔

۲۔روى الترمذي من حديث عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: من قرأ حرفًا من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: ألم حرف بل ألف حرف ولام حرف وميم حرف[4]۔

ترجمہ: جس شخص نے اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کا ایک حرف پڑھا، اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ،،الم،، ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

۳۔روى الشيخان من حديث أبي موسى الأشعري رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال: مثل المؤمن الذي يقرأ القرآن مثل الأترجة ريحها طيب وطعمها طيب، ومثل المؤمن الذي لا يقرأ القرآن كمثل التمرة لا ريح لها وطعمها حلو، ومثل المنافق الذي يقرأ القرآن مثل الريحانة ريحها طيب وطعمها مر، مثل المنافق الذي لا يقرأ القرآن كمثل الحنظلة ليس لها ريح وطعمها مر.[5] یعنی اس مومن کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے، میٹھے لیموں

[1] سورۃ الزمر: ۲۳
[2] سورۃ القمر: ۱۷
[3] صحیح البخاری: ۶/ ۱۶۶
[4] سنن الترمذی: ۵/ ۲۵
[5] صحیح البخاری: ۷/ ۷۷

(نارنگی) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور اس کا ذائقہ بھی میٹھا ہے اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں اور اس کا ذائقہ میٹھا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، خوشبودار پودے کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور اس کا ذائقہ تلخ ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، اندرائن (تمہ) کی طرح ہے جس میں خوشبو نہیں اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔

۴۔روى مسلم من حدث أبي أمامة الباهلي ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: اقرؤوا القرآن فإنه يأتي يوم القيامة شفيعًا لأصحابه.[1]

ترجمہ: قرآن (کثرت سے) پڑھا کرو اس لیے کہ قیامت کے دن یہ اپنے ساتھیوں (پڑھنے والوں) کے شفاعت کرے گا۔

۵۔روى الإمام مسلم أيضًا من حديث النواس بن سمعان ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: يؤتى يوم القيامة بالقرآن وأهله الذين كانوا يعملون به في الدنيا، تقدمه سورة البقرة وآل عمران تحاجان عن صاحبهما.[2]

ترجمہ: قیامت کے دن قرآن کو اور ان لوگوں کو جو (دنیا میں) اس قرآن پر عمل کرتے تھے (بارگاہ الٰہی میں) پیش کیا جائے گا، سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ان کے آگے ہوں۔

۶۔روى البخاري من حديث عثمان بن عفان ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: خيركم من تعلم القرآن وعلمه.[3]

ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اسے (دوسروں) سیکھائے۔

۷۔روى الشيخان من حديث عبدالله بن عمر ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: لا حسد إلا في اثنتين: رجل آتاه الله القرآن، فهو يقوم به آناء الليل وآناء النهار، ورجل آتاه الله مالًا فهو ينفقه آنا الليل وآناء النهار.[4]

ترجمہ: سوائے دو آدمیوں کے کسی پر رشک کرنا جائز نہیں۔ ایک وہ آدمی جسے اللہ ﷻ نے قرآن عطا کیا (یعنی اسے حفظ کرنے کی توفیق دی) پس وہ اس کے ساتھ رات اور دن کی گھڑیوں میں قیام کرتا ہے (یعنی اللہ ﷻ کی عبادت کرتا ہے) اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ ﷻ

[1] صحیح مسلم: ۱/ ۵۵۳
[2] صحیح مسلم: ۱/ ۵۵۴
[3] صحیح البخاری: ۶/ ۱۹۲
[4] صحیح البخاری: ۹/ ۱۵۴

نے مال و دولت سے نوازا تو وہ اسے (اللہ ﷻ کی راہ میں) رات اور دن کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہے۔

٨۔روى مسلم من حديث أبي هريرة ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم، إلا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة، وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده[1]۔

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس کا تکرار کرتے (یا درس دیتے) ہیں ان پر (اللہ کی طرف سے) سکینت (تسکین و رحمت) نازل ہوتی ہے، رحمت انہیں ڈھانک لیتی ہے، فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔

٩۔روى أبو داود من حديث عبدالله بن عمرو بن العاص ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: يقال لصاحب القرآن: اقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل في الدنيا، فإن منزلك عند آخر آية تقرؤها.[2]

ترجمہ: صاحب قرآن (قرآن پڑھنے اور اسے حفظ کرنے والے) سے (قیامت کے دن) کہا جائے گا پڑھتا جا اور (درجے) چڑھتا جا اور اس طرح آہستہ آہستہ تلاوت کر جیسے تو دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا پس تیرا مقام وہ ہو گا جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہو گی۔

١٠۔قال أبو سليمان الخطابي ﷺ: جاء في الأثر أن عدد آي القرآن على قدر درج الجنة، فمن استوفى قراءة جميع آي القرآن، استولى على أقصى درج الجنة.[3]

ترجمہ: حضرت ابو سلیمان ﷺ فرماتے ہیں: روایت میں آیا ہے کہ قرآنِ کریم کی آیتوں کے بقدر جنت کے درجات ہیں، پس جس نے پورے قرآنِ کریم کی آیتوں کا حق ادا کیا تو وہ جنت کے آخری درجات کو پالے گا۔

١١۔قال أبو أمامة ﷺ: احفظوا القرآن، فإن الله لا يعذب بالنار قلبًا وعى القرآن.[4]

ترجمہ: حضرت ابو امامہ ﷺ فرماتے ہیں: قرآنِ کریم کو حفظ کرو، بے شک اللہ ﷻ اس دل کو جہنم کا عذاب نہیں دیں گے جس نے قرآنِ کریم محفوظ کیا۔

[1] صحیح مسلم: ۴/ ۲۰۷۴
[2] سنن ابي داؤد: ۲/ ۷۳
[3] شرح السنة للبغوي: ۴/ ۴۳۵
[4] شرح السنة للبغوي: ۴/ ۴۳۷

۱۲۔قال خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ: تقرب إلى الله ما استطعت، فإنك لن تتقرب إليه بشيء أحب إليه من كلامهٖ۔ یعنی حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو جتنا ممکن ہو سکے، بے شک تو اس کا قرب اس کے کلام کے علاوہ کسی اور چیز سے اس کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔

۱۳۔وأخرج من حديث أبي سعيد رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقول الرب تعالیٰ : من شغله القرآن وذكري عن مسألتي أعطيته أفضل ما أعطي السائلين ، وفضل كلام الله على سائرالكلام كفضل الله على سائرخلقه.[۲]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر اتنا مشغول کر دے کہ وہ مجھ سے کچھ مانگ بھی نہ سکے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرما دیتا ہوں۔ اور تمام کلاموں پر اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآن حکیم) کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر (فضیلت ہے)۔

۱۴۔أخرج مسلم من حديث أبي أمامة رضی اللہ عنہ اقرءوا القرآن ، فإنه يأتي يوم القيامة شفيعا لأصحابه.[۳]

ترجمہ: قرآن (کثرت سے) پڑھا کرو اس لیے کہ قیامت کے دن یہ اپنے ساتھیوں (پڑھنے والوں) کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔

۱۵۔وأخرج من حديث أنس رضی اللہ عنہ نوروا منازلكم بالصلاة وقراءة القرآن.[۴]

ترجمہ: اپنے گھروں کو نماز اور قرآنِ کریم کی تلاوت کے ذریعے منور کرو۔

۱۶۔النعمان بن بشير رضی اللہ عنہم أفضل عبادة أمتي قراءة القرآن.[۵] یعنی میری امت کی افضل عبادت تلاوتِ قرآنِ کریم ہے۔

۱۷۔أخرج من حديث عبيدة المكي رحمہ اللہ مرفوعا وموقوفا : يا أهل القرآن ، لا توسدوا القرآن واتلوه حق تلاوته آناء الليل والنهار ، وأفشوه ، وتدبروا ما فيه لعلكم تفلحون۔[۶]

ترجمہ: اے اہلِ قرآن! قرآنِ کریم کو تکیہ مت بناؤ، اس کی تلاوت کا حق ادا کرو دن و رات میں، اور اس کو پھیلاؤ اور تدبر کرو اس میں تاکہ تم کامیاب ہو۔

[۱] ابو نعیم فی الحلیۃ: ۹/ ۱۹۹
[۲] سنن الترمذی: ۵/ ۳۴
[۳] صحیح مسلم: ۱/ ۵۵۳
[۴] شعب الایمان: ۳/ ۴۰۴
[۵] شعب الایمان: ۳/ ۳۹۲
[۶] شعب الایمان: ۳/ ۳۸۸

مقاصدِ بعثت میں سب سے مقدم تلاوتِ کلام اللہ ہے، لہذا ہم میں سے ہر ایک کو اس اہم ترین مقصد پر عمل کرنا ہے، جیسا کہ اوپر متعدد احادیث لکھی گئی ہیں، ہم کو چاہئے کہ اپنے گھروں کو، دلوں کو، اور اپنے پورے ماحول کو قرآنِ کریم کے نور سے منور کریں۔ ایسے بھی عاشقینِ قرآن ہیں جو ایک دن میں ایک قرآن اور رات میں الگ قرآن ختم کرتے تھے، بعض دو دن میں، بعض تین دن میں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ایک دن میں قرآن ختم کرتے تھے۔ اسی طرح مجاہد بن جبر رحمہ اللہ، سعید بن المسیب رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، عطاء بن السائب رحمہ اللہ، اسود بن یزید رحمہ اللہ، ابراہیم النخعی رحمہ اللہ، یحییٰ القطان رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جو ایک دن میں قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ سال میں کم از کم دو دفعہ تو بآسانی ہم قرآن ختم کر سکتے ہیں، چنانچہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ینبغی للقاری ان یختم فی السنة مرتین، ان لم یقدر علی الزیادة.**[1]

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **من قرا القرآن فی کل سنة مرتین فقد ادی حقه لان النبی ﷺ عرض علی جبریل فی السنة التی قبض فیها مرتین.**[2] اصل مقصد تلاوت ہے لہذا جس سے جس قدر ہو سکے تلاوت کرے، ہم ان شاء اللہ تلاوت کے ظاہری و باطنی فوائد اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

چند فوائد ذکر کئے جاتے ہیں

۱۔ حصولِ اجر و ثواب

۲۔ مغفرتِ ذنوب

۳۔ نزولِ رحمت و سکینت

۴۔ دخولِ جنت

۵۔ دوزخ سے حفاظت

۶۔ شیطان اور جنوں سے حفاظت

۷۔ دل کا بیدار ہونا

۷۔ گھر میں خیر و برکت کا ہونا

۹۔ ظاہری امراض سے شفا

[1] الاتقان لسیوطی: ۱/ ۳۶۲
[2] الاتقان لسیوطی: ۱/ ۳۶۲

۱۹۔ باطنی امراض سے شفا

۱۱۔ شفاعت کا مستحق ہونا

۱۲۔ نظرِ بد سے محفوظ ہونا

۱۳۔ رزق میں اضافہ کا ہونا

۱۴۔ اللہ ﷻ کی یاد

۱۵۔ اللہ ﷻ کی خوشنودی حاصل کرنا

۱۶۔ اللہ ﷻ کا قرب حاصل ہونا

۱۷۔ جنت میں اعلیٰ ترین مقام کا ملنا۔

یہ مختصر فوائد لکھے گئے ہیں تاکہ ہم تلاوتِ کلام اللہ کی اہمیت کو سمجھیں۔

۲۔ تزکیہ نفس: اس سے مراد نفس کا تمام رذائل سے پاک کرنا ہے، تزکیہ نفس تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کے مقاصد میں سے ہے، تمام حضرات انبیاء ورسل علیہم السلام اپنے اصحاب کا تزکیہ فرماتے تھے، اور یہ بہت ہی اہم ترین چیز ہے، اور یہ تعلیمِ کتاب وحکمت میں داخل ہونے کا دروازہ ہے یعنی اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ تعلیمِ کتاب وحکمت کے مقام پر فائز ہو تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تزکیہ نفس سے گذرے، چنانچہ اگر کوئی تزکیہ نفس کے راستہ پر نہیں چلتا ہے اور وہ تعلیمِ کتاب وحکمت سے مقام پر فائز ہونا چاہتا ہے، وہ لوگوں کو بجائے ہدایت دینے کے، گمراہی کا سبب بنتا ہے، کئی مفسرین ایسے ہیں جنہوں نے تزکیہ کے راستہ کو اختیار نہیں کیا اور تعلیمِ کتاب وحکمت کے مقام پر فائز ہوئے انہوں نے امت کو گمراہ کیا۔ تزکیہ نفس بہت ہی اہم وضروری چیز ہے۔ تزکیہ نفس کا ہونا صرف اس امت میں نہیں بلکہ پچھلی امتوں میں بھی اس کی اہمیت تھی چنانچہ سورۃ الاعلیٰ میں اللہ ﷻ نے فرمایا کہ **قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى**[1] کہ جس نے تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا پھر آگے ارشاد فرمایا **إِنَّ هذا لَفِي الصُّحُفِ الأُولى صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى** کہ یہ تزکیہ کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی تھا۔ جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آئیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب عصا ڈالا تو سب ایمان لے آئیں تو اُن کا جو مکالمہ ہے فرعون کے ساتھ پھر اس کے بعد جنت کی نعمتوں کا ذکر کیا تو فرمایا: **وَذٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكّٰى**[2] کہ جنت میں جانا اور اس کی نعمتوں کا حاصل ہونا اُس کا بدلہ ہے جس نے اپنا تزکیہ کیا۔ تزکیہ نفس بہت ہی اہم ولازمی امر ہے۔ حضرت مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ (یہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے بڑے بھائی اور

[1] سورۃ الاعلیٰ: ۱۴

[2] سورۃ طٰہٰ: ۷۶

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے تھے) فرمایا کرتے تھے کہ جنت میں داخلہ کے لئے ایمان کا ہونا شرط ہے کیونکہ بغیر ایمان کے جنت میں داخل نہیں ہو گا، اور جہنم سے بچنے کے لئے تزکیہ شرط ہے کیونکہ ایمان والے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے تو عذاب کے لئے نہیں بلکہ ان کے گناہوں کو دُھلوانے کے لئے اور تزکیہ کرنے کے لئے ڈالے جائیں گے تاکہ وہ پاک ہو جائیں۔ لہذا جہنم سے بچنے کے لئے تزکیہ نفس ضروری ہے۔ جس مؤمن کا تزکیہ دنیا میں ہو گیا تو وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ فرمایا کہ تزکیہ نام ہے خیالات کے پاک وصاف ہونے کا۔ لہذا تزکیہ کے بغیر قرآن وحدیث کو صحیح معنوں میں سمجھنا و سمجھانا ناممکن ہے لہذا ہر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔

قرآنِ کریم میں تزکیہ کی اہمیت:

۱۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تزکیہ نفس کے لئے گیارہ قسمیں کھائی ہیں، اور وہ بھی بڑی بڑی چیزوں کی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تزکیہ نفس کتنی اہم ترین چیز ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا**(۱) سورج کی اور اس کی دھوپ کی قسم ہے۔ **وَالْقَمَرِ اِذَا تَلَاهَا**(۲) اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے۔ **وَالنَّهَارِ اِذَا جَلَّاهَا**(۳) اور دن کی جب وہ اس کو روشن کر دے۔ **وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشَاهَا**(۴) اور رات کی جب وہ اس کو ڈھانپ لے۔ **وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنَاهَا**(۵) اور آسمان کی اور اس کی جس نے اس کو بنایا۔ **وَالْاَرْضِ وَمَا طَحَاهَا**(۶) اور زمین اور اس کی جس نے اس کو بچھایا۔ **وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا**(۷) اور جان کی اور اس کی جس نے اس کو درست کیا۔ **فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا**(۸) پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔ پھر اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جوابِ قسم ارشاد فرمایا کہ **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا**(۹) بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنی روح کو پاک کر لیا۔ **وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا**(۱۰) اور بے شک وہ غارت ہوا جس نے اس کو آلودہ کر لیا۔[1]

اندازہ لگائیے! کہ ان گیارہ بڑی چیزوں کی قسم کھانے کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوا، اور جس نے اپنے نفس کو خراب کیا وہ ناکام ہوا۔

۲۔ **قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى** یعنی بلاشبہ کامیاب ہو گیا وہ شخص جس کا تزکیہ ہو گیا، کیونکہ جنت میں داخل ہونے کے لئے ایمان شرط ہے اور جہنم سے بچنے کے لئے تزکیہ نفس ضروری ہے، لہذا جس کا تزکیہ اس دنیا میں ہو گیا، وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔

۳۔ **يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ**[2] یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہیں حرج میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتے ہیں

[1] سورۃ الشمس: ۱-۱۰
[2] سورۃ النور: ۲۱

بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں پاک کرے۔

۴۔اسی طرح جب اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو فرمایا:**فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ**[1] یعنی کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا تزکیہ ہو جائے، پہلی دعوت توحید کی نہیں کی بلکہ تزکیہ نفس کی کی، کیونکہ فرعون کا نفس بڑا گندہ ہو چکا تھا اس لئے پہلے اس کو تزکیہ نفس کی دعوت دی پھر فرمایا:**وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ**[2] اور راہ بتلاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف پھر تجھ کو ڈر ہو۔ معلوم ہوا کہ جس کا تزکیہ ہو جائے، اس کے اندر خشیتِ الٰہیہ آجاتی ہے۔ لہٰذا خشیتِ الٰہیہ حاصل کرنے کا طریقہ، تزکیہ نفس ہے۔

احکاماتِ الٰہیہ کا مقصد کسی انسان کو مشکل میں ڈالنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد بھی تزکیہ ہے، تزکیہ نفس مقاصدِ بعثتِ نبوت میں سے ایک اہم مقصد ہے اور جنابِ نبی کریم ﷺ نے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ فرمایا اور ایسا تزکیہ فرمایا کہ آج تک کوئی بھی ان کے مقام تک نہیں پہونچ سکا۔ آج اس مقصدِ عظیم سے لوگ ہٹ چکے ہے، ہمیں چاہئے کہ اس مقصدِ عظیم کو سمجھے۔

۵۔اللہ ﷻ نے مؤمنین کی صفات کو بیان فرمایا وہاں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:**وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ**[3] یعنی ایمان والے وہ ہیں جو زکوۃ ادا کرتے ہیں - یہاں "**لِلزَّكَاةِ**" سے مراد تزکیہ بھی ہے یہ جو لوگ اپنے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں. علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: **وقد يحتمل أن يكون المراد بالزكاة هاهنا : زكاة النفس من الشرك والدنس** یعنی یہاں زکوۃ سے مراد نفس کا تزکیہ شرک و میل کچیل (گناہ) سے بھی مراد ہے۔

آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ ایمان والے جو کامیاب ہونگے اُن میں ایک کام تزکیہ بھی ہے۔

۶۔حقیقت یہ ہے کہ جس پر اللہ ﷻ کا فضل ہو جائے اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ**[4]

ترجمہ: اگر تم پر اللہ ﷻ کا فضل اور اس کی رحمت شاملِ حال نہ ہوتی، تم میں سے کسی کا تزکیہ نہ ہوتا مگر اللہ ﷻ جس کا تزکیہ چاہتے ہیں (تزکیہ) کر دیتے ہیں۔

۷۔اسی طرح سے جس کا تزکیہ دنیا میں ہو جائے، ان لوگوں کا داخلہ جنت میں آسانی سے ہو جاتا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:**وَمَنْ**

[1] سورۃ النزعٰت:۱۸
[2] سورۃ النزعٰت:۱۹
[3] سورۃ المؤمنون:۴
[4] سورۃ النور:۲۱

يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى[1] اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا حالانکہ اس نے اچھے کام بھی کیے ہوں تو ان کے لیے بلند مرتبے ہوں گے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى[2]۔

تزکیہ کے حصول کے طریقے:

۱۔ عقیدہ توحید کو درست رکھنا ہے کہ اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا نہ اس کی ذات میں اور نہ ہی اس کی صفات میں، کیونکہ اگر کسی کا عقیدہ توحید صحیح نہ ہو گا تو اس کا تزکیہ نہیں ہو گا۔

۲۔ ہر اس گناہ سے بچنا جس سے ہمارا ایمان خراب ہو سکتا ہے اور ایسے ہی وہ بُرے اخلاق جن سے ہمارا ایمان خراب ہو سکتا ہے اس سے بچنا ہے۔

۳۔ نماز قائم کرنا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ[3]۔

ترجمہ: نماز بُرائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے۔

۴۔ زکوٰۃ اور نفلی صدقات دینا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا[4]۔

ترجمہ: آپ اُن کے اموال میں سے صدقہ لیں تاکہ آپ ان کو پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔

۵۔ روزہ رکھنا، حدیث شریف میں آتا ہے: الصِّيَامُ جُنَّةٌ[5] یعنی روزہ ڈھال ہے۔ لہٰذا جو روزہ رکھے گا، وہ جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، گالی بکنے، اور بھی بہت سے گناہ سے بچ جائے گا یہ خیال کر کے کہ میرا روزہ ہے۔

۶۔ حج کرنا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ[6]۔

ترجمہ: حاجی، حج میں نہ شہوت کی بات کرے، نہ ہی کوئی گناہ کرے اور نہ ہی جھگڑا کرے۔ لہٰذا جس کا حج ایسا ہو گا تو اس کی جزاء جنت ہے۔

[1] سورہ طٰہٰ: ۷۵
[2] سورۃ طٰہٰ: ۷۵-۷۶
[3] سورۃ العنکبوت: ۴۵
[4] سورۃ التوبۃ: ۱۰۳
[5] صحیح بخاری: ۳/ ۲۴
[6] سورۃ البقرۃ: ۱۹۷

۷۔ ذکر اللہ کی کثرت کرنا۔

۸۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا۔

۹۔ حقوق اللہ کی رعایت کرنا۔

۱۰۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔

۱۱۔ حقوق العباد کی رعایت کرنا۔

۱۲۔ صلہ رحمی کرنا۔

یہ تو وہ کام تھے جو کرنے سے تزکیہ نفس ہو گا، اسی طرح بہت سے ایسے کام ہے جن کے نہ کرنے سے تزکیہ نفس ہو گا، جیسا کہ ایک چیز دوا ہوتی ہے اور دوسری چیز پرہیز، اور پرہیز ایسی چیز ہے کہ اگر انسان اس پر عمل کرے تو وہ بہت سی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ ذیل میں چند پرہیز کی چیزوں کی ذکر کرتا ہوں جن کے نہ کرنے سے ہمیں تزکیہ حاصل ہو گا۔

۱۔ حقوق العباد میں کوتاہی نہ کرنا۔

۲۔ جھوٹ نہیں بولنا۔

۳۔ غیبت نہ کرنا۔

۴۔ حسد نہ کرنا۔

۵۔ بد نظری نہ کرنا۔

اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جس کے ذریعے ہمارا تزکیہ نفس ہو گا۔

۳۔ تعلیم کتاب: اس میں کتاب سے مراد قران ہے، اس سے پہلے تلاوتِ آیات کا مفصل بیان گذر چکا ہے اور وہاں تلاوتِ آیات سے مراد قرآنِ کریم کے الفاظ کا پڑھنا تھا، مگر یہاں مراد قرآنِ کریم کے معانی کی تعلیم ہے، یہ بھی مقاصدِ بعثت میں سے ایک اہم مقصد ہے، چنانچہ آپ ﷺ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآنِ کریم کے احکامات اور اس کے معانی بھی بتایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لئے بہت آسان کر دیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ**[1]۔ یعنی ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔

آج سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ امت نے قرآنِ کریم کو سمجھنا چھوڑ دیا ہے، اس میں تمام طبقہ کے لوگ، عوام وخواص، علماء وصلحاء، مبلغین، مجاہدین، صوفیاء سب کے سب شامل ہیں، یہی وجہ ہے امت میں اختلاف و جھگڑے ہیں، باوجود مسلمان

[1] سورۃ القمر: ۵۴

ہونے کے اور ایک ہی فقہ کو ماننے کے پھر بھی اختلاف نظر آتا ہے جس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے قرآنِ کریم کو چھوڑ دیا ہے، کیونکہ قرآن جب عقیدہ توحید بیان کرے گا تو ایک ہی عقیدہ بیان کرے گا، جب عقیدہ رسالت کو بیان کرے گا تو ایک ہی عقیدہ رسالت بیان کرے گا۔ آج عقیدہ توحید و رسالت میں اختلاف نظر آتا ہے۔

قرآنِ کریم کو چھوڑنے کی وعید: جو لوگ قرآنِ کریم کو چھوڑتے ہیں، چاہے تلاوت کے اعتبار سے ہو یا معانی کے سمجھنے کے اعتبار سے یا عمل کے اعتبار سے ہو ان کے لئے جنابِ رسول اللہ ﷺ کل قیامت کے دن فرمائیں گے: **وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا**[1] یعنی رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے کہ اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ: **مہجور** سے مراد قرآنِ کریم کا نہ پڑھنا بھی چھوڑنا ہے، نہ سمجھنا بھی چھوڑنا ہے اور عمل نہ کرنا بھی چھوڑنا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس کی تلاوت بھی کرنی ہے اور سمجھنا بھی ہے اور عمل بھی کرنا ہے تاکہ ہم اس وعید سے بچ جائیں۔

اس قرآنِ کریم میں تمام احکامات ہیں:

اس میں ہماری ہدایت کا سارا سامان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ہمیں اس دنیا میں کس طرح رہنا ہے، اور آخرت کے بھی تمام احکامات کو بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ ﷻ نے جنابِ نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ: **وَ اتَّبِعْ ما يُوحى إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ**[2] یعنی آپ ﷺ کی طرف جس چیز کی وحی کی جارہی ہے اس کا اتباع کریں، ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ: **اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ**[3] یعنی کہہ دیجئے کہ میں اس چیز کا اتباع کر رہا ہوں جو چیز میری طرف وحی کی جارہی ہے، **فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ**[4] یعنی پس پکڑ لو اس چیز کو جو آپ کی طرف وحی کی جارہی ہے، یہ تمام آیات جس میں جنابِ نبی کریم ﷺ کو خطاب کیا جارہا ہے درحقیقت ان میں ہمیں تعلیم ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: **اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ**[5] یعنی جو چیز تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف وحی کی جارہی ہے اس کا اتباع کرو۔ یہ قرآن نورِ مبین ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ

[1] سورۃ الفرقان: ۳۰
[2] سورۃ الاحزاب: ۲
[3] سورۃ الانعام: ۵۰
[4] سورۃ الزخرف: ۴۳
[5] سورۃ الاعراف: ۳

ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا[1] یعنی ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین نازل کیا، لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم اس روشنی کو جو پھیلنے والی ہے اس کو حاصل کریں اپنا وقت نکال کر اس روشنی کو حاصل کریں اور ایسی مجالس میں جائیں جہاں قرآنِ کریم کا درس ہوتا ہے اور وہ علماء جو قرآنِ کریم کو سمجھتے ہیں ان کے درس میں جا کر قرآنِ کریم کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

ایمان کا مقام: اگر ہم ایمان کے مقامات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن کریم کو پڑھنا اور سمجھنا ہوگا، کیونکہ اس قرآنِ کریم میں تمام احکامات، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح و طلاق، موت، عدت، سیاست، حلال اور حرام وغیرہ سب ہیں، اسی طرح قرآنِ کریم نے ہمیں ایمان کے مقامات اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔

نور میں لانے کا ذریعہ: یہ قرآنِ کریم ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے کر آئے گا چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[2]۔ یعنی بے شک اللہ ﷻ نے تمہاری طرف نصیحت نازل کی ہے۔ یعنی ایک رسول جو تمہیں اللہ کی واضح آیتیں پڑھ کر سناتا ہے تاکہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جائے۔ لہذا یہ وہ کلام ہے کہ جس سے پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی وجہ سے ہمیں روشنی حاصل ہوگی اور ہمارے باطن کا اندھیرا ختم ہو جائے گا اور ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا[3] یعنی جب اللہ ﷻ کی آیات ان پر پڑھی جاتی ہے تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا[4]۔ یعنی جب اُن کے رب کی آیات پڑھی جاتی تو وہ اندھے اور بہرے ہو کر نہیں سُنتے، یعنی اس کے احکامات کو سُن کر عمل کرتے ہیں۔

اللہ ﷻ کا کتنا احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے اِس قرآنِ کریم کے تراجم علماء کے ذریعے مختلف زبانوں میں کروا دیئے ہیں کہ ہم اس کو پڑھ کر سمجھ کر عمل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک آیت میں اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: كَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ

[1] سورۃ النسآء: ۱۷۴
[2] سورۃ الطلاق: ۱۰-۱۱
[3] سورۃ الانفال: ۲
[4] سورۃ الفرقان: ۷۳

مُّسْتَقِيمٍ[1]۔یعنی اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان لیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ سجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں اور بیشک تو سجھاتا ہے سیدھی راہ۔

اس آیت میں روح سے مراد یہی ہے کہ جب ہم قرآنِ کریم کے احکامات پر عمل کریں گے تو ہمارے مردہ قلوب زندہ ہو جائیں گے۔

اہم بات: آج امت کو چاہئے کہ اپنی دعوت کو دعوت الی القرآن بنالیں کیونکہ جب بھی اس امت میں قرآن کا دور آیا ہے تو خوب انقلاب برپا ہوا ہے، لہذا امت کے ہر طبقے کو چاہئے کہ قرآنِ کریم کی بات کریں، علماء، صلحاء، صوفیاء، مبلغین، مقررین، مجاہدین، محدثین ذاکرین سب کو چاہئے کہ قرآنِ کریم کی دعوت دیں، کیونکہ جب ہم اپنی دعوت کو قرآن کی دعوت بنالیں گے تو دینِ اسلام پوری دنیا میں غالب آجائے گا اور وہ تو ہو کر رہے گا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **هُوَالَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ**[2]۔یعنی اللہ ﷻ نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایت کے ساتھ اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ سارے ادیان پر غالب کرے۔ اسی طرح ارشاد فرمایا: **وَاللهُ مُتِمُّ نُوْرِهِ**[3]۔یعنی اللہ ﷻ اپنے (قرآن کے) نور کو مکمل کریں گے۔

لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم اس قرآنِ کریم کے نور کو مکمل کرنے والوں میں شامل ہو جائے اور اس تعلیمِ کتاب جو تزکیہ نفس کا اہم ترین مقصد ہے اس کو سمجھ کر عمل کرے۔

۴۔ تعلیمِ حکمت: آپ ﷺ کے مقاصد میں ایک مقصد حکمت کی تعلیم ہے۔

حکمت سے مراد کیا ہے؟ مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

۱۔ابنِ وھب رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے: **المعرفة بالدين والفقه فيه والاتباع له۔**

ترجمہ: حکمت نام ہے دین کی معرفت اور اس میں سمجھ اور اس کا اتباع کرنا۔

۲۔قتادہ رحمہ اللہ نے حکمت سے مراد "سنت" لیا ہے۔

۳۔**وقيل الحكمة: هي علم باحكام الله تعالىٰ التى لايدرک علمها الا ببيان الرسول ﷺ والمعرفة بهامنه۔**

ترجمہ: حکمت اللہ ﷻ کے ان احکامات کے جاننے کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بیان کرنے سے معلوم ہو اور اس کی معرفت حاصل ہو۔

[1] سورۃ الشوریٰ: ۵۲
[2] سورۃ التوبۃ: ۳۳
[3] سورۃ الصف: ۸

۴۔وقیل:هی معرفة الفصل بین الحق والباطل۔یعنی حکمت حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کی معرفت کا نام ہے۔

۵۔وقیل:هی معرفة الأحکام والقضاء۔یعنی حکمت احکام وقضاء کی معرفت کا نام ہے۔

۶۔وقیل هی فهم القرآن۔[1]یعنی حکمت قرآنِ کریم کے فہم کا نام ہے۔

۷۔الحکمة:العلم باللہ ودقائق شرائعه وهی معانی الکتاب وتفصیل مقاصده۔

ترجمہ:اللہ ﷻ کا علم اوراس کی شریعت کے دقائق کو جاننے کا نام ہے اور شریعت کے دقائق کتاب کے معانی اوراس کے مقاصد کی تفصیل کو کہتے ہیں۔

۸۔قال الامام الشافعی رحمہ اللہ:الحکمة:سنة الرسول ﷺ۔یعنی رسول اللہ ﷺ کی سنت کا نام ہے۔

۹۔قال مقاتل رحمہ اللہ مواعظ القرآن ومافیه من الأحکام،یعنی قرآنِ کریم کے مواعظ اوراس کے احکامات کا نام حکمت ہے۔

۱۰۔قال ابن قتیبة رحمہ اللہ:هی العلم والعمل به۔یعنی علم وعمل کا نام ہے۔

۱۱۔قال ابوبکربن درید رحمہ اللہ:کل کلمة وعظتک اودعتک الی مکرمة اونهتک عن قبیح فهی حکمة۔[2]

ترجمہ:ہر وہ بات جو تجھے وعظ کرے یا دعوت دے نیکی کی طرف یا منع بُرے کام سے تو وہ حکمت ہے۔

۱۲۔الحکمة:ماتکمل به نفوسهم من المعارف والأحکام۔[3]یعنی جن معارف اوراحکامات سے نفوس کامل ہوتے ہوں۔

۱۳۔الحکمة:علم التفسیر۔[4]یعنی علمِ تفسیر کا نام حکمت ہے۔

۱۴۔الحکمة:معرفة بالدین والفقه فی التأویل والفهم للشریعة۔[5]

ترجمہ:دین کی معرفت،تاویلات کا فہم اور شریعت کے فہم کا نام حکمت ہے۔

۱۵۔وضع الأشیاء مواضعهاأومایزیل من القلوب وهج حب الدنیا۔[6]

ترجمہ:اشیاء کا اُن کی جگہ میں رکھنا یا جو چیز دل کو پاک کرے اور دنیا کی محبت کی بُرائی کرے۔

[1] تفسیر الخازن:۱/۸۳
[2] تفسیر البغوی:۶۵
[3] تفسیر البیضاوی:۱/۱۰۶
[4] تفسیر بحر العلوم:۱/۱۵۹
[5] تفسیر فتح القدیر للشوکانی:۱/۲۷۶
[6] روح المعانی:۱/۳۸۵

میں نے "۱۵" اقوال مختلف مفسرین کے نقل کئے ہیں۔ حکمت کے ان تمام معانی کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی تفسیر کو سمجھتے ہوئے قرآنِ کریم کے غامض اسرار ولطائف اور شریعت کے دقیق وعمیق علل کو خوب اچھی طرح سمجھنا۔ چنانچہ تدبرِ قرآن ہم جب ہی کریں گے جب ہم شروع کے تین مقاصد پر مکمل عبور حاصل کرلیں۔

حکمت کا مقام سب سے اعلیٰ وارفع ہے، اس سے پہلے کے مقام زینہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ بلاشبہ حکمت کے مقام پر فائز تھے، وہ حضرات تلاوتِ آیات، تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب کے مراحل کو طے کرکے اس آخری مرتبہ پر فائز ہوئے۔

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾	اور کون ہے جو پھرے ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی کہ جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو اور بیشک ہم نے ان کو منتخب کیا دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں میں ہیں (۱۳۰)
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾	یاد کرو جب اس کو کہا اس کے رب نے حکم برداری کر تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا (۱۳۱)
وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾	اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو بیشک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین سو ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان (۱۳۲)
اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾	کیا تم موجود تھے جس وقت آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد بولے ہم بندگی کرینگے تیرے عب کی اور تیرے باپ داداؤں کے رب کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق ہیں وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں (۱۳۳)
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾	وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی (۱۳۴)

وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ: اس آیت میں یہود کے دعوی کا ذکر ہے وہ دینِ ابرہیمی کے پیرو کار ہیں۔ ان کے دعوی کو رد کیا جارہاہے کہ دینِ محمدی اور دینِ ابراہیمی ایک ہی ہے۔ لہذا جو شخص دینِ ابراہیمی سے پھرے گا، در حقیقت وہ بڑا ہی بے وقوف ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے دنیا میں چُن لیا ہے اور آخرت میں وہ نیکوں میں سے ہونگے۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرمانبرداری کی انتہاء کو بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے کہا کہ اپنے رب کے تابعدار ہو جاؤ، فوراً کہا کہ میں اپنے رب کے تابعدار ہو گیا، اے یہود تم کیوں اس دینِ محمدی ﷺ میں داخل کیوں نہیں ہوتے؟ حالانکہ دینِ محمدی ﷺ دینِ ابراہیمی ہی ہے۔

وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ: اس آیت میں اللہ ﷻ یہود کے اس قول کا رد فرمارہے ہیں کہ جو یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وعوت دی ہے کہ یہودیت پر قائم رہو، اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی تھی کہ اللہ ﷻ نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند فرمایا ہیں اور تمہیں موت اسلام پر ہی آئے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ: اور تمہارا یہ دعویٰ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی دعوت دی تھی کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کے وقت تم موجود تھے؟ انہوں نے یہودیت کی نہیں بلکہ اسلام کی دعوت دی تھی اور اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے، سب نے کہا تھا کہ ہم اللہ ﷻ کی عبادت کرینگے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا رب ہے اور ہم سب اسی اللہ ﷻ کے تابعدار ہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ: اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی اور ان کے لئے ان کے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں اور ان کے اعمال کا تم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۳۵﴾	اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پالوگے راہ راست کہہ دے کہ ہر گز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں (۱۳۵)
قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی وَ مَا	تم کہہ دو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر اور جو اترا ابراہیم پر اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ہم

اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾	فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں (۱۳۶)
فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳۷﴾	سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے ہو ہدایت پائی انہوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا (۱۳۷)
صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۪ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾	ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں (۱۳۸)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا: یہودی کہا کرتے تھے کہ یہودی بن جاؤ اور عیسائی یہ کہا کرتے تھے کہ عیسائی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے، اللہ ﷻ فرمارہے ہیں کہ نہیں نہ یہودی بنو اور نہ ہی عیسائی بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع کرو تو ہدایت پاؤ گے اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہیں تھے بلکہ وہ پکے مؤحد تھے اور دینِ حنیف پر قائم تھے، تم بھی سیدھے دین پر آجاؤ۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ: کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا اور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد میں جو کچھ نازل ہوا ہم اُن پر ایمان لے آئیں اور جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا ہم اس پر بھی ایمان لائیں اور ہم کسی بھی نبی اور رسول کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ ﷻ کے فرمانبردار ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا: اگر یہ ایمان لے آئیں جیسا کہ اے مسلمانوں! (صحابہ رضی اللہ عنہم) تم ایمان لائیں ہو تو یہ بھی ہدایت پائیں گے اور اگر تمہارے ایمان کی طرح ایمان نہیں لائیں گے اور روگردانی کرینگے تو یہ لوگ ضد اور مخالفت پر ہیں اور اللہ ﷻ ان کو کافی ہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ: یہ وہ آیت ہے کہ جب حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، ان کا خون اس آیت پر گرا۔ جس میں اشارہ تھا کہ اب حالات درست نہیں رہیں گے اور ان قاتلوں کے لئے اللہ ﷻ کافی ہیں۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ: نصاریٰ کے ہاں جب کوئی ولادت ہوتی تھی، وہ اس کو رنگ میں ڈبو دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہمارا رنگ ہے اور یہ علامت ہوتی تھی کہ یہ عیسائی ہے۔ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ کے رنگ کو قبول کرو کیونکہ اللہ ﷻ کا رنگ (اللہ ﷻ کے دین کا

رنگ)ہی سب سے بہتر رنگ ہے کیونکہ تمہارا رنگ تو چند دنوں میں ختم ہو جائے گا۔اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہو کہ ہم اللہ ﷻ کی ہی عبادت کرتے ہیں۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ۙ	کہہ دے کیا تم جھگڑتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور ہم تو خالص اسی کے ہیں(۱۳۹)
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾	کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی یا نصرانی کہہ دے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے چھپائی وہ گواہی جو ثابت ہو چکی اس کو اللہ کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے(۱۴۰)
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾	وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ان کے کاموں کی(۱۴۱)

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ: اس آیت میں بیان فرمارہے ہیں کہ تم لوگ کیوں اللہ ﷻ کے بارے میں جھگڑتے ہو جب کہ وہ تو ہمارا اور تمہارا رب ہے۔تم بحث میں مت پڑو کیونکہ اُن کے لئے اُن کے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں اور قیامت کے دن فیصلہ ہو جائے گا کہ اللہ ﷻ کس کا ہے ابھی تم صرف اعمال کرو اور خالصتاً ہمارے لئے عمل کرو۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ تم لوگ جو حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام پر تہمت لگاتے ہو کہ یہود کہتے ہیں کہ وہ یہودی تھے اور عیسائی کہتے ہیں کہ وہ عیسائی تھے،اس قول کو اور ان کے دین کو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ ﷻ زیادہ جانتے ہیں؟ اور بہت ہی بڑا ظالم ہے وہ جو گواہی کو چھپاتا ہے اور یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ ﷻ اس سے غافل نہیں ہیں بلکہ وہ ہر چیز سے باخبر ہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ: اور یاد رکھو وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی اور اُن کے لئے وہی ہے جو کچھ انہوں نے کیا اور تمہارے لئے

وہی ہو گا جو تم نے کیا ہو گا اور ان کے اعمال کا تم سے کوئی سوال نہیں ہو گا۔

الحمد للہ! پہلا پارہ بروزِ ہفتہ ۱۴ ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۲ دسمبر ۲۰۱۸ء کو مکمل ہو گیا ہے، اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ بقیہ پارے بھی خیر وعافیت کے ساتھ مکمل کروادے اور اللہ ﷻ اپنے فضل کا معاملہ فرمائے اور شرف قبولیت بخشے۔ آمین



دوسرا سپارہ- سَیَقُولُ

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۲﴾

اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو انکے قبلہ سے جس پر وہ تھے تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ (۱۴۲)

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾

اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں اور بیشک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان بیشک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے (۱۴۳)

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۴﴾

بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف سو البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف اور جن کو ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے انکے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں (۱۴۴)

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ

اور اگر تو لائے اہل کتاب کے پاس ساری نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو مانے ان کا قبلہ اور نہ ان میں ایک

وَمَابَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۵﴾	مانتا ہے دوسرے کا قبلہ اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو بیشک تو بھی ہوا بے انصافوں میں (۱۴۵)
الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴۶﴾	جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بیشک ایک فرقہ ان میں سے البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر (۱۴۶)
الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۴۷﴾	حق تو وہی ہے جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے والا (۱۴۷)

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جب تحویلِ قبلہ ہوگا تو بیوقوف قسم کے لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے ان کو قبلہ سے پھیر دیا؟ کیونکہ یہود اس بات پر مطمئن تھے چلو مسلمانوں کا قبلہ تو ہمارے قبلہ بیت المقدس ہے مگر جب مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ ہوا تو انہوں نے فساد پھیلانا شروع کر دیا کہ یہ نبی آخر الزمان ﷺ ہمارے مخالف ہیں یہاں تک کہ قبلہ بھی تبدیل کر دیا جو کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا قبلہ تھا، اللہ ﷻ نے فرمایا کہ اے نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی اللہ کا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔عَنِ البَرَاءِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَلَّى إِلَى بَيْتِ المَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا، أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ البَيْتِ، وَأَنَّهُ صَلَّى، أَوْ صَلَّاهَا، صَلاَةَ العَصْرِ وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ «فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ صَلَّى مَعَهُ فَمَرَّ عَلَى أَهْلِ المَسْجِدِ وَهُمْ رَاكِعُونَ، قَالَ :أَشْهَدُ بِاللَّهِ، لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قِبَلَ مَكَّةَ، فَدَارُوا كَمَا هُمْ قِبَلَ البَيْتِ۔[1]

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھی مگر آپ ﷺ کی یہ چاہت تھی کہ اُن کا قبلہ بیت اللہ بن جائے (اس پر حکم نازل ہو گیا)، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر ایک مسجد پر گذر ہوا تو فرمانے لگے کہ میں اللہ ﷻ کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی بیت اللہ کی جانب رُخ کر کے اور وہ لوگ رکوع کی حالت میں ہی بیت اللہ (مکہ) کی جانب گھوم گئے۔

[1] صحیح البخاری: ۶/۲۱

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ **يُدْعَى نُوحٌ يَوْمَ القِيَامَةِ، فَيَقُولُ :لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَبِّ، فَيَقُولُ : هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ :نَعَمْ، فَيُقَالُ لِأُمَّتِهِ :هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ :مَا أَتَانَا مِنْ نَذِيرٍ، فَيَقُولُ :مَنْ يَشْهَدُ لَكَ؟ فَيَقُولُ :مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ، فَتَشْهَدُونَ أَنَّهُ قَدْ بَلَّغَ۔**[1]

ترجمہ: حضرت نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بُلایا جائے گا تو وہ فرمائیں گے اے میرے رب میں حاضر ہوں پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے پیغام پہنچادیا تھا؟ تو وہ کہیں گے جی ہاں! پھر اُن کی امت سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم کو انہوں (نوح علیہ السلام) نے پیغام پہنچایا ؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو (حضرت نوح علیہ السلام) سے پوچھا جائے گا کہ کون آپ کی بات کی گواہی دے گا تو وہ فرمائیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت (میری بات کی گواہی دیں گے)۔

سوال: امتِ محمدیہ تو آخر میں آئی ہے تو یہ وسطِ امت کہاں سے ہوئی؟

جواب: جیسا ایک دائرہ ہوتا ہے تو اس میں ایک نقطہ ہوتا ہے تو وہ نقطہ اگرچہ آخر میں ہوتا ہے مگر دائرہ کو مکمل کرنے لے لئے وہ اہم ہوتا ہے اور دائرہ وسط میں ہوتا ہے۔ اسی طرح امتِ محمدیہ بھی اگرچہ آخر میں آئی ہے مگر اہمیت کے لحاظ سے وسط ہے۔

اور اس امت کی اہمیت یوں بھی ہے کہ یہ امت کل قیامت کے دن رسولوں پر گواہ بنے گی یعنی جب پچھلی امتیں انکار کریں گی تو یہ امت گواہی دے گی کہ رسول سچے ہیں اور اُن کی امت غلط کہہ رہی ہیں کیونکہ امتِ محمدیہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت اور ان کے رسولوں کے حالات بیان فرمادیئے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ: تحویلِ قبلہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ امتحان لینا چاہ رہے تھے کہ کون تحویلِ قبلہ کے امتحان میں کامیاب ہوتا اور کون ناکام ہوتا ہے۔

لِنَعْلَمَ کا معنی **لِنَمْتَحِنَ** یعنی امتحان کے معنی میں ہے۔

جب تحویلِ قبلہ ہوا تو جو مسلمان موجود تھے تو ان کو اپنی بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازوں کے بارے میں اور اسی طرح جو دنیا سے گذر گئے تھے اُن کی نمازوں کے بارے میں خیال آیا کہ ان نمازوں کا کیا ہوگا؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی نمازیں ضائع نہیں کریں گے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے بیت

[1] صحیح البخاری: ۶/۲۱

اللہ ہو جائے۔ آپ ﷺ بار بار آسمان کی طرف اپنا چہرہ مبارک کو اُٹھاتے تھے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم آجائے اللہ ﷻ اسی منظر کو بیان فرمارہے ہیں کہ ہم آپ کے بار بار آسمان کی طرف چہرہ کرنے کو دیکھ رہے تھے اب ہم نے اس قبلہ کو جس کو آپ پسند فرماتے تھے، اس کو قبلہ بنادیا۔ اب جو کوئی بھی نماز پڑھے بیت اللہ کی طرف اپنا رُخ کرے۔

بیت اللہ کی طرف منہ کرنا نماز کی شرائط میں سے ہے۔ اگر بیت اللہ کی جانب رُخ نہیں ہو گا تو نماز نہیں ہو گی۔ آگے اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جو لوگ اہلِ کتاب ہیں جان لو! اللہ ﷻ اُن کے کاموں سے غافل نہیں ہیں۔

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ: اس آیت میں اہلِ کتاب کی ضد اور مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ یہ اہلِ کتاب کبھی بھی آپ کے قبلہ کی جانب رُخ نہیں کرینگے اور یاد رکھو اے امتِ محمد یہ! جب تمہارے پاس علم آگیا اب اُن کی خواہشات کی پیروی مت کرنا اگر تم لوگوں نے اُن کی خواہشات کی پیروی کی تو تم لوگ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ: اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ یہود آپ ﷺ کو ایسے پہچانتے تھے جیسا کہ اپنی اولاد کو پہچانتے تھے یعنی جس طرح کوئی اپنی اولاد کو پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتا اور اُن کو کامل یقین ہوتا ہے کہ یہ میری اولاد ہے، یہ یہود آپ ﷺ کو اسی طرح پہچانتے تھے کہ یہ نبی برحق ہیں مگر ضد و عناد کی وجہ سے مخالفت کی اور آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ حق کو جانتے ہوئے چھپاتے ہیں جو کہ بہت غلط بات ہے۔

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۖ: اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے اور آپ اس حق میں شک میں مت پڑیں۔

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾	اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف سو تم سبقت کرو نیکیوں میں۔ جہاں کہیں تم ہو گے کر لائے گا تم کو اللہ اکٹھا۔ بیشک اللہ ﷻ ہر چیز کر سکتا ہے (۱۴۸)
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾	اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور بیشک یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بیخبر نہیں تمہارے کاموں سے (۱۴۹)
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ	اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو اسی کی طرف تا کہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع مگر جو ان میں بے انصاف ہیں سو ان سے [یعنی انکے اعتراضوں

حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴿۱۵۰﴾	سے] مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تا کہ تم پاؤ راہ سیدھی (۱۵۰)
كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴿۱۵۱﴾	جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب اور اس کے اسرار اور سکھلاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے (۱۵۱)
فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴿۱۵۲﴾	سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو (۱۵۲)

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ ہر کسی کا ایک قبلہ ہوتا ہے تو اے مسلمانوں تمہارا قبلہ بیت اللہ ہے یاد رکھو حسد کرنا گناہ ہے ہاں اگر آگے بڑھنے کی خواہش ہے تو نیکی کے کاموں میں کرو اور تم جہاں کہیں بھی ہونگے تو اللہ ﷻ تمہیں جمع کر دے گا اور اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہیں۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ: یہ آیت سفر کے بارے میں ہے کہ جب تم سفر میں بھی نماز پڑھو تو اپنا رُخ قبلہ کی جانب کرو اور یہی حق ہے اللہ ﷻ کی طرف سے اور اللہ ﷻ غافل نہیں ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

مسئلہ: اگر ایسی جگہ نماز پڑھنا ہو جہاں کوئی قبلہ کی سمت بتانے والا نہ ہو تو وہاں تحری کرنا ضروری ہے۔[1]

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ: اس آیت میں بھی بیت اللہ کی جانب رُخ کرنے کا حکم ہو رہا ہے یہ قبلہ کی جانب رُخ کرنا اس وجہ سے ہے کہ تا کہ حجت تام ہو جائے اُن لوگوں کے لئے جو بیت اللہ کی جانب رُخ نہیں کرتے ہیں اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ جو لوگ بیت اللہ کی جانب رُخ نہیں کرتے تو وہ ظالم ہیں اور ہاں ان لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ہی ڈرو تا کہ میں اپنی نعمتیں تم پر تمام کروں اور تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ اپنی نعمت کا ذکر فرمارہے ہیں کہ جیسا کہ میں نے تم پر نعمت کی کہ اپنا رسول بھیجا جو میری آیات تم پر پڑھا کرتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور جو کچھ تم نہیں

[1] الفتاویٰ الہندیہ: ۱/ ۶۱

جانتے اس کا علم دیتا ہے۔

تزکیہ: تزکیہ نفس بہت ہی اہم چیز ہے اور اس کے بغیر قرآن وحدیث کا سمجھنا محال ہے لہذا تزکیہ نفس بہت ہی اہم ترین ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جنت میں جانے کے لئے ایمان شرط ہے اور جنت میں دخولِ اوّلی کے لئے اعمالِ صالحہ ضروری ہے اور جہنم سے بچنے کے لئے تزکیہ نفس ضروری ہے کیونکہ گناہ گار مسلمان جہنم میں اس لئے جائے گا کہ اس کے گناہ دھول جائے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تزکیہ نام ہے خیالات کے صاف ہونے کا۔

ربط آیت: اس سے پہلے اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کے مقاصدِ بعثت کو بیان فرمایا ہے اور ان مقاصد میں سے ایک تزکیہ بھی ہے اور اس آیت ذکر اللہ کا ذکر ہے جو کہ تزکیہ کے لئے بنیادی چیز ہے۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ : یہاں پر ذکر کی اہمیت بیان ہو رہی ہے کہ در حقیقت ذکر ہی کائنات کی زندگی ہے کہ جب تک ذکر اللہ ہے تو دنیا باقی ہے اور جب ذکر اللہ ختم ہو جائے گا تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ **"لاتقوم الساعة حتى لايقال فى الارض الله"** یعنی قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔

ذکر کے فضائل:

۱- عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ لِلَّهِ مَلاَئِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَوْا :هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ، قَالَ : فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ " :فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ، وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ، مَا يَقُولُ عِبَادِي؟ قَالُوا :يَقُولُونَ: يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيَحْمَدُونَكَ وَيُمَجِّدُونَكَ ، قَالَ :، فَيَقُولُ: هَلْ رَأَوْنِي؟ قَالَ :فَيَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ مَا رَأَوْكَ؟ قَالَ :فَيَقُولُ: وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟ قَالَ : يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا وَتَحْمِيدًا، وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا ، قَالَ :يَقُولُ: فَمَا يَسْأَلُونِي؟ قَالَ : يَسْأَلُونَكَ الجَنَّةَ، قَالَ :يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ :يَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا ، قَالَ :يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا؟ قَالَ :يَقُولُونَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً، قَالَ :فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: مِنَ النَّارِ ، قَالَ :يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ :يَقُولُونَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ :

[1] صحیح مسلم: ۱/ ۱۳۱

يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ قَالَ :يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا، وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً، قَالَ :فَيَقُولُ:فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، قَالَ :يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ: فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ :هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ[1]۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین میں گھومتے ہیں اور جہاں کہیں لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں تو وہاں جمع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتے ہیں اور جب مجلس ختم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ باوجود سب جاننے کے پوچھتے ہیں کہ کہاں سے آرہے ہو تو فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم ایسی مجلس سے آرہے ہیں کہ جہاں لوگ تجھے یاد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا تو فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ لوگ آپ کو دیکھ لیتے تو اور زیادہ یاد کرتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتوں گواہ رہنا میں نے سب کی مغفرت کر دی تو فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ! اُس مجلس میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو صرف اپنے کام سے آئے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتوں یہ مجلس ایسی ہے کہ اس میں بیٹھنے والا نامراد نہیں ہوتا۔

۲۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ :إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيلَ: إِنِّي قَدْ أَحْبَبْتُ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، قَالَ :فَيُنَادِي فِي السَّمَاءِ، ثُمَّ تَنْزِلُ لَهُ الْمَحَبَّةُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ، فَذَلِكَ قَوْلُ اللهِ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا۔[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتے ہیں تو جبرائیل امین علیہ السلام کو بُلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں اے جبرائیل! تم بھی اُس سے محبت کرو پھر جبرائیل امین یہ پیغام تمام آسمانوں کے فرشتوں کو دیتے ہیں پھر تمام فرشتے یہاں تک زمین (آسمان، خشکی اور تری کی) تمام مخلوق اُس بندے سے محبت کرنے لگتی ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا" کہ رحمٰن ان کے لئے ود (محبت) بنادیں گے۔

وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ: یہاں پر اللہ تعالیٰ شکر کرنے کا فرمارہے ہیں اور ناشکری سے منع فرمارہے ہیں۔

شکر کیا ہے؟ شکر صرف یہی نہیں کہ صرف زبان سے شکر ادا کر لیا بلکہ حقیقت شکر کی یہ ہے کہ اعمال بھی شکر والے ہو چنانچہ ارشادِ

[1] صحیح البخاری:۸/۸۶
[2] سنن الترمذی:۵/۱۶۹

باری تعالیٰ ہے "**اعملوا اٰل داؤد شکرا**"[1] کہ اے آلِ داؤد شکر والے اعمال کرو، یعنی عمل سے بھی اظہار کرنا ہے کہ ہم شکر ادا کررہے ہیں چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "**لئن شکرتم لازیدنکم**"[2] کہ میرا شکر ادا کروگے تو میں نعمتوں میں اضافہ کروں گا "**ولئن کفرتم ان عذابی لشدید**"[3] اور اگر میری نعمتوں کی ناشکری کروگے تو میرا عذاب شدید ہے، لہٰذا ہمیں اللہ ﷻ کی ہر نعمت کا شکر ادا عملاً کرنا ہے اور اُن کی ناشکری سے بچنا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾	اے مسلمانو مدد لو صبر اور نماز سے بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۱۵۳)
وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾	اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں بلکہ وہ زندے ہیں لیکن تم کو خبر نہیں (۱۵۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ: اس آیت سے وسیلہ کا ثبوت ہے مگر وسیلہ کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس کو لازمی سمجھ لیا جائے۔ بلکہ وسیلہ کا مطلب یہ ہے کہ پسندیدہ ہے اور وسیلہ بنانا چاہئے۔ بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس آیت سے استعانت بغیر اللہ یعنی غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے یہ غلط بات ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس آیت میں جو **بالصبر** میں "ب" ہے وہ وسیلہ اور ذریعہ کا ہے یعنی صبر اور نماز کو مدد حاصل کرنے کا ذریعہ بناؤ۔

صبر کی اقسام سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۴۵ میں دیکھ لی جائے۔

ربط آیت: اس سے پہلے صبر کی تلقین کی گئی اور شہید بھی اللہ ﷻ کے راستے میں صبر کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جان دے دیتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ: اس آیت میں شہید کا مقام و مرتبہ بیان ہو رہا ہے کہ شہید کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہے مگر ان کی زندگی کا تمہارا شعور نہیں مگر وہ حیات ہیں۔ شہادت وہ درجہ جس کے لئے آپ ﷺ نے خواہش ظاہر کی چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقتَلُ في سبيلِ اللَّهِ ، ثمَّ أُحيا ،**

[1] سورۃ سبا: ۱۳
[2] سورۃ ابراھیم: ۷
[3] سورۃ ابراھیم: ۷

ثمَّ أُقتَلُ ، ثمَّ أُحيا ، ثمَّ أُقتَلُ ، ثمَّ أُحيا ،ثمَّ أُقتَلُ[1]۔

ترجمہ: میری خواہش ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیاجاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیاجاؤں پھر زندہ کیاجاؤں پھر شہید کیاجاؤں پھر زندہ کیاجاؤں پھر شہید کیاجاؤں۔

شہید کی تعریف:

شہید دراصل وہ شخص ہے کہ جو اللہ ﷻ کے راستے میں اللہ ﷻ کے دین کی بلندی کے لئے لڑے، اُس کا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہو، دنیا کا کوئی غرض نہ ہو۔ ایسے لوگ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اور اللہ ﷻ کی طرف سے اُن کو کھلایا پلایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ،، فتح الباری ،، میں شہید کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مندرجہ ذیل اقوال ذکر کئے ہیں:

۱۔ اس لئے کہ اس کے شہید ہونے پر ایک گواہ ہوتا ہے۔

۲۔ ابن انباری رحمہ اللہ نے کہا: اس لئے کہ اللہ ﷻ اور اس کے فرشتے اس کے لئے جنت کی گواہی دیتے ہیں۔

۳۔ اس لئے کہ وہ روح نکلتے وقت اُن انعامات کو دیکھتا ہے جو اس کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔

۴۔ اس لئے کہ اس کے لئے جہنم کی آگ سے امان کی گواہی دی گئی ہے۔

۵۔ نضر بن شمیل رحمہ اللہ نے کہا: اس لئے کہ شہداء زندہ ہیں گویا کہ ان کی روحیں شاہد یعنی حاضر ہیں۔

۶۔ اس لئے کہ اس کی موت کے وقت صرف رحمت کے فرشتے ہی آتے ہیں۔

۷۔ اس لئے کہ وہ قیامت کے دن رسولوں کی تبلیغِ دین کی گواہی دینے والا ہو گا۔

۸۔ اس لئے کہ فرشتے اس کے حسنِ خاتمہ کی گواہی دیتے ہیں۔

۹۔ اس لئے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اس کی عمدہ پیروی کرنے کی گواہی دیں گے۔

۱۰۔ اس لئے کہ اللہ ﷻ اس کی حسنِ نیت اور اخلاص کی گواہی دینے والا ہے۔

۱۱۔ اس لئے کہ وہ اپنی موت کے وقت فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔

۱۲۔ اس لئے کہ وہ دنیا و آخرت کے ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے۔

۱۳۔ اس لئے کہ اس پر ایک گواہی کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ نجات پا گیا۔

شہداء کے لئے جنت کا وعدہ: جنت میں داخل ہونے والوں میں ایسے خوش نصیب لوگ بھی ہیں جو اپنی جان اللہ ﷻ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں، اللہ ﷻ ارشاد فرماتے ہیں: **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يقَاتِلُونَ**

[1] صحيح البخاري: ۹/ ۸۲

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ. [1] یعنی بلاشبہ اللہ ﷻ نے ایمان والوں کے جان اور مال کو خرید لیا اور اس کے بدلے ان کو جنت عطا کی۔ اللہ ﷻ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔

شہداء جنت میں فردوس اعلی کے مستحق ہوں گے: روى أنسُ ابنُ مالك رضی اللہ عنہ أنَّ أُمَّ الرُّبَيِّعِ بنتَ البراءِ، وهي أُمُّ حارثَةَ بنِ سُراقَةَ، أتتِ النبيَ ﷺ فقالتْ: (يا نَبيَّ اللَّهِ، ألا تُحدِّثُني عن حارثَةَ، وكان قُتِلَ يومَ بَدرٍ، أصابَهُ سهمٌ غَرْبٌ فإن كان في الجنةِ صَبَرتُ، وإنْ كان غيرَ ذلك، اجتَهَدتُ عليهِ في البُكاءِ؟ قال: يا أُمَّ حارثَةَ إنها جِنانٌ في الجنَّةِ، وإنَّ ابنَكِ أصابَ الفِردَوسَ الأعْلَى) [2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُم ربیع رضی اللہ عنہا جو حارثہ بن سُراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں، عرض کیا: اے اللہ کے نبی! مجھے حارثہ کے بارے میں بتلایئے جو بدر میں شہید ہو گئے تھے، اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کر لیتی ہوں اور اگر اس کے علاوہ ہیں تو میں خوب روؤں گی، اس پر آقا ﷺ نے فرمایا: وہ جنت کے باغوں میں ہے اور اُن کو فردوسِ اعلی نصیب ہوئی۔

عن عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ قالَ، قالَ رسولُ الله ﷺ: إنَّ للشّهيدِ عندَ اللهِ ﷻ ستَّ خِصالٍ: أن يُغفَرَ له في أولِ دَفعةٍ من دمِه، ويَرى مقعدَه من الجنَّةِ، ويُحَلَّى حُلَّةَ الإيمانِ، ويُزَوَّجَ من الحُورِ العِينِ، ويُجارَ من عذابِ القبرِ، ويأمنَ من الفزعِ الأكبرِ، ويُوضَعَ على رأسِه تاجُ الوَقارِ الياقوتةُ منه خيرٌ من الدُّنيا وما فيها، ويُزَوَّجَ ثِنتَينِ وسبعينَ زوجةً من الحُورِ العِينِ، ويُشَفَّعَ في سبعينَ إنسانًا من أقاربِه۔ [3]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک شہید کے لئے اللہ ﷻ کے دربار میں چھ انعامات ہیں: اس کے بدن سے خون نکلتے ہی اس کی بخشش کر دی جاتی ہے، جنت میں وہ اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے، اور اسے ایمان کے زیور سے آراستہ کر دیا جاتا ہے، حوروں سے اس کا نکاح کرا دیا جاتا ہے، عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے، قیامت کی ہولناکی سے مامون رکھا جاتا ہے، اس کے سر پر یاقوت کا تاجِ عزت پہنایا جاتا ہے جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہوتا ہے۔ بہتر حوروں سے نکاح کرا دیا جاتا ہے اور یہ کہ اس کے اقرباء سے ستر کے حق میں اسے شفیع بنایا جائے گا۔

[1] سورۃ التوبۃ: ۱۱۱
[2] صحیح البخاري: ۱/ ۵۰۰
[3] سنن الترمذی: ۱/ ۴۲۸

شہید کے لئے مندرجہ ذیل بشارتیں آئی ہیں:

☆... اللہ ﷻ شہید کے لئے جنت کا ضامن ہے۔

☆... شہید ان نعمتوں میں ہوگا جنہیں اس نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

☆... شہید ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو اللہ ﷻ کے محبوب ہیں۔

☆... شہداء زندہ ہیں اُن کو اللہ ﷻ کی بارگاہ میں رزق دیا جاتا ہے۔

☆... شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے دَین کے۔

☆... شہید بحر کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

☆... شہداء انبیاء علیہم السلام، صدیقین رضی اللہ عنہم اور صالحین رحمہم اللہ کے ساتھ ہوں گے۔

☆... شہید عذاب قبر سے بچایا جائے گا۔

☆... بہتر حوروں سے اس کی شادی کرائی جائے گی۔

☆... قیامت کی ہولناکی سے امن میں ہوگا۔

☆... شہید کے سر پر یاقوت کا تاجِ عزت رکھا جائے گا اور ایمان کے زیور سے آراستہ کیا جائے گا۔

☆... شہید کی شفاعت، اس کے گھر کے ۷۰ افراد کے حق میں قبول کی جائے گی۔

شہادت و شہید کے احکام:

جو لوگ اللہ ﷻ کے راستے میں شہید ہو جائے تو اُن کو غسل نہیں دیا جائے گا بلکہ اسی کپڑوں کے ساتھ دفن کیا جائے گا مگر شہید کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، اور جو لوگ شہید ہو جائے مگر میدانِ جہاد میں نہ ہو جیسے کوئی اللہ ﷻ کے راستے میں زخمی ہو گیا اور پھر اُس کو گھر لایا گیا پھر وہ شہید ہو گیا تو یہ بھی شہید ہے مگر اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

مندرجہ ذیل بھی شہید کا مرتبہ پاتے ہیں:

۱- پیٹ کے درد سے مرنے والا۔

۲- آگ سے جل کر مرنے والا۔

۳- بے گناہ قتل کئے جانے والا۔

۴- بچے کی ولادت کے دوران مرنے والی عورت۔

۵- ڈوب کر مرنے والا۔

بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ: بلکہ وہ (شہید) زندہ ہیں مگر تم نہیں جانتے۔

سوال: شہید کس طرح سے زندہ ہوتے ہیں۔

جواب: حدیث میں آتا ہے کہ "شہید کی روح کو سبز پرندوں کے اندر داخل کیا جاتا ہے پھر وہ پرندے جنت میں گھومتے ہیں اور وہاں کے میوے وغیرہ کھاتے ہیں" اور یہ شہید اپنی قبروں میں اس کی لذت کو محسوس کرتے ہیں۔

اس آیت کے تحت ایک اور مسئلہ "عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ" کا ہے۔

عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ: تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور یہ عقیدہ نقلاً (نصوص سے) بھی ثابت ہے اور عقلاً بھی قرآن کریم واحادیث شریفہ اور اجماع ِ امت سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔ شہداء کی حیات تو بالکل واضح ہے، اس کا کوئی انکار کر ہی نہیں آسکتا۔

ذیل میں چند آیات درج کرتا ہوں، جن کے تحت مفسرین کے اقوال درج کرتا ہوں جو ان آیات سے حیاتِ انبیاء علیہم السلام ثابت کرتے ہیں:

۱۔وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔[1]

ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں (اور) آئیں آپ کے پاس اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو پائیں گے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **عن علی رضی اللہ عنہ قال قدم علینا اعرابی بعد مادفنا رسول اللہ ﷺ بثلاثۃ ایام فرمی بنفسہ علی قبر رسول،وحثا علی راسہ من ترابہ فقال قلت یارسول اللہ: فسمعنا قولک و وعیت عن اللہ فوعیناعنک وکان فیھا انزل اللہ علیک وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ الخ وقد ظلمت نفسی وجئتک تستغفرلی، فنودی من القبر انہ قد غفر لک.**[2]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے دفن کرنے کے تین دن بعد ایک دیہاتی آیا اور قبر پر گر کر سر پر مٹی ڈال کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے آپ کی بات سنی، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اور ہم نے آپ ﷺ سے محفوظ کیا اور آپ ﷺ پر "**وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ** الخ" نازل ہوئی اور یقیناً میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپ ﷺ کے

[1] سورۃ النساء: ۶۴

[2] تفسیر قرطبی: ۵/ ۲۶۵-۲۶۶

پاس آیا ہوں کہ آپ ﷺ میرے لیے استغفار کریں تو قبر مبارک سے آواز آئی کہ تیری بخشش کر دی گئی۔

۲۔مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِن رَّسُولَ اللهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيمًا۔[1]

ترجمہ: محمدؐ (ﷺ) باپ نہیں کسی کے تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہیں اللہ کا اور مہر ہے سب نبیوں پر۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ، علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں: **فحصل من مجموع هذا الكلام النقول والاحاديث ان النبی ﷺ حی بجسده و روحه.**[2]

ترجمہ: اس تمام کلام سے یہ بات حاصل ہوئی کہ نقول واحادیث کے مطابق نبی علیہ السلام اپنے جسد اور روح کے ساتھ زندہ ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ آگے مزید لکھتے ہیں: **ثم ان تلك الحيوة فی القبر و ان كانت يترتب عليها بعض مايترتب على الحيوة فی الدنيا المعروفة لنا من الصلاة و الاذان والاقامة و رد السلام المسموع۔**[3]

ترجمہ: قبر کی اس زندگی پر دنیا والے کچھ احکام لگتے ہیں جیسے نماز، اذان، اقامت اور سنے ہوئے سلام کا جواب دینا۔

۳۔فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا۔[4]

اس آیت کی تفسیر میں امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **اما ابوبكر رضی اللہ عنہ فمن كراماته انه لما حملت جنازته الى باب قبر النبی ﷺ ونودی: السلام عليك يا رسول الله هذا ابوبكر بالباب فاذا الباب قد انفتح واذا بهاتف يهتف من القبر: "ادخلوا الحبيب الى الحبيب"۔**[5]

ترجمہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کرامات میں سے یہ ہے کہ جب ان کا جنازہ روضہ رسول ﷺ کے دروازے پر اٹھا کر لایا گیا اور "**السلام عليك يارسول الله**" عرض کر کے کہا گیا کہ: یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ دروازے پر حاضر ہیں تو دروازہ کھل گیا اور قبر مبارک سے آواز دینے والے کی آواز آئی کہ دوست کو دوست کے پاس داخل کر دو۔

۴۔وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا۔[6] اس آیت کے تحت علامہ قاضی

[1] سورۃ الاحزاب: ۴۰
[2] روح المعانی: ۱۱/ ۲۱۵
[3] روح المعانی: ۱۱/ ۲۱۷
[4] سورۃ الکھف: ۱۱
[5] تفسیر الرازی: ۲۱/ ۴۳۳
[6] سورۃ الاحزاب: ۵۳

ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **قلت وجاز ان يكون ذلك لاجل ان النبي ﷺ حيّ فى قبره ولذلك لم يورث ولم يتئم أزواجه- عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من صلى عليّ عند قبرى سمعته ومن صلّى عليّ نائيا أبلغته. رواه البيهقي فى شعب الايمان.**[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح حرام ہونے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

۵۔وَاسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا۔[2] اس آیت کے تحت حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں **يستدل به على حيوة الانبياء**[3] یعنی اس آیت سے حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

٦۔وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ.[4]

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اس کے ملنے میں شک میں نہ رہنا۔

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ معراج میں اُن (حضرت موسیٰ علیہ السلام) سے ملے تھے۔[5]

اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں۔ لہٰذا اقتضاء النص سے حیات الانبیاء علیہم السلام کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں اصولِ فقہ کا یہ مسلمہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ جو حکم اقتضا النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد و قوت استدال میں عبارۃ النص کے مثل ہوتا ہے۔

احادیث:

۱۔عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ؛ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔[6]

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کو حرام کر دیا ہیں کہ زمین ان کو نہیں کھاتی۔

[1] تفسیر مظہری: ۷/ ۳۷۳
[2] سورۃ الزخرف: ۴۵
[3] مشکلات القرآن: ۲۳۴
[4] سورۃ الم سجدۃ: ۲۳
[5] تفسیر جلالین: ۵۴۷
[6] سنن نسائی: ۳/ ۹۱

۲۔عَنْ اَنْسِ بْنِ مَالِکٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاَنْبِیَآءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ۔[۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

۳۔عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ۔[۲]

ترجمہ: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:، اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔

۴۔عَنْ أَنَسٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ قَالَ: مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى، وَهُوَ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ" [۳]۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معراج کی رات میرا گذر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر ہوا (میں نے ان کو دیکھا کہ) وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اجماع:

علامہ سخاوی اور ابن حجر الہیثمی رحمہما اللہ نے حیاۃ الانبیاء علیہم السلام پر اجماع کا قول نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَنَحْنُ نُؤْمِنُ وَنُصَدِّقُ بِاَنَّه صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ یُرْزَقُ فِیْ قَبْرِہٖ وَاَنَّ جَسَدَهُ الشَّرِیْفَ لَا تَاْکُلُهُ الْاَرْضُ، وَالْاِجْمَاعُ عَلٰی ھٰذَا۔[۴]

ترجمہ: ہم یقین رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں، آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ کے جسد شریف کو زمین نے نہیں کھایا اور اس پر اجماع ہے۔

تقریباً یہی الفاظ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ نے لکھے ہیں، وہ فرماتے ہیں: فَنَحْنُ نُؤْمِنُ وَنُصَدِّقُ بِاَنَّه صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ یُرْزَقُ وَاَنَّ جَسَدَهُ الشَّرِیْفَ لَا تَاْکُلُهُ الْاَرْضُ، وَالْاِجْمَاعُ عَلٰی ھٰذَا۔[۵]

ترجمہ: ہم یقین رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں اور آپ کے جسدِ شریف

[۱] سنن ابن ماجہ: ۱/ ۵۲۴
[۲] صحیح مسلم: ۴/ ۱۸۴۵
[۳] مسند احمد: ۲۴/ ۲۰۳
[۴] القول البدیع: ۱۷۲
[۵] الدر المنضود فی الصلوۃ علی صاحب المقام المحمود: ۱/ ۱۵

کو زمین نہیں کھاتی اور اسی پر اجماع ہے۔

ہمارے اکابرین کا عقیدہ "حیاۃ النبی ﷺ" پر مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں:

عندنا وعند مشائخنا حضرة الرّسالة ﷺ حي في قبره الشّريف، وحياته ﷺ دنيوية من غير تكليف وهي مختصة به ﷺ ، وبجميع الأنبياء صلوات الله عليهم، والشّهداء لا برزخية كما هي حاصلة لسّائر المسلمين؛ بل لجميع النّاس كما نص عليه العلاّمة السّيوطي في رسالته"إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء"حيث قال: قال الشّيخ تقي الدّين السّبكي: حياة الأنبياء والشّهداء في القبر كحياتهم في الدّنيا ويشهد لهصلاة موسٰى عليه السلام في قبره؛ فإنّ الصّلاة تستدعي جسدًا حيًا إلٰى آخر ما قال: فثبت بهذا أن حياته دنيوية برزخية لكونها في عالم الأرواح إلخ۔[1]

ترجمہ: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں؛ بلکہ سب آدمیوں کو، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء علیہم السلام" میں بتصریح لکھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیوں کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ۔

حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے مستقل اس موضوع پر کتاب لکھی ہے "آب حیات" کے نام سے۔ مگر میں لطائف قاسمیہ کے حوالے سے آپ کا مکتوب جو آپ نے مولوی محمد صدیق مراد آبادی رحمہ اللہ کو "مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ" لکھا وہ نقل کئے دیتا ہوں۔

مکتوب بنام مولوی محمد صدیق صاحب مراد آبادی در اِثبات حیات النبی، سراپا عنایت سلامت۔

السلام علیکم! کل جو آپ کا عنایت نامہ پہنچا، کیفیت مندرجہ کو دیکھ کر طبیعت بہت گھبرائی، ہنوز اور تحریرون سے چنداں فراغت نہ ہوئی تھی کہ ایک اور سر پر آن پڑی، تس پر مفصل لکھوں تو کہاں تک لکھوں۔ یہ بحث ایک دریائے ناپید کنار ہے اور اختصار کیجئے تو کہاں تک! دریا کو کوزہ میں لانا دشوار۔ اس لئے فقط عقیدۂ دل سے آگاہ کئے دیتا ہوں اس ضمن میں کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہو جائے تو ہو جاویں۔

[1] المہنّد علی المفنّد للعلامۃ خلیل احمد السّہارنفوري:۴۳۸

انبیائے کرام علیہم السلام کو انہیں اَجسام دنیاوی کے تعلق کے اِعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں، یہ نہیں کہ مثل شہداء اُن ابدان کو چھوڑ کر اور اَبدان سے تعلق ہو جاتا ہے، یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہداء کے مال میں میراث ہوئی اور انبیائے کرام علیہم السلام کے مال میں میراث جاری نہ ہوئی، حالانکہ "**یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین**" سب کو عام ہے، عوام ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شہداء کی ازواج کو بعد عدّتِ معروفہ نکاح کی اجازت ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی شان میں یہ حکم آیا: "**ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا**" حالانکہ عموم "**و احل لکم ما رواء ذلکم**" جس سے حلت غیر منکوحہ فارغ العدۃ سمجھ میں آتی ہے اور عموم "**والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا**" وغیرہ جس سے بعد مرورِ عدت اَزواج کو اجازت نکاح نظر آتی ہے اس کے مخالف ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ نہ مانئے، اگر شہداء انہی ابدان کے حساب سے ہوتے تو پھر ان کا قبور میں مستور ہو جانا بہت ہوتا تو مجرموں اور مظلوموں کے محبوس ہونے کے برابر ہوتا، نہ مال میں میراث چل سکتی نہ ازواج کو نکاح کی اجازت ہوتی۔ ورنہ اس حساب سے تو ہم مردہ دل ہی اچھے رہتے جن کی زندگانی موت سے بدتر ہے کیونکہ اس نام کی زندگی پر ہمارے لئے تو یہ انعام کہ نہ مال میں کوئی تصرف کر سکے، نہ ازواج کی طرف کوئی نظر بھر کے دیکھ سکے اور وہ اس حیات کامل پر بھی اس دولت و عزت سے محروم رہے! مگر چونکہ یہاں کے اموال یہیں کے ابدان کے شکست و ریخت کے لئے ہیں اور یہاں کے ازواج انہیں ابدان کی ثمر کے تخم ریزی کے لئے مصداق "**نسائکم حرث لکم**" یہیں ہیں، تو بعد انفکاکِ تعلق، روح کو ان کے متعلقات سے کیا تعلق رہ جائے گا؟ بلکہ جیسے گھوڑا سواری کے لئے اور گھاس دانہ گھوڑے کے لئے۔ اور گھوڑا نہ رہے تو پھر گھاس دانہ سے بھی کچھ مطلب نہیں رہتا۔ ایسا ہی ابدان و ارواح کے کاروبار کے لئے بلکہ اس کا مرکب اور اس کی سواری اور اموال و ازواجِ ابدان کے لئے اَور ابدان نہ رہیں تو پھر ان سے بھی مطلب نہ رہے گا، اس لئے شہداء کے اموال و ازواج میں بھی بوجہ انفکاک تعلق مذکور اوروں کو بطور مناسب اجازت ہو گی اور یونہی بے کار نہ رہنے دیں گے۔ مگر ہاں جیسے گھاس دانہ کی طلب اور اس سے تعلق دلی اس بات پر شاہد ہوتا ہے کہ طالب اور صاحب تعلق کے گھر پر گھوڑا وغیرہ گھاس دانہ کھانے والا کوئی جانور ہو گا ایسا ہی اموال و ازواج سے تعلق اس بات پر شاہد ہو سکتا ہے کہ صاحب تعلق کو اپنے ابدان سے تعلق ہے۔

اس تقریر مختصر سے اس قدر تو بشرط فہم و انصاف خواہ مخواہ ذہن میں آ ہی جاتا ہے کہ انبیائے کرام کو اپنے ابدان سے اُس قسم کا تعلق اب بھی ہو گا جس قسم کا پہلے تھا، یہی نہیں کہ جیسے وطن سے باہر اپنے وطن کو یاد کرتے ہیں اور اس فاصلہ پر اور بستیاں ہوں تو ان کے کچھ خبر نہیں ہوتی، ایسے ہی انبیاء کی ارواح کو بھی مثل دیگر اموات اپنے ابدان سے ایک تعلق یادگاری محبت ہے مگر چونکہ اور ابدان سے محبت نہ تھی تو تعلق یادگاری ہی نہیں، ایسا ہی تعلق ہوتا تو احکام بھی یکساں ہوتے۔ ہاں! یوں کہئے تو خیر کہ خدا کے حکم محض پوچ اور بے حکمت ہوتے ہیں مگر چونکہ آپ سے یہی امید ہے کہ خداوند علیم و حکیم کو حکیم ہی سمجھتے ہوں گے اس لئے یہ بھی امید ہے کہ

بدلالتِ حکم مذکور انبیاء کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔ پر حسب ہدایت: **کل نفس ذائقة الموت** اور **انک میت و انھم میتون** تمام انبیائے کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے مگر اس صورت میں یہ اجتماعِ موت وحیات ایسا ہوگا جیسا وقت حرکت کشتی، جانشین کشتی کا حرکت وسکون۔ جیسے یہاں سکون اصلی ہے اور حرکت عرضی، ایسی ہی وہاں بھی حیات اصلی اور موت عارضی ہوگی اس لئے استمرار بھی اگر تسلیم کرلیا جائے تو کچھ مخالف مطلب نہ ہوگا کیوں کہ حیات پھر بھی موجود ہے یا جیسے آب گرم میں اجتماع برودت حرارت کے لئے دلیل کی کیا حاجت وہ خود مشہود ومحسوس ہے۔ ہاں برودت کی دلیل لیجئے اگر برودت نہ ہوتی تو آگ کو کیوں کر بجھا سکتا؟ آگ کے بجھانے کے یہی معنٰی ہیں کہ مادہ حرارت کو کھو دیا اور نیست و نابود کر دیا مگر ظاہر ہے کہ اَضداد کو بجز اضداد عالم اسباب اور کسی سبب سے باطل اور نیست و نابود نہیں کرسکتے۔ مگر یہ بھی تسلیم کرنا ضرور ہے کہ وقتِ موت، حیاتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور بھی شدید ہوجائے کیوں کہ جب حیات اصلی، اس صورت میں کبھی قبر میں رہنا، کبھی آسمان پر نظر آنا ایسا ہوگا جیسا حالت حیات سابقہ میں کبھی زمین پر رہنا کبھی بوجہ معراج آسمان پر چلا جانا، زیر پردہ موت عرضی مستور ہوئی تو پھر ایسی صورت ہوجائے گی جیسے فرض کیجئے چراغ کو کسی طرف گلی میں رکھ کر سرپوش رکھ دیجیے۔ جیسے یہاں تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتے ہیں جس سے وہ اشتدادِ مشار الیہ نمایاں ہوجاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمالیجئے۔

اس صورت میں موتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور موتِ عوام میں ایسا فرق ہوگا جیسا چراغ کے طرف گلی میں مستور ہوجانے اور گل ہوجانے میں فرق ہے۔ یہاں جیسے باعتبار مکان اندھیرا دونوں صورتوں میں برابر۔ اور پھر اتنا فرق ہے کہ باعتبار اصل اتنا پہلے نہ تھا، ایسا ہی یہاں بھی سمجھ لیجئے اور شاید یہی وجہ ہے کہ "**انک میت**" جدا کہا اور "**انھم میتون**" جدا فرمایا۔ مثل "**ثم انکم یوم القیامة**" جو اگلا جملہ ہے سب کو شامل کرکے "**انکم میتون**" نہ فرمایا کہ اسی فرق مراتب موت کی طرف اشارہ باقی رہے۔

بالجملہ حیات حال انبیاء علیہم السلام کا مثل حیات سابق ہونا اور پھر اس سے اشدّ اور اعلیٰ ہونا یوں ظاہر ہے کہ مماثلت توفی تعلق الابدان الدنیا ویہ سے یہ نہیں کہ مثل شہداء تبدیل ابدان کئے گئے ہوں اور اشدّیت یوں ظاہر ہے کہ بوجہ احاطۂ ضد معلوم جس کو موت کہئے تمام فیض حیات جو مثل شعاع شمس وقمر اطراف بدن اور اس سے باہر تک بذریعہ اَفعال جاتا تھا سمٹ کر داخل بدن کی طرف چلا آیا۔ سمجھ لینے کے لئے تو یہ کافی ہے پھر اس سلامت اَجساد کو لحاظ کیا جائے تو اور بھی تائید ہوجاتی ہے۔[1]

سماعِ موتی کا مسئلہ: عام لوگ اپنی قبروں میں باتیں سُنتے ہیں یا نہیں؟

[1] لطائف قاسمیہ: ۵

سماعِ موتیٰ کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام ﷺ کا باہمی اختلاف رہا ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ سماعِ موتیٰ کو ثابت قرار دیتے ہیں تو حضرت عائشہ ﷺ اس کی نفی کرتی ہیں، اس لیے دوسرے صحابہ ﷺ و تابعین ﷺ بھی دو گروہ ہوئے ہیں، بعض اثبات کے قائل ہیں، بعض نفی کے۔ اتنی بات تو صحیح اور صریح احادیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں، لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتے ہیں، اس لیے سارے مالکی، شافعی، حنبلی اور احناف کی اکثریت اور اکابرینِ دیوبند کی اکثریت سماعِ موتیٰ کی قائل ہے، سماعِ موتیٰ کی طرح مردے کا سلام کا جواب دینا، مانوس ہونا، اور قبر پر آنے والے کو پہچاننا بھی جمہور علماء کے ہاں ثابت ہے۔

اصل میں اس مسئلہ میں تین چیزیں ہیں:

۱-استماعِ موتیٰ: مردہ اپنے اختیار و ارادہ سے جب چاہے جس کے بارے میں چاہے اس کا کلام سن سکتا ہے، اس کا شاید کوئی بھی قائل نہیں۔

۲۔اِسماعِ موتیٰ: اس کا مطلب یہ ہے کہ سنانے والا جب چاہے، جو چاہے وہ ہر حال میں ہر مردے کو سنانے کی قدرت و طاقت رکھتا ہے، اس کا بھی بظاہر اس دنیا میں کوئی مسلمان قائل نہیں، بلکہ اسماع کی نفی، نصِ قرآنی کی عبارت "إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی" سے ثابت ہے۔

۳۔سماعِ موتیٰ: مردے کا خود سننا۔ یہ وہ اختلافی مسئلہ ہے۔ قرآن کریم میں اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں ہے، البتہ احادیث میں اس بارے میں بہت کچھ بیان کیا گیا ہے۔ جن سے سماعِ موتی کا ثبوت ملتا ہے۔

ذیل میں چند احادیث درج کرتا ہوں:

احادیث:

۱۔عن أنس ﷺ عن النبي ﷺ قال : العبد إذا وضع قبره وتولّٰی وذهب أصحابه حتی إنه ليسمع قرعَ نعالهم۔[1]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک جب مردے کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور جب وہ (یعنی اس کے ساتھی) لوٹتے ہیں تو مردہ یقیناً ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔

۲۔عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ الْمَیِّتَ لَیَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ اِذَا وَلَّوْا عَنْهُ یَعْنِیْ

[1] صحیح البخاری: ۲/ ۹۰

مُدْبِرِيْنَ.[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میت منہ پھیر کر واپس پلٹ جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے۔

۳۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **وإنه ليسمع خفق نعالهم إذا ولوا مدبرين۔**[2]

ترجمہ: جب واپس لوٹنے والے جاتے ہیں تو وہ (میت) اُن کے جوتوں کی آہٹ سنتی ہے۔

۴۔عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أخبره قال: اطلع النبي ﷺ على أهل القليب ، فقال: وجدتم ما وعد ربكم حقا، فقيل له: تدعو أمواتا فقال:ما أنتم بأسمع منهم ولٰكن لا يجيبون۔[3]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کنوئیں والوں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پالیا؟ تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ مردوں کو پکار رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ تم سے زیادہ سُننے والے ہیں مگر وہ جواب نہیں دے سکتے۔ مذکورہ بالا روایات سے سماعِ موتی کا ثبوت ملتا ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت : كنت أدخل بيتي الذي دفن فيه رسول الله ﷺوأبي فأضع ثوبي، فأقول: إنما هو زوجي وأبي، فلما دفن عمر معهم فوالله ما دخلت إلا وأنا مشدودة على ثيابي حياء من عمر۔[4]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جس گھر میں رسول اللہ ﷺ مدفون ہیں اور میرے والد صاحب مدفون ہیں تو داخل ہوئی، پس میں بے اوڑھنی کے ہوگئی تو میں نے کہا کہ یہاں میرے شوہر اور والد ہیں، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کی وجہ سے بے اوڑھنے کبھی داخل نہیں ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں ہے کہ وہ سماع موتیٰ کی قائل نہیں ہیں مگر ان کا اپنا یہ عمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس کے قائل تھیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **إذ ثبت بالأحاديث أن الميت يعلم من يكفنه ومن يصلى عليه ومن يدفنه۔**[5]

ترجمہ: بے شک احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ میت جانتی ہے کہ اُس کو کس نے کفن دیا اور کس نے نمازِ جنازہ پڑھی اور کس نے

[1] مجمع الزوائد: ۳/ ۵۴
[2] سنن ابی داؤد: ۴/ ۲۳۹
[3] صحیح البخاری: ۲/ ۹۸
[4] المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۴/ ۸
[5] مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۲۰۴

اُس کو دفن کیا۔

حاشیہ طحطاوی میں ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے:**وقال ابن القيم: الأحاديث والآثار تدل على أن الزائر حين جاء علم به المزور وسمع سلامه وأنس به ورد عليه ، عام في حق الشهداءوغيرهم۔**[1]

ترجمہ: علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احادیث اور آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زیارت کرنے والا جب آتا ہے اور مزور (جس کی زیارت کی جارہی ہے) اُس کو علم ہو جائے تو وہ اُس کا سلام سُنتا ہے اور اُنسیت رکھتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے، اور یہ شہداء و غیر شہداء دونوں کے حق میں ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**واعلم أن مسألة كلام الميت وسماعه واحدة --- أقول: والأحاديث في سمع الموات قد بلغت مبلغ التواتر --- فلا بد بالتزام السماع في الجملة ---- فلذا قلت بالسماع في الجملة۔**[2]

ترجمہ: یہ بات جان لو! کہ میت کا بات کرنا اور بات کا سُننا ایک ہی مسئلہ ہے۔۔۔۔ میں کہتا ہوں کہ احادیث سماعِ موتی کے متعلق وارد ہوئی ہے اور تحقیق متواتر کے درجے تک پہنچ گئی ہے۔۔۔۔۔ پس ضروری ہے کہ فی الجملہ سماعِ موتی کا التزام۔۔۔۔ اسی وجہ سے میں سماع فی الجملہ کہا۔

شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**والذي تحصلنا من النصوص والله أعلم أن سماع الموتٰى ثابت في الجملة بالأحاديث الكثيرةالصحيحة۔**[3]

ترجمہ: جو نصوص ہم حاصل ہوئی واللہ اعلم، بے شک سماعِ موتی فی الجملہ احادیثِ کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے۔

جمہور اہل اسلام سماع موتٰی کے قائل ہیں: علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**وذهبت طوائف من اهل العلم الى سماعهم فى الجملة وقال ابن عبد البر رحمہ اللہ ان الاكثرين على ذٰلک وهو اختيار ابن جرير طبرى وكذا ذكره ابن قتيبةوغيره۔**[4]

ترجمہ: اہل علم کے کئی طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مردے فی الجملہ سنتے ہیں۔ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت اس پر

[1] حاشیہ طحطاوی: ۶۲۰
[2] فیض الباری: ۳/ ۴۲
[3] فتح الملہم: ۲/ ۴۷۹:
[4] روح المعانی: ۱۱/ ۵۵

ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اختیار کیا اور اسی طرح امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **والسلف مجمعون علی هذا وقد تواترت الاخبار عنهم بان المیت یعرف بزیارة الحی له ویستبشربه۔** یعنی حالانکہ سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے خبریں منقول ہیں کہ مردہ اس زندہ کو جو اس کی زیارت کے لئے آتا ہے پہچانتا ہے اور اس سے مردہ کو خوشی بھی ہوتی ہے۔

نکتہ: میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ سے سوال کیا تھا کہ حضرت یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ مُردے اپنی قبروں میں کیسے سُنتے ہیں جب کہ اگر کسی زندہ کو کسی ایسی جگہ بند کر دیا جائے کہ جو بالکل بند ہو تو وہ ہماری آواز نہیں سُن سکتا تو یہ مُردے کیسے ہماری آواز کو سُن سکتے ہیں تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اصل میں روح ایک لطیف چیز ہے اور ہوا بھی ایک لطیف چیز ہے، اسی طرح سے ہم جو بھی بات کرتے ہیں وہ ختم نہیں ہوتی بلکہ ہوا میں باقی رہتی ہے تو روح جو کہ لطیف ہے وہ لطیف چیز کو کھینچتی ہے اسی طرح سے مردے ہماری باتوں کو سُن لیتے ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾	اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو (۱۵۵)
الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾	کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (۱۵۶)
أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾	ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر (۱۵۷)
إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾	بیشک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ ﷻ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا (۱۵۸)

[1] کتاب الروح لابن القیم: ۵

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴿۱۵۹﴾	بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم انکو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے (۱۵۹)
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴿۱۶۰﴾	مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کر دیا حق بات کو تو انکو معاف کرتا ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان (۱۶۰)
إِنَّ الَّذِينَ كفروا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴿۱۶۱﴾	بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی (۱۶۱)
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُونَ﴿۱۶۲﴾	ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہو گا ان پر سے عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی (۱۶۲)
وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ﴿۱۶۳﴾	اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا (۱۶۳)

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ :

ربط آیت: اس آیت اللہ ﷻ ایک صبر کے واقعے کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اللہ ﷻ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی بیوی اور بچے کو وادیٔ غیر زرع میں چھوڑ آئیں اور بات کرنے سے بھی منع کیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ پہونچے تو حکم ہوا کہ یہیں پر اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ دیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ اپنے ہاتھ کو آسمان کی طرف اُٹھایا اور چلیں گئے اور حال یہ تھا کہ وہاں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیاس لگی تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا صفا پہاڑی پر چڑھی کہ شاید کوئی قافلہ نظر آجائیں تو اُن کو بلالوں مگر کوئی نظر نہیں آیا تو صفا سے اُتری تو وہ جگہ نیچے تھی تو تیزی سے دوڑی اور مروہ پر چڑھ گئی اسی طرح کرکے سات چکر لگائیں پھر جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آئی تو دیکھا کہ وہاں سے ایک چشمہ نکلا اور کثیر مقدار میں پانی نکل رہا ہے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

کہ زمزم (ٹھہر جا)۔[1]

فائدہ: اللہ ﷻ کو ان کا صفا و مروہ میں چکر لگانا اتنا پسند آیا کہ تمام حج و عمرہ کرنے والوں کے لئے یہ لازمی قرار دے دیا، احناف نے نزدیک صفا و مروہ کی سعی واجب ہے۔[2]

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ : یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ کوئی گناہ نہیں کا کیا مطلب ہے کیونکہ نیکی کے کام میں یہ کہنا کہ گناہ نہیں حالانکہ نیکی کرنے میں تو کوئی گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ہوتا ہے۔

جواب نمبر ۱۔ " فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ " قیدِ اتفاقی ہے۔

جواب نمبر ۲۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صفا و مروہ کی سعی کرو جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے کہ **"فلیس علیکم جناح ان تقصروامن الصلوٰۃ "**[3]۔

ترجمہ: کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں میں قصر کرو مطلب یہ ہے کہ نماز میں قصر کرنا ضروری ہے نہ کرنے پر گناہ ملے گا اسی طرح صفا و مروہ کی سعی کرنا ضروری ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ: شاکر کے معنی "شکر کرنے والا" کے ہے مگر جب اس کی نسبت اللہ ﷻ کی طرف ہو تو معنی شکر کرنے والے نہیں ہونگے بلکہ اس کے معنی ہونگے "قدر دان" کے کہ اللہ ﷻ قدر دان ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ: اس آیت میں اللہ ﷻ کتمانِ علم کا گناہِ عظیم ہونے کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جو لوگ علم کو چھپاتے ہیں تو اُن پر اللہ ﷻ کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

کتمانِ علم: یہ بہت بڑا گناہ ہے لہذا اللہ ﷻ نے فرمایا کہ "جو لوگ اللہ ﷻ کے نازل شدہ احکام کو چھپاتے ہیں اور اللہ ﷻ کی آیات کو تھوڑے سے پیسوں میں بیچ دیتے ہیں تو یہ لوگ درحقیقت اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن اللہ ﷻ ان کی طرف دیکھے گے نہیں اور ان کا تزکیہ بھی نہیں فرمائیں گے اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔[4]

اس طرح حدیث میں آتا ہے کہ: "جس سے کسی علم کے بارے میں پوچھا گیا اور باوجود جاننے اس نے اس کو چھپایا تو قیامت کے دن

[1] ملخص تفسیر ابنِ کثیر: ۱/ ۳۴۲
[2] تبین الحقائق: ۲/ ۲۱
[3] سورۃ النساء: ۱۰۱
[4] سورۃ البقرۃ: ۱۷۴

اس کو آگ کی لگام لگائے جائے گی[1]"۔

اس کے مقابلے حق گوئی کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ:"جابر و ظالم بادشاہ کے سامنے حق گوئی کرنا افضل جہاد ہے"[2]۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا: ہاں جو لوگ کتمانِ علم کا گناہ کر بیٹھے تو اُن کی نجات کا ذریعہ یہ ہے کہ وہ توبہ کرے۔

وَأَصْلَحُوا : اور آئندہ کے لئے اپنی اس غلطی کی اصلاح کر لے۔

وَبَيَّنُوا: اور جن لوگوں سے حق چھپایا تھا ان کو حق مسئلہ بتادے۔

واقعہ: حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور ایک سوال کیا تو حضرت نے اس کو مسئلہ بتادیا مگر وہ مسئلہ غلط تھا تو ایک عالم نے حضرت کو توجہ دلائی تو حضرت اس دیہاتی کے گھر گئے اور فرمایا کہ اصل مسئلہ یہ ہے، اور پہلے مجھ سے مسئلہ بتانے میں غلطی ہو گئی تھی۔

فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جو لوگ یہ تین کام کر لیتے ہیں تو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ كفروا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ: اس آیت میں اللہ ﷻ اُن لوگوں کا ذکر فرمارہے ہیں کہ جو لوگ کفر کی حالت میں تو اُن پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

خَالِدِينَ فِيهَا : جو لوگ کفر پر مریں گے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور اس جہنم میں ان کے عذاب کو کم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اُن کو مہلت دی جائے گی۔

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ: اس آیت میں اللہ ﷻ "عقیدہ توحید" کو بیان فرمارہے ہیں جو کہ بنیادی عقیدہ ہے لہذا اس عقیدہ توحید کی صحت پر جنت کا فیصلہ ہو گا اور اگر عقیدہ توحید صحیح نہیں ہے تو پھر آخرت جہنم میں کا فیصلہ ہو گا۔

توحید کی اہمیت: ایک حدیث میں آتا ہے "جس کو حدیث بطاقہ کہتے ہیں" کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے جس کے پاس صرف گناہ ہونگے تو جب اس کے اعمال کو تولہ جائے گا تو صرف گناہ ہونگے اور ایک بھی نیکی نہیں ہونگی پھر اس کے بعد اللہ ﷻ ایک پرچہ منگوائیں گے جس میں کلمہ "**اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله**"[3]۔ درج ہو گا لہذا جب یہ

[1] سنن ترمذی: ۴/ ۳۲۶
[2] سنن ترمذی: ۴/ ۴۱
[3] المستدرک للحاکم: ۱/ ۷۱۰

دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ گناہوں کے پلڑے کو ہوا میں اُٹھا دے گا۔

اہم بات: اصل بات یہ ہے کہ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ **"انما الاعمال بالخواتیم**[1]**"** لہٰذا اس توحید پر قائم رہنا چاہئے اور جو لوگ اس توحید پر قائم رہتے ہیں اُن کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے **"ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الاتخافوا ولاتحزنوا**[2]**"** کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں (اُن کا عقیدہ یہ ہے) کہ اللہ ﷻ ہمارا رب ہے پھر اس پر قائم رہے تو (موت کے وقت) اُن پر فرشتے اُترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خوف مت کرو اور غم نہ کرو اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے خوش خبری ہے تمہارے لئے۔

فائدہ: ہمارے شیخ حضرت مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد پابندی سے یہ آیت پڑھے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گا اور وہ آیت یہ ہے **"ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب**[3]**"**۔

اسی طرح فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد پابندی سے یہ آیت پڑھے گا تو اس کی دنیا اور آخرت اچھی ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ اور وہ آیت یہ ہے **"ربنا اٰتنا فی الدنیاحسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار**[4]**"**۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴿۱۶۴﴾	بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اس کے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے (۱۶۴)

[1] صحیح البخاری: ۸/ ۱۲۴
[2] سورۃ حم السجدۃ: ۳۰
[3] سورۃ آل عمران: ۸
[4] سورۃ البقرۃ: ۲۰۱

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ : اس آیت میں اللہ ﷻ اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمارہے ہیں کہ اس کی توحید کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے آسمان کو پیدا کیا اور زمین کو پیدا کیا۔(آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر "**الذی جعل لکم الارض فراشا**" سورۃ البقرۃ آیت ۲۲ کے تحت گذر چکا ہے)۔

وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ: اسی طرح اس کی توحید کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ رات اور دن کا بدلنا ایک جگہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ "**تولج الیل فی النھار و تولج النھار فی الیل**"[1] کہ آپ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں۔

ولج: کسی تنگ جگہ میں کسی چیز کو داخل کرنا اس کو ولج کہتے ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "**حتی یلج الجمل فی سم الخیاط**[2]" کہ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے"۔

وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ: یہ بھی اللہ ﷻ ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ سمندر میں بڑی بڑی کشتیاں چلتی ہے جیسا کہ پہاڑ ہو یہ بھی ایک اللہ ﷻ کی بڑی نشانی ہے۔

وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ: آسمان کا بارش کا اترنا یہ بھی اللہ ﷻ کی ایک بڑی نشانی ہے۔

وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ: اسی طرح کتنے قسم کے جانور ہیں جو کھاتے پیتے ہیں اور اللہ ﷻ اُن سب کو پالنے والے ہیں جو کہ توحید کی ایک نشانی ہے۔

وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ: اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہواؤں کا چلنا اور بادلوں کا آسمانوں وزمین کے درمیان ہونا یہ بھی توحیدِ باری کی ایک نشانی ہے۔

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ: یہ تمام چیزیں نشانیاں ہے عقل والوں کے لئے۔

سوال: جن تک کوئی دعوت دینے والا نہیں پہونچا اور نہ ہی ان کو اسلام کی معلومات ہے تو ان کو کیا حکم ہے کیا وہ جنت میں جائے گے یا نہیں؟

جواب: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ توحید کی دو قسمیں ہیں، پہلی یہ کہ اگر کسی تک توحید ورسالت مکمل طور پر پہنچ جائے تو اس کو تمام پر ایمان لانا ضروری ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ جن تک توحید پہچانے والا نہیں پہنچا تو وہ سورج کو دیکھے کہ وقت پر نکل رہا اور غروب ہو رہا ہے اور بھی نشانیوں کو دیکھے اور ایمان لے آئے کہ کوئی تو ہے جو یہ کام کر رہا ہے۔

[1] سورۃ آل عمران: ۲۷
[2] سورۃ الاعراف: ۴۰

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾	اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو انکی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جبکہ دیکھیں گے عذاب کہ قوۃ ساری اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے (۱۶۵)
إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾	جبکہ بیزار ہو جاویں گے وہ کہ جن کی پیروی کی تھی ان سے کہ جو انکے پیرو ہوئے تھے اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے ان کے سب علاقے (۱۶۶)
وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾	اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل جاتا تو پھر ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے اسی طرح پر دکھلائے گا اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں نار سے (۱۶۷)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا: اس آیت میں اللہ ﷻ شرک کو بیان فرمارہے ہیں کہ لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ ﷻ کے علاوہ کسی اور کو محبوب بنارہے ہیں اور اس شریک سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے کہ اللہ ﷻ سے محبت کرنی چاہئے۔ شرک ایک بہت ہی بڑا گناہ ہے جس کے بارے میں اللہ ﷻ نے فرمایا ہے کہ "**ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ**" اللہ ﷻ شرک کرنے والے کو کبھی بھی معاف نہیں فرمائیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ: یہاں پر اللہ ﷻ ایمان والوں کی تعریف بیان فرمارہے ہیں کہ ایمان والے اللہ ﷻ سے بے انتہاء محبت کرتے ہیں۔

فائدہ: میرے استاذ فرمایا کرتے تھے کہ اگر نیک کام کرنے کی توفیق مل رہی ہے تو سمجھ جاؤ کہ اللہ ﷻ تم سے خوش ہیں اور وہ آپ سے محبت کررہے ہیں اور تمہارا نیک عمل کرنا بھی اللہ ﷻ کی محبت کی دلیل ہے۔ جو شخص نیک عمل کرے گا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ ﷻ سے محبت کرتا ہے کیونکہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے تو اس کی اطاعت کرتا ہے لہذا اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم اللہ ﷻ سے محبت کرتے ہیں یا نہیں اور ہمارا عمل اللہ ﷻ کو راضی کرنے والا ہے یا اللہ کو ناراض کرنے والا؟۔

وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جو لوگ اللہ ﷻ کے علاوہ کسی اور کو محبوب بناتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرتے ہیں تو ایسے لوگ ظالم ہیں اور کل قیامت کے دن جب عذاب کو دیکھیں گے تو یہ بات اچھی طرح جان لیں گے کہ قوت تو اللہ ﷻ ہی کی ہے ساری کی ساری اور اللہ ﷻ سخت بدلہ لیناوالے ہیں۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا: یہاں پر ان پیشواؤں کو ذکر ہورہا ہے جو اللہ ﷻ کی جگہ لے بیٹھیں ہیں تو قیامت کے دن ی بیزاری کا اعلان کریں گے اپنی اتباع کرنے والوں سے کہ ہم کو تو ان لوگوں نے برباد کر دیا اور یہ مقتدا عذاب کو دیکھیں گے اور تمام اسباب اس دن منقطع ہو جائیں گے۔

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا: یہاں اتباع کرنے والے بیزاری ظاہر کریں گے کہ اے کاش ہم دوبارہ دنیا میں لوٹ جائیں تو آج جیسے انہوں نے ہم سے بیزاری کی ہیں ہم بھی ان سے بیزری کریں۔

كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ: اللہ ﷻ ان کو ان کے اعمال ایسی ہی دِکھاتا ہے حسرت کے طور پر۔

حسرت: ایسی خواہش کو کہتے ہیں جس کی تکمیل نہ ہو۔

وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ: اور وہ جہنم سے نکلنے والے نہیں ہیں۔

فائدہ: ان دو آیات سے دو مسئلہ نکلے ہیں:

پہلا مسئلہ: ہمیں چاہئے کہ دنیا میں جس کو مقتدا (لیڈر) بنارہے ہیں دیکھ لیں کہ وہ مؤمن ہے یا کافر اور اس کا عقیدہ کیسا ہے کیونکہ انسان دنیا میں جس کو لیڈر بنائے گا کل قیامت کے دن اسی کے پیچھے ہو گا چنانچہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے "**یوم ندعوا کل اُناس بامامھم**" کہ ہم (قیامت کے دن) ہی کسی کو بُلائیں گے اُن پیشواؤں کے ساتھ۔

دوسرا مسئلہ: جو مقتدا (لیڈر) ہیں ان کو بھی چاہئے کہ اپنی اقتدا کرنے والی جماعت کو دیکھ لیں کہ وہ کیسی ہے کیونکہ مقتدا کو اُن کے پیچھے چلنے والے ہی گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں اُن کی جھوٹی تعریف کرکے پھر وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتے ہیں۔

تنبیہ: بعض لوگ اس آیت سے پیری مریدی (بیعت) کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو اس آیت میں پیر اپنے مریدوں سے اور مرید اپنے پیروں سے بیزاری کا اظہار کررہے ہیں۔

جواب: یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اس آیت میں وہ مراد ہیں جو کافر یا بدعقیدہ ہے جبکہ حقیقی پیر اور مرید کا ثبوت خود قرآن کریم سے ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "**یاایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ**" اس آیت میں وسیلہ سے مراد ہے کہ کسی نیک بندے کے ذریعے اللہ ﷻ کا قرب حاصل کرو، اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے "**اولئک الذین یدعون یبتغون**

الی ربھم الوسیلة ایھم اقرب "اس آیت میں بھی وسیلہ سے مراد یہی ہے کہ کسی نیک بندے کے ذریعے اللہ ﷻ کا قرب حاصل کرنا۔

میرے شیخ مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی کسی شیخِ کامل سے بیعت ہوتا ہے تو وہ شیخ کامل مرید کے دل میں نسبت ڈالتا ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کے قلبِ اطہر سے ہوتے ہوئے آرہی ہے تو یہ نسبت تین جگہ کام آتی ہے۔

(۱) موت کے وقت (ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوئے گا)۔

(۲) قبر میں۔

(۳) آخرت میں۔

کیونکہ نسبت ایک نور ہے اور یہ کام آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾	اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی بیشک وہ تمہارا دشمن ہے صریح (۱۶۸)
إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾	وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو کہ برے کام اور بیحیائی کرو اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جنکو تم نہیں جانتے (۱۶۹)
وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾	اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ ہی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ (۱۷۰)
وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾	اور مثال ان کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے اور چلانے کے بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے (۱۷۱)
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾	اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو (۱۷۲)

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾	اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان (۱۷۳)
إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾	بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ کیا نازل اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور انکے لئے ہے عذاب دردناک (۱۷۴)
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾	یہی ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے سو کس قدر صبر کرنے والے ہیں وہ دوزخ پر (۱۷۵)
ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾	یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بیشک ضد میں دور جا پڑے (۱۷۶)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا: اس آیت میں اللہ ﷻ ایمان والوں کو مخاطب کرکے فرمارہے ہیں کہ زمین میں جو پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ۔

حلالا طیبا: یعنی وہ چیز ایک تو حلال ہو اور دوسری بات طیب (پاکیزہ) بھی ہو مثلاً کھانا ہے جو کہ حلال ہے مگر وہ کھانا خراب ہو گیا تو اللہ ﷻ فرمارہے ہیں کہ وہ کھانا حلال ہونے کے ساتھ ساتھ پاکیزہ بھی ہو۔

اس آیت میں صرف مومنوں کو خطاب نہیں ہے، تمام انسانوں کو خطاب ہے، کیونکہ حلال کھانے سے ظاہری و باطنی فائدے ہیں جو سب ہی کیلئے فائدہ مند ہے، حلال کھانے سے بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے، چنانچہ موجودہ زمانہ میں جہاں ہر طرف مختلف چیزوں پر تحقیق ہو رہی ہے وہاں حلال چیزوں پر بھی خوب تحقیق ہو رہی ہے اور خوب باور کیا جارہا ہے کہ مسلمان جو حلال کھاتے ہیں وہ کئی طرح کی بیماریوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور حرام کے نقصانات کو یہ کفار اپنی ہی تحقیق کے مطابق کہتے ہیں کہ اس کے

بڑے طبی نقصانات ہیں مثلاً خنزیر ہے، اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں ٦٦ طرح کی بیماریاں ہیں جو اس کے کھانے سے پیدا ہوتی ہیں نیز مردار کے بارے میں بتاتے ہیں کہ خون کے نہ نکلنے کی وجہ سے جانور کی مختلف بیماریاں ہمارے اندر پیدا ہو جاتی ہیں اور شراب کے نقصانات کو یہ خوب بیان کرتے ہیں۔

رزقِ حلال کے فائدے: رزقِ حلال کھانے کی وجہ سے انسان کو روحانیت ملتی ہے اور اس کے ساتھ وہ علمِ دین کی مسلمانوں کی صحیح معنوں میں خدمت کرتا ہے۔

اسلام نے حلال کے اوپر بہت زور دیا ہے، اس کی سب سے بنیادی وجہ یہ ہے کہ اشیاء اصلاً حلال ہیں، حرمت بعد میں ہے جو شریعت مطہرہ کی طرف سے آئی ہے۔ حلال اشیاء کو ہر معاملہ میں اختیار کرنا چاہئے، خصوصی طور پر کھانے پینے کے معاملہ میں انتہائی احتیاط کریں، صرف حلال چیزیں ہی کھائیں۔ حلال کھانے والے لوگ شریعت کی پوری پابندی کرتے ہیں، اللہ ﷻ کے بتائے ہوئے سارے احکام پر عمل کرتے ہیں، تقویٰ اختیار کرتے ہیں، شریعت کے احکام کی خوبصورتی کو سمجھتے ہیں، قرآن کریم کے محکمات پر عمل کرتے ہیں، متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ ﷻ حلال کھانے پینے والوں کی دعائیں اور عبادات کو قبول فرماتے ہیں۔

حلال کھانے کے بارے میں اللہ ﷻ نے کئی آیتیں نازل فرمائیں، چنانچہ چند آیات درج ذیل ہیں۔

آغاز سب سے پہلے حلال کے تذکرہ سے کرتا ہوں، اس کے بعد حرام اشیاء کا ذکر کرونگا۔

قرآنی آیات برائے حلال:

١۔يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم واشكروا لله ان كنتم اياه تعبدون۔[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی ہم نے تم کو دی اور شکر کرو اللہ کا، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت مبارکہ میں حلال طیب چیزوں کے کھانے اور اس پر شکر گزار ہونے کی ترغیب دی گئی ہے، حلال کے کھانے سے نور حاصل ہوتا ہے، اخلاقِ رذیلہ سے نفرت، اخلاقِ فاضلہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے، عبادت میں دل لگتا ہے، گناہ کے ارتکاب سے دل گھبراتا ہے، طبیعت نیکی کی طرف راغب ہوتی ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایک اور جگہ میں تمام رسولوں کو حلال طیب کھانے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

٢۔يأ يها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا۔[2] یعنی اے (ہمارے) رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

[1] سورۃ البقرۃ: ١٧٢
[2] سورۃ المؤمنون: ٣٣

اس آیت میں رسولوں علیہم السلام کو خطاب کر کے ان کی امتوں کو بھی تعلیم دیدی کہ حلال طیب کھاؤ، تو حلال طیب کھانا صرف امت محمدیہ ہی کیلئے نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کیلئے ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

۳۔**یسئلونک ماذا احلّ لھم، قل احلّ لکم الطیبات۔**[1]

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کے ان کیلئے کیا چیز حلال ہے؟ آپ کہہ دیجئے تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔

اس آیت میں بھی طیبات اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کہا گیا ہے۔

۴۔**یامرھم بالمعروف و ینھاھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبآئث۔**[2]

ترجمہ: (اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے توراۃ وانجیل میں رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ) آپ لوگوں کو نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور منع کرتے ہیں برے کام سے اور حلال کرتے ہیں ان کیلئے تمام پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر ناپاک چیزیں۔

۵۔**و کلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا۔**[3] یعنی اور کھاؤ جو اللہ نے تم کو روزی دی حلال پاکیزہ۔

۶۔**فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا۔**[4] یعنی سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کیا حلال پاکیزہ۔

۷۔**فکلوا ممارزقکم اللہ حلالا طیباوا شکروانعمۃ اللہ۔**[5]

ترجمہ: سو کھاؤ جو اللہ نے تم کو روزی دی حلال پاکیزہ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

یہ چند آیات میں نے حلال اور پاکیزہ کے بارے میں نقل کی ہیں، ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ ہمیں صرف حلال پاکیزہ چیزیں کھانی چاہئیں اور حرام چیزوں کے کھانے سے لازماً احتراز کرنا چاہئے۔

حضرت سہل بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نجات تین چیزوں میں منحصر ہے:

۱۔ حلال کھانا

۲۔ فرائض ادا کرنا

۳۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع کرنا۔

[1] سورۃ المائدۃ:۴

[2] سورۃ الأعراف:۱۵۷

[3] سورۃ المائدۃ:۸۸

[4] سورۃ الانفال:۶۹

[5] سورۃ النحل:۱۱۴

حلال کمانا فرض ہے:

جس طرح حلال کھانے پر قرآن حکیم نے زور دیا ہے اسی طرح سے احادیث مبارکہ میں حلال کمانے پر زور اور ترغیب آئی ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ: **وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْأَلَةِ،وَسَعْيًا عَلَى عِيَالِهِ،وَتَعَطُّفًا عَلَى جَارِهِ لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ**[1]۔

ترجمہ: جو شخص دنیا حلال طریقہ سے حاصل کرے اس نیت سے کے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے، اہل وعیال کا نفقہ ادا کرنے کیلئے اور اپنے پڑوس پر شفقت کرتے ہوئے تو اللہ ﷻ سے وہ اس حال میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہو گا۔

ایک اور روایت میں ہے: **طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة**[2] اللہ ﷻ کے فرائض کے بعد حلال کمانا فرض ہے۔

کمانا کسی بھی لحاظ سے ہو، وہ سب حلال طریقوں سے ہونا چاہئے، اگر تاجر ہے، تو تجارت حلال طریقہ سے کرے۔

حدیث شریف میں ہے: **التاجر الصدوق الامين مع النبيين والصديقين والشهداء**۔[3]

ترجمہ: سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔

لہٰذا تجارت میں کسی کو دھوکے دینا جائز نہیں ہے۔

لباس کا پہننا بھی حلال ہونا چاہئے لباس کا مقصد ستر کا پوشیدہ رکھنا ہے، لہٰذا شریعت مطہرہ نے مردوں اور عورتوں کے لباس کے بارے میں واضح ارشادات بیان کئے ہیں لہٰذا مردوں اور عورتوں کو چاہئے کہ جن لباس کو ان کیلئے حلال قرار دیا گیا ہے انہیں پہنیں اور جن سے اجتناب کا حکم دیا ہے ان سے اجتناب کریں۔ حلال اور حرام کو شریعت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے لہٰذا جو چیز شریعت کی طرف سے حلال ہے اسے کوئی حرام نہیں کر سکتا، اسی طرح سے شریعت نے جس چیز کو حرام کہا تو وہ حرام ہے، کسی شخص کو اختیار نہیں ہے کہ اللہ ﷻ کے حلال کو حرام کرے یا حرام کردہ چیز کو حلال کرے۔ قیامت کی کئی نشانیاں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے لوگ حرام چیزوں کو حلال کرنے کی کوشش کرینگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: **ليستحلن طائفة من امتي الخمر يسمونها بغير اسمها**۔[4]

ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ شراب کا نام بدل کر اس کو حلال کرے گا۔

[1] شعب الایمان للبیہقی: ۱۳/ ۱۷
[2] سنن الکبری للبیہقی: ۶/ ۲۱۱
[3] سنن ترمذی: ۲/ ۵۰۶
[4] مسند احمد: ۲۹/ ۵۱۵

اسی طرح ایک روایت ہے کہ:**یأتی علی الناس زمان یستحلون الربا بالبیع۔**[1]

ترجمہ: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب لوگ سود کو تجارت کے نام سے حلال کریں گے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ نے یہود کی برائی کو بیان کرتے ہوئے اپنی امت کو تعلیم دی کہ ان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ جنہوں نے معمولی حیلہ کرکے حرام کو حلال کیا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:**لاترکبوا ما ارتکب الیھود و تستحلوا محارم اللہ بأدنی الحیل .**[2]

ترجمہ: تم یہود کی طرح ان کاموں کا ارتکاب مت کرو جن کا یہود نے کیا کہ معمولی حیلوں کے ذریعہ اللہ ﷻ کے محارم کو حلال کرنے لگو۔

یہاں میں حرام چیزوں کا ذکر تفصیلی طور پر کرونگا کیونکہ لوگ حرام کاموں کو خوب کرتے ہیں اور طرح طرح کے بہانے کرکے ان کو حلال کہتے ہیں۔

محرّمات

اسلام میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا ارتکاب حرام ہے، مگر لوگ اس میں مبتلا ہیں جبکہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان حرام کاموں کا ارتکاب گناہ کبیرہ میں سے ہے، جن سے احتراز ہر حالت میں لازم ہے قرآن کریم میں کئی چیزیں ہیں جنہیں حرام کہا ہے۔

قرآنی آیات برائے حرام

۱۔ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بھا الی الحکام لتأکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم و انتم تعلمون۔[3]

ترجمہ: اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال سے ظلم کرکے اور تم کو معلوم ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ اس طرح سے کہ کسی کے مال کی خبر ظالم حاکم کو مت دو کہ وہ ظالم حاکم وہ مال کھاجائے، یا اپنے مال کو ظالم حاکم کو بطور رشوت مت دو کہ اس ظالم حاکم کو اپنا بناکر دوسروں کے مال کو کھاجاؤ۔

[1] اغاثۃ اللہفان: ۱/ ۳۵۲
[2] اغاثۃ اللہفان: ۱/ ۳۴۸
[3] سورۃ البقرۃ: ۱۸۸

۲۔ان الذین یأکلون اموال الیتامی ظلما انما یأکلون فی بطونھم نارا و سیصلون سعیرا۔[1]

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے طریقہ سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب آگ میں داخل ہونگے۔

۳۔سماعون للکذب اکالون للسحت۔[2] یعنی وہ جھوٹ کو خوب سنتے ہیں اور خوب رشوت کھاتے ہیں۔

اس آیت میں یہود کی برائی بیان کر رہے ہیں کہ وہ جھوٹ کو خوب سنتے ہیں اور رشوت جیسی حرام چیزوں کو خوب کھاتے ہیں، یہود کی اس برائی میں ان کے احبار بھی مبتلا تھے اور لوگوں کو اس گناہ کے کام سے نہیں روکا کرتے تھے۔

چنانچہ سورۃ مائدہ ہی میں اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

۴۔لولا ینھاھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم و اکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون۔[3]

ترجمہ: ان کے (نصاریٰ کے) صوفیاء اور (یہود کے) علماء لوگوں کو گناہ کی بات سے اور رشوت کھانے سے کیوں نہیں روکتے تھے، وہ بہت گناہ کا کام کرتے تھے۔

۵۔انما حرم علیکم المیتة و الدم و لحم الخنزیر و ما اھل بہ لغیراللہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ۔[4]

ترجمہ: بلاشبہ تم پر حرام کیا ہے، مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے نام کے علاوہ ذبح کیا جائے البتہ وہ شخص حالت اضطرار میں ہو (اس کیلئے حلال ہے بشرطیکہ) نافرمانی نہ کرے اور نہ زیادتی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت میں کچھ کھانے کی چیزوں کو حرام کیا ہے، جن میں مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور۔

۶۔حرمت علیکم المیتة و الدم و لحم الخنزیر و ما اھل لغیراللہ بہ و المنخنقة والموقوذة و المتردیة و النطیحة و ما اکل السبع الا ما ذکیتم و ما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام ذلکم فسق۔[5]

ترجمہ: حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے نام کے علاوہ ذبح کیا جائے اور جو مر گیا ہو گلا گھوٹنے

[1] سورۃ النسآء: ۱۰
[2] سورۃ المائدۃ: ۴۲
[3] سورۃ المائدۃ: ۶۳
[4] سورۃ البقرۃ: ۱۷۵
[5] سورۃ المائدۃ: ۳

سے یا چوٹ سے یا نیچے گرنے سے یا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے جو ذبح ہوا کسی تھان پر اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کی تیر پر، یہ گناہ کا کام ہے۔

مزید ایک اور جگہ میں شراب اور جوا کی بھی حرمت کو شامل کرتے ہوئے فرمایا:

۷۔یا ایھا الذین امنوا انما الخمر و المیسر و النصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے، سب گندے کام ہیں شیطان کے، سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔

۸۔ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ و انہ لفسق و ان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم و ان اطعتموھم انکم لمشرکون۔[2]

ترجمہ: اور مت کھاؤ اس (جانور کو) جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بے شک فسق ہے اور شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم نے شیاطین کی پیروی کی تو تم بلاشبہ مشرک ہو گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جانور کہ جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہی نہ گیا وہ جانور کسی بھی طرح سے حلال نہیں ہے، جمہور امت کا بھی یہی مذہب ہے۔

آج کل لوگ مشینی ذبیحہ کے جانور کو کھاتے ہیں جبکہ زیادہ تر مشینی ذبیحہ پر اللہ ﷻ کا نام نہیں لیا جاتا ہے. بہر حال اگر اللہ ﷻ کے نام پر ذبح کیا جائے تو وہ حلال ہو گا۔ اس کی تفصیل آگے بیان کریں گے۔

۹۔الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ و الانجیل یأمرھم بالمعروف و ینھاھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث۔[3]

ترجمہ: وہ لوگ جو رسول امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں ان کیلئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور گندی چیزیں حرام کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم فرماتے

[1] سورۃ المائدۃ:۹۰
[2] سورۃ الانعام:۱۲۱
[3] سورۃ الاعراف:۱۵۷

ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں، لوگوں کیلئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو حرام فرماتے ہیں، گندی چیز کوئی بھی ہو وہ سب حرام ہے اور شراب تو ام الخبائث ہے جو اس میں بطریقہ اولیٰ شامل ہے۔

۱۰۔الذین یأکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس ذلک بانهم قالوا انما البیع مثل الربا و احل الله البیع و حرم الربا۔[1]

ترجمہ: وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح اُٹھیں گے جس کو شیطان (جن) نے لپٹ کر حواس کھو دئے ہوں، (یہ حالت ان کی) اس لئے ہو گی کہ انہوں نے کہا تجارت بھی تو سود کی طرح ہے۔ اور (جبکہ) اللہ ﷻ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں سود کی حرمت کو بیان کیا گیا، صحیح روایات کے مطابق آیات ربا قرآن کریم کی آخری آیات ہیں، بہر حال سود کی حرمت قطعی ہے، آج لوگ اس بدترین حرام چیز کو حلال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

احادیث برائے محرمات

۱۔عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: لیأتین علی الناس زمان لا یبالی المرء بما أخذ المال أمن الحلال ام من الحرام۔[2] یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ لوگ مال حاصل کریں گے مگر وہ پرواہ نہیں کرینگے کے حلال ہے یا حرام۔

۲۔عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: یا أیها الناس! ان الله طیب لا یقبل الا طیبا و ان الله امر المؤمنین بما امر به المرسلین فقال: یا ایها الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا انی بما تعملون علیم، و قال: یا ایها الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم، ثم ذکر الرجل یطیل السفر، أشعث اغبر، یمد یدیه الی السماء یا رب! یا رب! و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذی بالحرام فأنی یستجاب لذلک۔[3] یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۷۵
[2] صحیح البخاری: ۳/۵۵
[3] صحیح مسلم: ۲/۷۰۳

لوگو! بلاشبہ اللہ گ پاک ہیں اور وہ صرف پاکیزہ چیزوں ہی کو قبول فرماتے ہیں، اللہ نے ایمان والوں کو اس کا حکم دیا ہے جو اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا، چنانچہ فرمایا: اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، بلاشبہ جو تم کرتے ہو میں خوب جانتا ہوں، نیز فرمایا: اے ایمان والو! جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے پاکیزہ، وہ کھاؤ، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا: ایک شخص کے بارے میں کہ جو طویل سفر کرتا ہے، اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور پکارتا ہے: اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! جبکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی، تو بھلا اس کے پکار کو کیونکر قبول کیا جائیگا۔

۳۔عن کعب بن عجرة رضی اللہ عنہ قال له رسول الله ﷺ: یا کعب بن عجرة! الصلاة برهان و الصوم جنة حصينة و الصدقة تطفئی الخطيئة كما يطفئی الماء النار، يا كعب بن عجرة! انه لا يربو لحم نبت من السحت الا كانت النار أولى به۔[1]

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ! اے کعب بن عجرۃ! نماز برحق ہے، روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹاتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو، اے کعب بن عجرۃ! جہنم کی آگ بہتر ہے اس جسم کے گوشت سے جو حرام سے پرورش پائے۔

۴۔عن خولة الانصارية رضی اللہ عنہا قالت: سمعت النبی ﷺ يقول: ان رجالا يتخوضون فی مال الله بغير حق،فلهم النار يوم القيامة۔[2]

ترجمہ: حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے ہیں: بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ رضی اللہ عنہ کے مال میں ناحق طریقہ سے داخل ہوتے ہیں، ان کیلئے قیامت کے دن آگ ہے۔

۵۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: لا يقبل الله صلاة امرئی فی جوفه حرام۔[3]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ رضی اللہ عنہ اس شخص کی نماز کو قبول نہیں فرماتے جس کے پیٹ میں حرام ہو۔

علماء کے اقوال حرام کے بارے میں:

۱۔الاكل من الحلال سبب لتقبل الدعاء و العبادة كما ان الاكل من الحرام يمنع قبول الدعاء و

[1] سنن الترمذی: ۱/ ۷۵۳
[2] صحیح البخاری: ۴/ ۸۵
[3] جامع العلوم والحکم لابن رجب: ۱/ ۲۶۲

العبادة۔[1]

ترجمہ: امام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں! حلال کھانا سبب ہے دعا اور عبادت کے قبول ہونے کا، جس طرح حرام کھانا دعا اور عبادت کو روکتا ہے۔

۲۔سُئل احمد رحمہ اللہ عن معنی المتقین فی قوله تعالی: انما یتقبل الله من المتقین، فقال: یتقی الاشیاء فلا یقع فیما لا یحل۔[2] امام احمد رحمہ اللہ سے آیت "انمایتقبل الله من المتقین" میں متقین کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا: وہ دوسری ایسی چیزوں سے بچتے ہیں جو حلال نہ ہوں۔

۳۔قال أبو عبد الله الناجی الزاهد رحمہ اللہ : خمس خصال بها تمام العمل: الایمان بمعرفة الله عز و جل، و معرفة الحق، و اخلاص العمل لله والعمل علی السنة و اکل الحلال، فان فقدت واحدة لم ترفع العمل۔[3]

ترجمہ: شیخ ابو عبد اللہ ناجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے عمل مکمل ہوتا ہے، اللہ ﷻ کی معرفت پر ایمان لانا، حق کی معرفت ہونا، اللہ ﷻ کیلئے خالص نیت کے ساتھ کام کرنا، سنت پر عمل کرنا اور حلال کھانا، اگر ان میں سے کوئی بھی چیز مفقود ہو تو عمل پورا نہیں ہو گا۔

۴۔قال ابن رجب رحمہ اللہ: اکل الحرام و شربه و لبسه و التغذی به سبب موجب لعدم اجابة الدعاء۔[4]

ترجمہ: شیخ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں حرام کھانا، حرام پینا، حرام پہننا اور حرام سے غذا حاصل کرنا سبب ہے دعا کی عدم قبولیت کا۔

مذکورہ بالا احادیث و آثار سے حرام کھانے اور اس میں ملوث ہونے کے مضمرات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دعائیں اور عبادت قبول نہیں ہوتیں۔

۲۔ نفس گندہ ہوتا ہے۔

۳۔ جہنم میں جانے کا ذریعہ ہے۔

۴۔ اللہ ﷻ کا غضب ہوتا ہے۔

۵۔ اللہ ﷻ سے دوری ہوتی ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۵۰

[2] جامع العلوم والحکم لابن رجب: ۱/ ۲۶۲

[3] جامع العلوم والحکم لابن رجب: ۱/ ۲۶۲-۲۶۳

[4] جامع العلوم والحکم لابن رجب: ۱/ ۲۶۲

۶۔ عمل صالح ضائع ہو جاتا ہے۔

۷۔ دین اور ایمان کو کمزور کر دیتا ہے۔

۸۔ حقوق العباد ضائع کرنے کا ذریعہ ہے۔

۹۔ جسم کو نقصان پہنچتا ہے۔

۱۰۔ عقل صحیح کام نہیں کرتی۔

ان تمام مضمرات سے معلوم ہوا کہ ہمیں ہر طرح حرام چیزوں سے بچنا ہے، حرام صرف کھانے اور پینے میں نہیں ہوتا، بلکہ کتنی چیزیں ہیں جو حرام ہیں، ان سے احتراز ہر حالت میں لازم ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ: اس آیت میں شیطان کے راستے پر چلنے کو منع کیا جارہا ہے۔

اتباع: پیچھے چلنے کو کہتے ہیں۔ **خطوٰت:** نشان کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ حلال اور پاکیزہ کو نہ کھانا یہ شیطان کی پیروی ہے لہذا تم ایسا مت کرو کہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے لگو بلکہ تم شیطان کی مخالفت کرو۔

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ: شیطان تمہارا کُھلا دشمن ہے۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ: شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ تمہیں بُرے کاموں کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور یہ بھی حکم کرتا ہے کہ تم اللہ ﷻ پر جھوٹ باندھو کہ جو بات اللہ ﷻ نے نہیں کی تم اللہ ﷻ کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کرو۔

حدیث میں آتا ہے کہ "إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ "[1] کہ شیطان انسان کی رگوں میں ایسے گردش کرتا ہے جیسا کہ خون انسان کی رگوں میں گردش کرتا ہے، لہذا شیطان اِس راستے سے انسان کو وسوسے ڈال کر ان کاموں کا حکم کرتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ: جب ان لوگوں سے کہا جاتا یعنی مشرکین سے کہ اللہ ﷻ کے احکام پر عمل کرو تو کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ ہم تو اس پر عمل کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ واجداد کو پایا۔

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ: یہاں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ کیا اگرچہ ان کے آباؤ واجداد بیوقوف ہو اور ہدایت پر نہ بھی ہو تو پھر بھی ان کی اتباع کریں گے۔

[1] صحیح البخاری: ۹/ ۷۰

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا: اس آیت میں اللہ ﷻ کافروں کی مثال دے رہے ہیں کہ کافروں کی مثال ایسی ہے وہ ایسی چیز کو پکار رہے ہیں کہ جو کچھ نہیں سُن سکتے بلکہ جن کو وہ پکار رہے ہیں وہ اندھے، گونگے، اور بہرے ہیں اور بیوقوف ہیں اور سوائے چیخ وپکار کے کچھ بھی نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ دوبارہ اُس ضمون کو دہرا رہے ہیں جو آیت نمبر ۱۶۸ میں بیان فرمایا کہ جو رزق ہم نے پاکیزہ دیا ہے اس میں سے کھاؤ۔

وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ: شکر کی تفسیر سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۵۲ کے تحت گذر چکی ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ:

الْمَيْتَةَ یعنی مردار جانور کا گوشت: مردار وہ جانور ہے کہ جس کو ذبح کرنے کی نوبت نہ آئی ہو اور وہ مر جائے، مردار کی درج ذیل پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ **منخنقة:** گلا گھٹ جانے کی وجہ سے مر گیا ہو۔

۲۔ **موقوذة:** لاٹھی وغیرہ کی مار سے مر جائے۔

۳۔ **متردية:** اوپر سے گر کر مر گیا ہو۔

۴۔ **نطيحة:** کسی جانور کے سینگ مارنے کی وجہ سے مر جائے۔

۵۔ وہ جانور جس کو کوئی درندہ نے چیر پھاڑ دیا ہو یا اس کا جزء کھالیا ہو جس کی وجہ سے وہ مر جائے۔

مذکورہ بالا تمام جانور مردار میں شامل ہیں۔

میتہ کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ذکاۃ شرعی نہیں پائی جاتی ہے۔

ذکاۃ شرعی یہ ہے کہ جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں۔

۱۔ **حلقوم** (سانس کی نالی)

۲۔ **مرئی** (کھانے کی نالی)

۳۔۴۔ **ودجان** (یہ وہ دو رگیں ہیں جو گردن کی دونوں جانب ہوتی ہیں اور جنہیں خون کی نالیاں بھی کہتے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چاروں یا اکثر رگوں کا کٹنا ضروری ہے۔[1]

[1] فتاوی ہندیہ: ۵/۲۸۷

لہٰذا جو جانور کہ جس کو ذکاۃِ شرعی کے طریقے سے ذبح نہ کیا جائے تو اس جانور کا پورا خون جسم میں رہ جاتا ہے۔ جو کہ بہتا نہیں ہے اور خون میں کئی طرح کی بیماریاں اور جراثیم ہوتے ہیں، اس طرح کا جانور اگر کوئی کھائے گا تو کئی طرح کی بیماریاں لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔

شریعت مطہرہ ہم کو ان تمام چیزوں سے منع کرتی ہے جو ہمارے جسم کو نقصان پہنچائے۔ فطرت سلیمہ رکھنے والا کوئی بھی شخص مرے ہوئے جانور کو نہ کھائے گا۔ اہل کتاب میں بھی کوئی بھی مردار کو حلال نہیں کہتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مردار کا حرام ہونا شرعاً و عقلاً ہے۔

وَالدَّمَ:

بہتا ہوا خون: اللہ ﷻ نے بہتے ہوئے خون کو حرام قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اگر کسی شخص کو بھوک محسوس ہوتی تھی تو کسی تیز چیز سے اونٹ وغیرہ کے جسم میں جھونک دیتا اور جو خون نکل پڑتا اس کو وہ پی لیتا، اس عمل سے جانور کو تکلیف ہوتی تھی، اللہ ﷻ نے بہتے ہوئے خون کو حرام کر دیا۔

زمانہ جاہلیت میں عرب ایک اور حرکت یہ کیا کرتے تھے کہ خون کو جما لیتے تھے پھر اس کو توے وغیرہ پر بھون کر کھاتے تھے اور یہ اخلاق انسانی کو فاسد کرتا ہے، خون چونکہ نجس بالذات ہے لہٰذا اس کے پینے سے طبیعت میں نجاست پیدا ہو گی۔ نیز چونکہ اس میں کئی طرح کی بیماریاں اور جراثیم ہوتے ہیں لہٰذا اس کے پینے سے بیماریاں لاحق ہوں گی۔ خون کا پینا درندوں کا عمل ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اس کو پیئے گا تو اس کی طبیعت میں درندگی پیدا ہو گی۔ اسلام ہر اس چیز کو حرام کرتا ہے جو ہمیں ظاہری، روحانی اور اخلاقی طور پر نقصان پہنچائے۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ:

سؤر کا گوشت

اللہ ﷻ نے اس ناپاک جانور کا گوشت مکمل طور پر حرام کیا ہے، کبھی بھی کسی بھی دین سماوی میں اس کی اجازت نہیں دی گئی، آج عیسائی جو اس کو کھا رہے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی اس کو حلال نہیں کہا۔ چند قرآنی آیات برائے حرام پہلے گزر چکی ہیں۔

اس آیت میں اللہ ﷻ نے سؤر کا گوشت تم پر حرام کیا ہے، جب گوشت حرام کیا تو اس جانور کے تمام اجزاء کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اس جانور کی ہڈی اور بالوں سے بھی انتفاع حرام ہے۔ سؤر طبعی طور پر نجس ہے اور نجاست کھاتا ہے، اس کے گوشت کھانے سے طبیعت میں نجاست آتی ہے، یہ وہ بے غیرت جانور ہے کہ جو اپنی مادہ کی لئے دفاع بھی نہیں کرتا، یہی وجہ ہے کہ اس کے کھانے سے بے غیرتی بھی آتی ہے۔

اللہ ﷻ حکیم ہیں، اپنی حکمت سے ہی بعض چیزوں کو حرام کیا ہے۔نہ صرف یہ کہ اس جانور کے گوشت کھانے سے اخلاقی برائی پیدا ہوتی ہے بلکہ کئی جسمانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں بعض بیماریاں تو انتہائی مہلک ہیں، چنانچہ خنزیر کے گوشت پر بڑی تحقیق ہوئی ہے مسلم اور غیر مسلم سائنٹسٹ سب ہی کا اتفاق ہے کہ یہ انتہائی مضر جانور ہے، اس کے گوشت کھانے سے احتراز کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر احمد جواد نے خنزیر کے بارے میں ایک تفصیلی کتاب لکھی ہے، جس کا نام "**الخنزیر بین میزان الشرع ومنظار العالم**" ہے اس کتاب میں انہوں نے انتہائی تفصیل سے لکھا ہے کہ خنزیر میں کئی طرح کی بیماریاں ہیں، جن کے کھانے سے وہ بیماریاں انسانی جسم میں منتقل ہوتی ہیں۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں: خنزیر ایک ناپاک جانور ہے جو نجاست کوڑا کرکٹ ،جانوروں کی گندگی ،مردار اور چوہے وغیرہ کھاتا ہے، اس جانور کے کھانے سے بڑی تعداد میں وبائی اور غیر وبائی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جن کی تعداد چار سو پچاس سے کم نہیں ہے۔

نیز ڈاکٹر احمد جواد یہ بھی لکھتے ہیں کہ ،،اس جانور کے گوشت کھانے سے یہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جگر کی بیماری، کھانے کا ہضم نہ ہونا، خون کی شریان کا سخت ہونا، سر سے بالوں کا گرنا، حافظہ کا کمزور ہونا، ہڈیوں کے جوڑوں میں درد کا ہونا، جسم کی بیماریوں میں مزید اضافہ کرنا، چربی سے جسم کا زیادہ کرنا، اس کے علاوہ انسانی عفت وغیرت کو خراب کرنا وغیرہ۔

ڈاکٹر ہلوک نور باقی نے اپنی کتاب "**قرآنی آیات اور سائنسی حقائق**" میں سؤر کے کھانے کے مضمرات نقل کئے ہیں ذیل میں ان کی کتاب کے حوالہ سے مضمون درج کیا جاتا ہے: روزمرہ زندگی میں سؤر سے دور رہنے کیلئے یہ وجہ ہی کافی ہے کہ یہ بے حد غلیظ جانور ہوتے ہیں اور ان میں مشہور قسم کے نقصان دہ طفیلی جراثیموں کی تھیلی (TRICHINA CYST) پائی جاتی ہے مگر بد قسمتی سے ان معاشروں میں جہاں کئی سالوں تک سؤر کے گوشت پر پابندی رہی ہے ،کچھ لوگوں نے اب یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ جانور کے ڈاکٹری معائنہ کے بعد اس کو کھایا جاسکتا ہے۔پھر سؤر کے گوشت کی ممانعت کے پیچھے کیا وجوہات ہیں؟ پچھلے ۳۵ سالوں میں قرآن کے اس حکم کی تائید میں سائنس نے متعدد وجوہ ڈھونڈلی ہیں اور خود سائنسدان بھی اللہ ﷻ کے اس واضح حکم پر حیرت زدہ رہ گئے ہیں جو اس نے قرآن کی اس آیت میں دیا ہے۔اب میں سؤر کے جسم کے ان حصوں پر خلاصہ پیش کرونگا جو انسانی صحت کیلئے مضر رساں ہیں: مشہور جرمن میڈیکل سائنسدان ہنیز ہائنز کریگوگ (HANS HEINRICH RECKWEG) نے سؤر کے گوشت میں ایک عجیب قسم کی زہریلی پروٹینسٹوکسن (SUTOXIN) کی نشاندہی کی ہے جس سے کئی قسم کی الرجی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، یہ زہر اس قسم کی الرجی والی بیماریوں مثلاً ایگزیما اور دمہ کے درد (ASTHMATIC RASH) کا باعث بنتی ہے اگر سٹوکسن کی مقدار یا خوراک کم ہو تو بھی اس سے تھکاوٹ اور جوڑوں کے درد کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اس نکتہ نظر سے اگر کچھ لوگوں کی اس بات کو تھوڑی دیر کیلئے مان بھی لیا جائے کہ سؤر کا گوشت سستا ہوتا ہے تو اس سے ہونی والی بیماریوں سے

وقت کے ضیاع اور دوائیوں پر اخراجات کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے تب اس گوشت کی کوئی خوبی نظر نہیں آے گی۔

جانوروں پر تجرباتک ے سلسلے میں سؤر کا اثر ہمیشہ نظر آجاتا ہے ۔اس جانور کے رطوبت چھوڑنے والے غدودوں کے نظام (LYMPHATIC SYSTEM) میں تیزی سے ہونے والی بیسود گیسے ایسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو اس وجہ سے ہے کہ یہ جانور نقصان دہ بکٹیریا سے بھری ہوئی خوراک متواتر، بغیر وقفہ کے کھاتا ہی رہتا ہے،اس مضمون پر ذیل میں مزید گفتگو کرتے ہیں۔ خنزیر کے گوشت میں ایک عنصر میو کو پولائز کیرائد (MUCOPOLYSAC) CHARIDES کافی زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے اور چونکہ اس میں گندھک (سلفر) ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کی وجہ سے جوڑوں کی بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، سؤر میں بڑھنے کے عمل میں تیزی پیدا کرنیوالے ہارمون کثیر تعداد میں مرکوز ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے گوشت کے عادی لوگوں کے جسم بھی بدنما اور عیب زدہ ہو جاتے ہیں۔ایک اور پریشان کن بیماری جو سؤر کے گوشت کے ذریعے پیدا ہوتی ہے،اسے شیپ وائرس (SHAPE VIRUS) کہتے ہیں یہ وائرس انسانی پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتی ہے،اس لئے کہ خود سؤر کے پھیپھڑوں میں بھی یہ کثیر مقدار میں پائی جاتی ہے۔

اب میں صحت پر سؤر کے گوشت کے اور زیادہ خطرناک اثرات کی نشاندہی کرونگا۔

سؤر کا گوشت خون میں چربی والے اجزاء کے تناسب کا ضرورت سے زیادہ مقدار میں اضافہ کر دیتا ہے، آج کل ایسی خوراک یعنی قیمہ بھری آنتوں (SAUSAGES) اور سالامی وغیرہ بہت مرغوب سمجھی جاتی ہیں۔

سؤر کھانے والوں کے جسم رفتہ رفتہ ایک انگیٹھی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یورپ کے کئی شہروں میں یہ حقیقت باآسانی دیکھی جاسکتی ہے ۔پروفیسر لیٹرے (PROF LETTRE) نے تاب کاریطریقے RADIOACTIVE TAGGING) (استعمال کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ خوراک جسم کے اسی حصہ میں مرکوز ہو جاتی ہے جس حصہ کی وجہ خوراک ہے، چنانچہ اس نظریہ کا ثبوت مل جاتا ہے کہ سؤر کھانے والوں کے کولھوں میں چربی اکٹھی ہو جاتی ہے۔

اب میں اس مہلک بیماری کا ذکر کرونگا جو سؤر کھانے والوں کو لاحق ہو جاتی ہے یہ چنونے یا کیڑوں والی بیماری ہوتی ہے جسے (TRICHINA) کہتے ہیں۔

سٹائل (STAHL) نے اس موضوع پر اپنی کتاب "دس وار میورلڈ" (THIS WORMY WORLD) میں یہ معلوم کیا ہے کہ دنیا میں تقریباً تین کروڑ کی تعداد میں اس بیماری کے شکار لوگ موجود ہیں،لاعلمی پر مبنی خیالاتک ے برخلاف اوپر بیان کردہ بیماری "ٹرائیکینا" دماغ میں صرف نقصان دہ گلٹی یا تھیلی ہی نہیں بناتی بلکہ چونکہ سؤر سے پھیلائی گئی یہ وبا خون میں رکاوٹ یا منجمد کرنے کا عمل بھی پیدا کرتی ہے اس لئے اس سے ٹائیفائیڈ جیسا موذی مرض بھی ہوتا ہے اور اس سے اچانک موت بھی واقع ہو سکتی ہے

سؤر کا گوشت جسم کے پٹھوں میں مرکوز ہو کر پٹھوں کی خطرناک بیماریوں کو جنم دیتا ہے، سؤر سے متعلق مخصوص "چوڑے خنزیری کیڑے " TAPE WORM والی ایک اور بیماری بھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے یورپی ممالک میں سؤر کے پھیپھڑوں کا کھانا ممنوع قرار دیدیا گیا ہے مگر پھر بھی سؤر کے عام گوشت کے ذریعے بھی بیماری پیدا ہو سکتی ہے، انسانی صحت کو سب سے زیادہ نقصان اس بیماریسے ہوتا ہے جس میں اس جانور کے گردوں کی سخت چربی کے ذریعے آنتوں میں خاص قسم کے طفیلی کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ عام فہم بات ہے کہ جانوروں کے گوشت میں دو قسم کی چربی ہوتی ہے ان میں سے پہلی تو وہ ہے جو صاف نظر آتی ہے اور گوشت کے اوپر لپٹی ہوتی ہے جبکہ دوسری قسم کی چربی وہ ہوتی ہے جو خود گوشت کے پٹھوں کے ریشوں کے اندر ہی پائی جاتی ہے جہاں تک چربی کا گوشت میں مرکوز ہو جانے کا معاملہ ہے دوسری قسم کی چربی سے بطور خاص ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اس سلسلے میں عام قسم کے گوشت کی چیزوں میں چربی کا مرکوز ہو جانا درج ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ بچھڑے کا گوشت ۱۰ فیصدی

۲۔ بھیڑ کا گوشت ۲۰ فیصدی

۳۔ بھیڑ کے بچے کا گوشت ۲۳ فیصدی

۴۔ سؤر کا گوشت ۳۵ فیصدی

جانوروں سے حاصل کردہ چربی جو ہمارے جسم میں جاتی ہے اس کے متعلق یہ تحقیق ہو چکی ہے کہ انسانی خون میں یہ سب سے کم مقدار میں تحلیل یا گلتی ہے، چنانچہ اس کے کھانے سے خون میں چربی (LIPID) اور کولیسٹرل (CHOLESTEROL) کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اجزاء خون کے بہاؤ میں زیادہ عرصہ تک موجود رہیں، تو شروع میں تو یہ چپکنے سے رکاوٹ بناتے ہیں اور خون کی شریانوں کو سخت کر دیتے ہیں آج کل تو پوری طرح سے مان لیا گیا ہے کہ خوراک میں چربی کا زیادہ مقدار میں ہونا ہی دل کی شریانوں کی بیماریوں کا سب سے بڑا سبب ہے۔ خون میں چربی کی مقدار کا ضرورت سے زیادہ ہونا وقت سے قبل بڑھاپے، ضعف، فالج اور دل کے دورے کی بلاشبہ ایک اہم وجہ ہے۔

آج کل قصائی کی دکان میں داخل ہونے والا ہر گاہک بغیر چربی کے گوشت کا طلبگار ہوتا ہے۔ مگر دراصل اس چربی کی زیادہ اہمیت نہیں ہے جو گوشت کے باہر ظاہری طور پر نظر آتی ہے بلکہ اس چربی سے ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے جو ظاہری طور پر نظر نہیں آتی ہے لیکن وہ گوشت کے اندر پٹھوں کے ریشوں میں چھپی ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں کیا کیا جائے جہاں قصائی کی دکان میں صرف سؤر کا گوشت ہی فروخت ہو رہا ہے؟ اس سلسلے میں دو باتیں ہیں۔

(الف) یاتو اس گوشت کو خرید لیا جائے جو پوری صحت کو زہر آلود کر دیتا ہے اور بطورِ خاص خون کی شریانوں کو۔

(ب) یاتو پھر آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں تو ایک مسلمان ہوں اس لئے کچھ خریدے بغیر اس دکان سے باہر آجانا چاہئے اور اس طرح اپنی صحت کو خراب ہونے سے بچایا جائے۔

ہم صاف صاف دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن اس فرمان کے ذریعے ایک بلاوجہ قسم کی نکتہ چینی نہیں کر رہا۔ بلکہ یہ ایک طرح سے انسانی صحت کیلئے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ سؤر کے گوشت کے ان نقصانات کا وسیع طور پر علم ہو جانے کے بعد بھی اس کو متواتر کھایا جارہا ہے، میرے خیال میں اس سلسلے میں معاشی عوامل کا خاصا دخل ہے، مگر بہت جلد یہ چیز صحت کیلئے ایک خطرناک مسئلہ بن جائیگا، آج کل تو یہ بالکل عیاں بات ہے کہ دل اور خون کے شریانوں کی بیماریاں ان معاشروں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں جہاں سؤر کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے، پھر بھی ابھی حال تک سؤر کے گوشت میں ضرورت سے زیادہ چربی کا وجود عوام میں تشویش یا بحث مباحثے کا موضوع نہیں بنا ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ اب ایجنڈے پر آچکا ہے اور یہ امید کی جاسکتی ہے کہ دنیا مستقبل قریب میں سؤر سے اجتناب کر کے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیگی۔[1]

میرے خیال میں ڈاکٹر ہلوک نور باقی کی مذکورہ بالا تحقیق ہی کافی ہے کہ سؤر کی حرمت کی وجہ اصل کیا ہے۔

کچھ سال قبل میں آسٹریلین ہیلتھ ایتھک کمیٹی کا ممبر تھا، اس میں سؤر کے اعضاء کو انسانی جسم میں TRANS PLANT کے بارے میں کافی بحث ہوئی آخر میں اسلام کی رائے اس بارے میں معلوم کی گئی، میں نے انتہائی حکمت کے ساتھ ایک تحریر لکھی اور اس میں سڈنی کے پندرہ علمائے کرام کو جمع کیا۔ الحمدللہ! سب حضرات نے میری رائے سے اتفاق کیا۔

میری تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام ایک انتہائی شفیق اور مہربان مذہب ہے۔ وہ کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کرتا ہے کہ جس سے بجائے فائدہ پہنچنے کے نقصان ہو۔ سؤر کے اعضاء کو اگر انسانی جسم میں منتقل کیا جائے تو بجائے صحت کے حصول کے کئی طرح کی بیماریاں انسانی جسم میں پیدا ہوں گی اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص دھوپ سے بچنے کیلئے آگ میں جاکر پناہ لے۔ مسلمان سائنسدانوں کے علاوہ غیر مسلم سائنسدانوں نے بھی یہ کہا ہے کہ سؤر کے اعضاء اگر انسانی جسم میں منتقل کئے جائیں تو انتہائی خطرناک بیماریاں انسانی جسم میں جنم لیں گی۔

ذیل میں CRT یعنی The Campaign for Responsible Transplantion کے حوالے سے ایک اقتباس نقل کرتا ہوں۔

The Campaign for Responsible Transplantation (CRT• was launched on Janu ۲۰, ۱۹۹۸ out

[1] قرآنی آیات اور سائنسی حقائق: ۹۳-۹۶

of concern over the irresponsible rush to commercialize animal-to human organ, cell and tissue transplantation (Xenotransplantation) using genetically modified pigs, and nonhuman primates. CTR believes that Xenotransplantation poses a grave danger to human health because of the risk of transferring deadly animal viruses to the human population Xenotransplantation would burden our society with numerous health, environmental, ecnomic ethical and legal problems andwould cause tremendous human and nonhuman suffering. There are safer and more cost-effective ways to resolve the alleged shortage of human organs for transplantation that are not being adequantely explored. (Campaign For Responsible Transplantation-CRT)،

مذکورہ بالا اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ کئی طرح کی بیماریاں انسانی جسم میں پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

ان کی ویب سائٹ یہ ہے:www.crt.online.org/index.html۔بلاشبہ جس چیز کو اللہ ﷻ نے حرام فرمایا ہے اس میں حکمت ہی حکمت ہے وہ ہمارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور نجس ونقصان دہ چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

وَ مَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ: غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور:

زمانہ جاہلیت میں مشرکین لات، عزیٰ وغیرہ کے نام پر ذبح کرتے تھے اور اس عمل کو تقرب سمجھتے تھے کوئی بھی جانور اللہ ﷻ کے نام کے بغیر ذبح ہو تو وہ حرام ہے۔اصل میں حیوان ہونے میں انسان اور دوسرے ماکول اللحم جانور دونوں برابر ہیں کیونکہ دونوں ذی روح ہیں اور ایک ذی روح دوسرے ذی روح کو کیسے کھائے؟ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ماکول اللحم جانور پر میرا نام لے لو، میرے نام کی برکت اور طاقت سے جس میں میرا اذن شامل ہے وہ حلال ہو جائیگا۔

بہت سے لوگ ہمارے زمانہ میں غلطیاں کرتے ہیں کہ یہ بکرا فلاں پیر کا ہے اور اس بکرے کو فلاں پیر کی طرف منسوب کرتے ہیں تو گویا نیت ہی غیر اللہ کے نام پر ہے اب اس جانور کو اگرچہ "اللہ اکبر" کہہ کر ذبح بھی کیا جائے تو تب بھی وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح شمار ہو گا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا: کتمانِ علم کی تفسیر سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۵۹ کے تحت گذر چکی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت

کے بدلے گمراہی خریدی یعنی اُن کے پاس ہدایت تھی مگر انہوں نے اس ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو خرید لیا۔

اہم بات: ہر انسان مسلمان پیدا ہوتا ہے اب چاہے وہ فرعون ہی کیوں نہ ہو مگر بعد میں وہ خود کفر اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ "**کل مولود یولد علی الفطرة**" ہر پیدا ہونے والا اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ: اور یہ وہ لوگ ہیں جو مغفرت کے بدلے میں عذاب کو خریدتے ہو۔

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ: یہ ایک ایسا جملہ ہے کہ جس میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ کس قدر وہ عذاب پر صبر کرنے والے ہیں جیسے ہم کسی کو کہتے ہیں جو بیوقوفی کرتا ہے کہ کیا ہی عجیب انسان ہے وغیرہ وغیرہ۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ: اس آیت میں اللہ ﷻ ان کی غلطی کی وجہ بیان فرمارہے ہیں کہ یہ اُن کی غلطی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ ﷻ کی نازل کردہ سچی کتاب میں اختلاف پیدا کیا کیوں کہ وہ لوگ خود اسلام پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہتے اسی لئے وہ لوگ قرآن کریم میں اختلاف پیدا کرتے ہیں تاکہ ان کا مقصد (اسلام پر عمل نہ کرنا) پورا ہو جائے اور اس طرح قرآن کریم میں اختلاف پیدا بڑی بدبختی ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾	نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار (۱۷۷)

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: اس آیت میں اللہ ﷻ سچے اور متقی لوگوں کی صفات کو بیان فرمارہے ہیں اور یہ نیکیاں حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں کو شامل ہیں۔ آیت

کے شروع میں بیان فرمایا کہ یہ نیکی نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اور سمجھو کہ یہ بڑی نیکی ہے بلکہ اصل نیکی یہ ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ: ایمان باللہ یہ تو بنیاد ہے۔ چنانچہ اگر کسی کا ایمان باللہ نہ ہو تو اُس کی کوئی بھی نیکی کل قیامت میں اُس کے کام نہیں آئے گی۔

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: آخرت کے دن پر ایمان رکھنا جو کہ انسان کے اعمال کی اصلاح کا بہت بڑا ذریعہ ہے لہذا جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہو گا تو اس کے اعمال بھی درست ہونگے۔

وَالْمَلَائِكَةِ: فرشتوں پر ایمان لانا جو کہ بنیادی عقائد میں سے ہے۔

وَالْكِتَابِ: قرآنِ کریم پر ایمان لانا بھی بنیادی عقائد میں سے ہے۔

وَالنَّبِيِّينَ: تمام نبیوں علیہم السلام پر ایمان لانا لہذا اگر کوئی کسی ایک نبی علیہ السلام کا انکار کر دے تو وہ کافر ہے مسلمان نہیں ہے۔

وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ: یہاں سے حقوق العباد کا ذکر ہے کہ اللہ ﷻ کی محبت میں مال خرچ کرتے ہیں انسان مال تو خرچ کرتا ہے مگر اپنے مفاد کے لئے، یا نام و نمود کے لئے، اللہ ﷻ بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ ﷻ کی محبت میں مال خرچ کرتے ہیں۔

ذَوِي الْقُرْبَىٰ: یہاں سے مال خرچ کرنے کے مصارف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ اللہ ﷻ کی محبت میں مال اپنے رشتے داروں کو دیتے ہیں۔

وَالْيَتَامَىٰ: اور یتیموں پر مال خرچ کرتے ہیں۔ **یتیم:** جس انسان کا باپ نہ ہو اور وہ انسان نابالغ ہو۔

وَالْمَسَاكِينَ: اور مسکینوں پر مال خرچ کرتے ہیں۔ **مسکین:** جس کے پاس بالکل مال نہ ہو۔

وَابْنَ السَّبِيلِ: مسافروں پر مال خرچ کرتے ہیں۔

وَالسَّائِلِينَ: اور سوال کرنے والوں پر مال کو خرچ کرتے ہیں۔

وَفِي الرِّقَابِ: غلام کے آزاد کروانے پر مال کو خرچ کرتے ہیں۔ جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی غلام ہو اور اُس کا آقا اس کو کہے کہ مجھے اتنا مال دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا, ایسے غلام کو آزاد کروانے کے لئے مال اس غلام کو دو تا کہ وہ اپنے مالک کو مال دے کر آزاد ہو جائے اس کو شریعت میں "مکاتب" کہتے ہیں۔

وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ: یہاں سے پھر حقوق اللہ کا بیان ہے کہ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں (**واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوۃ** سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۴۳ کے تحت نماز و زکوٰۃ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے)۔

وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا: اور اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں جب بھی کوئی ان سے وعدہ کرتا یا یہ کسی سے وعدہ کرتے تو وعدہ کو پورا کرتے ہیں۔

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ: اور صبر کرنے والے ہیں سختی میں، تکلیف اور لڑائی کے وقت۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ: یہی لوگ حقیقت میں سچے ہیں اور یہی لوگ حقیقت میں متقی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾	اے ایمان والو فرض ہوا تم پر [قصاص] برابری کرنا مقتولوں میں آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیئے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہئے اس کو خوبی کے ساتھ یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک (۱۷۸)
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾	اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو تاکہ تم بچتے رہو (۱۷۹)
كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾	فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر (۱۸۰)
فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸۱﴾	پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو بعد اس کے جو سن چکا تو اس کا گناہ انہی پر جنہوں نے اس کو بدلا بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے (۱۸۱)
فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸۲﴾	پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے (۱۸۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی کسی انسان کو قتل کرتا ہے تو اس کو بھی قصاصاً قتل کر دیا جائے۔

قتل کی اقسام واحکام:

۱۔ **قتل عمد:** یہ وہ قتل ہے (جس میں) ہتھیار سے یا ہتھیار کے قائم مقام کسی چیز سے مقتول کو مارنے کا قصد کیا جائے جیسے دھار دار لکڑی، بانس کا چھلکا، دھار دار تیز پتھر اور آگ، کیونکہ عمد ارادہ ہے جس پر اُس کی دلیل کے بغیر واقفیت نہیں ہو سکے گی اور وہ دلیل جان مارنے والے آلے کو استعمال کرنا ہے۔

سزائیں:

- ایسا قتل گناہِ کبیرہ ہے۔
- قصاص کے طور پر قاتل کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔
- یا مقتول کے ورثاء کی شرائط پر سے معافی اور خون بہا کی ادائیگی۔

۲۔ **قتلِ شبہ عمد:** وہ یہ ہے کہ قاتل ایسی چیز سے مارنے کا قصد کرے جو نہ تو ہتھیار ہو اور نہ ہی ہتھیار کے قائم مقام ہو، یعنی بھاری پتھر یا لکڑی سے مارنا۔

سزائیں:

- گناہِ کبیرہ ہے۔
- کفارہ ادا کیا جائے گا کہ شبہ خطاء ہے۔
- مقتول کے ورثاء کو مکمل دیت ادا کی جائے گی۔ یہ دیت تین سال میں ادا کرنا ہو گی۔ قاتل اگر مقتول کا شرعاً وارث ہے تو وراثت سے محروم ہو جائے گا۔
- ۳۔ **قتل خطا:** اس کی دو صورتیں ہیں:

الف۔ ارادے میں خطا: یہ ہے کہ شکار سمجھ کر تیر مارا اور مرنے والا آدمی نکلے یا جنگ میں دشمن سمجھ کر مارا اور وہ مسلمان نکلا۔

ب۔ عمل میں خطا: یہ ہے کہ تیر انداز کسی نشانے پر تیر مارے، لیکن وہ کسی انسان کو جا لگے۔

۴۔ **قائم مقام قتل خطا:** وہ قتل جو قتل خطا کے قائم مقام ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے سونے والا کسی شخص پر پلٹ جائے اور اس عمل کی وجہ سے دوسرا شخص مر جائے تو شریعت میں اسکا حکم قتل خطا کا حکم ہے۔

قتل خطا اور قائم مقام خطا کی سزائیں ایک جیسی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

- مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرنا ہو گی۔
- کفارہ ادا کیا جائے گا۔

۵۔ **قتل سبب:** وہ یہ ہے جیسے کسی نے کنواں کھدوایا اور (اسے مکمل کرنے کے لیے) دوسرے کی ملکیت میں پتھر رکھے۔ اس کے سبب (گر کر) کوئی آدمی مر جائے۔ مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرنا ہو گی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ: اس آیت میں اللہ ﷻ قصاص کے بارے میں حیات فرمارہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کو خدانخواستہ جان بوجھ کر بلاوجہ قتل کر دیا تو قاتل کو بھی جب قتل کیا جائے گا سزا کے طور پر تو خود بخود معاشرے سے یہ جرم ختم ہو جائے گا اس لئے اس کو حیات فرمایا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ: اس آیت میں وصیت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ چنانچہ جن کا حصہ شریعت میں طے ہے جس کو ورثاء کہتے ہیں اُن کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اُن کے حق میں وصیت نافذ ہوئے گی۔ وصیت غیروں کے لئے جن کا حصہ شریعت میں متعین نہیں ہے اُن کے لئے وصیت کرنا جائز ہے اور وہ بھی کل مال کی ایک تہائی کا، لہذا ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کر بھی دی تو نہ تو وہ وصیت نافذ ہو گی اور وہ وصیت کرے والا گناہ گار بھی ہو گا۔

تنبیہ: جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے یعنی وصیت کرنے کا حکم والدین اور اقارب کے لیے جب تک ضرور تھا کہ جب تک آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی۔ جب آیت میراث نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ مگر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور حضرت علاء بن زیاد رحمہ اللہ اور حضرت مسروق رحمہ اللہ اور حضرت مسلم بن یسار رحمہ اللہ وغیرہ علماء کبار یہ فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں۔ آیت میراث میں جن قرابتیوں کا حق اور حصہ ہے البتہ ان کے لیے وصیت نہیں اور جو محروم الارث ہیں جیسا کہ بیٹوں کی موجودگی میں یتیم پوتا چچازاد بھائیوں کی موجودگی میں نواسہ یا اور مساکین و فقراء تو ان کے لیے بدستور وصیت مستحب ہے مگر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ ہو۔

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ: اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر کسی نے وصیت کو تبدیل کر دیا تو اس پر اس کا گناہ ہے، لہذا وصیت کو تبدیل نہ کیا جائے اگر کسی نے کوئی وصیت کی تو اس کے مرنے کے بعد وہی وصیت نافذ کی جائے اور اس وصیت میں ردوبدل کرنا جائز نہیں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ: جو کوئی وصیت تبدیل کرتا ہے تو یاد رکھو کہ اللہ ﷻ سب سُننے والے ہیں اور جاننے والے ہیں۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا: اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر وصیت تبدیل کرتا ہے کہ وصیت کرنے والے نے ناجائز وصیت کر دی تو اُس کو گناہ سے بچانے کے لئے یا صلح کے لئے تو پھر کوئی گناہ نہیں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ: بے شک اللہ ﷻ معاف کرنے والے اور رحم فرمانے والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴿۱۸۳﴾	اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ(۱۸۳)
أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴿۱۸۴﴾	چند روز ہیں گنتی کے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے اور جن کو طاقت ہے روزہ کی انکے ذمہ بدلا ہے ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اسکے واسطے اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو(۱۸۴)
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴿۱۸۵﴾	مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کو اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیئے اور دنوں سے اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تا کہ بڑائی کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تا کہ تم احسان مانو(۱۸۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ: اس آیت میں اللہ ﷻ روزے کے فرضیت کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے ہیں۔

روزہ: روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جو اخلاص سے بھرپور ہے کیونکہ جس انسان کا روزہ ہوتا ہے اُس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں

ہوتا ہے اور روزہ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ فرماتے ہیں کہ "**الصوم لی وانا اجزی به**"[1]۔

ترجمہ: روزہ میرے لئے اور روزہ کا بدلہ میں خود دونگا یا روزہ کا بدلہ میں خود ہوں۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "**من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه**"[2]۔

ترجمہ: جس نے رمضان کا روزہ ایمان کے ساتھ اور ثواب کے نیت سے رکھا تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اس کے علاوہ بھی روزے کے کئی فضائل ہے اور یہ اسلام کی بنیادوں میں سے ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ: یہ روزہ کا مقصد ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔ (تقویٰ کے بارے میں تفسیر سورۃ البقرۃ آیت ۲ میں دیکھ لی جائے)۔

أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ: یہ چند روز ہے گنتی کے اور اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ بعد میں روزے رکھ لیں اس کی اجازت ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ: س آیت کے دو مطلب ہیں: پہلا یہ آیت حکم کے اعتبار سے منسوخ ہے یہ حکم ابتداءً تھا کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود روزہ نہ رکھے تو ہر روزہ کا فدیہ دے دے کہ ایک مسکین کو ہر روزہ کے بدلے کھانا کھلا دے مگر اس میں بھی بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھے کیونکہ یہ روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر لفظ "**لا**" محذوف ہے تو مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں وہ لوگ ہر روزے کا فدیہ دے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ: اس آیت میں رمضان المبارک کی تعریف بیان ہو رہی ہے کہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن کا نزول شروع ہوا یعنی یہ وحی کا مہینہ ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ: اب یہاں یہ حکم آگیا کہ جو کوئی بھی رمضان کا مہینہ پائے تو روزہ رکھنا اُس پر فرض ہے۔

اس پر فتن دور میں جہاں ہر طرف فتنہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو مٹایا جا رہا ہے اور بدعات کو پھیلایا جا رہا ہے، ان میں سے ایک تاریخ اسلام کی بدترین بدعت حساب فلکی والے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی رؤیت ہلال کی سنت جو سنت مستمرہ ہے، چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ چالیس سے زائد احادیث جو حد تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں وہ رؤیتِ ہلال بصری کا حکم دیتی ہیں۔ اجماعِ اُمت بھی اسی رؤیتِ بصری پر ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع، تابعین کا اجماع، تبع تابعین کا اجماع، فقہاء وائمہ متبوعین رحمہم اللہ کا

[1] صحیح بخاری: ۹/ ۱۴۳
[2] صحیح بخاری: ۳/ ۲۶

اجماع اور پوری امتِ اسلامیہ کا چودہ سو سال سے اجماع رؤیتِ بصری پر ہے۔

یہ مبتدعین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ **فمن شهد منكم الشهر** سے مراد رؤیتِ علمیہ ہے۔

استدلال: اس آیت میں جو "شَهِدَ" ہے اس مراد "**علم**" ہے۔ لہٰذا جب رمضان کے مہینہ کا علم کسی بھی طرح سے ہو جائے تو روزہ رکھنا فرض ہو جائے گا۔ اس کے لئے کسی رؤیتِ بصری کی ضرورت نہیں، نفسِ علم کافی ہے اور آج کے سائنسی دور میں ہمیں یہ علم بہت پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے۔

جواب: پہلا جواب تو ہم علامہ آلوسی رحمہ اللہ کے الفاظ سے دیتے ہیں جو فرماتے ہیں:

ولا يحسن ان يقال: من علم الهلال فليصم.[1]

ترجمہ: یہ بات انتہائی غیر مناسب ہے کہ (آیت شَهِدَ کی تفسیر) اس طرح سے کریں کہ جس کو چاند کا علم ہو گیا تو وہ روزہ رکھے۔

یہ حضرات اگر استدلال قرآن سے کر رہے ہیں تو تفسیر بالرائے سے نہیں کر سکتے، اس کے لئے معتبر تفسیر سے دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ کیا کسی بھی مفسر نے آیت "**شَهِدَ**" کا ترجمہ "**علم**" سے کیا ہے؟ کیا یہ تفسیر کسی بھی معتبر تفسیر کی کتاب میں ہے؟

آیئے پہلے ہم آیت کی تفسیر معتبر تفاسیر سے نقل کرتے ہیں۔

مفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

١۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه قال فی قوله "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" فاذا شهد و هو مقيم فعليه الصوم، وان شهد و هو فی سفر فان شاء صام وان شاء افطر۔[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت: **فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ** کے بارے میں مروی ہے کہ جب وہ حاضر ہو اور مقیم ہو تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے اگر وہ سفر کی حالت میں ہو تو اب چاہے وہ روزہ رکھے یا افطار کرے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق آیت "شَهِدَ" کا معنی: "**حضر**" کے ہیں۔

٢۔ عن علی رضی اللہ عنہ : قال من ادرک رمضان و هو مقيم لم يخرج، فقد لزمه الصوم لان الله تعالى يقول "فمن شهد منكم الشهر فليصمه"۔[3] یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو رمضان المبارک کا مہینہ پائے اور وہ مقیم ہو اور (سفر

[1] روح المعانی: ٢/ ٦٢
[2] جامع البیان: ٣/ ١٩٣
[3] جامع البیان: ٣/ ١٩٤

میں)نہ نکلا ہو تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے کیونکہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے"فمن شهد منكم الشهر فليصمه "۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مطابق آیت"شَهِدَ" کا معنی:"ادرک" کے ہیں۔

۳۔ابو حنيفة رحمہ اللہ و اصحابه رحمہم اللہ كانوا يقولون: من دخل عليه شهر رمضان و هو صحيح عاقل بالغ فعليه صومه فان جن بعد دخوله عليه و هو بالصفة التى وصفنا،ثم افاق بعد انقضائه،لزمه قضاء ما كان فيه من ايام الشهر مغلوبا على عقله،لانه كان ممن شهده وهوممن عليه فرض.[1]۔یعنی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اوران کے اصحاب رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ:"جس پر رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہو اور وہ صحیح ہو(تندرست ہو)،عاقل، بالغ ہو تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے اور اگر رمضان المبارک کا مہینہ داخل ہونے کے بعد وہ مجنون ہو گیا اور وہ اس حال میں تھا جو ہم نے بیان کی(تندرست عاقل بالغ ہونا)پھر ماہِ رمضان المبارک ختم ہونے کے بعد وہ صحیح ہو گیا تو جن ایام میں وہ مجنون تھا ان روزوں کی قضاء کرنا اس پر لازم ہے کیونکہ یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے رمضان المبارک کا مہینہ پالیا اور ان پر روزہ رکھنا فرض ہو گیا تھا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱۔ و"شهد"بمعنى حضر،وفيه اضمار،اى من شهد منكم المصر فى الشهر عاقلا بالغا صحيحا مقيما فليصمه،و هو يقال عام فيخصص بقوله"فمن كان منكم مريضا او على سفر"الآية۔[2]

ترجمہ:اور"شَهِدَ"حاضر ہونے کے معنی میں ہے اور اس میں ضمیر ہیں یعنی جو تم میں سے رمضان المبارک کے مہینہ میں شہر میں حاضر ہو اس حالت میں کہ عاقل،بالغ، تندرست، مقیم ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ روزہ رکھے اور کہا گیا ہے کہ یہ حکم عام ہے پھر اس کی تخصیص کی گئی ہے اللہ ﷻ کے اس قول سے"پس تم میں سے جو مریض ہیں یا مسافر ہیں"الآیۃ۔

۲۔علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہما وسويد بن غفلة رضی اللہ عنہ وعائشة رضی اللہ عنہا – أربعة من الصحابة – وأبو مجلز لاحق بن حميد وعبيدة السلماني : من شهد أي من حضر دخول الشهر وكان مقيما في أوله في بلده وأهله فليكمل صيامه.[3]یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ،عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما،سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

[1] جامع البیان:۳/۱۹۸
[2] تفسیر قرطبی:۳/۱۶۲
[3] تفسیر قرطبی:۳/۱۶۳

(چار صحابہ) اور ابو مجلز لاحق بن حمید اور عبیدہ سلمانی کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ جو کوئی مقیم رمضان کے مہینہ کے شروع میں اس مہینہ میں داخل ہوا اور وہ اپنے شہر اور گھر والوں کے ساتھ تھا تو وہ رمضان کے پورے روزے رکھے گا۔

علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(فمن شهد منكم الشهر فليصمه) فأثبت الله صيامه على المقيم الصحيح و رخص فيه للمريض والمسافر.[1] یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صحیح مقیم پر روزے فرض کئے اور مریض و مسافر کے لئے رخصت رکھی۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: **(فمن شهد منكم الشهر فليصمه) أي فمن كان مقيما في الحضر فأدركه الشهر**[2] یعنی جو کوئی مقیم حضر میں اس ماہ کو پالے۔

مفسر سعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:**(فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ) هذا فيه تعيين الصيام على القادر الصحيح الحاضر۔**[3]

ترجمہ: اس آیت میں ہر اُس شخص پر روزہ مقرر کیا گیا ہے کہ جو روزہ پر قدرت رکھتا ہو، صحیح اور مقیم ہو۔

علامہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:**فمن حضر فی الشهر و لم یکن مسافرا فلیصم فیه۔**[4]

ترجمہ: جو کوئی رمضان کے مہینہ میں ہو اور سفر میں نہ ہو تو وہ روزہ رکھے۔

علامہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**من کان منکم شاهدا و لم یکن مریضا ولا مسافرا فلیصم الشهر۔**[5]

ترجمہ: جو کوئی تم میں رمضان کے مہینہ میں موجود ہو اور بیمار یا مسافر نہ ہو تو وہ روزہ رکھے۔

علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**فاثبت الله تعالیٰ صیامه علی الصحیح المقیم و رخص فیه للمریض والمسافر۔**[6] یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صحیح مقیم پر روزے فرض کئے اور مریض و مسافر کے لئے رخصت رکھی۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**فمن کان شاهدا ای حاضرا مقیما غیر مسافر فی الشهر فلیصم فیه و لایفطر**

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۹۹
[2] تفسیر بغوی: ۱/ ۱۹۹
[3] تفسیر سعدی: ۸۶
[4] تفسیر بیضاوی: ۱/ ۱۲۵
[5] تفسیر بحر العلوم: ۱/ ۱۸۵
[6] فتح القدیر: ۱۱۷

یفطر۔[1]

ترجمہ:جو کوئی رمضان کے مہینہ میں مقیم حاضر ہو اور سفر میں نہ ہو تو وہ اس ماہ میں روزہ رکھے، افطار نہ کرے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول اس آیت کے تحت نقل فرماتے ہیں:**اذا اکان مقیما۔**[2] جب بندہ مقیم ہو۔

میں نے یہ چند تفاسیر "**شھد**" کی نقل کیں۔ صرف بتانا یہ ہے کہ یہ جو معنی:"**علم**" کے لیتے ہیں، اس کی کیا دلیل ہے۔ سوائے اس کے کہ ان کی یہ تفسیر، تفسیر بالرائے ہے جو کہ حرام اور خطرناک گناہ ہے۔

اب ہم لغت کو دیکھتے ہیں کہ **شھد** کے کیا معنی ہیں:

الشھید:الحاضر۔[3]

و شَهِدَ المجلسَ: حضرَه. ومنه ما في التنزيل العزيز: البقرة آية ١٨٥ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔[4]

شهد المجلس أو القتال : حضره۔[5]

پہلے تین معانی "حضر" کے ہیں۔ جیسا کہ کئی مفسرین نے بیان کئے۔

شهد الشيء : عاينه۔[6]

المُشاهَدةُ المعاينة۔[7]

شَهِدَ الهِلالَ : عايَنَهُ[8]

آخری تین معانی "رؤیت" کے ہیں۔

معلوم ہوا کہ لغت اور تفاسیر کو دیکھا جائے تو آیت:**فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ** میں جو **شَهِدَ** آیا ہے، اس سے مراد یا تو

[1] تفسیر النسفی:۱/۱۶۰
[2] الدر المنثور:۱/۴۵۸
[3] لسان العرب:۸/۱۵۲
[4] المعجم الوسیط:۴۹۷
[5] المعجم الوسیط:۴۹۷
[6] المعجم الوسیط:۴۹۷
[7] المعجم الوسیط:۴۹۷
[8] المعجم الوسیط:۴۹۷

حضور ہے یا پھر رؤیت۔ علم کسی بھی حال میں نہیں ہے۔ بلکہ امام رازی تو آیت: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کی تفسیر میں شَهِدَ کے معنی رؤیت کے لیتے ہیں۔

چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ان شهود الشهر بماذا يحصل فنقول اما بالرؤية واما بالسماع اما الرؤية فنقول اذا راى انسان هلال رمضان فاما ان يكون منفردا بتلك الرؤية او لايكون فان كان منفردا بها فاما ان يرد الامام شهادته او لا يردها فان تفرد بالرؤية وردالامام شهادته لزمه اى يصوم لان الله تعالى جعل شهود الشهر سببا لوجوب الصوم عليه وقد حصل شهود الشهر فى حقه فوجب ان يجب عليه الصوم واما ان انفرد بالرؤية وقبل الامام شهادته اولم ينفرد بالرؤية فلا كلام فى وجوب الصوم واما السماع فقول اذا شهد عدلان على رؤية الهلال حكم به فى الصوم والفطر جميعا واذا شهد عدل واحد على رؤية هلال شوال لايحكم به واذا شهد على هلال رمضان يحكم به احتياطا لامر الصوم۔**[1]

ترجمہ: بے شک مہینہ کا حاضر ہونا جو پایا جاتا ہے یا تو وہ رؤیت سے ہو گا یا سماعت سے، بہر حال رؤیت سے حاصل ہونے کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ جب انسان رمضان المبارک کے چاند کو دیکھ لے تو یا وہ دیکھنے میں اکیلا ہو گا یا نہیں پس اگر وہ اکیلا ہے تو امام اس کی شہادت کو رد کرے گا یا نہیں اگر امام نے اس کی شہادت کو رد کر دیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مہینہ میں حاضر ہونا سبب قرار دیا ہے روزہ کے واجب ہونے کا اور مہینہ میں حاضر ہونا اس کے حق میں پایا گیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے اور اگر وہ رؤیت میں اکیلا ہے اور امام نے اس کی شہادت قبول کر لی یا اکیلا نہیں ہے تو پھر روزہ کے واجب ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور اگر سماع سے مہینہ کے داخل ہونے کا علم ہوتا ہے تو جب دو عادل چاند کے دیکھنے کی گواہی دیں گے تو روزہ اور افطار (عید) کا حکم لگایا جائے گا اور اگر ایک عادل شخص نے شوال کا چاند دیکھنے کی گواہی دی تو حکم نہیں لگایا جائے گا اور اگر رمضان المبارک کا چاند دیکھنے کی گواہی دی تو احتیاطاً روزہ رکھنے کا حکم لگایا جائے گا۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ: مگر جو بیمار ہو یا مسافر ہو تو اس پر ان حالات میں رزوہ رکھنا فرض نہیں ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہارے لئے سہولت کا ارادہ رکھتے ہیں اور تنگی کو نہیں چاہتے۔

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ: اور ایام کو پورا کرو۔

[1] تفسیر الکبیر: ۵/ ۹۶-۹۷

وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ: اور اللہ ﷻ نے جو تم کو ہدایت کی ہے اس پر اللہ ﷻ کی بڑائی بیان کرو تا کہ تم شکر گذار بن جاؤ۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴿۱۸۶﴾	اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تا کہ نیک راہ پر آئیں(۱۸۶)
أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴿۱۸۷﴾	حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو انکی اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے سو معاف کیا تم کو اور درگذر کی تم سے پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک اور نہ ملو عورتوں سے جب تک تم اعتکاف کرو مسجدوں میں یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی سو انکے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تا کہ وہ بچتے رہیں(۱۸۷)
وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴿۱۸۸﴾	اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ انکو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے [ناحق] اور تم کو معلوم ہے(۱۸۸)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بندے سے اپنے قریب ہونے کا اور دعا کرنے کا فرما رہے ہیں۔ دعا ایک عظیم نعمت اور نایاب تحفہ ہے، اس دنیا میں کوئی بھی انسان کسی بھی حال

میں دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا، دعا اللہ ﷻ کی عبادت ہے، دعا کے ذریعہ بندہ اللہ ﷻ سے اپنے لئے نفع طلب کرتا ہے اور ضرر کو دور کرواتا ہے، اس میں بندہ عاجزی اور محتاج ہونے کا اظہار کرتا ہے جو اللہ ﷻ کو انتہائی پسند ہے۔ يَأَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْد۔[1] یعنی اے لوگو، تم اللہ ﷻ کے محتاج ہو اور اللہ ﷻ بے نیاز، بڑی تعریف والا ہے۔ دعاء کرنے کی بہت بڑی فضیلت ہے. قرآن کریم میں اللہ ﷻ فرماتے ہیں: اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ.[2] یعنی اے بندو! تم لوگ مجھ سے دعائیں مانگو میں

تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔

دعا اللہ ﷻ کے دربارِ عالیہ میں سب سے باعزت تحفہ ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَيْسَ شَيْئٌ اَكْرَمَ عَلَي اللهِ مِنَ الدُّعَآءِ۔[3] یعنی دعا سے بڑھ کر اللہ ﷻ کے یہاں کوئی چیز باعزت نہیں۔

دعاؤں کی فضیلت واہمیت کا اظہار فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ: اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔[4] یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔

دعا اللہ ﷻ کے یہاں بہت پسندیدہ عمل ہے: سَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحِبُّ أَنْ يُسْأَلَ۔[5]

ترجمہ: اللہ ﷻ سے اس کا فضل مانگو کیوں کہ وہ اپنے سے مانگنے کو پسند کرتا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا: مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔[6] یعنی جو خدا سے دعا نہیں مانگتا اللہ ﷻ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

بلاشبہ دعا تاثیر کے لحاظ سے مومن کا ہتھیار ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلدُّعَاءُ سِلاَحُ الْمُؤمِنِ وَعِمَادُ الدِّيْنِ وَنُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ۔[7] یعنی دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور آسمان وزمین کی روشنی ہے۔

اللہ ﷻ نے اپنے بندوں کو دعا کی تاکید کی ہے، اس کی قبولیت کا وعدہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام اور رسل علیہم السلام ہمیشہ

[1] سورۃ فاطر: ۱۵
[2] سورۃ غافر: ۶۰
[3] سنن الترمذی: ۵/ ۳۱۵
[4] سنن ترمذی: ۵/ ۳۱۵
[5] سنن الترمذی: ۵/ ۴۵۷
[6] سنن الترمذی: ۵/ ۳۱۷
[7] مستدرک الحاکم: ۲/ ۱۶۲

اللہ ﷻ سے ہر معاملہ میں اللہ سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی تعریف کرتے ہوئے اللہ ﷻ فرماتے ہیں: **اِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ** ۔[1]

ترجمہ: بے شک وہ سب نیک کاموں میں جلدی کرنے والے تھے اور وہ ہمیں امید اور خوف سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔

قرآن کریم میں کتنے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان فرمائے کہ دعا کی وجہ سے جس ابتلاء میں تھے اللہ ﷻ نے ان کو ان سے نجات دلائی۔ نیز جن قوموں نے ان کو ستایا، اللہ ﷻ نے ان کی دعاؤں کی وجہ سے ان اقوام کو ہلاک کیا۔

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا

اس پُر فتن دور میں جہاں مختلف فتنے ہیں اور لوگوں کو اللہ ﷻ سے دور کرنے لئے طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں، کچھ لوگ ایسے ہیں جو تلاوت قرآن کریم کو روکتے ہیں یہ کہہ کر الفاظ کے پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا اصل تو معانی ہیں تو دوسری طرف ایسے بھی لوگ ہیں جو دعا کی اہمیت کو ختم کرتے ہیں اور خاص کر اجتماعی دعا اور فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ کتنے لوگ جو کل تک مساجد میں امام کے ساتھ اجتماعی دعا کیا کرتے تھے اب وہ سب ان دعاؤں کو بدعت کہتے ہیں اور جو برکتیں اور رحمتیں وہ حاصل کرتے تھے سب سے محروم ہوگئے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اجتماعی دعا کا ثبوت حدیث سے نہیں ہے۔ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ فرض نماز کے بعد اجتماعی دعاء کرنے کا ثبوت حدیث شریف سے ثابت ہے اور دعاء قبول ہوتی ہے اور اس طرح دعاء کرنا مستحب ہے۔

مختلف احادیث میں حضور ﷺ سے دعا کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے اور خود حضور اکرم ﷺ بھی فرائض کے بعد دعا کیا کرتے تھے۔

کچھ احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔عن مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ، أَنَّ رَسُول اللّٰه ﷺ، أَخَذَ بِيَدِهِ وَ قالَ :يَا مُعَاذُ واللّٰهِ إِنِّي لأُحِبُّكَ، ثُمَّ أُوصِيكَ يَا مُعاذُ لاَ تَدَعنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صلاةٍ تَقُولُ: اللَّهُم أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ، وحُسنِ عِبَادتِك[2]۔

۲۔عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ ؟ قَالَ : (جَوْفَ اللَّيْلِ الْآخِرِ ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ ۔[3]

[1] سورہ انبیاء:۹۰

[2] سنن ابی داؤد:۲/۸۶

[3] سنن الترمذي :۵/۴۰۴

۳۔عن الاسود الاعمری عن ابیه ﷺ قال صلیت مع النبی ﷺ الفجر لما سلم انحرف و رفع یدیه و دعا۔[1]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ فرض نماز کے دعا فرمایا کرتے تھے اور وہ بھی ہاتھ اُٹھا کر اور جب آپ ﷺ ہاتھ اُٹھا کر دعا فرماتے تھے تو صحابہ ﷺ کا کیا عمل ہو گا؟ کیا صحابہ ﷺ آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے دعا میں شریک نہ ہوتے ہوں گے۔ اشارۃ النص سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ﷺ بھی آپ ﷺ کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوتے تھے۔ اور اسی کو تو اجتماعی دعا کہیں گے۔ آپ ﷺ خود بتائیں کہ کسی مجلس میں کوئی بزرگ دعا کریں تو آپ کا کیا عمل ہو گا۔ کیا آپ ان کے منہ کو دکھتے رہیں گے یا دعا میں شریک ہوں گے؟ یہ تو آپ بھی کہیں گے کہ یہ گستاخی کی بات ہے کہ استاذ یا بزرگ دعا کریں اور ہم خاموش وہاں بیٹھے رہیں۔ صحابہ ﷺ تو رسول اللہ ﷺ کی ہر ادا پر جان دینے والے تھے۔ آقا جس طرح کرتے، صحابہ اُسی طرح کرتے۔ یہ ناممکن ہے رسول اللہ ﷺ دعا فرمائے اور صحابہ آپ کی دعا میں شریک نہ ہوں۔

بخاری شریف میں ہے:**قال یحیی بن سعید سمعت أنس بن مالک ﷺ قال أتی رجل أعرابي من أهل البدو إلی رسول اللهﷺیوم الجمعة فقال یا رسول الله! هلکت الماشیة هلکت العیال هلکت الناس فرفع رسول اللهﷺیدیه یدعو ورفع الناس أیدیهم مع رسول الله علیه السلام یدعون--**

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔جب رسول اللہ ﷺ دعا کرتے تو صحابہ ﷺ بھی آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہو جاتے۔

۲۔رسول اللہ ﷺ دعا میں ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے اور صحابہ بھی آپ ﷺ کی اتباع میں آپ ﷺ کے ساتھ ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی عمل فرض کے بعد بھی ہوتا ہو گا۔ اسی کو ہم اشارۃ النص سے ثابت کر رہے ہیں۔

ضروری وضاحت: فرض نمازوں کے بعد دعا کے معاملے میں شدت پسندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ بعض حضرات وہ ہیں جو اسے غیر مسنون اور غیر شرعی قرار دیتے ہیں۔ وہ نماز باجماعت سے فارغ ہوتے ہی اس طرح اٹھ جاتے ہیں، گویا تپتی ہوئی زمین پر بیٹھے ہوں۔ ان کو چاہئے کہ جو دعا نہیں کرتے اُن کو لعن وطعن نہ کریں۔ دوسری جانب ایسے بھی لوگ ہیں جو اس کا اتنی پابندی سے التزام کرتے ہیں گویا دعا نماز کا جزء ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ دعا میں شریک نہیں ہوتا اور پہلے ہی اٹھ جاتا ہے تو اسے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی غلط ہے۔

[1] مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۲۶۹

قبولیت دعا کے اوقات:

۱۔ یوم عرفہ کی دعا

۲۔ جمعہ کے دن عصر و مغرب کے بعد

۳۔ تہجد کے وقت

۴۔ سجدہ کی حالت میں دعا

۵۔ اذان کے وقت اور اذان و اقامت کے درمیان

۶۔ فرض نماز کے بعد

۷۔ کسی کی غیر موجودگی میں اس کے لئے دعا

۸۔ مسافر کی دعا

۹۔ مظلوم کی دعا

۱۰۔ روزے دار کی دعا

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ:

شانِ نزول: عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ ﷺ :كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺإِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَائِمًا فَنَامَ قَبْلَ أَنْ يُفْطِرَ لَمْ يَأْكُلْ إِلَى مِثْلِهَا، وَإِنَّ قَيْسَ بْنَ صِرْمَةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَ صَائِمًا وَكَانَ يَوْمُهُ ذلك يَعْمَلُ فِي أَرْضِهِ، فَلَمَّا حَضَرَ الْإِفْطَارَ أَتَى امْرَأَتَهُ فَقَالَ :هَلْ عِنْدَكِ طَعَامٌ؟ قَالَتْ :لَا، وَلَكِنْ أَنْطَلِقُ فَأَطْلُبُ لَكَ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ فَنَامَ، وَجَاءَتِ امْرَأَتُهُ، فَلَمَّا رَأَتْهُ نَائِمًا قَالَتْ :خَيْبَةٌ لَكَ أَمِمْتَ؟ فَلَمَّا انْتَصَفَ النَّهَارُ غُشِيَ عَلَيْهِ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺفَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلى نِسائِكُمْ- إِلَى قَوْلِهِ- وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ فَفَرِحُوا بِهَا فَرَحًا شَدِيدًا۔[1]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ﷺ میں سے جب کوئی روزہ دار شخص افطار کرنے سے پہلے سو جاتا اور اگلے روز تک کچھ نہیں کھانے کا حکم تھا (ابتدائے اسلام میں) حضرت قیس بن صرمہ انصاری ﷺ روزہ کی حالت میں تھے اور اپنی زمین میں کام کیا تھا تو افطار کے وقت اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا آپ کے پاس کھانے کو کچھ

[1] تفسیر ابنِ کثیر: ۱/ ۳۷۶

ہے؟ انہوں نے ئ جواب دیا کہ نہیں، میں جا کر آپ کے لئے کچھ لاتی ہوں تو اتنے میں (حضرت قیس رضی اللہ عنہ) کو نیند آ گئی، جب ان کی اہلیہ محترمہ واپس تشریف لائیں تو ان کو سونے کی حالت میں پایا تو فرمایا کہ ہائے کیا آپ سو گئے؟ پھر اگلے روز آدھا گذرا تھا کہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ بیہوش ہو گئے تو آپ ﷺ کو سارا معاملہ سنایا تو یہ آیت نازل ہوئی، پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس آیت کا ایک اور شانِ نزول بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں حکم یہ تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد اگر میاں بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک سو جائے تو قربت اختیار نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو گھر دیر سے تشریف لائے تو ان کی زوجہ محترمہ سو چکی تھی تو وہ ان سے قریب گئے پھر خیال آیا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی تو آپ ﷺ سے پاس حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ ایسا ہو گیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور پھر اجازت مل گئی کہ غروبِ آفتاب سے لے کر صبحِ صادق تک اپنی بیویوں کے پاس جانے کی اجازت ہے۔[1]

ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ: یہاں اس بات کی اجازت ہے ہے کہ غروبِ آفتاب سے لے کر صبحِ صادق تک کھاؤ پیو کوئی ممانعت نہیں ہے۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ: یہاں اعتکاف کے بارے میں بیان ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے مردوں کا اور اعتکاف کا مسئلہ ہے کہ اگر ایک بستی ہے تو ان پر بستی والوں پر اعتکاف کرنا سنة على الكفاية ہے یعنی اگر پوری بستی میں کسی نے بھی اعتکاف نہیں کیا تو سارے بستی والے گناہ گار ہونگے۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا: یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہے لہذا اس کے قریب بھی مت جاؤ۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ: یہاں اللہ تعالیٰ منع فرما رہے ہیں کہ لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ کہ تم بلاوجہ کسی کو حاکم کے پاس لے جاؤ اور نیت یہ ہو کہ اس کا مال مل بانٹ کر کھائیں گے ایسا ہر گز نہیں کرو یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے کہ کسی کا مال ناجائز طور پر کھا لیا جائے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ	تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا کہہ دے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ

[1] ملخص تفسیر ابنِ کثیر: ۱/ ۳۷۶

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴿۱۸۹﴾

سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم اپنی مراد کو پہنچو(۱۸۹)

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴿۱۹۰﴾

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو بیشک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو(۱۹۰)

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ﴿۱۹۱﴾

اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو یہی ہے سزا کافروں کی(۱۹۱)

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴿۱۹۲﴾

پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے(۱۹۲)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴿۱۹۳﴾

اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر(۱۹۳)

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴿۱۹۴﴾

حرمت والا مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیز گاروں کے(۱۹۴)

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾	اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو (۱۹۵)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر یوں منقول ہے: لوگ آپ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ چاند کبھی بڑا ہوتا ہے اور کبھی چھوٹا ہو جاتا ہے، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس پر جواب دیا گیا کہ اے محمد آپ کہدیجئے کہ یہ لوگوں کے لئے وقت بتاتا ہے، یعنی یہ اس بات کی علامت ہے کہ لوگوں کے دینی امور کے فیصلے، عورتوں کی عدت کے ایام، روزے اور عید کے لئے۔[1]

علامہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر اس طرح سے کرتے ہیں: حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ اطلاع ملی کہ بعض صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ہلال کیوں بنایا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے روز، عید، عورتوں کے عدت کے ایام اور دینی امور کے اوقات کے لئے بنایا، نیز حافظ ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول اس آیت کی تفسیر کے تحت یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **جعل الله الاهلة مواقيت للناس فصوموا لرؤيته فان غم عليكم فعدوا ثلاثين يوما۔**[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہلال کو لوگوں کے لئے بنایا ہے، سو چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو اور اگر بادل آجائے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

سنت رؤیت ہلال: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک اہم سنت رؤیت ہلال ہے، آج اس سنت کو وہ اہمیت نہیں دی جارہی ہے جو اسے دینی چاہئے. چاند کے دیکھنے پر شریعت کے دو بنیادی احکام (فرائض) روزہ اور حج کی ابتداء موقوف ہے اور متعدد احادیث اس سلسلے میں وارد ہیں کہ "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو"۔ جن سے اس سنت کی اہمیت بخوبی معلوم ہوتی ہے۔

اب میں ذیل میں سنتِ رؤیتِ ہلال کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرتا ہوں۔

ایام عبادات کا تعلق رؤیت ہلال سے ہے:

شریعت مطہرہ نے وہ احکام جن کا تعلق ایام سے ہے چاند کی رؤیت پر رکھا ہے، مثلاً روزہ شروع کرنا ہے تو چاند دیکھ کر، روزہ ختم کرنا

[1] تفسیر ابن عباس: ۲۱
[2] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۱۴

ہے تو چاند دیکھ کر، حج جو ارکان اسلام میں سے اہم رکن ہے اسکے ایام کا تعین بھی چاند کے دیکھنے پر ہے، اسی طرح کے متعدد احکام ہیں جن کا دارومدار چاند کے دیکھنے پر ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "رؤية الهلال والحساب الفلكي" میں اس پر بڑی عمدہ بحث کی ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔

روزہ و عیدین وغیرہ صرف تہوار ہیں یا عبادات ہیں؟

اصل میں دیکھنا اس بات کو ہے کہ روزہ، عیدین اور حج وغیرہ کی حقیقت کیا ہے؟ یہ چیزیں اور خاص کر عیدین صرف ایک اجتماع، تہوار ہیں یا عبادات؟ اگر صرف ایک اجتماع، تہوار تصور کیا جائے پھر شاید ان کی وہ اہمیت نہ ہو لیکن جب ہم حقیقت کا جائزہ لیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ چیزیں اصلاً عبادات ہیں ان میں اجتماع ایک ضمنی چیز ہے۔ اور عبادات کا حاصل اطاعت ہے کہ جو حکم شریعت کی طرف سے ملے اس پر عمل شروع کیا جائے اس میں ہماری رائے و عقل کو قطعاً دخل نہیں ہے، عبادات میں جو شرائط شریعت کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں ہم ان پر عمل کرنے کے پابند ہیں، مثلاً روزہ کو لے لیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ روزہ کے لئے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کا وقت کیوں مقرر ہوا؟ اگر عشاء تک اس کو بڑھالیں تو کیا حرج ہے؟ اسی طرح روزے انتیس یا تیس دن کے بجائے اٹھائیس یا اکتیس دن رکھ لیں تو کیا مضائقہ؟ انتیس کو چاند ہو یا نہ ہو ہم تیس پورے کرلیں تو کیا فرق پڑے گا؟ یا چاند کا انتظار کئے بغیر انتیس ہی کو روزے ختم کرلیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ اسی طرح اتحادِ اُمت کی خاطر زیادہ تر لوگ جس دن روزہ شروع کر رہے ہوں یا جس دن عید کر رہے ہوں، ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہو کر اسی دن سے روزہ شروع کرلیں چاہے چاند دیکھا ہو یا نہ دیکھا گیا ہو تو اس میں کیا مضائقہ؟

ان تمام عقلی اختراعات کا جواب یہی ہے کہ یہ حکم صوم و عید اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ماننا ہی اصل عبادت ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو" کا ماننا ہمارے لئے لازم اور ضروری اور اصل عبادت ہے۔

رؤیت ہلال پر مہینے کی ابتدا یا انتہاء کی بنیاد رکھنے کی حکمت:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے رؤیت کی شرط کی حکمت بڑے اچھے انداز میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر بادل آجائے تو تیس دن پورے کرو، اس سے معلوم ہوا کہ چاند نظر نہ آنے کی صورت میں تیس دن پورے کرو، آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ چاند نظر نہ آنے کی صورت میں حساب دانوں سے معلوم کرلو، اصل میں حکمت یہ ہے تیس کی گنتی پوری کر کے مہینے کی آمد جان لینا ہر ایک کے لئے آسان ہے، مکلفین اس میں برابر ہوں گے نیز چاند کے دیکھنے کے اصول کی پابندی

کی جائے تو آپس میں کوئی اختلاف اور جھگڑا نہیں رہے گا۔[1]

بنیادی بات یہ ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے واضح حکم کو وہ اہمیت نہیں دی جو اس کو دینی چاہئے، نتیجتاً آج ہم ان معاملات میں اختلافات کا شکار ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ رؤیت کی حکمت یوں بیان فرماتے ہیں: وعلق الشارع الصوم وغیرہ بالرؤیة لرفع الحرج عن امته فی معاناة حساب التیسیر.[2] یعنی شریعت نے روزہ اور دوسرے احکام کا دارومدار رؤیت پر اس لیے رکھا کہ اُمت کو حساب اور علم نجوم کی تکالیف سے بچایا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے رؤیت کی حکمت کو یوں بیان فرمایا ہے: میں کہتا ہوں کہ جب شریعت نے روزے کے وقت کو رؤیت ہلال کے اعتبار سے قمری مہینہ پر موقوف کیا ہے جو کہ کبھی تیس اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے تو ایسی صورت میں جب اشتباہ آجائے تو لازم ہے کہ شریعت کے اصول پر رجوع کیا جائے۔ (چاند نظر آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ تیس دن پورے کئے جائیں)۔[3]

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ رؤیت کی حکمت یوں بیان فرماتے ہیں: بات دراصل یہ ہے کہ اسلام وطنی اور لسانی یا جغرافیائی قومیتوں کا قائل ہی نہیں ہے، اس کے نزدیک مشرق و مغرب کے مسلمان ایک قوم ہیں اس کا حکم صرف دنیا کے معدودے چند شہروں کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم کے بسنے والے انسانوں کے لئے عام ہے جس میں شہروں سے زیادہ قصبات، دیہات اور ایسے پہاڑی مقامات اور جزیرے ہیں جہاں سائنس کی اس ترقی کے دور میں بھی ان علوم وفنون کی آلات رصدیہ کی رسائی نہیں، اگر رحمۃ للعالمین ﷺ کی نظر صرف پڑھے لکھے معدودے چند شہریوں پر مرکوز ہو کر مسلمانوں پر یہ لازم کر دیتی کہ جب چاند نظر نہ آئے تو تم پر لازم ہے کہ دوسرے ذرائع یعنی حسابات ریاضی یا آلات رصدیہ کے ذریعے چاند کا وجود معلوم کرو یا کسی طرح فضا میں اُڑ کر یا بادلوں سے اوپر پہنچو اور چاند دیکھو، تو انصاف کیجئے کہ اس حکم سے اُمت کس قدر مصیبت میں مبتلا ہو جاتی، پچھلے چودہ سو برس کو چھوڑئے آج بیسویں صدی کی روشنی ہی میں دیکھ لیجئے کہ یہ حکم تمام عالم اسلام کے لئے کس قدر مشکلات میں مبتلا کر دینے والا ہوتا، اگر واجب کے بجائے مستحسن اور افضل ہی قرار دیا جاتا تو افضلیت سرمایہ دار شہری ہی حاصل کرتا جس کے پاس دوربین، آلات رصدیہ اور ہوائی جہاز ہیں، غریب مسلمان نماز روزے میں افضلیت حاصل کرنے سے مجبور ہوتا اور

[1] فتح الباری: ۴/ ۱۰۹
[2] عمدۃ القاری: ۵/ ۲۸۶
[3] حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/ ۵۱

ظاہر ہے کہ غریب اور امیر کا تفرقہ اسلامی روح کے منافی ہے۔[1]

قرآنی آیات برائے ہلال:

اب ہم ہلال کے سلسلے میں قرآنی آیات کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔هوالذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا و قدره منازل لتعملوا عد دالسنین والحساب۔[2]

ترجمہ: وہی اللہ ہے کہ جس نے سورج کو چمکتا اور چاند کو نور بنایا اور اس نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان سکو۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں: مہینوں کی گنتی اور سالوں کی گنتی یہ سب چاند کی منزلوں پر موقوف ہیں اور اسی طرح حساب کی معرفت بھی چاند پر موقوف ہے کیونکہ بعض مہینے ایسے ہیں کہ جن میں کچھ پیش آجائے تو ہم ہلالی ماہ کی طرف جاتے ہیں اور اسی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے "**قل هی مواقیت للناس والحج**" کہا ہے یعنی ہلال لوگوں کو وقت بتاتا ہے اور خاص کر حج کا وقت، جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ مہینے اور سال کی توقیت ہلال پر ہی موقوف ہے اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو واضح طور پر اس کے قائم مقام بن سکے کیونکہ یہی ظاہر ہے اور مہینوں اور سالوں کی گنتی اسی پر موقوف ہے اور اس میں لوگوں کے لئے آسانی ہے، نیز یہی چیز عام بھی ہے اور چاند پر موقوف کرنے سے بہت سے مصالح حاصل ہونگے جو تمام مفاسد سے پاک ہونگے۔

حضرت علامہ علاء الدین بغدادی رحمہ اللہ آیت "هوالذی جعل الشمس الخ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: آیت ''**وقدره**'' میں ضمیر ''ہ'' صرف ''**القمر**'' کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ چاند کی رفتار منازل کے طے کرنے میں بہت تیز ہے اور اسی چاند کے حساب ہی سے مہینوں اور سالوں کے اختتام کا پتہ چلتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ شریعت میں معتبر مہینہ وہ ہے جس کا دارومدار رؤیت پر ہو اور شریعت میں قمری سال ہی معتبر ہے شمسی نہیں اور چاند کی منزلیں کل اٹھائیس ہیں۔[3]

۲۔والقمر قدرناه منازل حتی عاد کالعرجون القدیم۔[4] یعنی ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ

[1] رسالہ رؤیت ھلال ص: نمبر ۲۰۔۲۱
[2] سورۃ یونس: ۵
[3] تفسیر خازن: ۲/ ۳۹۱
[4] سورۃ یٰس: ۳۹

جاتا ہے جیسے پرانی ٹہنی۔

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: سورج کی طرح چاند ہمیشہ ایک طرح نہیں رہتا بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا ہے اسکی ۲۸ منزلیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیں ہیں اس کو ایک معین نظام کے ساتھ درجہ بدرجہ طے کرتا ہے، پہلی آیت میں رات دن کا بیان تھا پھر سورج کا ذکر کیا جس سے سالوں اور فصلوں کی تشکیل ہوتی ہے، اب چاند کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا وجود وابستہ ہے، چاند سورج مہینے کا آخر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے، جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے، پھر منزل بمنزل بڑھتا چلا جاتا ہے اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہو جاتا ہے، آخر رفتہ رفتہ اس پہلی حالت پر آپہنچتا ہے اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا خمدار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔[1]

احادیث برائے رؤیت ہلال: اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ان احادیث کا تذکرہ کیا جائے جن میں رؤیت ہلال پر زور دیا گیا ہے، اس سلسلے میں بہت سی احادیث ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف الفاظ کے ساتھ رؤیت ہلال کا حکم دیا ہے، سرسری تلاش سے چالیس پچاس احادیث سامنے آجاتی ہیں مزید تلاش سے باآسانی اور مل سکتی ہیں۔ جن صحابہ کرام سے رؤیت کی احادیث مروی ہیں وہ تو بہت ہیں صرف چند حضرات کے نام لکھتا ہوں۔ (۱) عمر بن الخطاب (۲) عبداللہ بن عمر (۳) ابوہریرہ (۴) عبداللہ بن عباس (۵) عائشہ صدیقہ (۶) حذیفہ (۷) طلق بن علی) ۸ (جابر بن عبداللہ (۹) براء بن عازب (۱۰) ابو بکرۃ نفیع بن الحارث ۱۱ (رافع بن خدیج (۱۲) عدی بن حاتم (رضی اللہ عنہم)۔

ذیل میں اختصار کی وجہ صرف چند حدیثیں لکھتا ہوں جن سے رؤیت ہلال کی اہمیت واضح ہو گی۔

۱۔عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: الشهر تسع وعشرون فلا تصوموا حتى تروا الهلال ولا تفطروا حتى تروه فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين۔[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب مہینہ کی انتیس تاریخ ہو جائے تو روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ تم چاند دیکھ لو اور عید نہ کرو یہاں تک کہ تم چاند دیکھ لو اور اگر چاند تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تیس کی گنتی مکمل کرو"۔

۲۔عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا فإن غم عليكم فصوموا ثلاثين يومًا۔[3] یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم چاند کو دیکھ

[1] تفسیر عثمانی: ۵۷۴
[2] صحیح البخاری: ۳/ ۲۷
[3] صحیح مسلم: ۲/ ۷۶۲

لو تو روزہ رکھو اور جب اس کو دیکھ لو تو عید کرو اور وہ تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تیس روزے مکمل رکھو"۔

۳۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ ﷺ ذکر رمضان فقال: لا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فإن غم علیکم فأکملوا العدد ثلاثین۔[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان المبارک کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ تم چاند دیکھ لو اور عید نہ کرو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور اگر وہ تم پر پوشیدہ ہو جائے تو تیس کی گنتی مکمل کرو"۔

۴۔عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: کان رسول اللہ ﷺ یتحفظ من ھلال شعبان ما لا یتحفظ من غیرہ ثم یصوم لرؤیۃ رمضان فإن غم علیہ عد ثلاثین یومًا ثم صام۔[2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ شعبان کے چاند کے علاوہ کسی چاند کا اتنا اہتمام نہ فرماتے تھے کہ جتنا شعبان کے چاند کا فرمایا کرتے تھے پھر چاند دیکھ کر روزہ رکھا کرتے تھے اور اگر آپ ﷺ پر چاند پوشیدہ ہو جاتا تھا تو تیس کی گنتی مکمل کیا کرتے تھے پھر روزہ رکھتے تھے۔

اندازہ فرمایئے کہ نبی کریم ﷺ شعبان کے چاند کے لئے کتنا اہتمام فرماتے تھے اس کی وجہ ظاہر ہے یہی تھی کہ اگر شعبان کے احصاء میں غلطی ہو گی تو خود بخود رمضان کی ابتدا میں غلطی ہو گی اور جب روزے غلط دنوں میں شروع ہونگے تو عید غلط دن میں منائی جائیگی۔

۵۔عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا تقدموا الشھر حتی تروا الھلال أو تکملوا العدۃ ثم صوموا حتی تروا الھلال أو تکملوا العدۃ۔[3]

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مہینہ کو پہلے نہ کرو یہاں تک کہ تم چاند دیکھ لو یا گنتی مکمل کر لو پھر روزہ رکھو یہاں تک کہ تم چاند دیکھ لو یا گنتی مکمل کرو"۔

۶۔عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: لا تقدموا ھذا الشھر صوموا لرؤیتہ وأفطروا لرؤیتہ فإن غم علیکم فعدوا ثلاثین۔[4] یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس مہینہ

[1] مؤطا امام مالک: ۲۸۷
[2] مسند احمد: ۴۲/۸۳
[3] سنن ابی داؤد: ۲/۲۹۸
[4] السنن الکبری للبیہقی: ۴/۳۴۸

کو مقدم نہ کرو تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو اور اگر تم پر وہ پوشیدہ ہو جائے تو تیس کی گنتی مکمل کرو"۔
جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ احادیث تو بہت سی ہیں مگر اختصار کی وجہ سے چند لکھی ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس قدر تاکید کے ساتھ حکم فرمایا ہے کہ روزہ اور عید چاند دیکھ کر کرو، دوسری بات یہ ہے کہ یہ احادیث اتنا ثابت کرنے کے لئے ثبوت شہر کے لئے رؤیت بہت ضروری ہے، کافی ہیں۔

رؤیت کے سلسلے میں فقہائے اُمت کے آراء:

ائمہ متبوعین رحمہم اللہ میں سے کسی بھی امام کا مذہب نہیں ہے کہ حساب فلکی پر عمل کیا جائے۔ اس بات پر جملہ ائمہ کا اتفاق ہے کہ روزہ اور عیدین کے لئے رؤیت بصری ضروری ہے، نفسِ علم کافی نہیں ہے۔
ذیل میں فقہاء کے آراء نقل کرتا ہوں۔

احناف:

علامہ سمرقندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وانما یعرف برؤیته الهلا ل ان کانت السماء مصحیة وان کانت متغیمة فانه یکمل شعبان ثلاثین یوما ثم یصوم عن رمضان ،لما روی عن النبی علیه السلام انه قال: صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان غم علیکم فأکملوا شعبان ثلاثین یوما ثم صوموا۔**[1]

ترجمہ: اگر آسمان صاف ہو تو رمضان کی معرفت رؤیت ہلال سے ہو گی، اور اگر بادل ہو تو شعبان کو تیس کیا جائے گا پھر رمضان کا روزہ رکھا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: روزہ رکھو چاند کے دیکھنے کے ساتھ اور افطار کرو چاند کے دیکھنے کے ساتھ، اگر تمہارے اوپر بادل ہو تو شعبان کے تیس دن مکمل کرو پھر روزہ رکھو۔

علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ویثبت رمضان برؤیة هلاله أوبعد شعبان ثلاثین یوما،، لحدیث الصحیحین صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته،فان غم علیک فاکملوا عدة شعبان ثلاثین یوما۔**[2]

ترجمہ: رمضان رؤیت ہلال سے ثابت ہوتا ہے یا شعبان کے تیس دن کے بعد، کیونکہ صحیحین کی روایت ہے: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار یعنی عید کرو، اگر تمہارے اُوپر بادل آجائے تو شعبان کی تیس دن کی گنتی پوری کرو۔

شمس الأئمہ حلوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ان الشرط فی وجوب الصوم والافطار الرؤیة۔**[3] یعنی روزہ اور عید کے وجوب کی شرط

[1] تحفۃ الفقہاء: ۱/ ۳۴۵
[2] البحر الرائق: ۲/ ۲۸۳
[3] الدر المختار: ۲/ ۳۸۷

رؤیت ہے۔

فقہائے احناف کی سابقہ عبارات بالکل واضح ہیں کہ اصل مدار رؤیت پر ہے حساب پر قطعاً نہیں ہے۔ چنانچہ حاشیہ طحطاوی میں ہے :**ولا عبرة بقول المؤقتين ولوعدولا**۔[1] یعنی اہلِ حساب کے قول کا کوئی اعتبار نہیں چاہے وہ کتنے ہی عادل کیوں نہ ہوں۔

حاشیہ ردالمحتار میں ہے:ولا عبرة بقول المؤقتين أ ى فى وجوب الصوم على الناس بل فى (المعراج)لايعتبر قولهم بالا جماع ولايجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه۔[2] یعنی لوگوں پر روزہ کے وجوب کے سلسلے میں اہل حساب کا قول غیر معتبر ہے۔ جبکہ ''معراج'' میں ہے کہ بالاجماع ان کا قول معتبر نہیں ہے، حتیٰ کے خود اہل حساب کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے حساب پر عمل کرے۔

شمس الأئمہ سرخسی رحمہ اللہ تو اہل مصر کے اس حرکت پر کہ انہوں نے رؤیت کے بغیر ہی روزہ شروع کر دیا تھا، ان پر شدید تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:**وقد أ خطأ أ هل المصر حين صاموا بغير رؤية الهلال لقوله ﷺ : صوموا لرؤيته وأ فطروا لرؤيته فان غم عليكم فا كملوا شعبان ثلاثين يوما۔ فاهل المصر خالفوا أ مر رسول اللهﷺ فكانوا مخطئين**۔[3] یعنی اہل مصر نے رؤیت ہلال کے بغیر جو روزہ رکھا اس میں انہوں نے غلطی کی کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اگر تم پر بادل آجائے تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔ اس حدیث کے مطابق اہل مصر نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی، لہذا وہ خطاکار ٹھہرے۔

مالکیہ:

وصوم شهر رمضان فريضة يصام لرؤيته ويفطر لرؤيته۔[4]

ترجمہ: رمضان کے روزے فرض ہیں جو رؤیت ہلال سے رکھے جاتے ہیں اور اس کی رؤیت سے افطار کیا جاتا ہے۔

شیخ ابوالحسن مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:ويثبت صوم رمضان بأحد شيئين اما با تمام شعبان ثلاثين يوما واما برؤية الهلال۔[5] یعنی رمضان کے روزے دو طرح سے ثابت ہوتے ہیں۔ یا شعبان کے تیس دن کے تمام ہونے پر یا رؤیت ہلال پر۔

[1] الدر المختار:۶/۳۸۷
[2] الدر المختار:۲/۳۸۷
[3] المبسوط للسرخسی:۳/۷۸
[4] الرسالہ للقیروانی:۱/۵۹
[5] کفایۃ الطالب الربانی:۲/۲۷۶

حساب کے بارے میں ابن حاجب مالکی فرماتے ہیں:**ولا یلتفت الی حساب المنجمین اتفاقا۔**[1]

ترجمہ: اس میں سب کا اتفاق ہے رمضان کے سلسلے میں اہل حساب کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

شوافع:

علامہ شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:ولایجب صوم رمضان الا برؤیة الھلال،فان غم علیھم وجب علیه استکمال شعبان ثلثین یوما۔[2]

ترجمہ: رمضان کے روزے رؤیت ہلال کے بغیر ثابت نہیں ہوتے، اگر لوگوں پر بادل آجائے تو ان پر شعبان کے تیس دن مکمل کرنے واجب ہوں گے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:یجب صوم رمضان باستکمال شعبان ثلثین أو رؤیة ھلاله۔[3]

ترجمہ: رمضان کے روزے شعبان کے تیس دن مکمل کرنے یا رؤیت ہلال سے ثابت ہوتے ہیں۔

نیز حساب کے سلسلے میں علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**فقال فی " التھذیب " لا یجوز تقلید المنجم فی حسابه لا فی الصوم ولا فی الفطر۔**[4] یعنی تہذیب میں ہے، اہل حساب کی تقلید جائز نہیں چاہے روزہ میں ہو اور چاہے عید میں ہو۔

حنابلہ:

فقیہ ابنِ قدامہ مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:وفی الجملة : لایجب الصوم الا برؤیة الھلال أوکمال شعبان ثلاثین یوما۔[5] یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ روزہ رؤیت ہلال کے بغیر یا شعبان کے تیس دن مکمل کئے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔

نیز علم حساب کے سلسلے میں انتہائی سختی برتتے ہوئے ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکذلک لوبنی علی قول المنجمین،وأھل المعرفة بالحساب فوافق الصواب لم یصح صومه وان کثرت اصابتھم لا نه لیس بدلیل شرعی یجوز البناء علیه ولا العمل به فکان وجوده کعدمه، قال النبی ﷺ:

[1] مواھب الجلیل:۱/۳۸۷
[2] المھذب:۱/۳۲۸
[3] روضة الطالبین:۲/۳۴۵
[4] روضة الطالبین:۲/۳۴۷
[5] المغنی:۳/۱۰۹

صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته۔[1]

ترجمہ: ستارے اور حساب علم رکھنے والوں پر اگر مدار بنایا جائے اور وہ بالکل صحیح بھی ہو تب بھی روزہ صحیح نہیں ہو گا چاہے ان کی بات کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ دلیل شرعی نہیں ہے کے جس پر جواز کا بنا کیا جائے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جائے گا، گویا کے اس کا وجود عدم وجود ہو گا، حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو۔

یہ تھے مختصراً ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مسالک کے وہ مدار صرف رؤیت پر رکھتے ہیں اور علم حساب کی شدت سے مخالفت فرماتے ہیں۔

تو وہ حضرات کہ جو اپنے آپ کو ائمہ رحمہم اللہ میں سے کسی کا متبع بتلاتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ ائمہ متبوعین میں سے کسی کا قول دکھلا دیں کہ جنہوں نے علم حساب پر مدار رکھا ہو۔

صرف چند حضرات کا قول ملتا ہے مثلاً شوافع میں ابو العباس بن سریج رحمہ اللہ یا امام سبکی رحمہ اللہ وغیرہ۔

وہ کہتے ہیں کے حساب پر مدار رکھا جاسکتا ہے لیکن ان کی بات کو جملہ فقہاء نے شدت سے رد کرتے ہوئے مردود اور باطل قرار دیا ہے. لہذا قولِ مردود یا باطل پر روزہ اور عید کا مدار نہیں رکھ سکتے۔

سائنسی تحقیقات اور شریعت:

یہ بات بہت شد و مد سے کی جارہی ہے کہ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، ہمیں سائنسی تحقیقات کا فائدہ اُٹھانا چاہئے اور اجتہاد کرتے ہوئے اس بات کی اجازت دینی چاہئے کہ ثبوت شہر کے لئے رؤیت ہلال کی ضرورت نہیں، صرف سائنسی تحقیقات پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے مقرر کردہ حساب کو کافی سمجھنا چاہئے، سوال یہ ہے کہ کیا اس بات کی ہمیں اجازت ملتی ہے کہ شریعت کو چھوڑ کر سائنس پر عمل کریں؟ اور کیا اس طرح کے عمل کو اجتہاد کہہ سکتے ہیں؟

یہاں پر دو باتیں ہیں جو بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں:

(۱) شریعت کو چھوڑ کر سائنس پر عمل کرنا

(۲) جدید تحقیق کو اجتہاد کا نام دینا۔

پہلی بات کہ شریعت کو چھوڑ کر سائنس پر عمل کیا جائے، اس بات کی کوئی بھی شخص جسے خدا کا خوف اور شریعت کا علم ہو , اجازت نہیں دے گا، اسکی اجازت دینے والا یقیناً شریعت سے بے بہرہ اور خوف خدا سے عاری ہو گا۔

دوسری بات اس عنوان کے ساتھ کہ جدید تحقیقات کو اجتہاد کا نام دیا جائے یہ تو یقیناً درست نہیں۔ البتہ اس حوالے سے یہ گفتگو ضرور کی جاسکتی ہے کہ جدید تحقیقات اور اسلامی احکام میں کس حد تک موافقت اور مطابقت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اسلامی احکام اور

[1] المغنی: ۳/ ۱۱۲

سائنسی تحقیقات میں ایسا کوئی قابل ذکر تضاد نہیں ہے اور اس سلسلے میں یہ اصولی بات اپنانی زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ تمام سائنسی تحقیقات سے شرعی احکام کے سلسلے میں مدد لی جائے۔ تاہم بحیثیت مسلمان ہمیں فوقیت شرعی حکم ہی کو دینی چاہیئے، اور حقیقت یہ ہے کہ سائنسی تحقیقات اور شرعی احکامات میں مطابقت عملاً بالکل ممکن ہے، ہلال ہی کی مثال لے لیجئے کہ اگر آبزرویٹری کی رو سے رؤیت ممکن ہو تو اسلامی کیلنڈر بناتے ہوئے اس کا لحاظ کر لیا جائے اور تاریخ کا تعین کر لیا جائے مگر یہ تعین حتمی نہیں ہو کیونکہ حتمی تعین رؤیت پر ہو گا کہ رؤیت ہو جاتی ہے تو نیا مہینہ شروع ہو جائے گا، اس طرح ہم سائنسی تحقیقات اور شریعت کی ہدایات دونوں کو جمع کر سکتے ہیں۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ تم لوگ قتال کرو اللہ ﷻ کے راستے میں ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ قتال کرتے ہیں مگر یاد رکھو کہ قتال کرنے میں حد سے تجاوز مت کرنا کیونکہ اللہ ﷻ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ: اور ان مشرکین کو جہاں پاؤ وہیں قتل کرو اور ان کو نکالو جیسا کہ ان لوگوں نے تمہیں نکالا تھا مکہ سے تو آج تم بھی ان کو نکال دو۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ: یہاں فتنے کے بارے میں بیان ہو رہا ہے کہ فتنہ قتل کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے لہذا فتنے سے بچنا چاہیئے۔

وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ: یہاں مسجدِ حرام کی حرمت کا ذکر ہے کہ مسجدِ حرام میں ان کو قتل مت کرو حتی کہ یہ تمہارے ساتھ قتال نہ کرے اگر یہ تمہارے ساتھ قتال کرتے تو تم بھی اُن کے ساتھ قتال کرو۔

كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ: اسی طرح بدلہ دیا جاتا ہے کافروں کو اور کافروں کا یہی بدلہ ہے۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ: اور اگر یہ لوگ قتال سے رُک جائے تو اللہ ﷻ معاف کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ: یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ اُن کفار و مشرکین کے ساتھ کب تک قتال کرنا ہے تو اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ ان کے ساتھ اس وقت تک قتال کرو جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے اور دین اللہ ﷻ کا ہو جائے یعنی دینِ اسلام غالب ہو جائے۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ: یہاں پھر وہی حکم بیان ہو رہا ہے کہ اگر یہ لوگ باز آجاتے ہیں تو ان پر کوئی

زیادتی نہیں کی جائے گی مگر جو لوگ ظالم ہیں ان کے لئے معافی نہیں ہے۔

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ: یہاں سے اشہر حرم کا بیان ہورہا ہے اور وہ یہ ہیں (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم) ان مہینوں میں قتل و قتال کی ممانعت ہے اور زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا احترام کیا جاتا تھا، پہلے **الشَّهْرُ الْحَرَامُ** سے مراد ذوالقعدہ ۷ھ ہے جس میں مکہ گئے اور عمرہ ادا کیا اور دوسرے **الشَّهْرُ الْحَرَامُ** سے مراد ذوالقعدہ ۶ھ ہے کہ جس میں مشرکین نے روک لیا تھا۔

فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ: اگر کوئی تم پر حالتِ احرام میں حرمت والے مہینے میں اور حرمت والی جگہ میں تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اُن پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی کہ تمہارے ساتھ کی گئی ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ: اور یاد رکھو کہ اس زیادتی کرنے پر اللہ ﷻ سے ڈرنا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادہ زیادتی کرلی یا نفسانی خواہش کی وجہ سے زیادتی کی لہذا اللہ ﷻ سے ڈرنا اور اللہ ﷻ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ: اس آیت میں تین حکم بیان ہورہے ہیں پہلا یہ اللہ ﷻ کے راستے میں مال خرچ کرو چونکہ جس نے مال دیا ہے تو مال کو اسی دینے والے کے راستے پر خرچ کرنا چاہئے۔

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ: دوسرا یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو یعنی ایسا کام نہ کرو کہ خود ہی ہلاک ہو جاؤ۔

وَأَحْسِنُوا: تیسرا یہ ہے کہ احسان کرو یعنی لوگوں پر احسان کا معاملہ کرتے رہو اور یہ بھی یاد رکھو کہ احسان کرکے جتلانا نہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ "جو احسان کرنے کے جتلاتے ہیں اللہ ﷻ بروزِ قیامت ان کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا"[1]۔

احسان کی دو قسمیں ہیں: پہلا احسانِ ظاہری: لوگوں پر اپنے مال کے ذریعے یا محنت کرکے احسان کرنا۔ دوسرا احسان باطنی: یہ مقامِ سلوک کا آخری مقام ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ سے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے پوچھا کہ "**ما الاحسان یا رسول اللہ**" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "**ان تعبد اللہ کانک تراہ**" کہ تم اللہ ﷻ کی ایسی عبادت کرو کہ تم اللہ ﷻ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو یہ بہت ہی بلند مقام ہے لہذا یہ مقام سلوک کا آخری مقام ہے اور اگر کوئی اس مقام تک نہیں پہنچے تو کم از کم احسان کا یہ درجہ پالو کہ "**فان لم تکن تراہ فانہ یراک**" اگر تم اللہ ﷻ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ اللہ ﷻ تمہیں دیکھ رہا ہے یہ کیفیت پیدا کرلو۔

[1] صحیح مسلم: ۱/ ۱۰۲

فائدہ: حقیقت یہی ہے کہ اگر انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ ہم اللہ ﷻ کو دیکھ رہے یا اللہ ﷻ ہمیں دیکھ رہیں تو انسان کے اعمال درست ہو جائیں گے اور کوئی بھی انسان غلط کام نہیں کرے گا۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرواپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلا دیوے روزے یا خیرات یا قربانی پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے یہ حکم اس کے لئے ہے جسکے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے (۱۹۶)

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾

حج کے چند مہینے ہیں معلوم پھر جس نے لازم کر لیا ان میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے اور زاد راہ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر فائدہ زاد راہ کا بچنا ہے سوال سے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو (۱۹۷)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾

کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بیشک تم تھے اس سے پہلے ناواقف (۱۹۸)

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٩٩﴾	پھر طواف کے لئے پھرو جہاں سے سب لوگ پھریں اور مغفرت چاہو اللہ سے بیشک اللہ ﷻ بخشنے والا ہے مہربان (۱۹۹)
فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾	پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں (۲۰۰)
وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾	اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچالے ہم کو دوزخ کے عذاب سے (۲۰۱)
أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾	انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے (۲۰۲)
وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾	اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں پھر جو کوئی جلد چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسکے پاس جمع ہوگے (۲۰۳)

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ۔۔۔۔۔: ان آیات میں اللہ ﷻ حج کے متعلق بیان فرمارہے ہیں۔

جملہ عبادات کے مقابلہ میں حج کو خصوصی امتیاز حاصل ہے اور خصوصی کام کی ادائیگی کے لئے خصوصی تیاری کی جاتی ہے۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دوسری تمام عبادات میں عقل غالب اور عشق مغلوب ہوتا ہے۔ لیکن حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں عقل عشق کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔

۲۔ یوں تو تمام عبادات میں مساوات کی تربیت دی جاتی ہے لیکن مساوات کا جو نظارہ حج میں نظر آتا ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ ﷻ اس سعادت کی توفیق بخشے۔

۳۔ یہ ایک ایسی عالمی بین المللی کانفرنس ہے جو بیک وقت روحانی بھی ہے اور قومی و سیاسی بھی۔ یہ محض ایک ثواب کا کام نہیں بلکہ سارے عالم کے تمام مسلمانوں کے درمیان ثقافتی ، سیاسی، معاشرتی ، تجارتی، تعلیمی ، سائنسی، روابط کا ذریعہ ہے۔

۴۔ حج بڑی عمدہ تربیت ہے، اس کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے ایک پاک نفس مجاہد کی سپاہیانہ زندگی کیسی متحرک ہونی چاہئے۔

جہاں تک عشق و دیوانگی کا تعلق ہے وہ تو مناسک کی ایک ایک ادا سے واضح ہے۔ بے ڈھنگا لباس، ناخن اور بال بڑھے ہوئے، غبار میں اٹے ہوئے، کسی جگہ چکر کاٹ رہے ہیں تو کہیں ادھر سے ادھر دوڑیں لگا رہے ہیں دیوانوں کی طرح کنکریاں چن رہے ہیں اور پھر وہی کنکریاں مار رہے ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری جگہ سے تیسری جگہ کی خاک چھان رہے ہیں۔ سر منڈا رہے ہیں یعنی بظاہر کوئی ایسا کام نہیں ہے جسے فرزانے ڈھنگ قرار دیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ادائے مناسک کی ترتیب میں وہ علاقہ جکڑ بندی نہیں جو دوسری عبادات میں ہے۔ دیوانگی کے انداز فرزانگی کے انداز سے مختلف ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ:

أن رسول اللهﷺ وقف في حجة الوداع بِمِنَى للناس يسألونه، فجاءه رجل فقال: لم أشعر، فحلقت قبل أن أذبح، فقال) :اذبح ولا حرج(فجاء آخر فقال: لم أشعر، فنحرتُ قبل أن أرمي، قال) :ارم ولا حرج(فما سُئِل النبيﷺ عن شيء قُدِّم ولا أُخِّر إلا قال):افعل ولا حرج[1]۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں ٹھہرے اور لوگوں نے مسائل دریافت کرنا شروع کئے۔ ایک آیا اور بولا مجھے معلوم نہیں تھا اس لئے قربانی سے پہلے ہی سر منڈا لیا۔ فرمایا، کوئی مضائقہ نہیں، اب قربانی کرلو۔ دوسرا آکر کہنے لگا: مجھے علم نہیں تھا پس میں نے رمی سے پہلے ہی قربانی دے دی۔ فرمایا: کوئی حرج نہیں، اب رمی کرلو۔ غرض اس دن کوئی مسئلہ ایسا نہ تھا جس کی تقدیم و تاخیر کے متعلق پوچھا گیا ہو اور حضور ﷺ نے یہ نہ فرمایا ہو کہ: کوئی مضائقہ نہیں اب کرلو

بے شعوری میں نماز کے اندر اسی طرح کی تقدیم و تاخیر کی رعایت آپ کو نہ ملے گی۔ زکوۃ اور روزہ میں بھی نہ دکھائی دے گا۔ یہ رعایتیں صرف حج میں کیوں ہے؟ اس لئے کہ جو رعایتیں دیوانگی کو ملتی ہیں وہ فرزانگی کو نہیں ملتیں۔

یہی وہ عشق ہے جو عقل کو بھی اپنا دیوانہ بنالیتا ہے۔ عقل کی مصلحت اندیشی، بہانہ بازی، اور حیلہ جوئی ابھی غور فکر کی منزلیں طے کر رہی ہوتی ہے اور عشق فیصلہ کی منزل پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔

فریضہ حج کا مقصد واضح ہونے کے بعد ہر حاجی کو اپنے دل سے یہ پوچھنا چاہئے کہ کیا فریضہ حج ادا کرنے کے بعد ہمارے اندر اپنے مقصد زندگی اور نصب العین سے وہ لگن پیدا ہوئی ہے جو حج کا سب سے بڑا درس ہے؟ یا اپنے دین سے وہ عشق پیدا ہوا ہے جو کوئی اہم

[1] صحیح مسلم: ۲/ ۹۴۸

قدم اٹھاتے وقت حیلہ گر اور بہانہ ساز زیر کی شیطانی وساوس کو روند کر آگے بڑھ جائے؟

توحید الٰہی اور وحدت انسانیت لازم وملزوم ہے، حج اور مناسک حج اسی توحید باری تعالیٰ اور وحدت انسانیت کے ترجماں ہیں۔

مسجد حرام (بیت اللہ) وہ جگہ ہے جس کے لئے قرآن پاک کہتا ہے:

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءَ نِ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ۔[1]

ترجمہ: وہ مسجد حرام جسے ہم نے انسانوں کے لئے بنایا ہے اور مقامی اور غیر مقامی (باہر سے آنے والے) کو اس میں برابری ہے۔

یہی وہ پہلا گھر ہے جو بلا امتیاز و تفریق تمام انسانوں کے لئے معرض وجود میں آیا، اور جو تمام انسانوں کیلئے باعث ہدایت وخیر وبرکت ہے۔**اِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ۔**[2]

ترجمہ: بیشک جو پہلا گھر انسانوں کی بہبود کیلئے بنایا گیا وہی ہے جو بکّہ مکہ میں ہے اور تمام جہانوں کیلئے بابرکت ورہنما ہے۔

حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کی یادگار ہے جب انہوں نے وحدت انسانیت کے درمیان حائل ہونے والے اصنام کو چکنا چور کر کے طبقاتی امتیازات میں جکڑی ہوئی دنیا کو اس گمراہی سے نجات دلانے کے لے نعرہ **لااحب الآفلین** بلند کرتے ہوئے کہا تھا۔ لیکن انسانی شعور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وحدت انسانیت کی مہم کو اپنانے کی صلاحیت کو زندہ نہ رکھ سکا، اور ان کے بعد آنے والے رسولوں کو یاد دہانیوں کے باوجود اس نے انسانوں کو باہمد گر دست وگریباں کرنے کے لئے سینکڑوں بت تراش ڈالے حد یہ ہے کہ اس نے ہی ان برگزیدہ ہستیوں کو انسانیت میں تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا جو انسانی وحدت کی داعی تھیں۔ انہوں نے اپنے مشائخ، وعلماء، آئمہ وصوفیاء اور علماوانبیاء کو **اربابا من دون اللہ** بن کر انسانی وحدت کو پارہ پارہ کر ڈالا، وطنوں، قومیتوں اور نظریوں کو ارباب بنا کر ان کے ذریعہ انسان کا بٹوارہ شروع کر دیا اور ان ہی کو اپنی باپ کی اولاد سے لڑانے کا سامان بنالیا، انبیاء ورسل ہوں یا احبار ورہبان، اوطان واقوام ہوں یا نظریات وفلسفہ ان میں سے کوئی بھی وحدت انسانیت کی راہ میں سد بن کر کھڑا نہیں ہو سکتا **إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ.**[3]

امام انسانیت، ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ ﷻ نے ہدایت کی کہ وہ اللہ ﷻ کے نام پر کسی قسم کا امتیاز برتے بغیر تمام انسانوں کو جمع ہونے کی دعوت عام دیں: **وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ۔**[4]

[1] سورۃ الحج: ۲۵
[2] سورۃ آل عمران: ۹۶
[3] سورۃ النجم: ۲۳
[4] سورۃ الحج: ۲۷

اس آیت کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لما فرغ إبراهيم من بناء البيت قيل له: أذن في الناس بالحج، قال يا رب: وما يبلغ صوتي؟ قال: أذن وعلي الإبلاغ فصعد إبراهيم على جبل أبي قبيس وصاح: يا أيها الناس إن الله قد أمركم بحج هذا البيت ليثيبكم به الجنة، يوجيركم من عذاب النار فحجوا، فأجابه من كان في أصلاب الرجال، وأرحام النساء: لبيك اللهم لبيك۔۔۔۔۔۔**[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابرہم بیت اللہ کی تعمیت سے فارغ ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان فرمادیں، تو انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! کون میری آواز کو پہونچائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ اعلان کردیں اور میرے ذمہ آواز پہونچانا ہے۔ چنانچہ جبل ابی قبیس پر چڑھ کر زور سے آواز لگائی: اے لوگوں! اللہ تعالیٰ بلاشبہ تم کو اس گھر کے حج کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ تم کو اس کے بدلہ جنت عطا کرے اور جہنم سے بچالے، لہذا حج کرو۔ تو اس وقت ان تمام لوگوں نے جواب دیا "**لبيك اللهم لبيك**" کہتے ہوئے جو مردوں کے صلب میں اور ماؤں کے ارحام میں تھے۔

فضائل حج احادیث کی روشنی میں:

حج کے فضائل کے سلسلے میں مندرجہ ذیل چند احادیث پیشِ خدمت ہیں تاکہ حجاج کو معلوم ہو کہ وہ کتنا بڑا عمل کرنے جارہے ہیں۔

۱۔ **عَنْ أبي هريرة رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يقول: مَنْ حجَّ لله فَلَمْ يَرْفَثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كيوْمٍ ولدته أمّه.**[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح سے حج کرے کہ اس نے نہ فحش بات کی ہو اور نہ فسق کیا ہو تو وہ حج سے ایسا واپس ہوتا ہے جیسا کہ اس دن تھا، جس دن ماں کے پیٹ سے نکلا۔

۲۔ **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ :الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ.**[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے بیچ کے گناہوں کا، اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔

[1] صفوۃ التفاسیر: ۲/ ۲۶۳
[2] صحیح بخاری: ۲/ ۱۳۳
[3] صحیح مسلم: ۴/ ۱۰۷

۳۔عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ :الْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةَ.[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: حج مبرور ایک سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

۴- عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قَالَ: فلما جعل الله الإسلام في قلبي أتيت النبي ﷺ فقلت ابسط يمينك فلأبايعك فبسط يمينه قال فقبضت يدي قال ما لك يا عمرو قال قلت أردت أن أشترط قال تشترط بماذا قلت أن يغفر لي قال أما علمت أن الإسلام يهدم ما كان قبله وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها وأن الحج يهدم ما كان قبله .[2]

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب اللہ ﷻ نے میری دل میں اسلام قبول کرنے کا شوق پیدا کیا تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں مسلمان ہونے کے لئے، رسول اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! کیا بات ہے؟ میں عرض کیا کہ میں شرط رکھنا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے پوچھا وہ شرط کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میرے گناہ بخش دئے جائیں، اس پر رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اُن سب گناہوں کو معاف کر دیتا ہے جو کفر کی حالت میں کئے گئے ہوں، اور ہجرت اُن سب خطاؤں کو ختم کر دیتی ہے جو ہجرت سے پہلے کی ہوں اور حج اُن تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو حج سے پہلے کئے ہوں۔

اس حدیث شریف کا آخری حصہ یہ بتا رہا ہے کہ حج سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۵۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : وَفْدُ اللهِ ثَلَاثَة: اَلْغَازِىْ ، وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ ۔[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین طرح کے لوگ اللہ ﷻ کے وفد ہیں (۱) غازی (۲) حاجی (۳) عمرہ کرنے والا۔

۶۔عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال : قال رسول الله ﷺ: إذا لقيت الحاج فسلم عليه ، وصافحه ، ومره أن يستغفر لك قبل أن يدخل بيته ، فإنه مغفور له .[4]

ترجمہ: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم حاجی سے ملو، تو اس سے مصافحہ کرو، اس کو سلام کرو

[1] مسند احمد: ۳/ ۳۲۵
[2] صحیح مسلم: ۱/ ۱۱۲
[3] سنن النسائی: ۵/ ۱۱۳
[4] مسند احمد: ۲/ ۶۹

اور اس سے کہو کہ وہ تمہارے لئے دعائے مغفرت کرے قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو، کیونکہ اس کے سارے گناہ بخش دئے گئے ہیں۔

۷- عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : تَابِعُوا بَيْنَ الحَجِّ وَالعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الفَقْرَ وَالذنُوبَ كَمَا يَنْفِي الكِيرُ خَبَثَ الحَدِيدِ. [1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پے درپے حج اور عمرہ کرتے رہو کیونکہ پے درپے حج اور عمرہ فقر اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں جیسا کہ آگ کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے۔

۸-عَنْ بُرَيْدَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : النَّفَقَةُ فِي الْحَجِّ كَالنَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ بِسَبْعمائةِ ضِعْفٍ. [2]

ترجمہ: حضرت بریدہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج میں خرچ کرنا جہاد میں خرچ کرنے کی طرح سے ایک (روپیہ) کا بدلہ سات سو (روپیہ) کا ہے۔

۹-عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ؓ رَفَعَهُ ، قَالَ " : مَا أَمْعَرَ حَاجٌّ قَطُّ " قِيلَ لِجَابِرٍ : مَا الإِمْعَارُ ؟ قَالَ : " مَا افْتَقَرَ. [3] یعنی حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ حاجی فقیر ہر گز نہیں ہو سکتا۔

۱۰-عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ . [4]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! حاجی کو اور جس کے لئے حاجی استغفار کرے، بخش دیجئے۔

حج کی تین قسمیں ہیں:

(۱) افراد

(۲) قران

(۳) تمتع

[1] سنن النسائی: ۵/ ۱۱۵

[2] المعجم الاوسط للطبرانی: ۵/ ۲۶۵

[3] المعجم الاوسط للطبرانی: ۵/ ۲۴۵

[4] المعجم الاوسط للطبرانی: ۸/ ۲۶۶

افراد: حج کے دنوں میں میقات سے صرف حج کا احرام باندھے، اس احرام میں عمرہ نہ کرے، تو یہ حج افراد کہلاتا ہے۔ اس حج میں قربانی مستحب ہے، واجب نہیں۔

قِران: میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھے اور ایک ہی احرام سے دونوں کو ادا کرنے کی نیت کرے تو یہ حج قِران کہلاتا ہے۔

عمرہ کرنے کے بعد احرام بندھا رہے گا، قربانی کے بعد سر منڈوا کر (حلق یا قصر کر کے) احرام کھولے گا، اس میں حج کی قربانی واجب ہے۔

تمتع: میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے، پھر اسی سال اسی ایک سفر میں حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے تو یہ حج تمتع کہلاتا ہے۔

اس میں عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد عمرہ کا احرام کھل جاتا ہے اور آدمی عام آدمیوں کی طرح مکہ مکرمہ میں رہتا ہے۔ اس حج تمتع میں قربانی واجب ہے۔

احناف کے نزدیک سب سے افضل حج قران ہے، پھر تمتع پھر اس کے بعد افراد۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾	اور بعض آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو اس کی بات دنیا کی زندگانی کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے (۲۰۴)
وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾	اور جب پھرے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ اس میں خرابی ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو (۲۰۵)
وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ۚ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾	اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو آمادہ کرے اس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے اس کو دوزخ اور وہ بیشک برا ٹھکانہ (۲۰۶)
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠٧﴾	اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضاجوئی میں اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں (۲۰۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴿۲۰۸﴾	اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بیشک وہ تمہارا صریح دشمن(۲۰۸)
فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴿۲۰۹﴾	پھر اگر تم بچلنے لگو اس کے بعد اس کہ پہنچ چکے تم کو صاف حکم تو جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت(۲۰۹)
هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴿۲۱۰﴾	کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور طے ہو جاوے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے سب کام(۲۱۰)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا: اس آیت میں اللہ ﷻ اس منافق شخص کا ذکر فرمارہے ہیں جس کا نام اخنس بن شریق تھا۔ اس منافق کی باتیں بظاہر آپ کو بھلی معلوم ہوتی تھی مگر دل میں اسلام کے خلاف تھا۔ آپ کی مجلس میں اچھی باتیں کرتا تھا۔ درحقیقت وہ بڑا جھگڑالو اور زمین میں فساد پھیلاتا۔

یاد رکھو کہ اللہ ﷻ فساد پھیلانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے اور جب اس منافق سے کہا جاتا کہ اللہ ﷻ سے ڈرو تو فوراً اُس کو عزت کی فکر لاحق ہو جاتی ہے اور یاد رکھو کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بہت ہی بُری جگہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ: یہ آیت حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں: **عن صهيب رضي الله عنه قال : لما أردت الهجرة من مكة إلى النبي ﷺ قالت لي قريش : يا صهيب ، قدمت إلينا ولا مال لك ، وتخرج أنت ومالك ! والله لا يكون ذلك أبدا . فقلت لهم : أرأيتم إن دفعت إليكم مالي تخلون عني ؟ قالوا : نعم فدفعت إليهم مالي ، فخلوا عني ، فخرجت حتى قدمت المدينة . فبلغ ذلك النبي ﷺ فقال " : ربح صهيب ، ربح صهيب " مرتين.**[1]

ترجمہ: جب میں نے مکہ مکرمہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ اے صہیب! تم جب یہاں آئے تھے تو تمہارے پاس کوئی مال نہ تھا اور جب تم جارہے ہو تو تمہارے پاس مال ہے۔ اللہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس پر میں نے کہا کہ

[1] تفسیر ابن کثیر تحت الآیہ: ۲۰۷

اگر میں تمہیں مال دے دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ تو میں نے اپنا مال ان کو دے دیا اور انہوں نے میرا راستہ چھوڑ دیا۔ میں مکہ مکرمہ سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آگیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے دو دفعہ فرمایا: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نفع میں رہے۔

آیت کا نزول اگرچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے مگر عموم کے لحاظ سے تمام مجاھدین اس میں شامل ہیں جو اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال لُٹاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے ایسی تجارت کرتے ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے "تجارة لن تبور" یہ ایسی تجارت ہے کہ جس میں نقصان نہیں ہے۔

وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بڑے رحم فرمانے والے ہیں لہذا جو کوئی شخص اپنی جان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے بیچتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُس سے راضی ہو جاتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً: یہاں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایمان والوں سے فرما رہے ہیں کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

فائدہ: حضرت مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کے کلام میں ربط نہ ہو تو وہ مجنون کا کلام ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام بے ربط نہیں ہے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام باربط ہے۔

ان تمام آیات میں ربط یہ ہے کہ پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حج کا ذکر فرمایا، پھر منافقین کا، پھر مخلصین کا اور پھر ایمان والوں کو اسلام میں مکمل طور پر داخل ہونے کا فرما رہے ہیں کہ تو ربط یہ ہے کہ پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حج جیسی عاشقانہ عبادت کا ذکر فرمایا کہ حج تو تم کر رہے ہو مگر یاد رکھو اس حج میں دکھلاوا اور منافقت نہ ہونی چاہئے بلکہ خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے حج کرنا پھر یاد رکھو حج کرنے کے بعد جب تم نے عاشقانہ عبادت کی تو حج کے بعد میں اسلام کی تعلیمات اور احکام کے مطابق زندگی گذارنا کیونکہ پھر آگے قیامت ہے اور یاد رکھو قیامت میں اخلاص والوں کو بدلہ دیا جائے اور جنت دی جائے گی لہذا اخلاص پیدا کرو اپنے ہر عمل میں۔

اسلام: اسلام کہتے ہیں حوالے کرنے کو لہذا مسلمان وہ ہے جو اپنے آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے حوالہ کر دے کہ تمام حرکات و سکنات اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی رضامندی کے مطابق ہو۔

شان نزول:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت: یہ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ وہ جب نبی ﷺ پر ایمان لائے تو آپ ﷺ کی شریعت پر تو ایمان لائے مگر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی بعض چیزوں پر بھی ایمان باقی

رکھا چنانچہ وہ ہفتے کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی اونٹ کے گوشت اور دودھ سے نفرت کرتے تھے، مسلمانوں نے اسے ناپسند کیا اور کہا کہ: ہم تو ان چیزوں سے طاقت حاصل کرتے ہیں، عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سابقہ شریعت کی بعض چیزوں پر عمل پیرا رہنا چاہتے تھے تو اللہ نے یہ آیت اتاری۔[1]

یہود میں سے بعض نو مسلم اس غلط فہمی میں تھے کہ اگر وہ تورات کے بھی کچھ حصوں پر ایمان باقی رکھیں تو اس سے ان کے ایمان کو کوئی نقصان نہ ہو گا، اللہ نے ان کے لیے وضاحت نازل کی کہ ایمان میں داخل ہونے کا تقاضا ہے کہ اسلام میں جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر پورا پورا ایمان لایا جائے، کفر کے عقائد کو ترک کیا جائے، اس میں سے کسی چیز کو باقی نہ رکھا جائے، چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، اور ایسا کرنا مومنوں کے کھلے دشمن شیطان کی پیروی ہو گی، اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ بھی نازل ہوا اس پر پورا ایمان لانا لازمی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: اے ایمان والو ان لوگوں سے خطاب ہے جنہوں نے کفر کو ترک کر کے اسلام قبول کیا۔

ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً: پورے پورے سلم میں داخل ہو جاؤ" یعنی پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

السِّلْمِ سے مراد: اسلام ہے جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کی۔[2]

كَافَّةً سے مراد: پورے اسلام سے مقصود اس پر مکمل ایمان اور کسی اور چیز کے علاوہ اس کی شریعت پر مکمل عمل ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ: شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ: اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر اسلام کی حقانیت کی دلیل آجانے کے بعد بھی تم پھر گئے اور ڈگمگا گئے تو یاد رکھو اللہ سبحانہ وتعالیٰ "**عَزِيزٌ**" ہے یعنی زبردست ہے غالب ہے تو تم سے انتقام لیں گے مگر ابھی اس وجہ سے انتقام نہیں لے رہے ہیں کہ وہ "**حَكِيم**" ہے یعنی حکمت والے ہیں لہذا کسی حکمت کی وجہ سے ابھی بدلہ نہیں لے رہے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ: اصل میں کفار و مشرکین یہ چاہتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے سامنے آئے اس دنیاوی زندگی میں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیان فرما رہے ہیں کہ میں آؤنگا مگر اس دنیاوی زندگی میں نہیں بلکہ

[1] تفسیر خازن: ۱/ ۱۴۷
[2] تفسیر قرطبی: ۳/ ۲۴

قیامت کے دن آؤنگا اور میرے آنے سے پہلے میرے فرشتے آئیں گے اور وہ صفوں کو سیدھا کریں گے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے"وجآء ربک والملک صفاصفا" کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہونگے پھر اللہ ﷻ آئیں گے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ بُعِثَ، فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِالعَرْشِ ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:" سب سے پہلے میں اُٹھوں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ ﷻ کے عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہونگے میں نہیں جانتا کہ وہ بیہوش ہوئے تھے یا دنیا میں جو وہ بیہوش ہوئے تھے تو یہ اُس کا بدلہ ہو گا"۔

وَقُضِيَ الْأَمْرُ: پھر اس کے بعد تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو گا یعنی اللہ ﷻ کے تشریف لانے کے بعد حساب وکتاب ہوئے گا۔

وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ: اور سارے کے سارے کام اللہ ﷻ کی طرف ہی لوٹتے ہیں۔

سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾	پوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر عنایت کیں ہم نے انکو نشانیاں کھلی ہوئیں اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی ہو وہ نعمت اس کو تو اللہ کا عذاب سخت ہے (۲۱۱)
زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾	فریفتہ کا ہے کافروں کو دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں کو اور جو پرہیز گار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار (۲۱۲)
كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ	تھے سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری انکے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد کہ

[1] صحیح بخاری: ۹/ ۱۲۶

الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾	ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے پھر اب ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ (۲۱۳)
أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾	کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی انکو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے (۲۱۴)

سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ: اس آیت میں اللہ ﷻ آپ ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ آپ ان یہودیوں سے پوچھیں بالخصوص جو مدینہ میں رہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے اُن پر کتنے انعامات عطا فرمائے یہاں پر ان پر زجر کے لیے سوال کرنے کا فرمایا ہے۔ بنی اسرائیل پر جو نعمتیں ہوئی ہے اُن کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۴۷ میں گذر چکا ہے۔

وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ: یہاں پر ایک ایسی بات بیان ہو رہی ہے جو تمام اُن لوگوں کو شامل جو لوگ اس کے مرتکب ہیں اور وہ بات یہ ہے کہ جو بھی اللہ ﷻ کی نعمت کو تبدیل کرے گا تو "**فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**" پس اللہ ﷻ ان نعمتوں کے تبدیل کرنے والوں کو سخت عذاب دینے والے ہیں اب نعمتوں کو تبدیل کرنے میں بہت ساری چیزیں شامل ہیں جیسے ایمان اللہ ﷻ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے تو اُس ایمان کو کفر کے بدلے تبدیل کر دیا تو ایسے لوگوں کو اللہ ﷻ سخت ترین عذاب دینے والے ہیں اس طرح کئی مثالیں ہیں۔

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا: یہاں اللہ ﷻ دنیا کے بارے میں بیان فرمارہے ہیں یہ دنیا کی زندگی کافروں کے لئے مزین کر دی گئی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے: **الدنیا سجن المؤمن وجنة الكافر**۔[1] یعنی دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافروں کے لئے جنت ہے۔ یہ دنیا کی زندگی کافروں کے لئے جنت ہے کیونکہ کافروں اس دنیا میں بے فکر رہتا ہے جبکہ مؤمن کے لئے ئی دنیا قید خانہ ہے کیونکہ ایمان والا فکر مند زندگی گذارتا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ "**كن فى الدنيا كانك**

[1] صحیح مسلم: ۴/۲۲۷۱

غریب او عابر سبیل"[1] کہ دنیا میں ایسے رہ جیسے کوئی مسافر یا راستہ پار کرنے کرنے والا یعنی جس طرح مسافر اپنی منزل کی طرف چلتا رہتا ہے تو یہ دنیا بھی ایک سفر کی جگہ ہے اور منزل آخرت ہے تو آخرت کی طرف ہمیشہ چلتے رہو اسی کی فکر کرو۔

وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا: ان کافروں کا حال دنیا میں ی ہے کہ ایمان والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں چنانچہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:"**واذا مروا بھم یتغامزون**"[2] کہ جب مسلمان ان کے پاس سے گذرتے ہیں تو یہ آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں بہر حال یہ کافر کیونکہ دنیا کو اصل سمجھتے ہیں تو اسی وجہ سے اس میں مگن ہے اور ایمان والوں کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔

وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: یہاں اللہ ﷻ آخرت کا حال بیان فرمارہے ہیں جو لوگ اللہ ﷻ سے ڈرنے والے ہیں کل قیامت کے دن وہ لوگ اُن کافروں پر بُلند ہونگے۔(تقویٰ کی تفسیر سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲ میں گذر چکی ہے)۔

وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ: اور اللہ ﷻ جس کے لئے چاہے اور جس کو چاہے تو بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً: یہاں سے اللہ ﷻ ابتدائی دنیا کی بات بیان فرمارہے ہیں کہ جب حضرت سیدنا آدم علیہ السلام دنیا میں تشریف لے کر آئیں تو اُس وقت لوگ ایک ہی امت تھے۔

شریعت دو طرح کی ہیں: ا۔ تکوینی ۲۔ تشریعی۔

ا۔ تکوینی: اس میں دنیا میں رہنا کار ہن سہن سکھایا جاتا ہے۔

۲۔ تشریعی: اس میں احکاماتِ الٰہی ہوتے ہیں جس پر جنت و جہنم کا دارومدار ہے یعنی اگر کسی کی شریعت کے احکام پر عمل کیا تو وہ ان شاء اللہ تعالیٰ جنت میں جائے گا اور اس شریعت کی مخالفت کرنے والا جہنم میں جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت نوح علیہ السلام تک جو شریعت تھی وہ تکوینی تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام سے تشریعی شریعت آئی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت نوح علیہ السلام تک کوئی کفر و شرک نہیں تھا بلکہ سب اللہ ﷻ کی عبادت کرتے تھے مگر اس کے بعد سے لوگوں میں شرک و کفر آنا شروع ہو گیا تو اللہ ﷻ نے حضرت نوح علیہ السلام کو شریعتِ تشریعی عطا فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سال اُن لوگوں کو تبلیغ کی تو تقریباً بیاسی لوگ آپ علیہ السلام پر ایمان لے کر آئے پھر اُس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اُن لوگوں کے لئے بد دعا کی تو اللہ ﷻ نے ان سب کو ایک طوفان کے ذریعے ہلاک کر دیا پھر اُس کے بعد دوبارہ نسل شروع ہوئی تو اسی وجہ سے حضرت نوح ﷻ کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

[1] صحیح بخاری:۸/۸۹
[2] سورۃ المطففین:۲۹

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ: پھر جب لوگوں میں کفروشرک آیا تو اللہ ﷻ نے اُن پر انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعتوں کو بھیجنا شروع کیا اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا کام یہ تھا کہ **"مبشرین"** کہ اُن کو خوشخبری سُناتے یعنی جنت کی خوشخبری سُناتے اور **"منذرین"** اور جہنم سے ڈارتے اور اُس کے ساتھ یہ بھی کیا کہ **"وانزل معھم الکتٰب بالحق"** بعضے انبیاء کرام علیہم السلام کو کتابیں عطا فرمائی جو کہ سچی کتاب تھی اور کتابیں نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ **"لیحکم بین الناس فیمااختلفوا فیه"** لوگوں کے درمیان جو اختلافات ہیں تو اُن کے درمیان اس اللہ ﷻ کی نازل کردہ کتاب کے ذریعے فیصلہ فرمائیں۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ ان کے اختلاف کا منشاء بیان فرمارہے ہیں کہ اُن کا اختلاف کسی دینی مسئلہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اُن کا اختلاف بغض کی وجہ سے تھا اور وہ بغض یہ تھا کہ نبی آخر الزمان ﷺ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں سے کیوں نہیں آئیں کیونکہ آپ ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو یہ یہودیوں کو گوارا نہیں ہوا تو اختلاف کرنے لگے۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ: اس آیت میں اللہ ﷻ نے ایک ایسی بات بیان فرمائی ہیں کہ جو انسانوں کی اصلاح کے لئے بہترین ہے وہ یہ کہ جن لوگوں کو اللہ ﷻ نے ہدایت دی اور اختلاف سے نکالا تو یہ ہدایت اُن کا کمال نہیں ہے بلکہ یہ اللہ ﷻ کے ارادے سے ہے تو ہدایت کا ملنا یا نیک اعمال کرنا انسان کا اپنا کچھ کمال نہیں ہے بلکہ یہ اللہ ﷻ کی مہربانی ہے۔ چنانچہ ایک اور جگہ فرمایا کہ **"انک لاتھدی من احببت ولٰکن اللہ یھدی من یشآء"**[1] اے نبی ﷺ آپ جس سے محبت کرتے ہیں یا جس کے لئے ہدایت چاہتے ہیں تو آپ اُن کو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ﷻ جس کو چاہے ہدایت دے، تو یہ ہدایت کا ملنا اور نیک کام کرنے کی توفیق کا مل جانا یہ اللہ ﷻ کا کرم و مہربانی ہے لہذا اس پر شکر ادا کرنا چاہئے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ: اس آیت میں اللہ ﷻ مسلمانوں سے فرمارہے ہیں کہ کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ جنت میں ایسے آسانی سے داخل ہو جاؤ گے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب مسلمانوں پر مکہ میں تکلیفیں زیادہ ہونے لگی تو وہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا اور ان تکالیف کا ذکر فرمایا تو اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی، لہذا تم سے پہلے ایسے لوگ گذرے ہیں کہ اُن کو آری سے چیر دیا گیا اور بھی بہت سی تکالیف اُن کے پاس آئی یہاں تک رسول اور اُن پر ایمان لانے والے یہ کہنے لگے کہ **"متی نصر اللہ"** اللہ ﷻ کی مدد کب آئے گی لہذا اے مسلمانوں تم بھی صبر کرو چنانچہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ **"احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لایفتنون"** کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ صرف اس بات سے وہ چھوڑ دئے جائیں گے کہ ہم

[1] سورۃ القصص:۵۶

ایمان لے آئیں اور اُن کو آزمایا نہیں جائے گا، بلکہ اُن کو آزمایا جائے یہاں تک اللہ ﷻ صبر کرنے والوں کا امتحان لے لیں۔

أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ: اس آیت میں مسلمانوں کے لئے تسلی ہے کہ پریشان مت ہو بے شک اللہ ﷻ کی مدد و نصرت قریب ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾	تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کے لئے اور قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سو وہ بیشک اللہ کو خوب معلوم ہے (۲۱۵)
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾	فرض ہوئی تم پر لڑائی اور وہ بری لگتی ہے تم کو اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲۱۶)

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ: یہاں پر اللہ ﷻ مال کو خرچ کرنے کی مصارف بیان فرمارہے ہیں کہ اے نبی ﷺ یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کہاں مال خرچ کریں؟ تو آپ فرمادیجئے کہ ان مذکورہ جگہوں میں اپنے مالوں کو خرچ کرو۔

فَلِلْوَالِدَيْنِ: پہلا مصرف اپنے والدین پر مال خرچ کرو یہ سب سے بہترین مصرف ہے۔

وَالْأَقْرَبِينَ: اپنے رشتے داروں پر مال کو خرچ کرو کیونکہ اس میں بھی صلہ رحمی کا پہلو ہے۔

وَالْيَتَامَىٰ: یتیموں پر اپنا مال خرچ کرو، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انا وکافل الیتیم فی الجنة هکذا" [1] جنت میں، میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا یوں ہونگے جیسا کہ یہ دو انگلیاں (شہادت انگلی اور بیچ والی انگلی)۔

وَالْمَسَاكِينِ: اور مسکینوں پر مال خرچ کرنا بھی بہترین مصرف ہے۔

وَابْنِ السَّبِيلِ: مسافروں پر مال خرچ کرنا بھی بہترین مصرف ہے۔

فائدہ: ان مصارف سے مراد زکوٰۃ کے مصارف نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ کے مصارف ہیں۔

[1] صحیح بخاری: ۸/۹

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ: اور تم جو بھی خیر کا کام کرتے ہو اور جہاں بھی مال خرچ کرتے ہو تو اللہ ﷻ سب کچھ جاننے والے ہیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جب تمہارے اوپر ظلم ہو رہا تھا تو تم جہاد کرنے کی اجازت چاہتے تھے اور اب تم کو اجازت مل گئی ہے کہ تم پر جہاد کرنا فرض کر دیا گیا ہے اور تم اس کو ناپسند سمجھتے ہو۔

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ: اس آیت میں اللہ ﷻ اصول بیان فرمارہے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز کو ناپسند سمجھ رہے ہوتے ہیں مگر وہ چیز ہمارے حق میں بہتر ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز کو پسند کرتے ہیں مگر وہ چیز ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوتی ہے لہذا اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تم اپنی رضا کو اللہ ﷻ کی رضا پر قربان کر دو اور بہتر اور نا بہتر کا فیصلہ اللہ ﷻ پر چھوڑ دو کیونکہ وہ بہتر جاننے والے ہیں کہ ہمارے حق میں کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں ہے چنانچہ ارشاد فرمایا "وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" کہ اللہ ﷻ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ہو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾	تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اسکے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پاویں اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جاوے حالت کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (۲۱۷)
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢١٨﴾	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۲۱۸)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾	تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا کہدے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہدے جو بچے اپنے خرچ سے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم تاکہ تم فکر کرو(۲۱۹) دنیا و آخرت کی باتوں میں اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم کہدے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملالو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے کو اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا بیشک اللہ زبردست ہے تدبیر والا(۲۲۰)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ: یہاں پر اُن سوالات کا ذکر ہو رہا ہے جو نبی کریم ﷺ سے پوچھے گئے تھے اور آپ ﷺ نے بذریعہ وحی ان سوالات کے جواب مرحمت فرمائیں ان سوالوں میں سے ایک سوال یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ اشہر حرم (رجب، ذوالقعدۃ، ذوالحج، محرم الحرام) کے مہینے میں قتال کرنا کیسا ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے ایک لشکر کو جہاد کے لئے بھیجا تھا جمادی الاخری کی انتیس تاریخ کو رجب کا چاند نکل گیا تھا مگر مسلمان یہ سمجھے کے آج چاند نہیں نظر آیا ہے کیونکہ مطلع صاف نہیں تھا تو انہوں نے اگلے دن جہاد کیا تو چونکہ مشرکین بھی ان اشہر حرم کی حرمت کا خیال رکھتے تھے اور اس میں قتل و قتال نہیں کرتے تھے تو ان لوگوں نے شور مچایا کہ یہ مسلمان اشہر حرم کا خیال نہیں رکھ رہے ہیں حالانکہ مسلمانوں نے جان بوجھ کر اشہر حرم میں قتال نہیں کیا تھا اللہ ﷻ نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ سے اشہر حرم کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو اے نبی ﷺ! آپ ان سے فرمادیں کہ ان مہینوں میں قتال کرنا بہت بڑا گناہ ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کبیرہ گناہ ہے جو اے مشرکین تم نے کئے ہے اور وہ یہ ہے کہ "وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ" لوگوں کو اللہ ﷻ کے راستے سے روکنا یعنی جو لوگ ایمان لے آتے تھے تو اے مشرکین تم کو ایمان کی وجہ سے اُن کو تکالیف دیا کرتے ہو جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا وغیرہ تو یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے اسی طرح سے " وَكُفْرٌ بِهِ " کہ اللہ ﷻ کے ساتھ کفر کرنا یہ بھی بڑا گناہ ہے اسی طرح " وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ " مسلمانوں کو مسجدِ حرام سے روکنا جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ "آپ ﷺ مسجدِ حرام میں نماز پڑھتے تو

مشرکین آپ ﷺ کے اوپر اوجھڑی ڈال دیا کرتے تھے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وہ اوجھڑی آ کے اُٹھایا کرتی تھی" اسی طرح سے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو تکلیف پہنچانا اور ان کو مارنا یہ بھی گناہِ کبیرہ ہے اور اسی طرح سے" وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ "اسی طرح مسلمانوں کو مکہ سے حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کرنا یہ سب بھی بڑے گناہ ہے اور فتنہ ہے۔

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ بلکہ قتل کرنا یہ کم ہو گا بمقابلہ فتنے کے کہ تم تو اس قتل سے بڑے گناہ کے مرتکب ہو۔

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ یہ مشرکین و کفار تم سے برابر قتال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دے۔

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: اس آیت میں اللہ ﷻ مرتد کے بارے میں بیان فرمارہے ہیں اگر کوئی اسلام سے پھر جائے اور اسی حالت میں وہ مر جائے تو اس کے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

مرتد: مرتد اس کو کہتے ہے جو ایمان لانے کے بعد ایمان سے پھر جائے۔

مرتد کی سزا: اگر (نعوذ باللہ) کوئی مرد اسلام سے نکل جاتا ہے تو وہ مرتد ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ تین دن تک اس کو قید میں رکھا جائے گا اور اس دوران اس کے شکوک و شبہات کو دور کیا جائے گا اگر اس کے شکوک و شبہات دور ہو جائیں اور وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو جائیں تو وہ دیگر مسلمانوں کی طرح ہو گا۔ اور اگر شکوک و شبہات دور کرنے کے باوجود نہ مانے اور واپس اسلام میں داخل نہ ہو تو شرعاً ایسے مرتد مرد کی سزا قتل ہے جسے نافذ کرنے کا اختیار اسلامی حکومت کو ہے۔

اور اگر ارتداد اختیار کرنے والی عورت ہے تو اولاً اس کے بھی شکوک و شبہات دور کئے جائیں، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو بہتر، بصورتِ دیگر اسے تاحیات قید میں رکھا جائے گا الا یہ کہ جب وہ توبہ کرلے تو اسے رہا کر دیا جائے۔

تنبیہ: اسلامی حکومت کے علاوہ کسی بھی شخص کو مرتد کی سزا یا کوئی بھی حدود کی سزا نافذ کرنے کا حق نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ: اس آیت میں اللہ ﷻ ان لوگوں کی تعریف اور مغفرت کا فرمارہے ہیں جو لوگ ایمان لائیں اور ایمان لانے کے بعد اللہ ﷻ کے حکم سے ہجرت کی اور ہجرت کرنے کے بعد جب کہ کچھ بھی سازوسامان نہیں تھا مگر اللہ ﷻ کے حکم سے اللہ ﷻ کے راستے میں جہاد کیا تو ایسے لوگ اللہ ﷻ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ: اللہ ﷻ ایسے لوگوں کو معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ہجرت: ہجرت کے معنی ہے چھوڑنا۔

حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی بعض نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور بعض نے مکہ سے مدینہ کی طرف اور بعض نے دونوں ہجرت کی۔

ہجرت کی نیت: ہجرت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کرے کسی دنیاوی غرض کی نیت ہو گی تو پھر اس ہجرت کا ثواب نہیں ملے گا چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے:"**فمن كانت هجرته الى الله و رسوله فهجرته الى الله و رسوله**"[1] جس کی ہجرت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو گی تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو گی یعنی کامل ثواب اس کو ملے گا اور فرمایا"**فمن كانت هجرته الى دنيا يصيبها او امراة ينكحها فهجرته الى ماهاجر اليه**"[2] اور جس کی ہجرت دنیا کو حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہو گی تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہو گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

ہجرت نہ کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے: ہجرت نہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:**ان الذين توفٰهم الملئكة ظالمى انفسهم قالوا فيم كنتم قالوا كنا مستضعفين فى الارض قالوا الم تكن ارض الله واسعة فتهاجروا فيها فاولئك ماوٰهم جهنم وسآءت مصيرا۔**[3]

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہین اپنا کہتے ہیں ان سے فرشتے تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم بے بس تھے اس ملک میں کہتے ہیں فرشتے کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی جو چلے جاتے وہاں وطن چھوڑ کر سو ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے، یعنی طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ہاں جو لوگ واقعۃً مجبور و بے بس ہے تو اُن کے لئے معافی ہے چنانچہ ارشادِ ربانی ہے"**الاالمستضعفين من الرجال والنسآء والوِلدان لايستطيعون حيلةً ولايهتدون سبيلًا**"[4]

ترجمہ: مگر جو لوگ بے بس ہیں مردوں اور عورتوں اور بچوں سے جو کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور کہیں کا راستہ نہیں جانتے ہیں (سو ایسے لوگوں پر کوئی حرج نہیں ہے)۔

[1] صحیح بخاری: ۱/۶
[2] صحیح بخاری: ۱/۶
[3] سورۃ النسآء: ۹۷
[4] سورۃ النسآء: ۹۸

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ہجرت کے لئے نکلے مگر راستے میں ان کا انتقال ہو گیا تو ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ"**ومن یخرج من بیته مهاجراً الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله**"[1]

ترجمہ: اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور رسول کی طرف پھر آپکڑے اس کو موت تو مقرر ہو چکا اس کا ثواب اللہ ﷻ کے ہاں، یعنی مخلصین کا اجر اللہ ﷻ مکمل دیں گے۔

ہجرت کا فائدہ: جو لوگ اللہ ﷻ اور سول اللہ ﷺ کے لئے ہجرت کرتے ہیں تو ان کے بارے میں فرمایا کہ"**ومن یهاجر فی سبیل الله یجد فی الارض مرٰغما کثیراً وسعة**"[2]

ترجمہ: اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ ﷻ کی راہ میں پالے گا اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشائش، یعنی ان کو مالی اعتبار سے بھی کوئی نقصان نہیں ہو گا اور نہ کوئی تکلیف ہو گی۔

یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ: یہاں بھی آپ ﷺ سے سوال ہوا تو آپ ﷺ نے بذریعہ وحی اس کا جواب دیا سوال شراب اور جوئے کے بارے میں ہوا تو اللہ ﷻ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے فرمادیں کہ اس میں گناہ زیادہ ہے اور لوگوں کے لئے تھوڑے منافع ہے مگر"**وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا**" ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

شراب پینا: ممنوع و حرام مشروبات میں سب سے قبیح چیز شراب ہے۔ شروع اسلام میں لوگ شراب پیتے تھے، چونکہ اس کی اجازت پہلے سے چلی آرہی تھی اور شراب کا پینا لوگوں میں نسلاً چلا آرہا تھا، اسلام نے اس کو تدریجاً حرام کیا ہے۔

شراب کی حرمت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا اور سوال بھی شامل ہے، چنانچہ امام ابوداود روایت نقل فرماتے ہیں کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ خمر (شراب) کے متعلق شافی حکم بیان فرما تو سورۃ البقرۃ کی یہ آیت نازل ہوئی: **یسئلونک عن الخمر و المیسر۔**[3] یعنی لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی: **یا أیها الذین آمنوا لا تقربوا الصلاة و انتم سکاری۔**[4]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم جب حالت نشہ میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔

[1] سورۃ النسآء:۱۰۰
[2] سورۃ النسآء:۱۰۰
[3] سورۃ البقرۃ:۲۱۹
[4] سورۃ النساء:۴۳

اس آیت کے نزول پر رسول اللہ ﷺ کے منادی نے آواز لگائی کہ کوئی شخص نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی اے اللہ: خمر کے بارے میں شافی حکم نازل فرما تو یہ آیت نازل ہوئی: **یا أیها الذین آمنوا انما الخمر و المیسروالانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون. انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر و یصدکم عن ذکر الله و عن الصلاة فهل انتم منتهون.**[1] یعنی اے ایمان والو! بلاشبہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے، سب گندے کام ہیں شیطان کے، سو ان سے بچو تا کہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں شراب اور جوئے کے ذریعہ دشمنی اور بغض اور تم کو روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے، سو کیا تم باز آگئے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم باز آگئے۔

حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ شراب کی حرمت تدریجاً ہوئی اور آخری آیات کہ جن میں حرمت صراحتاً آگئی وہ سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۹۰۔۹۱ ہے۔

ذیل میں شراب کے بارے میں چند احادیث درج کرتا ہوں۔

۱۔عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول الله ﷺ قال: من شرب الخمر فی الدنیا ثم لم یتب منها حرمها فی الآخرة۔[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا میں شراب پی وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

۲۔عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال: لایزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن ولا یشرب الخمر حین یشربها و هو مؤمن و لا یسرق السارق حین یسرق و هو مؤمن۔[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زانی زنا کرتے وقت ایمان والا نہیں ہوتا، شراب پینے والا شراب پیتے وقت ایمان والا نہیں ہوتا اور چور، چوری کرتے وقت ایمان والا نہیں ہوتا۔

اس حدیث شریف جو یہ آیا ہے کہ ایمان والا نہیں ہوتا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کافر ہو جاتا ہے محدثین نے اس ایمان سے مراد ایمان کامل مراد لیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ گناہ کرتے وقت اس کا ایمان کامل نہیں رہتا۔

[1] سورۃ المائدۃ: ۹۰۔۹۱
[2] صحیح بخاری: ۱۰/۳۰
[3] صحیح بخاری: ۱۰/۳۰

۳۔عن عبد الله بن عمر ﷺ قال: قا ل رسول الله ﷺ : لعن الله الخمر و شاربها و ساقيها و بائعها و مبتاعها و عاصرها و معتصرها و حاملها والمحمولة اليه۔[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ ﷻ نے خمر پر لعنت فرمائی، اور خمر پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، خمر کو (انگور سے) نچوڑنے والے پر، اس کے بنانے والے پر، خمر کو لادنے والے پر اور جس کے پاس لاد کر لائی جائے۔

۴۔عن عبد الله بن عمر ﷺ قال: قا ل النبی ﷺ:من شرب الخمر فجعلها فی بطنه لم تقبل له صلاة سبعا، ان مات فيها مات كافرا۔[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی شراب پیئے اور شراب اس کے پیٹ میں رہ جائے تو اس کے سات دن کی نماز قبول نہیں ہو گی اگر اس حالت میں مر گیا تو کفر پر مرے گا۔ (العیاذ باللہ)

۵۔عن عروة بن رويم ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ: أوّل مانهانی ربی عن شرب الخمر و عبادة الاوثان و ملاحاة الرجال۔[3]

ترجمہ: حضرت عروہ بن رویم ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھے سب سے پہلے شراب کے پینے سے، بتوں کی عبادت کرنے سے اور لوگوں کو ملامت کرنے سے روکا۔

۶۔عن أبی هريرة ﷺ عن النبی ﷺ قال:مدمن الخمر كعابد الوثن۔[4]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ شراب پینے والا ایسا ہے جیسا کہ بتوں کی عبادت کرنیوالا۔

۷۔عن أبی سعيد الخدری ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ: لايدخل الجنة عاق ولامدمن خمر ولامنان۔[5]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ عاق کرنیوالا، شراب پینے والا اور احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

[1] سنن ابی داؤد: ۲/ ۱۶۱
[2] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۸/ ۳
[3] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۸/ ۴
[4] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۸/ ۶
[5] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۸/ ۸

۸۔عن مکحول رحمہ اللہ قال: اوصیٰ رسول اللہ ﷺ بعض أهلی ألاّ یشرب الخمر ، فان شربها مفتاح کلّ شرّ۔[1]

ترجمہ: حضرت مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بعض خاندان والوں کو نصیحت فرمائی کہ شراب نہ پیو، کیونکہ وہ تمام شر کی چابی ہے۔

مذکورہ بالا روایات سے معلوام ہوا ہے کہ شراب کی حرمت قطعی ہے، لہٰذا اس کا پینا پلانا ممکن طور پر حرام ہے۔

شراب پینے کی سزا

شراب پینا ان بدترین جرائم میں سے ہے کہ اس کے پینے والے پر حد قائم ہوتی ہے، شریعت مطہرہ نے ۸۰ کوڑے مقرر کئے ہیں۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص شراب پیئے تو اس کو کوڑے مارو، اگر وہ چوتھی دفعہ پیئے تو اس کو قتل کر دو۔

امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے مصنف عبد لرزاق میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شراب پینے والے کو اسی کوڑے مارو۔

امام طحاوی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص شراب پیئے اس کو ۸۰ کوڑے مارو۔

خمر پینے کے بارے میں تمام ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں یہ مکمل طور پر حرام ہے اور پینے والے پر چاہے قلیل مقدار میں ہی کیوں نہ ہو حد واجب ہے۔

شراب کے پینے سے نہ صرف یہ کہ روحانی طور پر نقصان ہوتا ہے بلکہ جسمانی طور پر بھی انتہائی نقصان دہ ہے۔ کئی طرح کی بیماریاں جسم میں پیدا ہوتی ہیں۔ آج کے سائنسی دور میں جہاں مختلف چیزوں پر تحقیقات ہو رہی ہیں وہاں شراب پر بھی کافی تحقیق ہوئی ہے۔ اب کوشش یہی کی جارہی ہے کہ لوگ اسے نہ پیئیں۔ کافر آج خود تھک چکے ہیں، اس کے نقصانات وہ خوب دیکھ رہے ہیں۔ اخلاقی تباہ کاریاں ایک طرف، امریکا میں سالانہ ایک لاکھ لوگ شراب کے پینے کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں، نیز شراب کی وجہ سے کام کی رفتار میں کمی کی وجہ سے سالانہ ۱۷ بلین ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔ اکثر لوگ گاڑیوں کے حادثہ میں مر جاتے ہیں جن میں زیادہ تر شراب پینے والے ڈرائیور ہوتے ہیں۔ شریعت مطہرہ نے ہر اس چیز کو جو انسانی صحت کیلئے مضر ہو، حرام قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر ہلوک نور باقی نے قرآنی آیات اور سائنسی حقائق میں تفصیلی کلام کیا ہے۔ ذیل میں ان کی کتاب سے پورا مضمون نقل کیا جارہا ہے۔

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۸/ ۱۰

۸۔عن مکحول رحمہ اللہ قال: اوصیٰ رسول اللہ ﷺ بعض أهلی ألاّ یشرب الخمر ، فان شربها مفتاح کلّ شرّ۔[1]

ترجمہ: حضرت مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بعض خاندان والوں کو نصیحت فرمائی کہ شراب نہ پیو، کیونکہ وہ تمام شر کی چابی ہے۔

مذکورہ بالا روایات سے معلوام ہوا ہے کہ شراب کی حرمت قطعی ہے، لہٰذا اس کا پینا پلانا ممکن طور پر حرام ہے۔

شراب پینے کی سزا

شراب پینا ان بدترین جرائم میں سے ہے کہ اس کے پینے والے پر حد قائم ہوتی ہے، شریعت مطہرہ نے ۸۰ کوڑے مقرر کئے ہیں۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص شراب پیئے تو اس کو کوڑے مارو، اگر وہ چوتھی دفعہ پیئے تو اس کو قتل کر دو۔

امام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے مصنف عبد لرزاق میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شراب پینے والے کو اسی کوڑے مارو۔

امام طحاوی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص شراب پیئے اس کو ۸۰ کوڑے مارو۔

خمر پینے کے بارے میں تمام ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں یہ مکمل طور پر حرام ہے اور پینے والے پر چاہے قلیل مقدار میں ہی کیوں نہ ہو حد واجب ہے۔

شراب کے پینے سے نہ صرف یہ کہ روحانی طور پر نقصان ہوتا ہے بلکہ جسمانی طور پر بھی انتہائی نقصان دہ ہے۔ کئی طرح کی بیماریاں جسم میں پیدا ہوتی ہیں۔ آج کے سائنسی دور میں جہاں مختلف چیزوں پر تحقیقات ہو رہی ہیں وہاں شراب پر بھی کافی تحقیق ہوئی ہے۔ اب کوشش یہی کی جارہی ہے کہ لوگ اسے نہ پیئیں۔ کافر آج خود تھک چکے ہیں، اس کے نقصانات وہ خوب دیکھ رہے ہیں۔ اخلاقی تباہ کاریاں ایک طرف، امریکا میں سالانہ ایک لاکھ لوگ شراب کے پینے کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں، نیز شراب کی وجہ سے کام کی رفتار میں کمی کی وجہ سے سالانہ ۱۷ بلین ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔ اکثر لوگ گاڑیوں کے حادثہ میں مر جاتے ہیں جن میں زیادہ تر شراب پینے والے ڈرائیور ہوتے ہیں۔ شریعت مطہرہ نے ہر اس چیز کو جو انسانی صحت کیلئے مضر ہو، حرام قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر ہلوک نور باقی نے قرآنی آیات اور سائنسی حقائق میں تفصیلی کلام کیا ہے۔ ذیل میں ان کی کتاب سے پورا مضمون نقل کیا جارہا ہے۔

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ: ۸/ ۱۰

آپ کو ہضم نہیں کر سکتا۔ اگرچہ فی الحال یہ پوری طرح ثابت نہیں ہوا کہ جس طرح شراب گلے اور خوراک کی نالی میں سرطان کا ذریعہ بنتی ہے، معدے کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہے، لیکن اس خیال کو تقویت حاصل ہوتی جارہی ہے کہ معدے کے سرطان میں بھی شراب کی کارستانی ہوتی ہے۔

شراب کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر بارہ انگشتی آنت (DUDENUM) پر ہوتا ہے۔ اس جگہ نہایت نازک کیمیائی اثرات وقوع پذیر ہوتے ہیں شراب اس کی اس خاصیت کو متاثر کرتی ہے جو مخصوص ہاضم لعاب خارج کرنے کی صلاحیت سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی کیمیائی حساسیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہاضمہ کیلئے اس اہم راستے کی تباہی کے بعد شراب جگر سے پیدا ہونے والے ہاضم لعاب (BILE) کے اخراج پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، تمام شرابیوں کی بارہ انگشتی آنت اور پٹنہ کی جھلی ہمیشہ بیماری کا شکار ہوتی ہیں، یا ان کا کام اکثر صحیح نہیں ہوتا۔ یہ حالت ہر شرابی کو گیس اور بدہضمی کے ذریعے مصیبت میں ڈالے رکھتی ہے۔ معدے کی یہ تکالیف آنتوں پر بھی اثر ڈالتی ہیں۔ چنانچہ نظام ہضم کا کمپیوٹر کی طرح کام کرنیوالے نظام کی حسن ترتیب اور ہم آہنگی بھی تہس نہس ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ایک صحت مند انسانی جسم ہر اس چیز کو ہضم کرلیتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے مگر یہ نظام ہضم کو خاص قسم کی ہدایات جاری کرنے سے ہوتا ہے مگر زیادہ اور مستقل طور پر شراب پینے والوں کے معاملہ میں یہ کنٹرول ختم ہو جاتا ہے اور ہضم کرنے کا عمل بلاروک ٹوک بغیر کسی تمیز کے جاری رہتا ہے اس کا نتیجہ موٹاپے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بے تحاشا ہضم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا کہ خلیوں کی درمیانی جگہ (INTERSTICES) میں چربی کا ذخیرہ کرنا شروع کردے درحقیقت چربی کی یہ کثیر مقدار دل کے پٹھوں کے نظام پر مایوکارڈک ٹیشو (MYOCARDIC TISSUE) پر چھاجاتی ہے اس طرح دل کی خطرناک قسم کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔

شراب کا سب سے زیادہ خراب اثر وہ ہے جو وہ جگر پر کرتی ہے انسانی جگر وہ حساس لیبارٹری ہے جو شراب کے ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے گھونٹ کو زہر کی طرح محسوس کرتا ہے جگر پر شراب کا اثر دو طرح سے ہوتا ہے۔

۱۔ شراب پینے کی صورت میں جگر کے خلیے الکحل ختم کرنے کی ذمہ داری میں پوری طرح مصروف ہو جاتے ہیں، اس طرح وہ اپنے دوسرے کاموں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

۲۔ جگر کے کیمیاوی عمل جو ایک سے ایک بڑھ کر حساس ہوتے ہیں، شراب کے بلاروک ٹوک اثر کے تحت درہم برہم ہو جاتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جگر کو ایک ہی عمل بار بار دہرانا پڑتا ہے اور اس طرح بے پناہ مسلسل اور بلاضرورت محنت اور مشقت سے جگر کی کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔ یہ اثرات جگر کیلئے خطرناک نتائج پیدا کرتے ہیں، ان اثرات میں زیادہ مشہور جگر کا سکڑنا (CIRRHOSIS) ہوتا ہے جو اس کا زندہ ثبوت ہوتا ہے کہ جگر کی بربادی مکمل ہو چکی ہے۔ زیادہ خطرناک ممکنات میں سے

یہ بھی ہے کہ شراب کا استعمال ایک ایک کر کے جگر کے تمام فعلوں کو تباہ کر دے گا۔

ان فعلوں میں پہلا فعل وہ ہے جس میں جگر ان اجزاء کو پیدا کرتا ہے جس سے خون کا عمل ظہور پذیر ہوتا ہے چونکہ جگر ان اجزا کو پیدا نہیں کر سکتا یا اس کی پیداوار بہت زیادہ کم ہو جاتی ہے تمام عادی شرابی اندر سے کمزور (ANAEMIC) ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے چہرے خون کی نالیوں کے بڑھنے یا کھلنے کی وجہ سے تنومند نظر آتے ہیں لیکن ان کی ہڈیوں کے گودے (BONE MARROW) (تباہ ہو چکے ہوتے ہیں، یعنی در حقیقت خون کی پیداوار کا عمل ختم یا بے حد کم ہو چکا ہوتا ہے۔

مزید بر آں جگر کی وہ استطاعت جس کی وجہ سے جسمانی تحفظ کے اعضاء جیسے مختلف قسم کے گلوبین بالخصوص (GLOBIN بنتے ہیں، شرابیوں میں خطرناک حد تک کم ہو جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں بیماریوں کیخلاف مدافعت کم سے کم ہو جاتی ہے۔

شراب بعض اوقات جگر کے فعل کے اچانک رک جانے کی وجہ سے بھی بن جاتی ہے اس صورت میں ایک شرابی بیہوشی کے عالم ہی میں مر جاتا ہے اسے جگر کا دیوالیہ پن یا (BANKRUPTCY) کہتے ہیں جگر کے سلسلے میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں اس پر شراب کے نقصان دہ اثرات کا ثبوت نہ ملتا ہو۔ اس نکتہ میں اس سے زیادہ شدت سے بیان نہیں کر سکتا۔

(ب) شراب کا خون کے دوران کے نظام پر اثر

خون کے دوران پر شراب کا اثر دو طرح سے ہوتا ہے ایک تو جگر پر اثر کے ذریعے بالواسطہ ہوتا ہے۔

دوسرا دل کی بافتوں جنہیں میوکارڈک ٹیشو (MYOCARDIC TISSUE) کہتے ہیں پر بلاواسطہ اثر کے ذریعے، جگر جو خون میں چربی کی خوراک کو تحلیل کرنے میں سب سے اہم عمل کرتا ہے، اس میں ضعف اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں خون لے جانیوالی نسیں سخت ہو جاتی ہیں جسے (ARTEMOSCLEROSIS) کہتے ہیں اس سے فشار خون بلڈ پریشر (HYPERTENSION) کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے دوسری طرف الکحل (شراب) کے تیزی سے جل جانے کے عمل سے، خون کے بہاؤ کے مخصوص طریق جسے ہم خون کے بہاؤ کی رفتار کہتے ہیں میں گڑبڑ ہو جاتی ہے، اس کی وجہ سے دل کی تھکان واقع ہو جاتی ہے۔ مزید بر آں شراب کی وجہ سے دل میں چربی کے ذرات جمع ہو جاتے ہیں اور اعصابی نظام پر نقصان دہ اثر کے ذریعے دل کے عمل میں خلل اندازی واقع ہو جاتی ہے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عادی شرابی بالآخر یا تو جگر کے فعل میں خلل کی وجہ سے یا ہارٹ فیل ہونے کی وجہ سے اپنے خاتمے کو پہنچتے ہیں۔

وہ شخص جو دل کے عارضے میں مبتلا ہو اس کیلئے شراب کا ایک قطرہ لینا بھی ایسا ہے جیسے اسے اپنی زندگی کی کوئی پرواہ نہیں اور نہ ہی اسے اپنے جسم کے کسی عضو کے نقصان کی پرواہ ہے۔ شراب کے ریسا کچھ لوگوں کے یہ بھی خیالات ہیں کہ تھوڑی اور مناسب مقدار میں شراب پینے سے دل کے تشنج یا دورے میں افاقہ ہوتا ہے۔ یہ بادی نظر میں شراب کے فوائد میں سے ایک نظر آتا ہے، مگر

سائنسی طور پر اس خیال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اگر چہ طبی تحریروں میں اس قسم کی کوئی تجویز موجود نہیں ہے لیکن بد قسمتی سے بہت سے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس کے برعکس سوچتے یا محسوس کرتے ہیں۔

انسانی گردے جنہیں دوران خون کے نظام کا آخری مقام سمجھا جائے، ان کو بھی شراب کے استعمال سے سخت نقصان پہنچتا ہے، اس لئے کہ گردے انتہائی حساس کیمیاوی جوہر کے ملاپ(VALENCE) کے مقام پر چھلنی کا کام دیتے ہیں، لیکن شراب (الکحل) اس نازک عمل کو بھی تہہ وبالا کر دیتی ہے، یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ وہ شرابیں جن میں الکحل کی مقدار کم ہوتی ہے گردوں کیلئے زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں، چنانچہ زیادہ مقدار میں بیئر (BEER) پینے والوں کے گردے اکثر خراب ہوتے ہیں۔

لمف والے(LYMPHATIC) نظام کی انسانی جسم میں بے حد اہمیت ہے اس نظام کی خون والی نالیاں شراب کے ہاتھوں ناقابل علاج نقصان اٹھاتی ہیں، اس لئے کہ چربی والے نامیاتی مرکب لائیپڈ(LIPID) کا اس نظام میں ایک بہت اہم نظام ہوتا ہے۔ شراب کا نقصان وہ اثر اس حیرانکن حد تک حفاظت بہم پہنچانے والے نظام کو برباد کر دیتا ہے۔

اگر اللہ ﷻ نے جیسا کہ مختلف آیات میں فرمایا گیا ہے اپنی عنایات کے ذریعے انسانی زندگی کو حفاظت کے دیگر طریقوں سے گھیرا ہوا نہ ہوتا تو ہمیں مزید صراحت سے نظر آتا کہ شراب کس قدر زیادہ نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

(ج) شراب کا اعصابی نظام پر اثر

شراب عصبی خلیوں کی اس باریک جھلی میں داخل ہو جاتی ہے جو نامیاتی چربی جیسے مرکب یعنی لائیپڈ(LIPID) کی حفاظت میں ہوتی ہے اس طرح اس نظام کے برقی رابطہ(ELECTRICAL COMMUNICATION) میں خلل اندازی کرتی ہے یہ خراب اثر دو مختلف ذریعوں سے ظاہر ہوتا ہے اس کا پہلا اثر نشے کے اچانک حملہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کا دیرپا اثر بہت ہی خطرناک ہوتا ہے، شراب اعصابی نظام کو روز بروز نقصان پہنچاتی ہے، جس سے کئی اقسام کی بیماریاں لگنا شروع ہو جاتی ہیں، مزید براں اگر چہ شروع شروع میں شراب کا خراب اثر غیر معمولی یا غیر واضح بھی ہو تب بھی اس کے دیرپا خراب اثرات شروع ہی سے مرتب ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ کچھ لوگوں کے یہ دعوے کہ مجھے تو شراب سے نشہ نہیں چڑھتا مجھ پر شراب کا اثر نہیں ہوتا۔ محض طفل تسلی اور خود فریبی ہے۔

شراب کے برے اثرات جوانی اور بطور خاص بچپن میں بے حد زیادہ ہوتے ہیں عام طور پر معلوم بیماریوں جیسے ہذیان(DELIRIUM) کپکپی TREMBLING)) پلائینوراٹس(PLYNEURTIS) اور کورساکوف کے مجموعہ، علامات (KORSAKOF SYNDROME) شراب کی کارستانیوں کی وجہ سے ہوتی ہیں، اس کا برا اثر اعصابی نظام کے مراکز پر ناقابل علاج حد تک ہوتا ہے۔ الفاظ کا بھولنا(AMNESIA) اور ہاتھوں کا رعشہ اسا عصابی نقصان کی نشانیاں ہوتی ہیں۔

شراب جس میں چربی پگھلانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ تخلیقی خلیوں(REPRODUCTIVE CELLS) میں داخل ہو کر ان کو بے حد نقصان پہنچاتی ہے۔

اس کی عام فہم مثالوں میں نئی نسل کی ذہانت میں کمی اور ناقص بالیدگی شامل ہیں۔ بہت سے مطالعہ جات اور سروے یہ حقیقت ظاہر کرتے جارہے ہیں کہ ذہنی طور پر غبی بچوں کے والدین اکثر و بیشتر شدید قسم کی شراب نوشی کرتے تھے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شراب عورت کے تخم(OVUM) اور بیضہ حیات(EGG CELL) کے خلیے کو بہت آسانی سے نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شرابی ماؤں کے بچے اکثر موروثی طور پر دماغی یا قلبی صدمے(SHOCK) یا جھٹکے کا شکار ہو جاتے ہیں، شرابی باپ کی طرف سے ایسے واقعات کی تعداد تیس فیصد سے زیادہ تک ہوتی ہے۔

(د) شراب کا معاشرتی نفسیات پر اثر

یہ حقیقت بار بار ثابت ہو چکی ہے کہ کس طرح شراب معاشرتی تعلقات اور استحکام پر اثر انداز ہوتی ہے، میں حسب ذیل میں ان چیدہ چیدہ اثرات کا ذکر کرونگا۔

۱۔ شرابیوں میں زود رنجی یا غصے کے فوری حملے ان کو معاشرے میں لاتعداد تنازعات میں الجھائے رکھتے ہیں۔

۲۔ لاتعداد متواتر طلاقیں معاشرے کے بنیادی ڈھانچوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں اور نتیجتاً مجرمانہ ذہنیت کے حامل بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے تمام معاشرہ خطرناک حد تک متاثر ہوتا ہے۔

۳۔ مختلف قسم کے کام کرنیوالے مزدوروں اور کاریگروں پر شراب کی وجہ سے بے دلی اور کاہلی کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس طرح ان کی کارکردگی اور مہارت پر برا اثر پڑتا ہے جس کا آخری نقصان معاشرے کو پہنچتا ہے۔

۴۔ شراب کی وجہ سے انسانوں میں ایک دوسرے کی طرف غیر ہمدردی کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی تفکر، معاشرتی اتحاد اور معاشرتی مسائل کے خلاف جہاد کا جذبہ مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

اوپر بیان کئے گئے چار قسم کے مسائل نے مغربی معاشرت دانوں کو اس قدر فکر مند کر رکھا ہے کہ انہوں نے بارہا اپنی اپنی حکومتوں کی توجہ اس طرف مبذول کروائی ہے کہ اگر شراب کا استعمال اسی طرح بڑھتا رہا تو ان ملکوں میں قومی جذبہ بالکل ختم ہو جائیگا۔

قرآن حکیم نے اس مسئلہ کی بیخ کنی کر دی ہے، جس کیلئے کسی معاشرے اور کسی فلاسفر دانشور میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس مسئلہ کو اس طرح دوٹوک طریقہ سے حل کرتا۔ یعنی شراب خوری کا یہ مسئلہ ان معاشروں کی بنیادوں تک کو آہستہ آہستہ گھن کی طرح چاٹ رہا ہے جبکہ اللہ ﷻ کے حکم نے ہمارے معاشرے کو صدیوں سے اس مصیبت سے محفوظ رکھا ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ: اس سے پہلے بھی یہ سوال کیا تھا مگر وہاں مصارف بیان ہوئے تھے زکوٰۃ کے علاوہ کے اب یہاں یہ

پوچھا جارہا ہے کہ ہم کتنا خرچ کریں تو اللہ ﷻ نے بیان فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ "**العفو**" کہ جو مال زیادہ ہو تمہاری ضروریات سے زائد ہو تو وہ خرچ کرو۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ ہم جو یہ نشانیاں بیان کرتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو۔

میرے شیخ مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ کامل انسان وہ ہے کہ جس کی فکرِ معاش اور فکرِ معاد اکمل درجے کی ہو۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامٰى: یہاں یتیموں کے بارے میں سوال ہورہا ہے۔

یتیم: اس کو کہتے ہیں جس کا باپ اس کے بچپن میں انتقال کر جائے۔

اب یہ یتیم دو طرح کے ہونگے۔

(۱) غریب

(۲) مالدار

۱۔ غریب کے اوپر پیسے خرچ کرنا اور اس کی کفالت کرنا بہت بڑا ثواب کا کام ہے اور آپ ﷺ کی جنت میں رفاقت بھی ملے گی۔

۲۔ یتیم مالدار ہے مگر اس کی کفالت کرنے والا غریب ہے اس کے بارے میں حکم یہ ہے "**وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ**"[1] یہ کفالت کرنے والا دستور کے مطابق اس کے مال سے کھاتا رہے اور اگر کفالت کرنے والا خود بھی مالدار ہے تو اس کے بارے میں فرمایا: "**وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ**"[2] اور اگر یتیم کی کفالت کرنے والا مالدار ہے تو اسے چاہئے کہ یتیم کے مال سے بچتا رہے یعنی اس میں سے نہ کھائے۔

لیکن جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاجاتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "**اِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا**"[3] جو لوگ کہ کھاجاتے ہیں یتیموں کا مال ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب آگ میں داخل ہونگے، یعنی یتیموں کا مال ناحق کھاجانا یہ دنیا میں بھی آگ کھانا اور آخرت میں جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

[1] سورۃ النسآء:۶
[2] سورۃ النسآء:۶
[3] سورۃ النسآء:۱۰

وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ: یہاں یہ بیان ہورہا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی یتیم کی کفالت کرتا ہے اور اپنا مال یتیم کے مال کے ساتھ ملا دیتا ہے اور نیت بھی صحیح ہوتی ہے تو کوئی بات نہیں ہے تم بھائی بھائی ہو تو جس طرح اپنے حقیقی بھائی کے مال کی حفاظت کرتے ہو اور ناجائز خرچ نہیں کرتے ہو تو اس مالِ یتیم کو بھی ناجائز خرچ نہیں کروگے۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ: اور اللہ ﷻ فساد پھیلانے والوں کو اور اصلاح کرنے والوں کو خوب جانتے ہیں۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ: اس آیت میں جو لوگ یتیموں کی کفالت اخلاص سے کرتے ہیں اُن کے لئے اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر اللہ ﷻ چاہتے تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتے مگر اللہ ﷻ نے تمہارے اوپر کرم کا معاملہ فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ: بے شک اللہ ﷻ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٢١﴾	اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے مشرک بی بی سے اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح نہ کردو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لے آویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت کی اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں (۲۲۱)
وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾	اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا کہدے وہ گندگی ہے سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہوویں پھر جب خوب پاک ہو جاویں تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے۔ بیشک اللہ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنے والے اور پسند آتے ہیں گندگی سے بچنے والے (۲۲۲)

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ۖ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٤﴾	تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو (۲۲۳) اور مت بناؤ اللہ ﷻ کے نام کو نشانہ اپنی قسمیں کھانے کے لئے کہ سلوک کرنے سے اور پرہیز گاری سے اور لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے (۲۲۴)

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ: یہاں پر اللہ ﷻ ایک اصول بیان فرمارہے ہیں کہ مؤمن مرد کا، کافرہ / مشرکہ عورت سے اور کافر / مشرک مرد کا، مومنہ سے نکاح ہر گز نہیں ہو سکتا بلکہ مسلمان مرد و عورت آپس میں شادی کریں گے کسی کافر یا کافرہ سے ان کا شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

اہل کتاب سے نکاح کا مسئلہ

یہ ایک اہم ترین مسئلہ ہے، یورپ میں خاص طور پر یہ مسئلہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اہلِ کتاب (یہود اور عیسائی) کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ قرآنِ کریم میں باقاعدہ اس کی اجازت ہے، چنانچہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

والمحصنٰت من الّذين أوتوا الكتاب من قبلكم۔[1]

ترجمہ: اور (حلال ہیں) تم کو پاکدامن عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی۔

اس آیت مبارکہ میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اور یہی جمہورِ اُمت کی رائے ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے ان سے نکاح بھی کیا۔

جہاں تک نفسِ مسئلہ کا تعلق ہے وہ تو میں عرض کر ہی دیا کہ جائز ہے، مگر آج کے دور میں یہ پتہ لگانا بہت ہی مشکل ہے کہ موجودہ دور میں یہ لوگ اہلِ کتاب ہیں بھی کہ نہیں؟ میری کتنوں سے ملاقاتیں ہوئی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی خدا پر ایمان نہیں رکھتے (معاذ اللہ)۔ تو دار اصل معاملہ انتہائی مشتبہ ہے کہ وہ اہلِ کتاب ہیں بھی کہ نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر مان بھی لیں کہ وہ اہلِ کتاب ہیں بھی، تو کیا ہم اس بات کی کھلی آزادی دے دیں کہ ہمارے بچے اُن سے شادیاں کرنے لگیں؟ ہاں اگر کوئی شخص ایسے

[1] سورۃ المائدۃ: ۵

ملک میں ہے کہ مسلمان عورت وہاں نہیں ہے اور اُس کو خطرہ ہے کہ زنا میں مبتلیٰ ہو سکتا ہے تو ایسے شخص کو کتابیہ سے نکاح کی اجازت ہو گی، بشرطیکہ وہ کتابیہ ہی ہو، دہریہ نہ ہو۔ مگر جہاں عام طور پر مسلمان لڑکیاں موجود ہوں تو اُن کو چھوڑ کر کتابیہ سے نکاح کا سلسلہ عام کر دیا جائے تو ہماری مسلمان بچیوں سے کون شادی کرے گا؟ اسی وجہ سے عام طور پر علمائے کرام روکتے ہیں کہ کتابیہ سے نکاح نہ کرو، اس لئے نہیں کہ جائز نہیں بلکہ دوسرے مفاسد کو سامنے رکھتے ہوئے منع کرتے ہیں۔

ذیل میں چند مفاسد درج کرتا ہوں:

☆ **مسلمان بچیوں کے لئے مشکلات ہوں گی:** لڑکے خوبصورتی کی وجہ کتابیہ سے نکاح کریں گے اور مسلمان بچیاں کنواری رہ جائیں گی۔

☆ **کھانے پینے میں اختلاف رہے گا:** کتابیہ گھر میں شراب رکھے گی اور پیئے گی، اگر شوہر منع کرے گا تو وہ کہے گی کہ ہمارے دین میں اس کی اجازت ہے، یوں اُن دونوں میں لڑائیاں ہوں گی، نیز وہ جب کھانا پکائے گی تو کھانے میں شراب بھی ڈالے گی، شوہر روکتا ہے تو لڑائی کا اندیشہ ہے اگر نہیں روکتا ہے تو گھر میں شراب کا سلسلہ جاری رہے گا اور جس گھر میں شراب پی جاتی ہو، اُس گھر میں اللہ ﷻ کی لعنت ہوتی ہے، نیز رحمت کے فرشتے ایسے گھروں میں داخل نہیں ہوتے۔

☆ **بچوں کا ایمان خطرے میں ہوتا ہے:** ماں بیٹے یا بیٹی کو اپنے دین کی طرف کھینچے گی اور باپ اپنے دین کی طرف، جمعہ کے دن باپ بچے کو مسجد لیجائے گا تو اتوار کو ماں چرچ لے جائے گی، باپ اگر روکنے کی کوشش کرے گا تو لڑائی ہو گی، ویسے بھی یورپ میں عورتوں کے حقوق بہت زیادہ ہیں، اس لئے شوہر زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتا۔

☆ **اخلاقی تباہ کاریاں:** یہ تو بہت ہی واضح ہے، آج کل کی کتابیہ عورتوں کا لباس تقریباً نہ پہننے کے برابر ہے، یہی چیز اولاد میں منتقل ہو گی، نیز ان کا غیر مردوں سے اختلاط عام سے بات ہے، بے چارے میاں صاحب کچھ بھی نہیں کر سکتے، اگر بہت ہی غیر تمند ہوا تو لڑائی کر کے طلاق دے دے گا، مگر سوال یہ ہے کہ بچوں کا کیا بنے گا؟

☆ **نسل تباہ ہونے کا خطرہ:** شادی کے بعد اولاد ہوئی، اب اگر مسلمان باپ کا انتقال ہو جاتا ہے یا طلاق کی نوبت آتی ہے، ایسی صورت میں عام طور پر بچے ماں کے ساتھ رہتے ہیں، معلوم ہوا کہ بعد میں کتابیہ نے کسی کتابی سے شادی کر لی، تو بچوں کا کیا بنے گا؟ ظاہر ہے وہ کتابی بنیں گے، پھر اُس بچے کی آگے جو اولاد ہو گی وہ بھی تو کتابی ہوں گی۔

☆ **خود شوہر کا ایمان خطرے میں:** ایسے بھی واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ اس طرح کے مرد مسجدوں سے دور رہتے ہیں، مسجدوں سے دور رہنے کی وجہ سے لوگوں کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہے؟ جب مرنے کا وقت ہوتا ہے تو وہ کچھ کر نہیں پاتا، اُس کے مرنے کے بعد اُس کے گھر والے کتابی طریقے سے اُس کو دفنا دیتے ہیں، نہ نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے اور نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان

میں دفن کیا جاتا ہے۔

☆**دوسرے مسلمانوں سے کٹ کر رہ جانا:** عام طور پر ایسے لوگوں کی مسلمان معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی، لوگ ان سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے لوگوں کی دوستی صرف اہلِ کتاب سے رہ جاتی ہے۔

بہر حال! اس طرح کے کئی اور مفاسد بھی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان مفاسد کے پیشِ نظر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منع کیا کرتے تھے کہ کتابیہ سے نکاح نہ کرو، اس لئے نہیں کہ جائز نہیں بلکہ اس لئے کہ اس کے مفاسد بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک کتابیہ سے شادی کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو منع کیا۔

کتاب الآثار میں امام محمد رحمہ اللہ اس واقعہ کو یوں نقل کرتے ہیں: **محمد رحمہ اللہ قال: أخبرنا أبو حنيفة رحمہ اللہ عن حماد رحمہ اللہ عن ابراهيم رحمہ اللہ عن حذيفة بن اليمان رضی اللہ عنہ انه تزوج يهودية بالمدائن، فكتب اليه عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ : أ ن خلّ سبيلها، فكتب اليه: أحرام هى يا أمير المؤمنين؟ فكتب اليه: أعزم عليك أن لاتضع كتابى حتّى تخلّى سبيلها، فانى أخاف أن يقتديک المسلمون، فيختاروا نساء أهل الذمة لجمالهن و كفى بذلک فتنة لنساء المسلمين- قال محمد: و به نأخذ، لا نراه حراماً و لكنا نرىٰ أن يختار عليهن نساء المسلمين، وهو قول أبى حنيفة رحمہ اللہ**۔[1] یعنی امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں اور وہ حماد رحمہ اللہ سے اور وہ ابراہیم رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے مدائن میں ایک یہودیہ شادی کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو خط لکھا کہ اُس کو چھوڑ دو، اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اے امیر المؤمنین! کیا یہ کتابیہ حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط تم رکھنے سے قبل اُس کو چھوڑ دو، کیونکہ مجھے یہ خوف ہے کہ مسلمان تمہاری پیروی کریں گے اور ذمہ عورتوں سے اُن کی خوبصورتی کی وجہ سے نکاح لریں اور مسلمان عورتوں کے لئے بڑا فتنہ ہو گا۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ہم اسی قول کو اختیار کرتے ہیں، ہم یہودی عورت سے نکاح کو حرام نہیں سمجھتے مگر ہماری رائے یہی ہے کہ مسلمان عورتوں کو اُن پر ترجیح دی جائے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہلِ کتاب سے نکاح کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو اصحابِ فتاویٰ تھے، تو گویا کہ یہ حضرت عمر فاروق کا فتوٰی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ حضرت عمر کون ہیں؟ اللہ نے قرآنِ کریم کی کتنی آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں نازل فرمائیں جن کو موافقاتِ عمر کہا جاتا ہے۔ اسلام میں کتنی چیزیں ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعد میں کیں اور تمام صحابہ نے اُن کے فیصلوں کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ

[1] کتاب الآثار: ۸۹

اُن فیصلوں کو اجماعِ صحابہ ﷺ کا شرف حاصل ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے بذریعہ وحی پہلے ہی سے بتادیا تھا کہ: **علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین**۔ یعنی تمہارے ذمہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ ایک اور خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کتابیہ سے نکاح کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت علی کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا، اُس زمانہ میں جو اہلِ کتاب تھے وہ بہر حال آج کل کے اہلِ کتاب سے ہزاروں گُنا بہتر تھے، لباس میں اور وضع قطع میں بلکہ عقیدہ میں بھی کافی بہتر تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اُس زمانہ میں بنو تغلب کے لوگوں کی حرکتیں دیکھیں تو آپ نے فرمایا کہ ان کے ذبیحہ کو کھانا حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ اب اپنے دین پر باقی نہیں رہے سوائے شراب پینے کے۔ اندازہ کریں! اگر آج حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور ہوتا تو موجودہ اہلِ کتاب کو دیکھتے تو کیا فرماتے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح ایک قول حضرت جابر بن زید کا بھی ہے کہ جب اُن سے عرب کے نصاریٰ کے بارے میں پوچھا گیا کہ اُن کی عورتوں سے سے نکاح حلال ہے؟ تو اُنہوں نے فرمایا: **لیسوا من أهل الکتاب و لا تحل نسائهم و لاطعامهم للمسلمین**۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں تو اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ وہ تو اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اس میں سخت تھے وہ تو صاف صاف انکار کیا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کتابیہ ذمیہ اور کتابیہ حربیہ میں فرق کرکے صرف کتابیہ ذمیہ سے نکاح کو جائز کہتے تھے اور کتابیہ حربیہ سے نکاح کو جائز نہیں کہتے تھے۔[2]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: **ماله و لأهل الکتاب و قد أکثر الله تعالیٰ المسلمات**۔[3]

مذکورہ بالا اقوال کے مطابق یہی عرض کروں گا بطورِ احتیاط کتابیہ سے نکاح نہ کریں۔

اللہ ﷻ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا کرے۔ (آمین)

أُولٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ: یہ کافر و مشرک تمہیں جہنم کی طرف بُلاتے ہیں اگر تم نے ان سے شادی کرلی تو تمہارا ایمان ختم کردیں گے۔

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ: اور اللہ ﷻ تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بُلاتے ہیں لہٰذا اللہ ﷻ کی پکار کی طرف لبیک کہو اور اسی کی اطاعت کرو۔

[1] مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/ ۱۶۱
[2] روح المعانی: ۵/ ۹۸
[3] روح المعانی: ۵/ ۹۸-۹۹

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ: یہاں بھی آپ ﷺ سے سوال ہو رہا ہے کہ یہ لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں "**قل هو اذى**" اے نبی ﷺ! آپ فرما دیجئے ان سے کہ وہ گندگی ہے۔

اصل میں معاملہ یہ تھا کہ یہودی جب عورت کو ماہواری آتی تھی تو اس کو بالکل علیحدہ کر دیتے تھے اس کو کھانا پینا، رہنا وغیرہ اور عیسائیوں ان ایام کو پاکی کے ایام کی طرح سمجھتے تھے اور قرابت اختیار کرتے تھے تو اسلام چونکہ ایک معتدل دین ہے تو اسلام نے کہا کہ یہ ماہواری تو گندگی ہے مگر اس میں عورتوں کو بالکل علیحدہ کرنا بھی غلط ہے اور ان ایام میں قرابت اختیار کرنا بھی غلط ہے بلکہ ان ایام میں قرابت اختیار کرنے کے علاوہ سب کام کرنا جائز ہے ان کے ساتھ کھانا پینا رہنا وغیرہ وغیرہ۔

حیض کے مسائل: ہر عورت جب بالغ ہوتی ہے تو اس کو ہر ماہ میں ماہورای آتی ہے جس کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔ ان ایام میں نماز پڑھنا معاف ہے، اسی طرح ان ایام میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا، مسجد میں داخل ہونا بھی ممنوع ہے، اسی طرح ان ایام میں روزے رکھنا بھی منع ہے مگر روزوں کی قضا کرنی ہوگی پاک ہونے کے بعد۔ اور اگر یہ ماہواری تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ ہو تو وہ "استحاضہ" ہے جس میں نماز، روزہ، تلاوت سب کچھ کر سکتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ: بے شک اللہ ﷻ خوب توبہ کرنے والوں کو اور خوب پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ کاشانِ نزول: یہود عورت کی پشت کی طرف ہو کر وطی کرنے کو ممنوع کہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس سے بچہ احول ہوتا ہے آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو اس پر یہ آیت اُتری یعنی عورتیں تمہارے واسطے بمنزلہ کھیتی کے ہیں جس میں نطفہ بجائے تخم اور اولاد بمنزلہ پیداوار کے ہے یعنی مقصودِ اصلی صرف نسل کا باقی رکھنا اور اولاد کا پیدا ہونا ہے سو تم کو اختیار ہے کہ آگے سے کروٹ سے یا پس پشت سے پڑ کر یا بیٹھ کر جس طرح چاہو مجامعت کرو مگر یہ یاد رکھو کہ تخم ریزی اسی خاص موقع میں ہو جہاں سے پیداواری کی امید ہے یعنی فرجِ خاص اور لواطت ہرگز ہرگز نہ کرنا اور یہود کا یہ خیال کہ بچہ احول ہوتا ہے سب غلط ہے۔

وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ: اپنے لئے اعمال خیر کرتے رہو اور اللہ ﷻ سے ڈرو کہیں ایسا نہ ہو کہ مال کی تنگی کے خوف سے توالد و تناسل کا سلسلہ ختم کر دو ایسا ہرگز نہ کرو کیونکہ پھر اللہ ﷻ سے ملاقات بھی ہونی ہے لہٰذا اللہ ﷻ سے ڈرو۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ: اور ایمان والوں کو خوش خبری دے دیجئے کیونکہ لوگ اللہ ﷻ کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ: اللہ ﷻ کی قسم کھا کر کسی نیک کام سے رُکنا کا ارادہ مت کرو اور نہ ہی اللہ ﷻ کی قسم کھاؤ کیونکہ نیکی کرنا لازمی چیز ہے اور تم قسم کھا کر اس نیکی سے رُک رہے ہو اگر کبھی تم نے قسم کھالی تو فوراً اپنی قسم توڑ دو۔

قسم تین طرح کی ہوتی ہے:

اوّل: یہ کہ گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے، مثلاً: قسم کھا کر یوں کہے کہ میں نے فلاں کام نہیں کیا، حالانکہ اس نے کیا تھا، محض الزام کو ٹالنے کے لئے جھوٹی قسم کھالی، یا مثلاً: قسم کھا کر یوں کہا کہ فلاں آدمی نے یہ جرم کیا ہے، حالانکہ اس بے چارے نے نہیں کیا تھا، محض اس پر الزام دھرنے کے لئے جھوٹی قسم کھالی۔ ایسی جھوٹی قسم "یمینِ غموس" کہلاتی ہے، اور یہ سخت گناہِ کبیرہ ہے، اس کا وبال بڑا سخت ہے، اللہ ﷻ سے دن رات توبہ واِستغفار کرے اور معافی مانگے، یہی اس کا کفارہ ہے، اس کے سوا کوئی کفارہ کفارہ نہیں۔

دوم: یہ کہ کسی گزشتہ واقعہ پر بے علمی کی وجہ سے جھوٹی قسم کھالے، مثلاً: قسم کھا کر کہا کہ زید آگیا ہے، حالانکہ زید نہیں آیا تھا، مگر اس کو دھوکا ہوا، اور اس نے یہ سمجھ کر کہ واقعی زید آگیا ہے، جھوٹی قسم کھالی، اس پر بھی کفارہ نہیں اور اس کو "یمینِ لغو" کہتے ہیں۔

سوم: یہ کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے، اور پھر قسم کو توڑ ڈالے، اس کو "یمینِ منعقدہ" کہتے ہیں، ایسی قسم توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔

قسم کا کفارہ:

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ میں دس مساکین کو صبح شام پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے یا دس مساکین میں سے ہر مسکین کو دو کلو گندم یا گندم کا خالص آٹا یا اس کی قیمت دیدی جائے، یا دس مسکینوں کا ایک ایک جوڑا کپڑوں کا دیدیا جائے، اور اگر قسم کھانے والا غریب ہے اور مذکورہ امور میں سے کسی پر اس کو استطاعت نہیں ہے تو پھر کفارہ قسم کی نیت سے مسلسل تین دن تک روزے رکھنے سے بھی قسم کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔[1]

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٢٥﴾	نہیں پکڑتا تم کو اللہ بیہودہ قسموں پر تمہاری لیکن پکڑتا ہے تم کو ان قسموں پر کہ جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے (۲۲۵)
لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾	جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے انکے لئے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۲۲۶)

[1] المختصر للقدوری: ۲۰۹

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴿۲۲۸﴾	اور اگر ٹھہرا لیا چھوڑ دینے کو تو بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے(۲۲۷) اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں انکے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا(۲۲۸)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ: یہاں پر یمین لغو کا بیان ہے۔

وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ: یہاں یمین منعقدہ کا بیان ہے۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ: ایلاء قسم کھانے کو کہتے ہیں اور شریعت میں ایلاء کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے لیے صحبت نہ کرنے کی قسم کھائے۔ ایلاء کی صورت میں یعنی چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے لیے صحبت نہ کرنے کی قسم کھالی اب اگر شوہر چار ماہ کے اندر بیوی سے تعلقات قائم کرتا ہے تو قسم کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے کفارہ لازم ہو گا البتہ کوئی طلاق واقع نہ ہو گی، البتہ اگر چار ماہ گزر گئے اور شوہر نے رجوع نہ کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔[1]

طلاق کی تین قسمیں ہیں:

طلاقِ رجعی

طلاقِ بائن

طلاقِ مغلظہ

[1] المختصر للقدوری:۱۶۱

"طلاقِ رجعی" یہ ہے کہ صاف اور صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دی جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی طلاق میں عدّت پوری ہونے تک نکاح باقی رہتا ہے، اور شوہر کو اختیار ہے کہ عدّت ختم ہونے سے پہلے بیوی سے رُجوع کرلے، اگر اس نے عدّت کے اندر رُجوع کرلیا تو نکاح بحال رہے گا اور دوبارہ نکاح کی ضرورت نہ ہوگی، اور اگر اس نے عدّت کے اندر رُجوع نہ کیا تو طلاق مؤثر ہو جائے گی اور وہ طلاق بائن ہو جائے گی، جس کی وجہ سے نکاح ختم ہو جائے گا، اگر دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں۔ لیکن جتنی طلاقیں وہ استعمال کرچکا ہے وہ ختم ہوگئیں، آئندہ اس کو تین میں سے صرف باقی ماندہ طلاقوں کا اختیار ہوگا، مثلاً: اگر ایک طلاق دی تھی اور اس سے رُجوع کرلیا تھا تو اَب اس کے پاس صرف دو طلاقیں باقی رہ گئیں، اور اگر دو طلاقیں دے کر رُجوع کرلیا تھا تو اَب صرف ایک باقی رہ گئی، اس کے بعد مستقبل میں اگر ایک اور طلاق دے دی تو بیوی تین طلاق کے ساتھ حرام ہو جائے گی۔

"طلاقِ بائن" یہ ہے کہ گول مول الفاظ (یعنی کنایہ کے الفاظ) میں طلاق دی ہو یا طلاق کے ساتھ کوئی ایسی صفت ذکر کی جائے جس سے اس کی سختی کا اظہار ہو، مثلاً یوں کہے کہ: "تجھ کو سخت طلاق" یا "لمبی چوڑی طلاق"۔ طلاقِ بائن کا حکم یہ ہے کہ بیوی فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے اور شوہر کو رُجوع کا حق نہیں رہتا، البتہ عدّت کے اندر بھی اور عدّت ختم ہونے کے بعد بھی دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

طلاق بائن کے مسائل:

الْكِنَايَاتُ، وَلَايَقَعُ بِهَا الطلاَقُ إلاَّبِنِيَةٍ، اَوْ دَلالَةِ حَالٍ. وَهِيَ عَلَى ضَرْبَيْنِ: مَنْها ثَلاَثَةُ اَلْفَاظٍ يَقَعُ بِهَا الطّلاقُ الرَّجْعِيُّ،وَلاَيَقَعُ بِهَا إلا وَاحَدَةٌ، وَهِيَ قَوْلُهُ: اعْتَدِّي، وَاسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ، وَاَنْتِ وَاحِدَةٌ، وَبَقِيَةُ الْكِنَايَاتِ إذا نَوَى بِهَا الطلاَقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً، وَإِنْ نَوَى بِهَا ثَلاَثاً كَانَتْ ثَلاَثاً، وَإِنْ نَوَى اثْنَتَيْنِ كَانَتْ وَاحِدَةً، وَهَذَا مِثْلُ قَوْلِهِ: اَنْتِ بَائِنٌ، وَبَتَّةٌ، وَبَتْلَةٌ، وَحَرَامٌ، وَحَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ، وَالْحَقِي بِاَهْلِكِ، وَخَلِيَةٌ، وَبَرِيَّةٌ، وَوَهَبْتُكِ لاهْلِكِ، وَسَرَّحْتُكِ، وَاخْتَارِيْ، وَفارَقْتُكِ، وَاَنْتِ حُرَّةٌ، وَتَقَنَّعِي، وَتَخَمَّرِي، وَاسْتَتِرِيْ، وَاغْرُبِيْ، وَابْتَغِي الاَزْوَاجَ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نِيَةٌ لَمْ يَقَعْ بِهٰذِهِ الاَلْفَاظِ طَلاَقٌ؛ إلا اَنْ يَكُوْنَا فِيْ مُذَاكَرَةِ الطّلاَقِ؛ فَيَقَعُ بِهَا الطّلاَقُ فِيْ الْقَضَاءِ، وَلاَيَقَعُ فِيْمَابَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالَى إلاَّ اَنْ يَنْوِيَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا فِيْ مَذَاكَرَةِ الطّلاَقِ، وَكَانافِيْ غَضَبٍ اَوْ خُصُوْمَةٍ، وَقَعَ الطّلاَقُ بِكُلِّ لَفْظٍ لاَ يُقْصَدُ بِهِ السَّبُّ وَالشَّتِيْمَةُ، وَلَمْ يَقَعْ بِمَا يُقْصَدُبِهِ السَّبُّ وَالشَّتِيْمَةُ إلاَّ اَنْ يَنْوِيَهُ.[1]

ترجمہ: (طلاق کی) دوسری قسم کنایات ہے۔ ان سے طلاق صرف اس وقت ہوگی جب نیت یا دلالت حال ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

[1] المختصر للقدوري: ۱۵۵-۱۵۶

تین الفاظ وہ ہیں جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور صرف ایک ہی واقع ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں خاوند کا کہنا عدت گزار لے، اپنا رحم خالی کر لے اور تُو ایک ہے۔ اور باقی کنایات سے جب نیت طلاق کی ہو ایک بائن ہو گی، اگر تین کی نیت کرے گا تو تین ہو جائیں گی۔ دو کی نیت کرے گا تو ایک ہو گی۔ اور اس کی مثال جیسے تو بائن، جدا ہے، الگ ہے، حرام ہے، تیری رسّی تیری گردن پر، اپنے میکے سے جا مل لے، تو خالی ہے، الگ تھلگ ہے، آزاد ہے، میں نے تجھے تیرے میکے کو بخش دیا، میں نے تجھے آزاد کیا، اختیار کر لے، میں نے تجھے جدا کیا، تو آزاد ہے، دوپٹہ کر لے (مراد شادی کر لے)، چادر اوڑھ لے، پردہ پوشی کر لے، غریب الوطن ہو جا اور خاوند ڈھونڈ لے۔ اگر نیت نہ ہو تو ان الفاظ سے کوئی طلاق نہیں ہے۔ ہاں مگر یہ کہ جب طلاق کا مذاکرہ ہو رہا ہے تو اس میں قضاء طلاق ہو جائے گی، اور خاوند اور اللہ ﷻ کے درمیان نیت کے بغیر نہ ہو گی۔ اگر دونوں میں مذاکرہ طلاق نہ ہو رہا ہو اور دونوں غصہ میں ہوں اور جھگڑ رہے ہوں تو ہر لفظ سے طلاق ہو جائے گی بشرطیکہ مقصد گالی گلوچ نہ ہو۔ اور مقصد گالی گلوچ ہو تو نیت طلاق کے بغیر طلاق نہ ہو گی۔

الكنايات لا يقع الطلاق اِلا بالنية او بدلالة الحال.[1]

ترجمہ: کنایات سے طلاق صرف اس وقت واقع ہوتی ہے جب (طلاق کی) نیت ہو یا دلالت حال ہو۔

ذیل میں کنایہ الفاظ سے طلاق بائن واقع ہونے کے بعد مزید طلاق واقع ہونے یا نہ ہونے کی وضاحت دی گئی ہے: **ان الصريح وإن كان بائنا يلحق البائن ومن ان المراد بالبائن الذي لايلحق هو ماكان كناية**۔یعنی طلاق صریح اگرچہ بائن ہو بائن سے ملحق ہو سکتی ہے اور جس بائن سے بائن ملحق نہیں ہو سکتی وہ کنایہ ہے۔

جیسے کہے "اَنْتِ وَاحِدَة" تو اکیلی ہے، گو اس میں لفظ طلاق نہیں، مگر "وَاحِدَة" طلاق کی صفت ہے۔ یعنی تجھے ایک طلاق۔ لہٰذا یہ اصل میں کنایہ نہیں، جس سے عورت بالکل حرام ہو جاتی ہے اور محلِ طلاق نہیں رہتی، بلکہ دراصل یہ صریح رجعی ہے۔ اس لیے اس کے بعد دوسری رجعی عدت کے اندر رہو سکتی ہے۔

المراد بالبائن الذي لايلحق هو ما كان بلفظ الكناية۔یعنی وہ بائن جس سے دوسری طلاق نہیں مل سکتی وہ ہے جو الفاظ کنایہ سے دی جائے۔

إذا طلقها تطليقة بائنة ثم قال لها في عدتها انت عليّ حرام او خلية او برية او بائن او بتة او شبه ذالک وهو يريد به الطلاق لم يقع عليها شي.

ترجمہ: جب خاوند نے بیوی کو ایک بائن طلاق دی پھر اسے عدت کے اندر کہا تُو میرے اوپر حرام ہے یا آزاد ہے یا بری ہے یا جدا ہے یا الگ ہے یا ان سے ملتے جلتے کلمات اور ان سے مراد طلاق لیتا ہے تو بیوی کو کوئی طلاق نہیں ہو گی۔

[1] تفصیلات کے لئے: الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی: ۱/ ۲۳۴

إن كان الطلاق رجعياً يلحقها الكنايات لان ملک النكاح باق فتقييده بالرجعي دليل على ان الصريح البائن لايلحقه الكنايات۔ یعنی اگر طلاق رجعی ہو تو اس سے کنایات لاحق ہو سکتے ہیں کیونکہ ملک نکاح باقی ہے۔ سو رجعی کی قید دلیل ہے۔ اس امر کی کہ صریح بائن کے بعد کلمات کنایہ کچھ عمل نہیں کر سکتے۔

"**طلاقِ مغلظہ**" یہ ہے کہ تین طلاق دے دے، اس صورت میں بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی اور بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ: یہاں پر طلاقِ رجعی کا بیان ہے۔

قروء: اس میں اختلاف ہے کہ اس سے حیض مراد ہے یا طہر؟

امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق طہر مراد ہے۔ اور اسی طرح کا قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نیز سالم، والقاسم، وعروة، وسليمان بن يسار، وأبي بكر بن عبد الرحمن، وأبان بن عثمان، وعطاء بن ابي رباح، وقتادہ، والزهري، اور فقہائے سبعہ رحمہم اللہ کا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے صحیح قول کے مطابق اس سے مراد حیض ہے۔ اور یہی قول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، معاذ رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، ابو موسی اشعري رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن المسیب رحمہ اللہ، نیز علقمہ رحمہ اللہ، اسود رحمہ اللہ، ابراہیم رحمہ اللہ، مجاہد رحمہ اللہ، عطاء رحمہ اللہ، طاوس رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ، محمد بن سیرین رحمہ اللہ، حسن رحمہ اللہ، قتادہ رحمہ اللہ، شعبی رحمہ اللہ، ربیع رحمہ اللہ، مقاتل بن حیان رحمہ اللہ، سدي رحمہ اللہ، مکحول رحمہ اللہ، ضحاک رحمہ اللہ، عطاء خراسانی رحمہ اللہ کا ہے۔

احناف کی سب سے بڑی دلیل ابو داود اور نسائی کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "**تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا**"۔[2] یعنی اپنی قروٴ (حیض) کے ایام میں نماز نہ پڑھو۔

فقہاء احناف رحمہم اللہ نے "**ثلاثة قروء**" میں لفظ "**ثلاثة**" سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ اگر قرء کا معنی طہر لیا جائے تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اس طہر کیا جائے گا یا نہیں، اگر اس طہر کو شمار کیا جائے تو دو طہر اور ایک طہر کا کچھ حصہ یعنی اڑھائی طہر عدت قرار پائے گی اور اگر اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو ساڑھے تین طہر عدت قرار پائے گی اور تین "قروء" صرف اسی صورت میں

[1] تفصیلات کے لئے: ابن عابدین شامی، ردالمحتار: ۳/۳۰۸
[2] سنن ابی داوٴد: ۱/۷۳

عدت ہو سکتی ہے جب قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

فقہاء احناف نے "قرء" بہ معنی حیض لینے پر یہ عقلی استدلال کیا ہے کہ عدت مشروع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ استبراء رحم ہو جائے یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ عورت کے رحم میں شوہر کا نطفہ استقرار پا گیا ہے اور بچہ بننے کا عمل شروع ہو گیا ہے یا اس کا رحم خالی اور صاف ہے، سو اگر عورت کو حیض آ گیا تو معلوم ہوا کہ اس کا رحم خالی ہے اور اگر حیض نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں نطفہ ٹھہر گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدت کی حکمت حیض سے پوری ہوتی ہے نہ کہ طہر سے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ قرء کا معنی حیض کیا جائے۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر وہ مطلقہ عورت حاملہ ہے تو اپنے حمل کو نہ چھپائے یعنی اگر کسی عورت کو طلاق دی گئی اور وہ حاملہ ہے تو وہ حمل کے دوران کسی اور سے شادی نہ کرے بلکہ اپنے حمل کو ظاہر کرے تاکہ نسب کا خلط ملط نہ ہو جائے۔

عدت کے احکام واقسام: اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی عدت نہیں ہوتی تھی۔

عدت کا لغوی معنی: گننا اور شمار کرنا، اور اس کا اصطلاح شرع میں یہ معنی ہے کہ زوال نکاح کے بعد عورت کا شوہر کے مکان میں ایک مدت معینہ تک ٹھہرنا اور انتظار کرنا۔ عورت کے حق میں عدت کا رکن یہ ہے کہ دوران عدت اس کا گھر سے باہر نکلنا حرام ہے، اور دوران عدت نکاح کرنا یا نکاح کا پیغام کرنا حرام ہے اور مرد پر لازم ہے کہ وہ عدت کے زمانہ میں عورت کو رہائش اور کھانے کا خرچ مہیا کرے۔ اگر اس نے تین طلاقیں دی ہیں تو مطلقہ اس کے گھر میں اجنبی عورت کی طرح رہے گی اور اس سے پردہ کرے گی۔ عدت کے دوران مرد پر مطلقہ کی بہن، اس کی پھوپھی، اس کی خالہ، اس کی بھتیجی اور اس کی بھانجی سے نکاح کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر مطلقہ اس کی چوتھی بیوی تھی اور بقیہ تین اس کے نکاح میں ہیں تو اب وہ دوران عدت مزید کسی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔[1]

عدت مقرر کرنے کی حکمتیں:

۱۔ عورت کے رحم کا استبراء ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں، کیونکہ اگر اس کو حیض آ گیا تو وہ حاملہ نہیں ہو گی اور اس کی عدت تین حیض ہو گی، ورنہ وضع حمل تک اس کی عدت ہو گی۔

۲۔ اگر عورت دوسرا نکاح کرتی ہے تو اس نکاح اور دوسرے نکاح کے درمیان وقفہ واقع ہونا چاہیے تاکہ اس وقفہ میں عورت کے دل ودماغ پر پہلے شوہر کے جو اثرات نقش ہو چکے تھے وہ محو ہو جائیں اور وہ خالی الذہن ہو کر دوسرے شوہر کے نکاح میں جائے۔

[1] رد المحتار: ۲/ ۵۹۸-۵۹۹

۳۔ عدت کے دوران عورت طلاق کے عواقب اور نتائج پر غور کرے کہ اس کی کس خطا یا زیادتی کی وجہ سے طلاق واقع ہوئی۔

۱۔ حاملہ بیوہ یا مطلقہ: اس کی عدت وضع حمل ہے: **وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ.**

ترجمہ: اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

۲۔ غیر حاملہ بیوہ: اس کی عدت خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ اور دس دن ہے؛ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے: **وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔**

ترجمہ: اور تم میں سے جو فوت ہو جائیں اور (اپنی) بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں روکے رکھیں۔

۳۔ حیض والی عورت: اس کی عدت طلاق اور فسخ نکاح سے تین قروء (حیض) ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ:

ترجمہ: اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

۴۔ کم سنی یا کبر سنی کی وجہ سے عورت کو حیض نہ آتا ہو:

اس کی عدت تین ماہ ہے: **وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ ۔**

ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شک ہو (کہ اُن کی عدّت کیا ہو گی) تو اُن کی عدّت تین مہینے ہے اور وہ عورتیں جنہیں (ابھی) حیض نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدّت ہے)۔

تنبیہ: مستحاضہ بھی اس میں شامل ہے۔

۵۔ وہ عورت جس کا خاوند غائب ہو جائے: جب قاضی تفریق کا فیصلہ کر دے تو وہ عدت وفات یعنی چار ماہ اور دس دن گزاریگی۔

۶۔ رخصتی سے قبل طلاق ہو جائے: اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۖ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ	طلاق رجعی ہے دو بار تک اسکے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے مگر جبکہ خاوند عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے حکم اللہ کا پھر اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کا حکم تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دیکر چھوٹ جاوے یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو

حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٢٩﴾

ان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ ﷻ کی باندھی ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ہیں ظالم (۲۲۹)

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اسکے سوا پھر اگر طلاق دیدے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر کہ پھر باہم مل جاویں اگر خیال کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی بیان فرماتا ہے ان کو واسطے جاننے والوں کے (۲۳۰)

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عدت تک تو رکھ لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو ان کو بھلی طرف سے اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کے لئے تاکہ ان پر زیادتی کرو اور جو ایسا کرے گا وہ بیشک اپنا ہی نقصان کرے گا اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اسکے ساتھ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے (۲۳۱)

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ: اس آیت میں طلاق رجعی کا ذکر ہے اگر شوہر نے دو طلاقیں دی ہیں تو شوہر عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔ اگر تین طلاقیں دے دیں تو پھر رجوع کا حق ختم ہو جائے گا اور بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ ہاں البتہ عدت گزار کر عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے اور دوسرا شوہر ہمبستری بھی کر لے، پھر کسی وجہ سے طلاق دیدے یا انتقال کر جائے اور عورت عدت طلاق یا عدت وفات گزار لے، تو اب یہ پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے اور پہلے شوہر کے پاس پھر سے تین طلاقوں کا اختیار ہو گا۔

حلالہ کی شرعی حیثیت: پہلے شوہر کے لیے عورت کے حلال ہونے کے اس شرعی ضابطے کو "تحلیل" کہتے ہیں، جس کو اردو میں

"حلالہ شرعیہ" سے تعبیر کرتے ہیں، حلالہ کا ذکر قرآن پاک کی اس آیت کریمہ میں ہے: **فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ**۔ بعض حضرات تو حلالہ کو جائز ہی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ وہ حضرات حضرت عمر کا قول نقل کرتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أنه قال وهو يخطب الناس : والله لا أوتى بمحلٍ ومحلَّل له إلا رجمتهما۔[1] یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم میں حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جارہا ہے، اُن کے پاس صرف رجم کے لئے جاؤں۔

ہمارے یہاں اگر کوئی شخص مطلقۂ ثلاثہ سے تحلیل اور حلالہ کی شرط پر ہی نکاح کر رہا ہے تو یہ فعل مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث شریف میں اس پر لعنت وارد ہوئی ہے: **لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل له.**[2]

لیکن کسی نے شریعت کی ان ہدایات پر عمل نہ کیا اور حلالہ والی صورت ہی اختیار کی تو ناپسندیدہ ہونے کے باوجود حکم شرعی یعنی پہلے خاوند کے لیے حلت ثابت ہو جائے گی۔

جیسے زنا، قتل، چوری، غصب، رشوت، خیانت، بدعہدی، ظلم وغیرہ شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ افعال ہیں۔ سختی سے ان سے بچنے کے احکام ہیں۔ مگر کوئی کسی کو ناحق قتل کر دے تو قتل ہو جائے گا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس فعل کی شرعاً سخت مذمت و ممانعت ہے لہذا کسی حکم شرعی کا سبب کیسے بن سکتے ہیں۔ قتل ناحق حکم شرعی یعنی قصاص یا دیت کا سبب بن جائے گا۔ اسی طرح "حلالہ" سخت ناپسندیدہ ہونے کے باوجود حکم شرعی ثابت کر دے گا یعنی حرمت غلیظہ ختم کر کے اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے گا۔ اسی لیے شارع نے حلالہ کرنے کروانے والے پر لعنت فرمائی مگر حلال ہونے کا انکار کہیں نہیں فرمایا۔

طلاق کی قسمیں:

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی قسموں کو بیان کر دیا جائے تاکہ لوگ بوقت ضرورت صحیح راہ اختیار کریں۔

ا۔ طلاق سنت

طلاق سنت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) طلاق احسن

(۲) طلاق حسن

[1] مصنف عبد الرزاق: ۶/ ۲۶۵

[2] سنن الترمذی: ۲/ ۴۱۹

طلاق احسن: یہ وہ طلاق ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے کہ جس میں جماع نہیں کیا اور عورت کو چھوڑے رکھے یہاں تک کہ وہ اپنی عدت گذار لے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طلاق کے اسی طریقے کو پسند کرتے تھے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک سے زائد طلاقیں دیں یہاں تک کہ عدت گذر جائے، ان کو یہ طریقہ پسند تھا بمقابلہ اس طلاق کے کہ مرد تین طلاقیں دے ہر طہر پر ایک ایک کر کے۔

طلاق حسن: یہ وہ طلاق ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جو کہ مدخول بھا ہو تین طہر میں تین طلاقیں دے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ اس طرح ہر طہر میں طلاق دینے سے فائدہ یہ ہے کہ اگر آپس میں ایک ہی طلاق کے بعد دونوں کے اختلاف ختم ہو جاتے ہیں اور شوہر رجوع کر لیتا ہے عدت ہی کے اندر تو پھر اب دونوں آپس میں اکھٹا رہ سکتے ہیں۔ اسلام کی یہ کوشش ہے کہ کسی طرح ہو سکے پوری کوشش ہو کہ میاں بیوی ساتھ ہی رہیں۔ ہاں اگر تمام طریقوں کے بعد بھی اکھٹا رہنا ممکن نہیں ہے تو یہ دوسری بات ہے مگر تین طلاقیں ایک ساتھ دے کر یہ سلسلہ ختم نہ کرے کیونکہ اس طرح کے طلاق دینے والا گنہگار ہو گا۔

۲۔ طلاق بدعت: یہ وہ طلاق ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دے یا ایک طہر میں تین طلاقیں واقع کرے۔ اس طرح تین طلاقیں دینا احناف کے نزدیک حرام ہے لیکن اگر کسی نے ایسا کر دیا تو تین طلاقیں ہو جائیں گی اور عورت کے لئے حرمت غلیظہ ثابت ہو گی البتہ طلاق دینے والا گنہگار ہو گا۔[1]

جس طرح تین طلاق ایک ساتھ دینے والا گنہگار ہوتا ہے اس طرح حالت حیض میں بھی طلاق دینے والا گنہگار ہو گا، یہ خلافِ سنت ہے کہ حالت حیض میں کوئی طلاق دے مگر اگر کسی نے یہ طلاق حالت حیض میں دے دی تو باجماعِ امت یہ طلاق ہو جائے گی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حالت حیض میں طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی، بالکل غلط ہے اور جہالت کی بات ہے۔

ایک مجلس میں تین طلاقیں

یہ ایک اہم ترین مسئلہ ہے۔ آج کل لوگ تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیتے ہیں اور پھر اِدھر اُدھر سے فتویٰ حاصل کرتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے والا گنہگار ہوتا ہے مگر طلاق تینوں ہو جاتی ہیں، یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ تین طلاق ایک ساتھ دینے سے ایک طلاق پڑتی ہے، اس طرح کے لوگ قرآن، حدیث، جمہور صحابہ، جمہور ائمہ متبوعین اور جمہور امت کے خلاف بات کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں علماءِ امت نے سینکڑوں کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ میں مختصراً اس مضمون کی اہمیت کی وجہ سے کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔

[1] المختصر للقدوری: ۱۵۴

ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت قرآن سے: مذکورہ آیت: **الطلاق مرّتان فامساک بمعروف أو تسریح باحسان۔**[1]

ترجمہ: طلاق دو بار ہے اس کے بعد یا تو بیوی کو بھلے طریقہ سے رجوع کر کے روک لے یا اچھی طریقہ سے چھوڑ دے۔

شروع میں یہ ہوتا تھا کہ لوگ بے شمار بار بیویوں کو طلاق دے دیا کرتے تھے کوئی عدد مقرر نہیں تھا، بعض لوگ بیویوں کو ستانے کے لئے یہ حرکت کرتے تھے کہ انہیں طلاق دے دی اور جب عدت ختم ہونے کو آئی تو رجوع کر لی پھر دوسری طلاق دے دی اس کے بعد ستانے کی نیت سے پھر رجوع کر لی، ان حرکتوں پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "طلاق رجعی صرف دو ہیں اس کے بعد اگر تیسرے طلاق دے دی تو رجوع کا حق ختم ہو جائے گا" چنانچہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: **فان طلّقها فلا تحلّ له بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیره۔**[2]

ترجمہ: پھر اگر اس نے (تیسری بار) طلاق دی تو یہ عورت میاں کے لئے بالکل حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔

اب یہ نہیں ہو گا کہ زمانہ جاہلیت کی طرح عورتوں کو ستایا جائے کہ جب چاہے طلاق دے دو اور جب چاہے رجوع کر لو اور کوئی حد مقرر نہ ہو۔

بہر حال! آیت بالا کا مطلب یہ ہوا کہ طلاق رجعی دو ہیں، چاہے دو الگ الگ طہر میں دی جائیں یا ایک طہر میں، الگ الگ مجلس میں دی جائیں یا ایک مجلس میں الگ الگ الفاظ میں دی جائیں یا ایک ہی لفظ میں۔ آیت میں یہ سب مطالب شامل ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے باقاعدہ ایک باب باندھا ہے (**باب من جوّز الطلاق الثلاث بقوله تعالیٰ: الطلاق مرّتان فامساک بمعروف أ و تسریح باحسان**)۔[3]

ترجمہ: اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ آیت "**الطلاق مرتان الخ**" سے تین طلاقوں کا ایک ساتھ دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں: **واتفق أئمةالفتویٰ علیٰ لزوم ایقاع الطلاق الثلاث فی کلمة واحدة ، و هو قول جمهور السلف --- و المشهور عن الحجاج بن أرطاة و جمهور السلف و الأئمة انه**

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۲۹
[2] سورۃ البقرۃ: ۲۳۰
[3] صحیح البخاری: ۹/ ۳۶۱

لازم واقع ثلاثاً، و لا فرق بين ان يوقع ثلاثاً مجتمعةفی كلمة أ متفرقةفی كلمات۔[1]

ترجمہ: ائمہ فتوی اس بات پر متفق ہیں کہ ایک کلمہ سے اگر کسی نے تین طلاقیں دی ہیں تو وہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور یہی قول جمہور سلف کا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حجاج بن ارطاۃ اور جمہور سلف اور جمہور ائمہ رحمہم اللہ کا مشہور قول یہی ہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ تین طلاقیں ایک ہی کلمہ میں جمع کر کے دیجائے (مثلاً تجھ کو تین طلاق) یا متفرق کلمات میں ادا کرے (مثلاً تجھ کو طلاق ہے، تجھ کو طلاق ہے، تجھ کو طلاق ہے)۔

ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت احادیث سے :

۱۔عن محمود بن لبيد رضی اللہ عنہ قال: أخبر رسول اللهﷺعن رجل طلّق امرأته ثلٰث تطليقات جميعاً ، فقام غضباناً ثمّ قال: أيلعبب كتاب الله و أنا بين أظهركم حتىٰ قام رجل و قال: يا رسول الله! ألا أقتله؟۔[2]

ترجمہ: حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں، آپ ﷺ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے پھر فرمایا "کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جارہا ہے جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟" ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا، کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟۔

اس حدیث شریف سے دو باتیں سامنے آئیں۔ پہلی ایک ساتھ تین طلاقیں دینا انتہائی قبیح عمل ہے۔ اجتناب کرنا چاہیے۔ دوسری اگر کوئی یہ نامناسب عمل کر لے تو واقع ہو جاتی ہے کیونکہ اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو رسول اللہ ﷺ اس موقع پر ضرور فرما دیتے کہ یہ تین طلاقیں ایک ہوئی پھر رجوع کر لو۔ چنانچہ قاضی ابو بکر ابن العربی رحمہ اللہ حدیث مذکور کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

فلم يردّهالنبی ﷺ بل أمضاه كمافی حديث عويمر العجلانیرضی اللہ عنہ فی اللعان حيث أمضیٰ طلاقه الثلاث و لم يردّه۔[3]

ترجمہ: پس رسول اللہ ﷺ نے اسے رد نہیں فرمایا بلکہ انہیں نافذ فرمادیا جس طرح عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کی لعان والی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا تھا اور رد نہیں فرمایا۔

۲۔عن سهل بن سعد الساعدیرضی اللہ عنہ (فی حديث طويل عن عويمر العجلانی فی اللعان و فيه قال سهلرضی اللہ عنہ :)فتلاعنا ، و أنا مع الناس عند رسول الله ﷺ، فلما فرغا، قال عويمررضی اللہ عنہ : كذبت عليها

[1] تفسیر قرطبی: ۵/ ۱۲۰
[2] سنن نسائی: ۶/ ۱۴۲
[3] تھذیب سنن ابی داؤد: ۳/ ۱۲۹

یارسول اللہ ان أمسکتھا، فطلّقھا ثلاثاً قبل أن یأمرہ رسول اللہ ﷺ۔[1]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے لعان والے قصے کی طویل حدیث میں یہ کہتے ہیں کہ انہوں (عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ رضی اللہ عنہا) نے لعان کیا۔ میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا، جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ: اگر میں نے اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے اس پر جھوٹ کہا ہے، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ فرمانے سے قبل ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے عویمر رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری یہ تین طلاقیں ایک طلاق ہوئی۔ آپ ﷺ کا سکوت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے تین طلاقیں ہو جاتی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ "**فقه البخاری فی تراجمه**" یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کی فقاہت ترجمۃ الباب میں ہے۔ جب انہوں نے "**باب من جوّز الطلاق الثلاث**" کے ذیل میں حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے تو دراصل یہی بتلانا چاہ رہے ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ مطلب نہ لیا تو پھر حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت کیسے ہو گی؟

۳۔عن عامر الشعبی رحمہ اللہ قال: قلت لفاطمة بنت قیس رضی اللہ عنہا :حدثینی عن طلاقکِ، قالت :طلّقنی زوجی ثلاثاً و ھو خارج الی الیمن، فأجاز ذلک رسول اللہ ﷺ۔[2]

ترجمہ: عامر شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کہا: مجھے اپنی طلاق کا قصہ بیان کیجئے، انہوں نے کہا میرے شوہر یمن گئے ہوئے تھے، انہوں نے وہیں سے مجھے تین طلاقیں دے دیں۔ آپ ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کے واقع ہونے کا قول دیا۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں "**باب من طلق ثلاثا فی مجلس واحد**" کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ امام ابن ماجہ بھی یہی بتلانا چاہ رہے ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

۴۔عن عائشة رضی اللہ عنہا: ان رجلاً طلّق امرأته ثلاثاً ، فتشوجت ، فطلّق ، فسُئل النبی ﷺ:أتحلّ للأوّل؟ قال: لا، حتیٰ یذوق عسیلتھا کما ذاق الأوّل۔[3]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اس عورت نے دوسرا نکاح کر لیا، دوسرے شوہر

[1] صحیح البخاری: ۹/ ۳۶۱
[2] سنن ابن ماجہ: ۱/ ۶۵۲
[3] صحیح البخاری: ۹/ ۳۲۶

نے (صحبت کے بغیر ہی) طلاق دے دی، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو گئی؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا "جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کر لے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہو گی"۔

اس روایت کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے "**باب من جوّز الطلاق الثلاث**" کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس حدیث سے یہی مطلب سمجھے ہیں کہ فلاں شخص نے تین طلاقیں ایک ساتھ دی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ: **فالتمسک بظاهر قوله: طلّقها ثلاثاً ، فانه ظاهر فيكونها مجموعة۔**[1]

ترجمہ: اس شخص نے جو تین طلاقیں دیں اس سے مراد تین ایک ساتھ ہی دینی مراد ہے۔

ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و فتاوے سے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک کو بالکل صحیح سمجھنے والے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کچھ وہ حضرات بھی تھے جو کہ صاحب فتاوٰی تھے۔ چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو فتوٰی کا کام رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں کرتے تھے ان میں سے تین مہاجرین میں سے تھے اور تین انصار میں سے۔ مہاجرین میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، انصار میں سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔[2] مذکورہ بالا چھ حضرات میں سے سوائے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سب کے یہی فتاوٰے تھے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں ہو جاتی تھیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت منقول نہیں ہے مگر ان سے اس کے خلاف فتوٰی بھی نہیں ہے۔

ابو بکر ابن شیبہ رحمہ اللہ اور عبد الرزاق رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتب یعنی مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق میں ان تمام حضرات کے آثار نقل کئے ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔[3]

مذکورہ بالا چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ کچھ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء نقل کرتا ہوں جو کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہونے کے قائل ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے: طحاوی: ۲/۳۰، بیہقی: ۷/۳۳۲

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔ دیکھئے: ابو داؤد: ۱/۳۰۶

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ دیکھئے: بخاری: ۹/۳۷۱، مصنف ابن شیبہ: ۵/۱۴

[1] فتح الباری: ۹/۳۶۷

[2] تفصیلات کے لئے دیکھئے: طبقات ابنِ سعد: ۲/۱۰۹

[3] تفصیلات کے لئے دیکھئے: مصنف ابنِ ابی شیبۃ: ۵/۱۱۱-۱۱۴، مصنف عبد الرزاق: ۲/۳۹۵

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے: مصنف عبد الرزاق: ۶/ ۳۳۴

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے: ابو داؤد: ۱/۳۰۶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ دیکھئے: مصنف ابن شیبہ: ۵/۲۳

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ دیکھئے: مصنف ابن شیبہ: ۵/۲۲

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے: مصنف ابن شیبہ: ۵/۱۳۔۱۴

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے: مصنف ابن شیبہ: ۵/۱۰

حضرت انس رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے: مصنف ابن شیبہ: ۵/۳۴

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے: مصنف عبد الرزاق: ۶/۳۳۶

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ۔ دیکھئے: سنن دار قطن: ۲/۴۳۸

ہم نے مختصراً اٹھارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے عرض کی کہ یہ سب حضرات تین طلاقیں ایک مجلس میں دینے سے تین طلاقیں واقع ہونے کا فتوٰی دیا کرتے تھے۔

ایک مجلس میں تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت تابعین کے آثار و فتاوٰے سے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ جمہور تابعین بھی ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہونے کا فتوٰی دیا کرتے تھے۔ ذیل میں اکیس حضرات تابعین رحمہم اللہ کے نام درج کرتا ہوں۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۲۳

۲۔ حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۱۴

۳۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۲۳

۴۔ حضرت مکحول رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۳۰

۵۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف عبد الرزاق: ۶/۳۶۲

۶۔ حضرت امام شعبی رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۲۳

۷۔ حضرت محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۱۱

۸۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۱۴

۹۔ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۲۴

۱۰۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴/۵

۱۱۔ حضرت حمید بن عبد الرحمن رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴/۵

۱۲۔ حضرت مصعب بن سعید رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳/۵

۱۳۔ حضرت ابی ملک رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳/۵

۱۴۔ حضرت عبد اللہ بن شداد رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۳/۵

۱۵۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ۔ دیکھئے: مصنف عبد الرزاق: ۳۵۵/۶

۱۶۔ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ۔ دیکھئے: سنن دار قطنی: ۴۴۴/۲

۱۷۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ۔ دیکھئے: موطا مالک: ۱۹۹

۱۸۔ حضرت سلیمان اعمش کوفی رحمہ اللہ۔ دیکھئے: سنن بیہقی: ۲۴۵/۶

۱۹۔ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ۔ دیکھئے: سنن سعید بن منصور: ۲۲۰/۳

۲۰۔ حضرت مروان بن حکم رحمہ اللہ۔ دیکھئے: موطا مالک: ۲۰۰

۲۱۔ حضرت مسروق رحمہ اللہ۔ دیکھئے: سنن سعید بن منصور: ۲۲۲/۳

آج کل طلاق ثلاثہ کے سلسلہ میں لوگ کہتے ہیں کہ عرب علماء یہ فتوی دیتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک مجلس میں دینے سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے جبکہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ عرب علماء کی بڑی تعداد اب بھی جمہور امت کے ساتھ ہیں۔ سعودی حکومت کی طرف سے ایک مجلس قائم ہے اس میں علماء کی ایک بڑی تعداد نے متفقہ طور پر یہ فتوی دیا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ میں ذیل میں ان کبار علماء کا نام درج کرتا ہوں جو اس مجلس کے اعضاء ہیں۔

۱۔ شیخ عبد اللہ بن باز

۲۔ شیخ عبد اللہ بن حمید

۳۔ شیخ محمد امین الشنقیطی

۴۔ شیخ سلیمان بن عبید

۵۔ شیخ عبد اللہ خیاط

۶۔ شیخ محمد الحرکان

۷۔ شیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ

۸۔ شیخ عبد الرزاق عفیفی

۹۔ شیخ عبد العزیز بن صالح

۱۰۔ شیخ صالح بن عصون

۱۱۔ شیخ محمد بن جبیر

۱۲۔ شیخ عبد المجید حسن

۱۳۔ شیخ راشد بن خنین

۱۴۔ شیخ صالح بن لحیدان

۱۵۔ شیخ محضار عقیل

۱۶۔ شیخ عبد اللہ بن غدیان

۱۷۔ شیخ عبد اللہ بن منیع

حوالہ کے لئے دیکھئے: مجلہ البحوث الاسلامیہ۔ رئیس التحریر: عثمان الصالح، الاشراف: جمال النہری۔ سنہ ۱۹۷۳ھ۔ الریاض۔ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ: یہاں اسی طلاقِ رجعی کا بیان ہے کہ اگر عدت کے اندر رجوع کرنا چاہو تو کر سکتے ہو مگر عدت کے گذر جانے کے بعد اس کا اختیار نہیں ہو گا۔

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا: اس آیت میں یہ منع کیا جارہا ہے کہ عورت کو تکلیف کے غرض سے مت روکو اور تم نے عورت کو تکلیف کے لئے روکا تو تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا: اس طرح عورتوں کو روک کر اللہ ﷻ کی آیات کا مذاق مت بناؤ بلکہ اللہ ﷻ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ ﷻ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ	اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو آپ نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے جبکہ راضی ہو جاویں آپس میں موافق دستور کے یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے

لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

دن پر اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲۳۲)

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور بچے والی عورتیں دودھ پلاویں اپنے بچوں کو دو برس پوری جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق نہ نقصان دیا جاوے ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو کہ جس کا وہ بچہ ہے یعنی باپ کو اسکے بچہ کی وجہ سے اور وارثوں پر بھی یہ لازم ہے پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑا لیں یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلواؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ حوالہ کر دو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے (۲۳۳)

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۳۴﴾

اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق اور اللہ کو تمہارے تمام کاموں کی خبر ہے (۲۳۴)

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیتا ہے اور وہ عورت اپنی عدت گذار لیتی ہے پھر اس کے بعد وہ دوبارہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہتی ہو تو اس کو روکنا نہیں چاہئے بلکہ اگر وہ رضامند ہے تو اپنے

پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے اور اولیاء کو اس عورت کو روکنے کا اختیار نہیں ہے۔

مسئلہ: عورت اگر بالغ ہے تو وہ اپنے اختیار سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے اور اس کے اولیاء کو اس عورت کو روکنے کا اختیار نہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ عورت کفو (برابری) میں نکاح کرے اگر وہ برابری میں نکاح نہیں کرتی ہے تو اولیاء کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ: اس آیت میں چند مسائل کا ذکر ہے۔

اول: مدتِ رضاعت یعنی وہ مدت جس میں بچہ اگر کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ عورت اس کی رضاعی ماں بن جاتی ہے اور اس سے رضاعت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ مدتِ رضاعت دو سال ہے کہ اگر دو سال کے اندر اندر کسی بچے کو دودھ پلایا تو وہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں بن جائے گی۔

دوم: عورت اپنے نسبی بچے کو بھی دو سال کے اندر اندر دودھ پلا سکتی ہے، لہٰذا دو سال سے زیادہ کی عمر میں دودھ پلانا، چاہے اپنا بچہ ہو یا کسی اور کا گناہ ہے اور حرام ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت "وحمله وفصٰله ثلٰثون شهرا" میں اللہ ﷻ بیان فرما رہے ہیں کہ بچے کا حمل اور دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس ماہ (ڈھائی سال) ہے تو مطلب یہ ہے کہ کم سے کم حمل کی مدت وہ چھ ماہ ہے یعنی اگر چھ ماہ سے کم میں کوئی عورت بچہ جنتی ہے تو اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہو گا اور اگر چھ ماہ میں بچہ جنتی ہے تو وہ بچہ ثابت النسب ہو گا لہٰذا تیس ماہ سے چھ ماہ کو کم کرے تو باقی چوبیس ماہ بچتے ہیں (دو سال) تو مدتِ رضاعت دو سال ہے۔[1]

لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ: اس سے معلوم ہوا کہ دو سال مکمل دودھ پلانا لازمی نہیں ہے مگر جو پلانا چاہے تو دو سال تک پلا سکتے ہیں۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ: اس آیت میں یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ جو والد ہے اس پر دودھ پلانے والی کا کھانا، پینا اور کپڑے دینا دستور کے مطابق لازم ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ بچے کے باپ پر لازم ہے کہ وہ عورت کو بچے کو دودھ پلانے کی وجہ سے کھانا اور کپڑا دے۔ اب چاہے یہ عورت اس کے نکاح میں ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو یہ عورت عدت میں ہو یا عدت ختم ہو گئی ہو، بہر صورت اس مرد پر عورت کا کھانا اور کپڑے دینا لازم ہے۔

[1] المختصر للقدوری: ۱۵۲

لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ: اس آیت میں اللہ ﷻ آسانی کا پہلو بیان فرمارہے ہیں کہ بچے کی وجہ سے نہ تو ماں کو ضرر پہونچے گا اور نہ ہی بچے کے والد کو کوئی ضرر پہونچایا جائے گا۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ: اگر بچے کے والد کا انتقال ہو جاتا ہے تو وارثوں پر لازم ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کا انتظام کروائے اور دودھ پلانے والی کو کھانا اور کپڑا دے۔

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا: اگر والدین بچے کا دودھ چھڑوانا چاہے تو رضامندی یا مشورہ سے اس کا دودھ چھڑوا سکتے ہیں اور ان پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ: اس آیت میں یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر کسی وجہ سے میاں بیوی کسی اور عورت سے اپنے بچے کو دودھ پلوانا چاہے تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے مگر دودھ پلانے والی کو بھی حق دے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا: یہاں اس عورت کی عدت کا بیان ہے جس کا شوہر مر جائے تو وہ چار ماہ دس دن (چاند کے لحاظ سے) عدت گذارے گی۔ اس دوران سجنے سنورنے سے پرہیز کرے گی یعنی خوشبو لگانا، اچھے کپڑے پہننا، مہندی لگانا، تیل لگانا، گھر سے بناعذر کے باہر نکلنا وغیرہ وغیرہ ان تمام کاموں سے پرہیز کرے گی اور جب عدت ختم ہو جائے تو اب اس کی مرضی ہے چاہے تو دوسری شادی کرے اور جہاں چاہے کرے اس پر شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی عورت حمل سے ہے اور اس کے شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے یا اس کا شوہر اس کو طلاق دے دیتا ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے، اس وضعِ حمل سے پہلے کہیں بھی نکاح کرنا اس عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ	اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں اللہ کو معلوم ہے کہ تم البتہ ان عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو چھپ کر مگر یہی کہ کہدو کوئی بات رواج شریعت کے موافق اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے

اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴿۲۳۵﴾	ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے(۲۳۵)
لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ﴿۲۳۶﴾	کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے کچھ مہر اور ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے لازم ہے نیکی کرنے والوں پر(۲۳۶)
وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴿۲۳۷﴾	اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ درگذر کریں عورتیں یا درگذر کرے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے گرہ نکاح کی یعنی خاوند اور تم مرد درگذر کرو تو قریب ہے پرہیز گاری سے اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے(۲۳۷)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ: اس آیت میں یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو عدت کے دوران نہ تو اس عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نکاح کا پیغام کہیں دے اور نہ ہی کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس عورت کو نکاح کا پیغام دے لیکن تعریض جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت کے سامنے لڑکے کے گھر والے یہ کہیں کہ ہمارا بیٹا یا بھائی بڑا بہادر ہے بس اس سے زیادہ بولنے کی ممانعت ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً: اس آیت میں یہ مسئلہ بیان ہو رہا ہے کہ جس عورت کو خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی جائے اور مہر مقرر نہ ہوا ہو تو اس کے لئے متعہ ہے یعنی کچھ کپڑے وغیرہ اس مطلقہ عورت کو دیا جائے **"علی الموسع قدرہ"** مالدار پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے **"وعلی المقتر قدرہ"** اور غریب پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے۔

نوٹ: یہ مسئلہ اس عورت کے متعلق ہے جس کو خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دی ہو اور اس کے لئے مہر بھی طے نہ کیا ہو۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً....: اگر ایسی عورت جس کا مہر طے ہو چکا تھا تو

اس کو خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں نصف مہر دینا ہو گا ہاں اگر وہ عورت خود معاف کر دے یا شوہر معاف کر دے (شوہر کے معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو تقسیم کی وجہ سے ملتا اس کو معاف کر دے تا کہ پورا مہر عورت کی طرف آجائے) تو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ: معاف کرنا تقوی کے زیادہ قریب ہے۔ خطاب مرد و عورت دونوں کو ہے۔

مہر کے مسائل

اسلام سے قبل عورت ہر معاشرہ میں مظلوم رہی ہے، زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ہاں بھی عورت کی حیثیت حقیر ساز و سامان سے زیادہ نہ تھی۔ دین اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے عورت کو عزت و شرافت عطا کی۔ عورتوں کا مقام و مرتبہ بلند کرنے اور ان کی شرافت و عزت نیز انسانی عصمت کا احترام ظاہر کرنے ہی کے لئے اسلام نے مردوں پر ضروری قرار دیا کہ وہ عورتوں سے مہر کے عوض نکاح کریں اور اس مہر کو خوش دلی سے ادا بھی کر دیں۔ عربوں میں مہر کا رواج تو تھا لیکن اس مہر پر عورت کا حق نہ تھا۔ لڑکی کے سرپرست شوہر سے وصول کر لیتے، لڑکی کو اس میں سے کچھ نہ ملتا یا شوہر خود ہی مہر ادا نہ کرتا، زبردستی بیوی سے معاف کرا لیتا۔

اسلام میں مہر کی یہ حیثیت ہے کہ اس کے بغیر عورت کی عصمت ہی حلال نہیں۔ مہر کے بغیر شرعاً نکاح کا کوئی تصور نہیں، قرآن پاک میں محرماتِ نکاح (جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان) کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا: **وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً۔**[1] یعنی ان کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں اس طور پر کہ تم اپنا مال (مہر) دے کر ان سے نکاح کرنا چاہو، برے کام سے بچنے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے، پھر جن سے تم فائدہ اُٹھالو، انھیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو۔

چنانچہ مہر نکاح کا ایک لازمی حصہ ہے اور تقریباً اہل علم کا اتفاق ہے کہ نکاح کے موقع پر ایجاب و قبول کے وقت اگر بالفرض مہر کا تذکرہ نہ بھی کیا جائے تب بھی عورت مہر کی حقدار ہو گی اور ایسی صورت میں اسے ،، مہر مثل ،، ملے گا (مہر مثل، اس مہر کی مقدار کو کہتے ہیں جو عورت کے خاندان میں اس جیسی عورتوں کا عموماً رہا ہو)۔ نکاح میں مہر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ احادیث میں اس شخص کے لئے بڑی سخت وعید ہے، جو نکاح کے موقع پر رسمی طور پر مہر مقرر تو کرے لیکن دل میں ادائیگی کا ارادہ نہ ہو، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **قال النبي ﷺ من نكح امرأةً وهو يريد أن يذهب بمهرها فهو عند الله زان يوم القيامة۔**[2] یعنی جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو وہ عند اللہ زانی ہے۔

[1] سورۃ النساء: ۲۴

[2] مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/ ۳۶۰

غور کیجئے کہ مہر کی ادائیگی کا ارادہ نہ ہو تو اللہ ﷻ کے نزدیک ایسے نکاح کی اور ایسے شوہر کی کیا حیثیت ہے؟ عورتوں پر مردوں کی حاکمیت و برتری کا ایک اہم سبب قرآن پاک کی رو سے ان کا عورتوں پر مال خرچ کرنا ہی ہے اور اس انفاق (مال خرچ کرنے) سے جہاں عورتوں کے نان و نفقہ کی ذمہ داری مراد ہے، وہیں ان کا مہر بھی اس میں شامل ہے، جو شوہروں پر حق واجب ہے، جسے خوش دلی سے ادا کرنے کی تاکید ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا۔[1]

ترجمہ: اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دو، پھر اگر وہ خود اپنی مرضی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے کھاؤ پیو۔

عقد نکاح کی وجہ سے شوہر کو بیوی سے جماع کرنے کا حق اور ایک طرح کی ملکیت حاصل ہوتی ہے، مہر اسی حق و ملکیت کے معاوضہ کا نام ہے، جس کی ادائیگی شوہر پر شرعاً لازم ہے۔

اسم للمال الذي يجب في النكاح على الزوج في مقابلة البضع.[2]

مہر کی ادائیگی کا شریعت میں حکم ہے، نیز نکاح کی وجہ سے شوہر کو بیوی پر ایک طرح کی ملکیت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا بیوی کو اس ملکیت کے بدلے مال دلایا جاتا ہے، اس لیے کہ عورت محترم ہے اور بغیر معاوضہ کے اس پر کوئی حق ثابت کرنے میں اس کی اہانت ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ: بعض جاہل یا انتہائی ہوشیار لوگ کہتے ہیں کہ مہر فاطمی مقرر کیا جائے اور ان کی مراد ساڑھے بتیس روپے ہوتی ہے۔ نہ جانے انہوں نے یہ کہاں سے نکال لیا۔ اس رقم سے ایک چائے بھی نہیں پی سکتے۔ حضرت فاطمہ کا مہر تو ۵۰۰ درہم مقرر ہوا تھا۔ جو کہ آج کل کے حساب سے ۱۵۳۱ گرام چاندی ہے اور اس کی آج (۳۰/جون ۲۰۲۱) کی قیمت آسٹریلین ڈالر کے مطابق ۱۶۸۳ ہے اور پاکستانی روپے کے مطابق تقریباً دو لاکھ روپے ہیں۔

بہر حال! نکاح میں مہر ضروری ہونے کے باوجود اس کی تعیین میں اعتدال مطلوب ہے۔ اسلام نے زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی لیکن روایات و احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مہر کی زیادتی پسندیدہ نہیں۔ مہر اتنا ہی مقرر کیا جانا چاہئے، جتنا کہ شوہر آسانی سے ادا کر سکے اور اس کی مالی حیثیت جس کی متحمل ہو۔

ایک حدیث میں سب سے بہتر نکاح اسے قرار دیا گیا، جس کا مہر سب سے آسان ہو۔ **خير النكاح أيسره.**[3]

[1] سورۃ النساء: ۴
[2] فتاوی شامیہ: ۴/ ۲۲۰
[3] سنن ابی داؤد: ۲/ ۲۳۸

مہر کی زیادتی اگر مطلوب و پسندیدہ ہوتی تو خود رسول کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور آپ ﷺ کی صاحبزادیوں رضی اللہ عنہن کا مہر زیادہ ہوتا حالانکہ بالعموم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مہر ساڑھے ۱۲ اوقیہ چاندی (۵ سو درہم کم و بیش ڈیڑھ سو تولہ چاندی) سے زیادہ نہ تھا۔ ازواج مطہرات میں صرف حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر ۴ ہزار درہم تھا، جسے آپکی طرف سے شاہ حبش نجاشی نے ادا کیا تھا۔ جیسا کہ گذر چکا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر بھی ۵ سو درہم ہی تھا۔

افسوس کہ آج معاشرہ میں مہر کے معاملہ میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے، صاحب حیثیت لوگ فخر و مباہات کے طور پر زیادہ سے زیادہ مہر مقرر کرتے ہیں جبکہ استطاعت ہو تو زیادہ مہر جائز تو ہے لیکن اظہار تفاخر کسی طرح درست نہیں۔

ایک افسوسناک حقیقت یہ بھی ہے کہ مہر کی ادائیگی کا رجحان بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ اکثر لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ مہر اس وقت دیا جاتا ہے، جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نہ کرے طلاق کی نوبت آجائے۔ بعض لوگ دباؤ ڈال کر معاف کرا لیتے ہیں، اس طرح حقیقتاً مہر معاف نہیں ہوتا، وہی معافی معتبر ہے جو عورت مکمل اپنی مرضی و خوشی سے معاف کرے۔ بعض جگہ یہ رواج بھی پایا جاتا ہے کہ شوہر کا اگر انتقال ہو جائے تو اس کا جنازہ گھر سے نکالنے سے قبل گھر والے بیوی سے مہر کی معافی کا اقرار کرواتے ہیں، جس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ وراثت کی تقسیم سے پہلے شرعاً بیوی کا مہر ادا کیا جائے گا کیونکہ وہ شوہر کے ذمہ قرض ہے اور قرض کی ادائیگی وراثت کی تقسیم پر مقدم ہوتی ہے۔

مہر کی اقسام:

۱۔ مہر مسمی۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) معجل: وہ مہر ہے کہ خلوت سے پہلے دینا قرار پایا ہو۔ **(ب) مؤجل:** وہ مہر ہے کہ جس کی ادائیگی کیلئے کوئی میعاد مقرر ہو۔

۲۔ مہر مثل: نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا ہو یا اس شرط کے ساتھ نکاح کیا ہو کہ مہر نہیں ہوگا، تو ایسی صورت میں مہر مثل ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے: **وان تزوجها ولم يسم لها مهرا او تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها.**[1]

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے جہاں مہر مثل کہا ہے اُس سے مراد لڑکی کے ددھیالی خاندان کی اس جیسی عورتوں کا مہر ہے، یعنی مہر مثل لڑکی کی بہنوں، پھوپیوں وغیرہ کے مہر کی مقدار کے برابر ہوتا ہے خاندان کی اس جیسی عورتوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت عقد کے وقت عمر، جمال، مال، شہر، زمانہ، عقل، دینداری، پاکدامنی، ادب، خوش اخلاقی میں لڑکی کے برابر ہو اور دونوں کنواری ہونے یا ثیبہ ہونے و نیز اولاد والی ہونے یا نہ ہونے میں برابر ہوں۔

[1] الھدایۃ: ۱/ ۱۹۹

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴿۲۳۸﴾	خبر دار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے(۲۳۸)
فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴿۲۳۹﴾	پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو پیادہ پڑھ لو یا سوار پھر جس وقت تم امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے(۲۳۹)
وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴿۲۴۰﴾	اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات اور اللہ ﷻ زبردست ہے حکمت والا(۲۴۰)
وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴿۲۴۱﴾	اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدہ کے موافق لازم ہے پرہیز گاروں پر(۲۴۱)
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴿۲۴۲﴾	اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ ﷻ تمہارے واسطے اپنے حکم تاکہ تم سمجھ لو(۲۴۲)

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ: ربط ان آیات کے درمیان یہ ہے کہ نکاح، طلاق، عدت اور بچے کی پرورش کے مسائل میں اس طرح گم نہ ہو جانا کہ نماز جیسی عظیم عبادت سے غافل ہو جاؤ۔ لہذا نماز کو ہمیشہ قائم رکھنا۔

نماز کی حفاظت کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے مستحب وقت میں پڑھا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ نماز میں کسی قسم کا سہو اور نقصان واقع نہ ہو۔

حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور اس کو ترک کرنے پر وعیدات:

۱۔عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا قَالَ :يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، فَقَالَ الْقَوْمُ :مَالَهُ مَالَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : أَرَبٌ مَالَهُ .قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ،

وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ. ذرها قال: كأنه كان على راحلته۔[1]

ترجمہ: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کر دے، آپ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ شریک نہ کرو، نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو، جب وہ شخص چلا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس شخص نے اس پر عمل کیا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

۲۔عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ :إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ، فَإِنْ تَمَّتْ تَمَّ سَائِرُ عَمَلِهِ، وَإِنْ نَقَصَتْ قِيلَ :انْظُرُوا هَلْ لَهُ مِنْ تَطَوُّعٍ؟ فَإِنْ كَانَ لَهُ تَطَوُّعٌ، قَالَ :أَتِمُّوا بِهِ مَا نَقَصَ مِنْ صَلَاتِهِ۔[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندوں کی نمازوں کو دیکھو، اگر وہ مکمل ہوں تو مکمل لکھ دی جائیں گی، اور اگر وہ ناقص ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، دیکھو کیا اس کے نوافل ہیں؟ اگر اس کے نوافل ہوں گے تو فرائض کی کمی نوافل سے پوری کر دی جائے گی۔

عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بين الرجل وبين الشرک والكفر ترک الصلاة۔[3]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان اور اس کے کفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، امام ابو داؤد رحمہ اللہ، امام ترمذی رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ، امام ابن ماجہ رحمہ اللہ، امام ابن حبان رحمہ اللہ، اور امام حاکم رحمہ اللہ، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

صلوۃ وسطی کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء:

علامہ آلوسی حنفی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: صلوۃ وسطی (درمیانی نماز) کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) اس سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

[1] صحیح ابن حبان: ۸/ ۳۸
[2] مسند ابو یعلیٰ: ۷/ ۵۶
[3] صحیح مسلم: ۱/ ۸۵

(۲)اس سے مراد عصر کی نماز ہے، کیونکہ یہ دن کی دو نماز اور رات کی دو نمازوں کے درمیان پڑھی جاتی ہے، حضرت علی ﷺ، حضرت ابن عباس ﷺ حضرت حسن ﷺ اور متعدد صحابہ کرام ﷺ اور فقہاء کرام ﷺ کا یہی نظریہ ہے امام شافعی ﷺ کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۳) اس سے مراد مغرب کی نماز ہے، کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت کی نمازوں کے درمیان متوسط ہے، حضرت قبیصہ بن ذویب ﷺ کا یہی نظریہ ہے۔

(۴)اس سے مراد عشاء کی نماز ہے، کیونکہ یہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے جن میں قصر نہیں ہے۔

(۵)اس سے مراد فجر کی نماز ہے، کیونکہ یہ دن اور رات کی نمازوں کے درمیان ہے، نیز یہ وہ منفرد نماز ہے جو دوسری نماز کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھی جاتی۔ حضرت معاذ ﷺ، حضرت جابر ﷺ، عطاء ﷺ، عکرمہ ﷺ اور مجاہد ﷺ کا یہی قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وتر ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد چاشت کی نماز ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الفطر ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الاضحی ہے ایک قول یہ ہے اس سے مراد تہجد ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز جمعہ ہے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جماعت کے ساتھ نماز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صلوۃ خوف ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔

زیادہ تر احادیث میں عصر کی نماز کو صلوۃ وسطی کہا گیا ہے اور ظہر اور فجر کی نماز کے متعلق بھی احادیث ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ ان احادیث کا بیان کریں گے۔

فجر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث:

امام مالک ﷺ نے "موطا" میں لکھا ہے کہ ہمیں حضرت علی بن ابی طالب ﷺ اور حضرت ابن عباس ﷺ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ صلوۃ وسطی صبح کی نماز ہے۔[1]

ظہر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث:

حضرت عبد اللہ بن عمر ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ صلوۃ وسطی کون سی نماز ہے تو انہوں نے کہا: ہم یہ کہتے تھے کہ صلوۃ وسطی وہ نماز ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کی طرف متوجہ کیا گیا اور وہ ظہر کی نماز ہے۔

امام احمد، امام بخاری نے اپنی "تاریخ" میں، امام ابو داؤد، امام ابن جریر، امام طحاوی، امام ابو یعلی، امام طبرانی اور امام بیہقی ﷺ نے

[1] مؤطا امام مالک: ۱/ ۱۳۹

حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھتے تھے اور یہ نماز آپ کے اصحاب پر سب سے زیادہ دشوار تھی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) "**حافظوا علی الصلوت والصلوۃ الوسطی**"۔

نیز اس نماز سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

امام طیالسی ؒ، امام ابن ابی شیبہ ؒ نے "مصنف" میں امام بخاری ؒ نے اپنی "تاریخ" میں، امام ابن ابی حاتم ؒ، امام ابو یعلی ؒ، اور امام بیہقی ؒ نے زہرہ بن معبد ؒ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت زید بن ثابت ؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو لوگوں نے حضرت اسامہ ؓ کے پاس کسی کو بھیجا اور ان سے صلوۃ وسطی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: یہ ظہر کی نماز ہے جس کو رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت پڑھتے تھے۔

امام نسائی ؒ اور امام طبرانی ؒ نے زہری ؒ کی سند سے روایت کیا ہے کہ سعید بن مسیب ؒ نے کہا: میں لوگوں کے پاس بیٹھا تھا، وہ اس میں بحث کر رہے تھے کہ صلوۃ وسطی کون سی نماز ہے؟ میں ان میں سب سے کم سن تھا۔ انہوں نے مجھے حضرت زید بن ثابت ؓ کے پاس بھیجا تاکہ میں ان سے معلوم کروں کہ صلوۃ وسطی کون سی نماز ہے؟ میں نے ان کے پاس جاکر پوچھا تو انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ہمیں ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھاتے تھے، لوگ اس وقت گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے تھے اور بازاروں میں ہوتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ایک صف یا دو صفیں ہوتی تھیں، تو یہ آیت نازل ہوئی: (آیت) "**حافظوا علی الصلوت والصلوۃ الوسطی**"۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ لگادوں گا۔

امام ابن جریر ؒ نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے۔

امام بیہقی ؒ اور امام ابن عساکر ؒ نے حضرت سعید بن مسیب ؒ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری ؓ سے سنا کہ صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے، پھر وہاں سے حضرت ابن عمر ؓ کا گزر ہوا تو لوگوں نے حضرت ابن عمر ؓ سے معلوم کیا انہوں نے کہا: صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے۔

امام ابن جریر ؒ نے حضرت ابو سعید خدری ؓ سے اور امام ابن ابی شیبہ ؒ نے عکرمہ ؒ سے روایت کیا ہے کہ صلوۃ وسطی ظہر کی نماز ہے۔[1]

عصر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث:

امام عبد الرزاق ؒ، امام ابن ابی شیبہ ؒ، امام احمد ؒ، امام بخاری ؒ، امام مسلم ؒ، امام ابو داؤد ؒ، امام ترمذی ؒ امام نسائی ؒ،

[1] روح المعانی: ۱/ ۵۴۹

امام ابن ماجہ ؒ، امام ابن جریر ؒ اور امام بیہقی ؒ، زر ؒ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: عبیدہ ؒ سے کہو کہ وہ حضرت علی ؓ سے نماز وسطی کے متعلق سوال کریں، انہوں سے سوال کیا تو حضرت علی ؓ نے جواب دیا: ہم یہ خیال کرتے تھے کہ صلوۃ وسطی فجر کی نماز ہے حتی کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ان کے ساتھ (جنگ میں) مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوۃ وسطی صلوۃ العصر نہیں پڑھ سکے، اللہ ﷻ ان کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

امام عبد الرزاق ؒ، امام ابن ابی شیبہ ؒ، امام مسلم ؒ، امام نسائی ؒ، اور امام بیہقی ؒ شیتر بن شکل ؒ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے حضرت علی ؓ سے صلوۃ وسطی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا: ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ صبح کی نماز ہے حتی کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ ﷻ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے کیونکہ انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطی پڑھنے سے مشغول کر دیا حتی کہ سورج غروب ہو گیا اور نبی کریم ﷺ نے غروب آفتاب تک ظہر اور عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔

امام ابن ابی شیبہ ؒ، امام ترمذی ؒ اور امام ابن حبان ؒ نے حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صلوۃ وسطی نماز عصر ہے۔

امام ابن جریر ؒ، امام ابن المنذر ؒ اور امام طبرانی ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خندق کے دن فرمایا: انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطی پڑھنے سے مشغول کر دیا حتی کہ سورج غروب ہو گیا، اللہ ﷻ ان کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔

امام طبرانی ؒ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطی صلوۃ عصر پڑھنے سے محروم کر دیا، اللہ ﷻ ان کے پیٹوں کو اور ان کے دلوں کو آگ سے بھر دے۔

امام احمد ؒ، امام ابن جریر ؒ اور امام طبرانی ؒ نے حضرت سمرہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (آیت) **حافظوا علی الصلوت والصلوۃ الوسطی**۔ اور ہمارے لیے صلوۃ وسطی کا نام صلوۃ عصر رکھا۔

امام عبد الرزاق ؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہو گئی گویا اس کے اہل اور مال ہلاک ہو گئے۔

امام ابن ابی شیبہ ؒ، ربیع بن خثیم ؒ سے روایت کرتے ہیں: ان سے کسی شخص نے صلوۃ وسطی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: تمام نمازوں کی حفاظت کرو صلوۃ وسطی انہیں میں سے کوئی ایک ہے۔[1]

[1] الدر المنثور: ۱/ ۳۰۳-۳۰۵

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ: اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے قیام کرو۔

باتیں نہ کرنے اور خضوع اور خشوع سے نماز پڑھنے کا حکم: امام بخاری رحمہ اللہ ، امام مسلم رحمہ اللہ ، امام ابو داؤد رحمہ اللہ ، امام ترمذی رحمہ اللہ ، امام نسائی رحمہ اللہ ، امام ابن جریر رحمہ اللہ ، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ ، امام طحاوی رحمہ اللہ ، امام ابن حبان رحمہ اللہ ، امام طبرانی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ ، حضرت زید بن ارسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نماز میں باتیں کیا کرتے تھے ، ہم میں سے ایک شخص اپنے ساتھ نماز میں کھڑے ہوئے شخص سے باتیں کرتا تھا، حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی: **وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ** پھر ہمیں نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا۔

امام عبد الرزاق رحمہ اللہ ، امام ابن المنذر رحمہ اللہ اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ پہلے مسلمان نماز میں باتیں کرتے تھے ، ایک شخص نماز میں اپنے بھائی کو کسی کام کا حکم دیتا تھا، پھر یہ آیت نازل ہوئی: **وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ** پھر ان کو کلام سے روک دیا گیا، قنوت کا معنی سکوت ہے اور قنوت کا معنی طاعت ہے۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں باتیں کیا کرتے ہیں ، ایک شخص نماز میں اپنے ساتھی سے سرگوشی کرتا ، ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے اور جواب دیتے ، حتی کہ میں ایک دن نماز میں شامل ہوا اور میں نے سلام کیا تو میرے سلام کا کسی نے جواب نہیں دیئے اور کوئی چیز مانع نہیں تھی سوا اس کے کہ ہمیں نماز میں خاموش کھڑے رہنے اور باتیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قنوت سکوت ہے۔

امام سعید بن منصور رحمہ اللہ ، امام اصبہانی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے رکوع ، خشوع اور رکوع بھی قنوت کا معنی ہے یعنی طویل قیام کرنا ، نظر نیچے رکھنا ، بازو جھکائے رکھنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا ، اور سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب میں سے فقہاء جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ادھر ادھر التفات کرنے ، کنکریاں ہٹانے ، آنکھیں بند کرنے ، کسی چیز کے ساتھ کھیلنے یا دنیاوی کاموں کے متعلق غور و فکر کرنے سے اللہ سے ڈرتے تھے۔

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ ، امام مسلم رحمہ اللہ ، امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افضل نماز وہ ہے جس میں طویل قنوت (قیام) ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ ، امام مسلم رحمہ اللہ ، امام ابو داؤد رحمہ اللہ ، امام نسائی رحمہ اللہ ، اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز میں رسول اللہ ﷺ کو سلام کرتے تھے اور آپ ﷺ ہمیں جواب دیتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے واپس آئے ، ہم نے آپ ﷺ کو سلام کیا ، آپ ﷺ نے ہمیں جواب نہ دیا۔ ہم نے (نماز کے بعد) عرض کیا: یا رسول اللہ ! ہم آپ کو سلام کرتے تھے اور آپ ﷺ جواب دیتے تھے ؟ آپ نے فرمایا: نماز میں مشغولیت ہے۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ نماز ایک ایسی عظیم الشان اور اہمیت کی حامل عبادت ہے کہ یہ کسی حال میں بھی معاف نہیں ہے لہذا اگر حالتِ سفر میں سوار ہو یا پیدل ہو اور کسی چیز کا ڈر ہو تو نماز پھر بھی پڑھنی ہے اب چاہے سواری پر سوار پو کر پڑھو یا پیدل نماز پڑھو یہ کسی بھی حال میں معاف نہیں ہے۔

فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ: یہاں حالت حضر وامن کی بات ہو رہی ہے کہ اس میں اس طرح نماز پڑھو جس طرح اللہ ﷻ نے تم کو سکھائی ہے۔

فائدہ: اس آیت سے حدیث کی حجیت ثابت ہو رہی ہے کیونکہ پورے قرآن میں کہیں بھی نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں ہے بلکہ احادیث میں آپ ﷺ نے نماز کی رکعات، اور طریقہ بیان فرمایا ہے لہذا احادیث کی حجیت کا انکار کرنا کسی حال میں درست نہیں ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا: اس آیت میں اللہ ﷻ حکم دے رہے ہیں جن عورتوں کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو ان کے شوہر کے ورثاء ان عورتوں کو ایک سال تک نہیں نکال لیں گے۔

نوٹ: یہ حکم میراث اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس دن کا حکم آنے سے پہلے کا ہے۔

فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ: اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر وہ عورتیں خود نکلتی ہیں تو شوہر کے ورثاء پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ: یہ حکم ان تمام عورتوں کو شامل ہے جن کو ان کے شوہروں نے طلاق دی ہے مگر فرق صرف یہ ہے کہ جن عورتوں کو خلوتِ صحیحہ سے پہلے اور مہر مقرر نہ ہوا ہو تو اُن کو متعہ دینا ضروری ہے اور باقی مطلقات کو دینا مستحب ہے ضروری نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٢٤٣﴾	کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر فرمایا ان کو اللہ نے کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا بیشک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (۲۴۳)
وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾	اور جہاد کرو اللہ ﷻ کے راستے میں اور جان لو کہ بلا شبہ اللہ ﷻ خوب سننے والا جاننے والا ہے (۲۴۴)

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۚ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤٥﴾	کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض پھر دوگنا کر دے اللہ اس کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کر دیتا ہے اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (۲۴۵)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ:

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: امام ابن جریر رحمہ اللہ، امام ابن المنذر رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد چار ہزار تھی اور یہ داوردان نام کے ایک شہر کے رہنے والے تھے یہ لوگ طاعون کے ڈر سے اس شہر سے بھاگ نکلے۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ، امام ابن المنذر رحمہ اللہ اور امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے سدی رحمہ اللہ کی سند سے حضرت ابومالک رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ داوردان نام کی ایک بستی جو واسط کے قریب تھی اس میں طاعون پھیل گیا۔ لوگوں کی ایک جماعت تو اس میں ٹھہری رہی اور ایک جماعت بھاگ نکلی، جو لوگ ٹھہرے رہے تھے ان میں مر گئے اور بھاگنے والے بچ گئے، جب طاعون ختم ہو گیا تو وہ لوگ واپس آ گئے، اس شہر کے زندہ بچنے والے لوگوں نے کہا: ہمارے بھائی ہم سے زیادہ سمجھ دار نکلے، کاش ہم سب ان کی طرح نکل جاتے اور سب بچ جاتے اور اگر ہم اگلے طاعون تک زندہ رہے تو ایسا ہی کریں گے۔ اگلے سال پھر طاعون آیا، اس بار سب نکل بھاگے، جو پہلے رہ گئے تھے وہ بھی اور جو نکل گئے تھے وہ بھی ان لوگوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی وہ لوگ دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں قیام پذیر ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے پاس دو فرشتے بھیجے ایک فرشتہ وادی میں قیام پذیر ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے پاس دو فرشتے بھیجے ایک فرشتہ وادی کے اوپر تھا اور دوسرا وادی کے نیچے تھا ان دونوں فرشتوں نے ان کو ندا کر کے کہا: مر جاؤ! تو وہ سب مر گئے۔ پھر جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا وہ اسی طرح مردہ پڑے رہے۔ پھر وہاں سے حضرت حزقیل علیہ السلام کا گزر ہوا، انہوں نے اتنی ساری ہڈیوں کو دیکھا تو بہت حیران ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی طرف وحی کہ آپ یہ ندا کریں کہ اے ہڈیو! اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہیں مجتمع ہونے کا حکم دیتا ہے تو وادی کے اوپر اور نیچے سے تمام ہڈیاں مجتمع ہو گئیں اور ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں جڑ گئیں اور بغیر خون اور گوشت کے ہڈیوں کے اجسام بن گئے، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ یہ کہیں کہ اے ہڈیو! اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہیں گوشت سے ملبوس ہونے کا حکم دیتا ہے تو تمام ہڈیوں پر گوشت آ گیا، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ان کو ندا کر کے یہ کہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہیں کھڑے ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ سب زندہ ہو کر اٹھ گئے اور بے اختیار انکی زبانوں پر جاری ہوا، " **سبحانک لا الہ الا انت** " اور پھر وہ اپنے شہروں کی طرف واپس گئے، وہ وہاں رہنے لگے مگر وہ جب بھی کوئی لباس پہنتے تو وہ ان کے جسم پر ایک بوسیدہ کفن کی صورت اختیار کر لیتا جس سے اس زمانہ کے لوگوں نے پہچان لیا کہ یہ لوگ در حقیقت مر چکے ہیں، وہ لوگ اپنی طبعی

حیات پوری ہونے تک وہاں رہے۔[1]

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ: اس آیت میں اللہ ﷻ جہاد کا حکم دے رہے ہیں اس سے پہلی آیت میں بیان ہوا کہ موت تو آنی ہی ہے۔ لہذا موت کے ڈر سے جہاد نہ کرنا یہ بہت غلط بات ہے۔ لہذا تم اللہ ﷻ کے راستے میں جہاد کرو۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ کون ہے جو مجھے قرضِ حسنہ دے یعنی ایسا قرض کے جس کو میں واپسی کروں گا تو اس کو کافی مقدار میں بڑھا کر واپس کروں گا لہذا ہے کوئی جو مجھے قرض دے؟

وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ: اس آیت کی دو تفسیر ہے ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔

ظاہری تفسیر: یہ ہے کہ اللہ ﷻ جس کے لئے چاہتے رزق کو تنگ کرتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں رزق کو کشادہ کر دیتے ہیں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ "**اللہ یبسط الرزق لمن یشآء ویقدر لہ**" اللہ ﷻ جس کے لئے چاہتے ہیں رزق کشادہ کرتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں رزق کو تنگ کر دیتے ہیں۔ اس قبض وبسط کا مقصد آزمائش ہے لہذا یاد رکھو اللہ ﷻ کی طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہے۔

روحانی وباطنی تفسیر: یہ ہے کہ جو بندہ سلوک کے راستے پر چلتا ہے تو اس کو قبض وبسط کی کیفیات ہوتی ہے یعنی کبھی تو ایسا محسوس ہو گا کہ عبادات میں بالکل بھی دل نہیں لگ رہا ہے تو یہ قبض کی کیفیت ہے اور کبھی عبادات میں بہت مزہ آرہا ہو گا تو یہ بسط کی کیفیت ہے۔

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ: ظاہری قبض وبسط ہو یا باطنی قبض وبسط ہو یہ ایک امتحان ہے اور سب کو اللہ ﷻ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا	کیا نہ دیکھا تو نے ایک جماعت بنی اسرائیل کو موسیٰؑ کے بعد جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کر دو ہمارے لئے ایک بادشاہ تا کہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں پیغمبر نے کہا کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر حکم ہو تم کو لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو وہ بولے ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم تو نکال دیے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر

[1] الدر المنثور: ۱/ ۳۱۰

وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾	تھوڑے سے ان میں کے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو(۲۴۶) اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ ﷻ نے مقرر فرما دیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ کہنے لگے کیونکر ہو سکتی ہے اس کو حکومت ہم پر اور ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اس سے اور اس کو نہیں ملی کشائش مال میں پیغمبر نے کہا بیشک اللہ ﷻ نے پسند فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ فراخی دی اس کو علم اور جسم میں اور اللہ ﷻ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ ﷻ ہے فضل کرنے والا سب کچھ جاننے والا(۲۴۷) اور کہا نبی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آوے تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو چھوڑ گئی تھی موسیٰ اور ہارون کی اولاد اٹھا لاویں گے اس صندوق کو فرشتے بیشک اس میں پوری نشانی ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو(۲۴۸)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ: اس آیت میں اللہ ﷻ حضرت شموئیل علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمارہے ہیں کہ جب حضرت شموئیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُن کی والدہ اُن کو بیت المقدس لے گئی اور ایک بوڑھے شخص کے حوالے کیا کہ ان کو توریت پڑھائے جب وہ جوان ہو گئے تو ایک رات وہ سو رہے تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور ان کو اللہ ﷻ کا پیغام دیا کہ آپ کو نبی علیہ السلام بنا گیا ہے اب آپ جائیں اور اللہ ﷻ کے احکامات کو لوگوں تک پہنچائیں تو جب یہ اپنی قوم کے پاس آئے تو ان کی قوم نے اُن سے کہا کہ آپ اللہ ﷻ سے کہیں کہ وہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم اللہ ﷻ کے راستے میں جہاد کریں تو اُن سے کہا گیا کہ اگر تم پر جہاد فرض ہو جائے تو کیا تم جہاد کرو گے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر جہاد فرض ہو جائے اور تم جہاد نہ کرو تو کہنے لگے کہ ہم کیوں جہاد نہیں کریں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں سے نکالا گیا اور اپنے بچوں سے جدا کیا گیا تو ہم کیوں نہیں جہاد کریں گے ؟ تو اللہ ﷻ نے ان پر جہاد فرض کر دیا تو جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان میں سب پھر گئے مگر تھوڑے لوگ نہیں پھرے تو اللہ ﷻ نے فرمایا کہ

"وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ" اللہ ﷻ ظالم کو خوب جاننے والے ہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا: حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے حضرت طالوت علیہ السلام کو آپ لوگوں کے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے کہنے لگے ان سے زیادہ ہم اس لائق ہیں کہ ہم بادشاہ بنیں۔ اصل معاملہ یہ تھا حضرت طالوت علیہ السلام حضرت بنیامن کی اولاد میں سے تھے تو ان لوگوں کو اس وجہ سے یہ بات ناپسند ہوئی اور کہنے لگے کہ وہ تو مالدار بھی نہیں ہے لہذا ہم ہی زیادہ حق دار ہیں کہ بادشاہ بنیں۔ تو حضرت شموئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے حضرت طالوت علیہ السلام کو چُنا ہے اور اُن کو علم بھی عطا کیا اور جسمانی لحاظ سے بھی طاقتور ہے اور جنگ کے حالات کو بھی خوب جانتے ہیں "وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ" اور بادشاہت کا ملنا یہ کوئی مال کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے بلکہ اللہ ﷻ جس کے لئے چاہتے ہیں اس کو بادشاہت عطا کر دیتے ہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ: بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اس میں تبرکات تھے، حضرت موسی علیہ السلام اور دیگر انبیاءِ بنی اسرائیل علیہم السلام کے اِس صندوق کو جب بھی لڑائی ہوتی تھی تو اپنے آگے رکھتے تھے تو اللہ ﷻ اس صندوق کی برکت سے ان کو فتح دے دیا کرتے تھے تو جب جالوت غالب آیا تو وہ یہ صندوق بھی لے گیا تھا جب اللہ ﷻ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو وہ کافر جہاں صندوق رکھتے وہیں وبا اور بلا آتی پانچ شہر ویران ہو گئے۔ انہوں نے اس صندوق کو دو بیلوں پر رکھ کر ان بیلوں کو ہانکایا تو وہ بیلیں حضرت طالوت علیہ السلام کے دروازے پر پہنچ گئی تو حضرت شموئیل علیہ السلام نے یہ نشانی بتائی تھی تو جب بنی اسرائیل نے یہ صندوق حضرت طالوت علیہ السلام کے پاس دیکھا تو حضرت طالوت علیہ السلام کی باشاہت پر یقین کر لیا۔

تابوت: یہ صندوق شمشاد کی لکڑی کا تھا اور اس پر سنہرا کام ہوا تھا تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا اور اس میں حضرت موسی علیہ السلام کے تبرکات اور عصا مبارک اور کچھ اسباب تھے۔

فائدہ: تبرکات انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاءِ کرام رحمہم اللہ کا بڑا فائدہ ہے کہ ان کے دیکھنے سے وسوسے دور ہو جاتے ہیں اور دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ لہذا تبرکات کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ	پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر کہا بیشک اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے ایک نہر سے سو جس نے پانی پیا اس نہر کا تو وہ میرا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بیشک میرا ہے مگر جو کوئی بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھر پی لیا سب نے اس کا پانی مگر تھوڑوں نے ان میں سے پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے ساتھ اس کے تو کہنے لگے

لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴۹﴾	طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ﷻ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (۲۴۹)
وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۵۰﴾	اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور مدد کر ہماری اس کافر قوم پر (۲۵۰)
فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۲۵۱﴾	پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا ان کو جو چاہا اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر (۲۵۱)
تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵۲﴾	یہ آیتیں اللہ ﷻ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک اور تو بیشک ہمارے رسولوں میں ہے (۲۵۲)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ: جب طالوت علیہ السلام بنی اسرائیل کے بادشاہ بن گئے تو آپ نے بنی اسرائیل کو جہاد کے لئے تیار کیا اور ایک کافر بادشاہ "جالوت" سے جنگ کرنے کے لئے اپنی فوج کو لے کر میدان جنگ میں نکلے۔ جالوت بہت ہی قد آور اور نہایت ہی طاقتور بادشاہ تھا وہ اپنے سر پر لوہے کی جو ٹوپی پہنتا تھا اس کا وزن تین سو رطل تھا۔ جب حضرتِ طالوت علیہ السلام بنی اسرائیل کے لشکر کو لے کر ظالم بادشاہ جالوت سے مقابلے کے لئے بیتُ المقدّس سے روانہ ہوئے تو ان کے لشکر کی اِس طرح آزمائش ہوئی: "(طالوت) بولا بے شک اللہ ﷻ تمہیں ایک نَہَر سے آزمانے والا ہے، تو جو اس کا پانی پیئے وہ میرا نہیں اور جو نہ پیئے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چُلّو اپنے ہاتھ سے لے لے"۔

سخت گرمی تھی، اسی ہزار کا لشکر تھا مگر صِرف ۳۱۳ افراد نے صبر کیا اور صرف ایک چلّو پانی لیا۔ الحمد للہ عزوجل وہ ایک چلو ان کے

لئے اور اُن کے جانوروں کیلئے کافی ہو گیا اور جنہوں نے بے صبری کی اور خوب پانی پیا تھا ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے، پیاس خوب بڑھ گئی اور ہمّت ہار گئے۔ جالوت کے عظیم لشکر سے ۳۱۳ مسلمانوں کا مقابلہ تھا جو اطاعت گزار تھے ان کے حوصلے مضبوط تھے۔

(بے صبرے) بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکروں کی، بولے وہ جنہیں اللہ ﷻ سے ملنے کا یقین تھا (یعنی صبر کرنے والے کہنے لگے) کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر اللہ ﷻ کے حکم سے اور اللہ ﷻ صابروں کے ساتھ ہے۔

جب دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں لڑائی کے لئے صف آرائی کر چکیں تو حضرت طالوت علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے والد کو بلایا اور فرمایا کہ آپ اپنے بچوں کو بلائیں تو انہوں نے اپنے چھ بچوں کو دکھلایا جو قد کے لحاظ سے بڑے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کو نہیں دکھلایا ان کا قد چھوٹا تھا اور بکریاں چراتے تھے تو حضرت شموئیل علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بلوایا اور پوچھا کہ تو جالوت کو مارے گا تو انہوں نے کہا ماروں گا پھر جالوت کے سامنے گئے اور انہی تین پتھروں کو جو راستے سے ملے تھے اور اُن پتھروں نے کہا تھا کہ ہم جالوت کو قتل کریں گے تو اُن پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر مارا جالوت کا صرف ماتھا کُھلا تھا اور تمام بدن لوہے میں چُھپا ہوا تھا تو وہ پتھر اس ماتھے پر لگے اور پیچھے سے نکل گئے اور جالوت کا لشکر بھاگ گیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی پھر حضرت طالوت علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت داؤد علیہ السلام سے کروایا اور حضرت طالوت علیہ السلام کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہت بھی ملی۔

فائدہ: رسولوں علیہم السلام کی تعداد بھی ۳۱۳ ہیں اور اصحابِ بدر رضی اللہ عنہم بھی ۳۱۳ ہیں اور اصحابِ حضرت طالوت علیہ السلام بھی ۳۱۳ ہیں۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ: یہ قصے ہم پر بیان کرتے ہیں تو یہ قصے حق ہیں اور آپ بھی بے شک رسولوں میں سے ہیں۔

فائدہ: آج کل جہاں ہر طرف فتنہ ہے، ان فتنوں میں سے ایک فتنہ لوگوں کو تلاوتِ قرآن سے روکنے کا فتنہ ہے، کہتے ہیں کہ الفاظ کے رٹنے سے کیا فائدہ ہو گا، اصل بات تو سمجھنا ہے، اگر صرف معانی کے سمجھنے پر زور دیں اور تلاوت کو نظر انداز کر دیں تو ہم اللہ کی سنت تلاوت کے تارک ہوں گے، کیونکہ قرآن کریم کی تلاوت اللہ کی سنت ہے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا: **تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا**۔ تلاوت آیات ایک مستقل عبادت ہے اور عبادت وہ ہے کہ جس کے کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

تیسرا سپارہ- تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۲۵۳﴾	یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے کوئی تو وہ ہے کہ کلام فرمایا اس سے اللہ نے اور بلند کئے بعضوں کے درجے اور دیے ہم نے عیسیٰ علیہ السلام مریم علیہا السلام کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح القدس یعنی جبریل سے اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں کے پیچھے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کے پاس صاف حکم لیکن ان میں اختلاف پڑ گیا پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر رہا اور اگر چاہتا اللہ تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے (۲۵۳)
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۴﴾	اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی پہلے اس دن کے آنے سے کہ جس میں نہ خرید و فرخت ہے اور نہ آشنائی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم (۲۵۴)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے بعض رسولوں کو بعض رسولوں پر فضیلت عطا کی ہے، اس آیت سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان درجات میں بعض، بعض سے فضیلت رکھتے ہیں۔

تنبیہ: آج کل یہ بات بڑے زور و شور سے یہ بات کہی جارہی ہے اور یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ اگر کوئی کسی بھی ایک نبی علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو وہ حق پر ہے کیونکہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے کہ "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ" یعنی ہم کسی بھی رسول کے درمیان میں فرق نہیں کرتے ہیں، تو اگر کوئی کسی بھی نبی علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو وہ حق پر ہے اور اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ آیت "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ" یعنی ہم کسی بھی رسول کے درمیان میں فرق نہیں کرتے ہیں، اس آیت میں یہ بیان ہورہا ہے کہ ہم کسی بھی نبی علیہ السلام پر ایمان لانے کے معاملہ میں تفریق نہیں کرتے کہ بعض نبی علیہ السلام پر ایمان لائیں اور بعض

پر نہیں لائیں (نعوذ باللہ) بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ اگر کوئی شخص تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہے مگر ایک نبی علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے مسلمان نہیں ہے، لہذا اس آیت کا مطلب یہی ہے جو ہم نے بیان کیا، اور آیت " **تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ** " میں خود اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے بعض رسولوں کو بعض رسولوں پر فضیلت دی ہے مراد درجات کے اعتبار سے ہے نہ کہ ایمان کے اعتبار سے، لہذا تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی حضرت موسی علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان نہ لائے یا اس کے برعکس ہو چنانچہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے ہاں یہ بات اور ہے کہ اتباع واطاعت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی ہی کی جائے گی۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: **عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَاةِ، فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذِهِ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ، فَسَكَتَ، فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَوَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَتَغَيَّرُ، فَقَالَ :أَبُو بَكْرٍ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ، مَا تَرَى بِوَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ فَنَظَرَ عُمَرُ إِلَى وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ :أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا .فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ،لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي، لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَأَدْرَكَ نُبُوَّتِي، لَاتَّبَعَنِي.**[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے کے تشریف لائیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ توریت کا ایک نسخہ ہے تو آپ ﷺ خاموش رہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک کا رنگ تبدیل ہو رہا تھا، اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ ان پر رحم فرمائے (اے عمر رضی اللہ عنہ) گم کرنے والے تجھے گم کرے، کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے چہرے مبارک کو نہیں دیکھ رہے ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک کو دیکھا تو فرمایا کہ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غضب سے اور اُس کے رسول ﷺ کے غضب سے، میں اللہ ﷻ کو رب ماننے، اور اسلام کو دین ماننے، اور حضرت محمد ﷺ کو رسول ماننے میں راضی ہوں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں (میں) محمد ﷺ کی جان ہے اگر تمہارے سامنے حضرت موسی علیہ السلام بھی تشریف لے آئیں اور تم اُن کی اتباع کرنے لگو اور میری اتباع کرنا چھوڑ دو تو تم راستہ میں سے بھٹک جاؤ گے، اور اگر حضرت موسی علیہ السلام حیات ہوتے (اس دنیا میں) اور میری نبوت کو پاتے تو لازمی میری اتباع کرتے۔

[1] سنن دارمی: ۱/ ۴۰۳

اندازہ لگائیے کہ کس سخت بات اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے تو جو کوئی حضرت موسی علیہ السلام کو ماننا والا ہو تو اس کو بھی حضرت نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنا ضروری ہوگی ورنہ ایسا شخص جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہو مگر حضرت نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا ہو تو وہ مسلمان بھی نہیں ہے چہ جائے جہ وہ حق پر ہو گا۔

نکتہ: یہ تمام باتیں یہود و نصاری کو خوش کرنے کے لئے کہی جارہی ہے کیونکہ یہ کہنا کہ کسی بھی ایک نبی علیہ السلام کو مان لے تو وہ حق پر ہے، یہودی جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت موسی علیہ السلام کو مانتے ہیں اسی طرح عیسائی جو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عیسی علیہ السلام کو مانتے ہیں تو اُن کے قول کے مطابق اگر کوئی شخص حضرت نبی کریم ﷺ کو نہیں مانتا ہے تو وہ بھی برحق ہو گا (نعوذ باللہ) تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ بات وفتنہ یہود و نصاری کو خوش کرنے لئے ہے۔

دوسری بات وہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں اور احادیث کا بالکلیہ انکار کرتے ہیں یعنی ایسے لوگ منکرینِ حدیث ہیں، احادیث کی مکمل تفصیل سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۰۶ کے تحت گذر چکی ہے)۔

مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں ہم نے جن رسولوں کو فضیلت دی ہے اُن میں سے ایک حضرت موسی علیہ السلام بھی ہیں جن کو ہم نے دنیا میں اپنے ساتھ کلام کرنے شرف بخشا۔

وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ: یہاں پر حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں بتایا جارہا ہے ہم نے اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کو بھی شرفِ فضیلت عطا فرمائی ہے، اور روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے اُن کی مدد فرمائی ہے۔

بعض عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی فضیلت زیادہ ہے اس طرح کے بعض عیسائی میرے پاس بھی آئے اور کہا کہ حضرت عیسی علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے، اور وہ مُردوں کو زندہ کرلیا کرتے تھے تو وہ حضرت محمد ﷺ سے بھی زیادہ افضل ہوئے۔

میں نے اُن سے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ حضرت آدم علیہ السلام جو کہ بناماں اور باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو اُن کے بارمیں کیا خیال ہے؟ تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔

نکتہ: میرے شیخ مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم کسی بھی نبی علیہ السلام کے درمیان اس طرح سے موازنہ نہیں کرتے ہیں، مگر جو لوگ کرتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے تو وہ اُن کو کہتے ہیں کہ ایک انسان پہلے زندہ تھا وہ اب مر گیا مگر اُس کے اندر حیات تھی تو دوبارہ اگر اُس کے اندر حیات آجائے تو یہ کمال کی بات ہے مگر جس کے اندر حیات کی صلاحی ہی نہ ہو تو اس کو زندہ کرنا زیادہ کمال کی بات ہوگی بہ نسبت پہلے والی حیات کے، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: **عَنْ جَابِرِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رضی اللہ عنہما ، يَقُولُ : كَانَ المَسْجِدُ مَسْقُوفًا عَلَى جُذُوعٍ مِنْ نَخْلٍ، فَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَطَبَ يَقُومُ إِلَى جِذْعٍ**

مِنْهَا، فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ المِنْبَرُ وَكَانَ عَلَيْهِ، فَسَمِعْنَا لِذَلِكَ الجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ العِشَارِ، حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا فَسَكَنَتْ .[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں کھجور کے ایک خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر بنا دیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے تنے کو چھوڑ کر اس منبر پر خطبہ دینا شروع کیا۔ اس تنے سے گریہ وزاری کی آوازیں آنے لگیں۔ جو ہم سب نے سُنی۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ کیفیت دیکھی تو منبر سے اُتر کر اس ستون کے پاس تشریف لے گئے اور اُسے اپنے دستِ شفقت سے تھپکی دی تو وہ بچوں کی طرح سسکیاں بھرتا ہوا چپ ہو گیا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ: عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِي بَعْضِ نَوَاحِيهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلاَ شَجَرٌ إِلاَّ وَهُوَ يَقُولُ: السَّلاَمُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔[2]

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا، جب ہم اس کے بعض اطراف میں نکلے تو جو بھی پہاڑ اور درخت آپ کے سامنے آتے سبھی "السلام علیک یارسول اللہ" کہتے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ کے نازل ہونے سے پہلے فرمایا تھا کہ "لا ينبغي لعبد ان يقول انا خير من يونس بن متى"۔[3]

ترجمہ: کسی شخص کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ میرے بارے میں یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔

مگر جب آیت " تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ" کے نازل ہوئی کہ خود اللہ تعالیٰ بعض رسولوں کو بعض رسولوں پر فضیلت دی ہے تو اس آیت سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان درجات میں بعض، بعض سے فضیلت رکھتے ہیں۔

فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ: بعض اُن میں سے ایمان لے آئے اور بعضوں نے کفر اختیار کیا۔

(اس کی مکمل تفسیر مع اعتراض وجواب کے سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۶ کے تحت گذر چکی ہے)۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ آپس میں جھگڑا نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔

[1] صحیح بخاری: ۴/۱۹۵
[2] سنن ترمذی: ۶/۲۵
[3] صحیح مسلم: ۴/۱۸۴۶

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے جنت و جہنم کا نظام بنایا ہے اور انسانوں کو اختیار دیا ہے کہ وہ جنت کے راستے کو اختیار کرے یا جہنم کے راستہ کو اختیار کرتا ہے تاکہ اس کو اختیار دینے کی وجہ سے کوئی الزام لازم نہ آئے کہ یہ اُس کے ساتھ ظلم ہوا ہے باقی تفصیل کے لئے سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۶ دیکھئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ: اس آیت میں اللہ ﷻ قیامت کے دن کا ذکر فرمارہے ہیں کہ قیامت کے دن آنے سے پہلے اُس مال میں سے جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے اُس میں سے خرچ کرو، قیامت کا دن وہ ہوگا جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ ہی کوئی دوستی ہوگی اور نہ ہی کوئی سفارش کام آئے گی، (سفارش کی تفسیر سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۴۸ میں گذر چکی ہے)۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۲۵۵﴾	اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اجازت سے جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اس کو تھامنا ان کا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا (۲۵۵)

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ: اس آیت کا نام "آیۃ الکرسی" ہے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اسم اعظم ہے، اسم اعظم اللہ ﷻ کا وہ نام ہے جس کے توسط سے اللہ ﷻ سے جو مانگا جائے تو اللہ ﷻ ضرور عطا فرماتے ہیں۔

میرا رجحان یہ ہے کہ لفظ "اللہ" یہ اسم اعظم ہے۔

فضائل آیۃ الکرسی: آیۃ الکرسی قرآن کریم کی عظیم آیت ہے۔ اس آیت کو تمام آیات قرآنیہ کا سردار بتلایا گیا ہے۔ یہ وہ آیت ہے کہ جس میں اسم اعظم ہے۔ اس اعظم وہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے جو بھی دعا کی جائے وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ اس آیت کے پڑھنے سے شیطان گھر سے بھاگ جاتا ہے۔ اس آیت کے پڑھنے کے عظیم فوائد میں سے یہ ہے کہ اسے فرض نماز کے بعد پڑھیں۔ جو کوئی شخص آیۃ الکرسی کو فرض نماز کے بعد پڑھے تو اس کے پڑھنے والے اور جنت کے درمیان صرف موت حائل ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ: **عن أبي أمامة ؓ قال قال رسول الله ﷺ: من قرأ آية الكرسي في دبر كل**

صلاة مكتوبة لم يمنعه من دخول الجنة الا ان يموت۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی بھی چیز مانع نہیں ہے سوائے موت کے۔ گویا کہ صرف موت حائل ہے۔ مرتے ہی اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ وَكَّلَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ، فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ، وَقُلْتُ :وَاللَّهِ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ :إِنِّي مُحْتَاجٌ، وَعَلَيَّ عِيَالٌ وَلِي حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ، قَالَ :فَخَلَّيْتُ عَنْهُ، فَأَصْبَحْتُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ البَارِحَةَ، قَالَ :قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً، وَعِيَالًا، فَرَحِمْتُهُ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، قَالَ : أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ، وَسَيَعُودُ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ، لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِنَّهُ سَيَعُودُ، فَرَصَدْتُهُ، فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ، فَأَخَذْتُهُ، فَقُلْتُ :لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ :دَعْنِي فَإِنِّي مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ، لاَ أَعُودُ، فَرَحِمْتُهُ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، فَأَصْبَحْتُ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ :يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ، قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللَّهِ! شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً، وَعِيَالًا، فَرَحِمْتُهُ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، قَالَ : أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ، فَرَصَدْتُهُ الثَّالِثَةَ، فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ، فَأَخَذْتُهُ، فَقُلْتُ :لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ، وَهَذَا آخِرُ ثَلاَثِ مَرَّاتٍ، أَنَّكَ تَزْعُمُ لاَ تَعُودُ، ثُمَّ تَعُودُ قَالَ :دَعْنِي أُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللَّهُ بِهَا، قُلْتُ مَا هُوَ؟ قَالَ :إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ، فَاقْرَأْ آيَةَ الكُرْسِيِّ اللَّهُ لاَ إِلَهَ إِلَّا هُوَ الحَيُّ القَيُّومُ حَتَّى تَخْتِمَ الآيَةَ، فَإِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ حَافِظٌ، وَلاَ يَقْرَبَنَّكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ البَارِحَةَ، قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِي كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِي اللَّهُ بِهَا، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، قَالَ : مَا هِيَ، قُلْتُ :قَالَ لِي: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا حَتَّى تَخْتِمَ الآيَةَ لِلَّهُ لاَ إِلَهَ إِلَّا هُوَ الحَيُّ القَيُّومُ وَقَالَ لِي :لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ حَافِظٌ، وَلاَ يَقْرَبَكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ – وَكَانُوا أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الخَيْرِ – فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ، تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلاَثِ لَيَالٍ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ :لاَ، قَالَ : ذَاكَ شَيْطَانٌ۔[2]

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان کی زکوۃ کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا تو ایک رات کو

[1] السنن الکبری: ۹/ ۴۴
[2] صحیح البخاری: ۳/ ۱۰۱

ایک آنے والا آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) کھانے والی چیزیں بھرنا شروع کر دیں، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں محتاج، عیال دار اور سخت حاجت مند ہوں۔ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے رات کے قیدی کا حال تو سناؤ؟" میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ! جب اس نے کہا کہ وہ سخت حاجت مند اور عیال دار ہے تو میں نے رحم کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے اور پھر آئے گا"۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ واقعی دوبارہ آئے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دے دی تھی کہ وہ دوبارہ آئے گا، سو میں چوکنا رہا، چنانچہ وہ آیا اور اس نے خوراک ڈالنا شروع کر دی۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تجھے ضرور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ کہنے لگا مجھے چھوڑ دو میں بہت محتاج ہوں اور مجھ پر اہل و عیال کی ذمہ داری کا بوجھ ہے، اب میں آئندہ نہیں آؤں گا۔ میں نے رحم کھاتے ہوئے اسے پھر چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے قیدی کا حال سناؤ؟ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ اس نے سخت حاجت اور اہل و عیال کی ذمہ داری کے بوجھ کا ذکر کیا تو میں نے ترس کھاتے ہوئے اسے پھر چھوڑ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے، وہ پھر آئے گا میں نے تیسری بار اس کی گھات لگائی تو وہ پھر آیا اور اس نے کھانے کی اشیاء اڈالنا شروع کر دیں میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا، اب میں تجھے ضرور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ بس یہ تیسری اور آخری دفعہ ہے، تو روز کہتا ہے کہ اب نہیں آئے گا لیکن وعدہ کرنے کے باوجود پھر آجاتا ہے، اس نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں تمھیں کچھ ایسے کلمات سکھا دیتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں نفع دے گا۔ میں نے کہا وہ کیا کلمات ہیں؟ کہنے لگا جب بستر پر آؤ تو آیت الکرسی (**الله لا اله الا هوالحي القيوم**) سے لے کر آخر تک پڑھ لیا کرو ساری رات اللہ ﷻ کی طرف سے ایک محافظ تمہاری حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہ آسکے گا میں نے اسے چھوڑ دیا صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے رات کی قیدی کا حال سناؤ؟ میں نے عرض کی اے اللہ کی رسول ﷺ! اس نے کہا تھا کہ وہ مجھے کچھ ایسے کلمات سکھائے گا جن سے اللہ ﷻ مجھے نفع دے گا تو میں نے اسے پھر چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ کلمات کیا ہیں"؟ میں نے عرض کی، اس نے مجھ سے کہا کہ جب بستر پر آؤ تو اول سے آخر تک مکمل آیت الکرسی پڑھ لیا کرو تو اس سے ساری رات اللہ ﷻ کی طرف سے ایک محافظ تمہاری حفاظت کرے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمہارے قریب نہیں آسکے گا۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر و بھلائی کے سیکھنے کے حد درجہ شائق تھے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس نے تم سے بات تو سچی کی ہے حالانکہ وہ خود تو جھوٹا ہے، اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم تین راتیں کس سے باتیں کرتے رہے ہو؟،، میں نے عرض کی، نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا وہ شیطان تھا۔

الْحَيُّ الْقَيُّومُ: اس آیت میں ایک بنیادی عقیدہ بھی ہے جس کو عقیدہ وحدۃ الوجود کہتے ہیں۔

عقیدہ وحدۃ الوجود: یہ ایک بنیادی عقیدہ ہے مگر اس کو غلط طریقہ سے بیان کیا جاتا ہے، اصل عقیدہ وحدۃ الوجود فیضانِ صفات کا نام ہے نہ انتقال صفات کا یعنی اگر کوئی بندہ سمیع ہے یعنی سنتا ہے تو اس میں اللہ ﷻ کی صفت سمیع کا فیضان ہے۔ اسی طرح تمام صفات کو سمجھئے لہذا یہ ایک بنیادی عقیدہ ہے۔

لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ: اللہ ﷻ کی ذات وہ ہے جو نیند اور اُونگھ سے پاک ہے، کیونکہ نیند اور اُونگھ کا آنا غفلت کی علامت ہے اور اللہ ﷻ غافل نہیں ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ: اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ شفاعت جو کل قیامت کے دن ہوئے گی وہ اللہ ﷻ کی اجازت کے ساتھ ہو گی کہ جس کو اللہ ﷻ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور جس کے لئے دے گا تو شفاعت کی جائے گی، کل قیامت کے دن سفارش و شفاعت کے مختلف درجات ہوں گے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی شفاعت: شفاعتِ عظمیٰ (اور یہی مقام محمود ہے) اس کی تفصیل یہ ہے کہ میدان محشر میں جب لوگوں کا قیام لمبا ہو جائے گا تو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے کہ اللہ ﷻ سے سفارش کریں کہ وہ ہمارا حساب لے (تاکہ ہم میدان محشر کی تکلیف سے نجات پا سکیں) تمام انبیاء کرام علیہم السلام انکار کر دیں گے، یہ لوگ ہمارے نبی ﷺ کے پاس آئیں گے تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اذن (اجازت) سے شفاعت فرمائیں گے۔

دوسری شفاعت: یہ شفاعت حساب کے سلسلے کے ختم ہونے کے بعد مستحقین جنت کے متعلق ہو گی کہ انہیں جنت میں داخل کیا جائے۔

تیسری شفاعت: آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے لیے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائیں گے، شفاعت کی یہ قسم آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اللہ ﷻ یہ خبر دے چکا ہے کہ کافروں کو کسی کی شفاعت نفع نہیں دے گی، اور نبی کریم ﷺ بھی بتا چکے ہیں کہ ان کی شفاعت صرف اہل توحید کے لیے ہو گی۔ اس لیے اَبو طالب کے حق میں شفاعت آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور وہ بھی صرف ابو طالب کے لیے۔

شفاعت کی یہ تینوں قسمیں ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

چوتھی شفاعت: اہل توحید میں سے گناہ گار جو جہنم کے مستحق بن چکے ہوں گے ان کے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت کہ انہیں جہنم میں داخل نہ کیا جائے۔

پانچویں شفاعت: اہل توحید میں سے گناہ گار جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے ان کے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت کہ انہیں

جہنم سے نکالا جائے۔

چھٹی شفاعت: بعض اہل جنت کے رفع درجات (درجات کی بلندی) کے لیے آپ ﷺ کی شفاعت۔

ساتویں شفاعت: جن لوگوں کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی ان کے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت کہ انہیں جنت میں داخل کیا جائے۔ ایک قول کے مطابق یہ لوگ اہل اعراف ہیں (جن کا ذکر سورۂ اعراف میں ہے کہ وہ جنت و جہنم کے درمیان میں ہوں گے)۔

آٹھویں شفاعت: بعض مومنین کے متعلق آپ ﷺ کی شفاعت کے انہیں بلا حساب و عذاب جنت میں داخل کیا جائے جیسا کہ حضرت سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے لیے آپ ﷺ نے دعاء فرمائی کہ یہ ان ستر ہزار افراد میں سے ہو جائیں جو بلا حساب و عذاب جنت میں داخل ہوں گے (جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں بدشگونی یا کسی کو اپنے اوپر دم کرنے کو نہیں کہتے)۔

اس طرح اور بھی شفاعتیں مثلاً: جو بچہ بچپن میں انتقال کر جائے تو وہ اپنے والدین کے لئے شفاعت کرے گا۔ اسی طرح اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی شفاعت ہو گی۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ خود اپنی مٹھی (اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتے ہیں اس کی کیفیت کو) سے ایمان والوں کو جن کا ایمان بہت مخفی ہو گا جہنم سے نکالے گا۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی علم دینے والی ذات ہے یعنی اگر کسی پر اللہ تعالیٰ کا صفتِ علم کا فیضان ہو گا تو وہ علم والا ہو گا۔ چونکہ علم ایک نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم جو کہ نور ہے وہ کسی گناہ گار کو نہیں ملتا ہے، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ و شیخ حضرت وکیع رحمہ اللہ سے اپنے حافظہ کے کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ گناہ کرنا چھوڑ دیں۔

اس کو ایک شعر میں انہوں نے اس طرح بیان کیا:

شكوت الى وكيع عن سوء حفظى

فاوصانى الى ترک المعاصى

فان العلم نور من اله

ونور الله لايعطى لعاصى

ترجمہ: میں اپنے استاذ وکیع سے اپنے حافظہ کے کمی کی شکایت کی

تو انہوں نے وصیت کی کہ گناہ کے چھوڑنے کا

کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے

اور اللہ ﷻ کا نور کسی گناہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

اللہ ﷻ کا علم ہم انسانوں کے مقابلے میں ایسا ہے جیسا کہ سمندر میں سے ایک سوئی کے ناکہ کے برابر نکالا جائے تو جو سمندر میں کمی ہوتی ہے اتنی بھی کمی اللہ ﷻ کے علم میں نہیں آتی ہے۔

عالم کی تین اقسام ہیں: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ[1]۔

۱۔ جنہوں نے گناہ کرے اپنی جانوں میں ظلم کیا۔

۲۔ جنہوں نے میانہ روی اختیار کی۔

۳۔ جنہوں نے اللہ ﷻ کے حکم سے نیکی میں سبقت اختیار کی۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ: کرسی سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جنمیں ایک دو ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ کرسی سے مراد اللہ ﷻ کا علم مراد ہے۔

۲۔ کرسی سے مراد موضعِ قدمیں ہے۔ **واللہ اعلم بمرادہ۔**

اللہ ﷻ کی کرسی کے بارے میں آتا ہے کہ "وَقَالَ السُّدِّيُّ :السموات وَالْأَرْضُ فِي جَوْفِ الْكُرْسِيِّ وَالْكُرْسِيُّ بَيْنَ يَدَيِ الْعَرْشِ .وَقَالَ الضَّحَّاكُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ :لَوْ أن السموات السَّبْعَ وَالْأَرْضِينَ السَّبْعَ بُسِطْنَ ثُمَّ وُصِلْنَ بَعْضُهُنَّ إِلَى بَعْضٍ مَا كُنَّ فِي سِعَةِ الْكُرْسِيِّ إِلَّا بِمَنْزِلَةِ الْحَلْقَةِ فِي الْمَفَازَةِ."[2]۔یعنی حضرت سدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ساتوں آسمان و زمین کرسی کے درمیان میں ہے، اور کرسی، عرش کے سامنے ہے، حضرت ضحاک رحمہ اللہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اگر ساتوں آسمان و زمین کو پھیلایا جائے پھر ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملایا جائے تو یہ کرسی کے سامنے ایسا ہے جیسا کہ ایک حلقہ ہوتا ہے۔

وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ: اللہ ﷻ کو ان دونوں کی حفاظت تھکاتی نہیں ہے، اور اللہ ﷻ سب سے برتر اور عظمت والے ہیں۔

نکتہ: سب سے عظیم آیت کو اللہ ﷻ نے " الْعَظِيمُ " پر ختم فرمایا۔

[1] سورۃ فاطر: ۳۲

[2] تفسیر ابنِ کثیر: ۱/ ۵۸۰

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾	زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں بیشک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے (۲۵۶)
اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾	اللہ ﷻ مددگار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے رفیق ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے (۲۵۷)

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ دین میں کوئی سختی نہیں ہے۔

تنبیہ: بعض لوگ اس آیت کا غلط مطلب نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو اللہ ﷻ فرمارہے ہیں کہ دین میں کسی قسم کی سختی نہیں ہے، حالانکہ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین میں سختی نہیں ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم اسلام نہیں لاتا تو اس کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے کوئی سختی نہیں ہے اس کی مرضی ہے کہ چاہے وہ اسلام قبول کرے یا نہیں کرے مگر جو لوگ مسلمان ہیں اُن کے لئے اسلام میں سختی ہے، اگر وہ نماز نہیں پڑھتا یا دینِ اسلام کے فرائض ادا نہیں کرتا تو اس پر سختی کی جائے گی کہ وہ دینِ اسلام کے احکامات پر عمل پیرا ہوں۔

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ: اس آیت میں اللہ ﷻ نے پہلے فرمایا کہ جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ ﷻ پر ایمان لایا تو" فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا "اُس ایسا حلقہ مضبوطی سے پکڑا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

نکتہ: اس آیت میں پہلے طاغوت کا انکار اور پھر اُس کے بعد ایمان باللہ کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ طاغوت ایک اندھیرا ہے اور جب اندھیرے کو دور کیا جائے گا تو روشنی خود بخود آجاتی ہے لہذا جب طاغوت کا انکار کیا جائے گا تو ایمان باللہ خود بخود مضبوط ہو جائے گا اور یہی اصل ہے کہ طاغوت کا انکار کیا جائے۔

اللہ ﷻ دوست ہے اُن ایمان والوں کا جو لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتے ہیں، اس آیت میں اہل اللہ کی فضیلت اور اُن کا کام کا بیان ہے کہ اللہ ﷻ والے لوگوں کو روشنی کی طرف لاتے ہیں یعنی مشائخِ عظام لوگوں کو بیعت کرتے ہیں پھر ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی انوارات و تجلیاتِ الٰہی کی طرف لاتے ہیں۔

واقعہ: ایک اللہ والے تھے وہ کسی جگہ عبادت میں مصروف تھے اور مقامِ ولایت کے اندر داخل نہیں ہو پا رہے تھے تو اُس وقت ایک اللہ والے تھے اُن کو کشف ہوا کہ فلاں بزرگ کو بیعت کریں اور مقامِ ولایت میں داخل کریں تو یہ بزرگ نے اُن کو بیعت کیا اور مقامِ ولایت میں داخل کیا۔

اسی کو مولانا رومی رحمہ اللہ نے اپنے اس شعر میں بیان فرمایا "یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء"۔

ترجمہ: اللہ والوں کی ایک لمحہ صحبت اختیار کرنا ہزار سال بے ریاء عبادت سے بہتر ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ: اس آیت میں اولیاءِ شیاطین کا بیان ہے کہ وہ لوگوں کو روشنی یعنی ہدایت سے نکال کر اندھیرے یعنی گمراہی کی طرف لے کر آتے ہیں اور یہی لوگ جہنم والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾	کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کی بابت اسی وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اس کو سلطنت جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے کہ بیشک اللہ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے اب تو لے آ اس کو مغرب کی طرف سے تب حیران رہ گیا وہ کافر اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو (۲۵۸)
أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِئَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِئَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ	یا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ گذرا وہ ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ مر گئے پیچھے پھر مردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اس کو کہا تو کتنی دیر یہاں رہا بولا میں رہا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے تجھ کو نمونہ بنانا چاہا لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت پھر جب اس پر ظاہر

أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾	ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ بیشک اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہے (۲۵۹)
وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾	اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار میرے دکھلا دے مجھ کو کہ کیونکر زندہ کرے گا تو مردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جاوے میرے دل کو فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اڑنے والے پھر ان کو ہلا لے اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے اور جان لے کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا (۲۶۰)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ: اس آیت اور اس کے بعد والی دو آیتوں کا ماقبل والی آیت سے ربط یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ ﷻ نے ایسے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جو لوگوں کو گمراہی سے نکال کر گمراہی سے نکال کر ہدایت کی طرف لاتے ہیں ان آیات بھی ایسے ہی حضرات کا ذکر ہے جن کا کام یہی تھا کہ لوگوں کو گمراہی سے نکال کر ہدایت سے کی طرف لانا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں وہ کون ہے جو حضرت سیدنا ابراہیم ﷺ سے بحث و مباحثہ کر رہا تھا؟ اس آیت سے صاف واضح ہے کہ ہمیں احادیث کی طرف جانے پڑے گا، لہذا احدیث کا انکار کرنا کسی حال میں درست نہیں ہے۔

اس آیت میں حضرت سیدنا ابراہیم ﷺ اور نمرود کے مناظرہ کی طرف اشارہ ہے اور واقعہ یوں ہے کہ حضرت ابراہیم ﷺ نے فرمایا: "میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔" اس نے کہا: "میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔"

اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے اس نمرود نے دو قیدی بُلوا کر بے قصور کو مار ڈالا اور قصور وار کو چھوڑ دیا اور کہا کہ دیکھا میں جس کو چاہوں مارتا ہوں جسے چاہوں نہیں مارتا اس طرح سب کو فریب دینے کی کوشش کی کہ اس نے ایک کو موت دے دی اور دوسرے کو زندگی بخش دی ہے۔ اس کا یہ عمل حضرت ابراہیم ﷺ کی دلیل کا جواب نہیں تھا اور نہ ہی اس کا موضوع مناظرہ سے کوئی تعلق تھا بلکہ یہ ایک بیکار بات تھی جس سے ظاہر ہوا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔

حضرت ابراہیم ﷺ نے جو دلیل پیش فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ جانداروں کا جینا مرنا عام مشاہدے کی چیز ہے کیونکہ یہ واقعات خود بخود پیش نہیں آسکتے لہذا ضرور کوئی ایسی ذات موجود ہے جس کی مشیئت کے بغیر ان اشیاء کا وجود میں آنا محال ہے۔ لازمی ہے کہ ان واقعات کا کوئی فاعل ہو جس نے انہیں پیدا کیا، انہیں اپنے اپنے نظام کا پابند کیا جو ستاروں، ہواؤں بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ

لے جاتا ہے اور بارش برساتا ہے۔ ان جانداروں کو پیدا کرتا ہے جو ہمیں نظر آتے ہیں اور پھر ان کو موت سے ہمکنار کرتا ہے اسی دلیل پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔ لیکن اس جاہل بادشاہ نے جو کہا کہ میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نظر آنے والے کام اس کے کنٹرول میں ہیں تو یہ سراسر ضد اور ہٹ دھرمی کا اظہار ہے اور اگر اس سے مراد قیدیوں کا واقعہ ہے تو اس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیش کردہ دلیل سے کوئی تعلق ہی نہیں پس وہ دلیل کے مقابل دلیل پیش نہ کر سکا۔

چونکہ بحث میں نمرود کی شکست کا یہ پہلو ایسا ہے جو کہ حاضرین یا دوسرے لوگوں میں سے بہت سے افراد کی سمجھ میں آنے والا نہیں تھا اسلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور دلیل پیش کر دی اور اسے سب کے سامنے لاجواب ہونا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے لہٰذا تو اسے مغرب سے نکال دے۔

یعنی یہ سورج روزانہ مشرق سے نکلتا ہے جسے اس کو پیدا کرنے والے اور چلانے والے نے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر تو ہی زندگی اور موت کا مالک ہے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے کہ تو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے تو اس کو مغرب سے لے آ۔ کیونکہ جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا اختیار ہو وہ جو چاہے کر سکتا ہے اسے نہ منع کیا جا سکتا ہے اور نہ مغلوب کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ ہر چیز پر غالب ہوتا ہے اور ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہوتی ہے اگر تیرا دعویٰ سچا ہے تو یہ کام کر۔ ورنہ ثابت ہو جائے گا کہ تیرا دعویٰ غلط ہے، اور یہی حقیقت ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ تو یہ کام نہیں کر سکتا۔ تو اس قدر عاجز ہے کہ ایک مچھر بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جاہل اور عاجز ہونا واضح فرما دیا لہٰذا اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا اور اس کا منہ بند ہو گیا۔

اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: "یہ (سن کر) کافر حیران رہ گیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا"۔

أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُس کو بادشاہت عطا فرمائی۔

نکتہ: اس آیت میں نکتہ یہ ہے کہ بادشاہت کا ملنا کسی کے مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ بادشاہت عند اللہ مقبولیت کی دلیل ہے، یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت میں واضح طور پر فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس نمرود کو بادشاہت دی تھی اگر بادشاہت مقبولیت کی دلیل ہوتی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کافر کو بادشاہت عطا نہ فرماتا۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا: اس آیت میں حضرت سیدنا عزیر علیہ السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے یہودیوں نے حضرت سیدنا عزیر علیہ السلام کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بیٹا بنایا ہے جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بیٹا مانا ہے، حضرت سیدنا عزیر علیہ السلام اُن لوگوں میں سے ہیں جن کو کافر بادشاہ بخت نصر نے قید کر رکھا تھا، ایک دفعہ حضرت عزیر علیہ السلام بیت المقدس سے گذر رہے تھے جو کہ ویران کر دی گئی تھی تو حضرت عزیز علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ آپ قیامت کے دن مُردوں کو کیسے زندہ

کریں گے ؟ تو اللہ ﷻ عین الیقین یعنی مشاہدہ فرمایا اور کہا کہ آپ کتنے عرصہ یہاں ٹھہرے ہو تو کہنے لگے کہ ایک دن یا اس کا بعض حصہ تو اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ ایک سو سال تک یہاں ٹھہرے ہیں، آپ اپنے کھانے اور پینے کی طرف نظر فرمائیں کہ وہ نہیں خراب ہوئیں اور اپنی سواری گدھے کی طرف دیکھیں کہ وہ بالکل ختم ہو چکا تھا، پھر اللہ ﷻ نے گدھے کو دوبارہ زندہ فرمایا، جب حضرت سیدنا عزیر علیہ السلام پر جو انہوں نے اللہ ﷻ نے عرض کیا تھا وہ واضح ہو گیا تو حضرت سیدنا عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس بات کو بخوبی جانتا ہوں کہ اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى: اس آیت میں اللہ ﷻ دوبارہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ جب حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ ﷻ سے عرض کیا کہ اے اللہ آپ مُردوں کو کیسے زندہ فرمائیں گے ؟ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی عین الیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے اس لئے یہ سوال کیا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ اللہ ﷻ کیسے کل قیامت کے مُردوں کو زندہ فرمائیں گے علم الیقین تھا مگر اس علم الیقین سے علم کا آگے کا درجہ عین الیقین یعنی مشاہدہ کا حاصل کرنے کا ارادہ تھا جب ہی یہ سوال کیا تھا۔

معمہ حیات وموت:

حضرت ابراہیم ﷺ کے اس سوال کی بہت سی وجوہات تھیں، ایک تو یہ کہ چونکہ یہی دلیل آپ نے نمرود مردود کے سامنے پیش کی تھی تو آپ نے چاہا کہ علم الیقین سے عین الیقین حاصل ہو جائے، جانتا تو ہوں ہی لیکن دیکھ بھی لیں، صحیح بخاری شریف میں اس آیت کے موقع کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم شک کے حقدار بہ نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ ہیں جبکہ انہوں نے کہا آیت (وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى) تو اس سے کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اللہ ﷻ کی اس صفت میں شک تھا، اس حدیث کے بہت سے جواب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ اب رب العالمین خالق کل فرماتا ہے کہ چار پرندے لے لو، مفسرین کے اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرندے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لئے تھے ؟ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جاننا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، کوئی کہتا ہے وہ کلنگ اور مور اور مرغ اور کبوتر تھے، کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور سیمرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے، کوئی کہتا ہے کبوتر، مرغ، مور اور کوا تھے، پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں اور روایت میں ہے اپنے پاس رکھ لیا، جب ہل گئے انہیں ذبح کر دیا، پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے، پس آپ نے چار پرند لئے، ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کئے پھر اکھیڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے، پھر چاروں پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے، پھر بحکم الہ انہیں بلانے لگے جس جانور کو آواز دیتے اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑتے اور آپس میں جڑتے اسی طرح خون خون

کے ساتھ ملتا اور باقی اجزاء بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرندہ اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا، آپ اسے دوسرے پرند کا سر دیتے تو وہ قبول نہ کرتا، خود اس کا سر دیتے تو وہ بھی جڑ جاتا، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرند زندہ ہو کر اڑ گئے اور اللہ ﷻ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افروز نظارہ خلیل اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا، پھر فرماتا ہے کہ جان لے اللہ ﷻ غالب ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی، جس کام کو چاہے بے روک ہو جاتا ہے، ہر چیز اس کے قبضے میں ہے، وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے اسی طرح اپنے انتظام میں اور شریعت کے مقرر کرنے میں بھی، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم ﷺ سے جناب باری کا یہ سوال کرنا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا اور حضرت خلیل اللہ ﷺ کا یہ جواب دینا کہ ہاں ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں، یہ آیت مجھے تو اور تمام آیتوں سے زیادہ امید دلانے والی معلوم ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک ایماندار کے دل میں اگر کوئی خطرہ وسوسہ شیطانی پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ﷺ کی ملاقات ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید پیدا کرنے والی آیت کون سی ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ فرماتے ہیں آیت:

(قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ)والی آیت جس میں ارشاد ہے کہ اے میرے گنہگار بندو میری رحمت سے ناامید نہ ہونا میں سب گناہوں کو بخش دیتا ہوں، حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا میرے نزدیک تو اس امت کیلئے سب سے زیادہ ڈھارس بندھانے والی آیت حضرت ابراہیم ﷺ کا یہ قول، پھر رب دو عالم کا سوال اور آپ کا جواب ہے۔[1]

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِئَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾	مثال ان لوگوں کی خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا ہے سب کچھ جانتا ہے (۲۶۱)
الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾	جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہی کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے یہاں اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ غمگین ہوں گے (۲۶۲)

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۶۸۹-۶۹۰

قَوْلٌ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۶۳﴾	جواب دینا نرم اور درگذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا اور اللہ بے پرواہ ہے نہایت تحمل والا (۲۶۳)

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ: اس آیت کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ اس سے پہلے بعث بعد الموت کا ذکر تھا اب یہ ذکر ہو رہا ہے کہ جو مال تم اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کروگے کل قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تم اپنے مال کو سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ دیکھوگے۔

اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جو لوگ اللہ ﷻ کے راستہ میں مال کو خرچ کرتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک دانہ ہو پھر اس دانے سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہو یعنی اگر کوئی شخص اللہ ﷻ کے راستہ میں ایک روپیہ خرچ کرتا ہے تو اُس کو سات سو روپے خرچ کرنے کے برابر اجر ملتا ہے، بلکہ اگر کسی کی نیت خالص لوجہ اللہ ﷻ ہو تو اس کو اس سات سو سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ اللہ ﷻ وسعت والے اور جاننے والے ہیں کہ کس نے کس نیت کے ساتھ اللہ ﷻ کے راستہ میں مال خرچ کیا ہے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى: اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ جو لوگ اللہ ﷻ کے راستہ میں مال خرچ کرتے ہیں اُن کی نیت نہ احسان جتلانے کی ہوتی ہے کہ جس کو مال دیا ہے اس کو جتلادے یا کسی اور کو بتائیں کہ میں نے فلاں پر احسان کیا ہے اور نہ ہی تکلیف دینے کی ہوتی ہے بلکہ وہ مال کو اللہ ﷻ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ ﷻ کے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ یہ اپنے مال کو اللہ ﷻ کو بیچتے ہیں اور اللہ ﷻ ان کے مال کو خرید تا ہے اور بدلے میں جنت عطا کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ.**[1]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ نے ایمان والوں کے جان اور مال کو خرید لیا اور اس کے بدلے ان کو جنت عطا کی۔

انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں شریعت اسلامیہ نے چھپ کر دینے کی خصوصی تعلیمات دی ہیں، لیکن بعض مواقع پر اعلانیہ خرچ کرنے میں بھی مصلحت ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے، جن میں سے بعض آیات یہ ہیں:

[1] سورۃ التوبۃ: ۱۱۱

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُونَ.[1]

ترجمہ: جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔ اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غمگین ہوں گے۔

وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً ----- أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔[2]

ترجمہ: جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں.... ان ہی کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ.[3]

ترجمہ: جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے چھپ کر اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں؛ جو کبھی خسارہ میں نہیں ہو گی۔

میں ذیل میں چند قرآنی آیات واحادیث درج کرتا ہوں، جن سے انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت واضح ہو گی۔

۱۔وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۔[4]

ترجمہ: اور اے نبی، بشارت دے دے عاجزانہ رَوش اختیار کرنے والوں کو جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سُنتے ہیں تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں، جو مصیبت بھی اُن پر آتی ہے اُس پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ رزق ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۲۔تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ۔[5]

ترجمہ: اُن کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں، اور جو کچھ رزق ہم نے اُنہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

۳۔وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي

[1] سورۃ البقرۃ:۲۷۴
[2] سورۃ الرعد:۲۲
[3] سورۃ فاطر:۲۹
[4] سورۃ الحج:۳۴-۳۵
[5] سورۃ الم سجدۃ:۱۶

السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔[1]

ترجمہ: دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ اُن خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی جو ہر حال میں اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ ﷻ کو بہت پسند ہیں۔

۴۔إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ - أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۔[2]

ترجمہ: سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سُن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں قصوروں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔

۵۔قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ۔[3]

ترجمہ: اے نبی، میرے جو بندے ایمان لائے ہیں اُن سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے، اُس میں سے کھلے اور چھپے (راہ خیر میں) خرچ کریں قبل اِس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوست نوازی ہو سکے گی۔

۶۔مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔[4] یعنی جو لوگ اپنے مال اللہ ﷻ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، اُن کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اِسی طرح اللہ ﷻ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا فرماتا ہے وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔

[1] سورۃ آل عمران: ۱۳۳-۱۳۴
[2] سورۃ الانفال: ۲-۴
[3] سورۃ ابراھیم: ۳۱
[4] سورۃ البقرۃ: ۲۶۱

۷۔وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۔[1]

ترجمہ: جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی سطح مرتفع پر ایک باغ ہو اگر زور کی بارش ہو جائے تو دوگنا پھل لائے، اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اُس کے لیے کافی ہو جائے تم جو کچھ کرتے ہو، سب اللہ ﷻ کی نظر میں ہے۔

۸۔وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۔[2]

ترجمہ: اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لیے بھلا ہے آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو تو جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہر گز نہ ہو گی۔

۹۔الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔[3] یعنی جو لوگ اپنے مال شب و روز کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لیے کسی خوف اور رنج کا مقام نہیں۔

۱۰۔يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۔[4]

ترجمہ: اللہ ﷻ سود کا مٹا دیتا ہے اور صدقات کو نشو و نما دیتا ہے اور اللہ ﷻ کسی ناشکرے بد عمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔

۱۱۔لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔[5] یعنی تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہو گا۔

۱۲۔وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ۔[6] یعنی اور جو کچھ تم اللہ ﷻ کے راستے میں خرچ

[1] سورۃ البقرۃ:۲۶۵
[2] سورۃ البقرۃ:۲۷۲
[3] سورۃ البقرۃ:۲۷۴
[4] سورۃ البقرۃ:۲۷۶
[5] سورۃ آل عمران:۹۲
[6] سورۃ الانفال:۶۰

کروگے تم کو اس کا پورا اجر دیا جائے گا اور تمہارے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔

۱۳۔قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۔[1]

ترجمہ: اے نبی، ان سے کہو، "میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اُس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔

۱۴۔إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۔[2]

ترجمہ: اللہ ﷻ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

۱۵۔إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۔[3]

ترجمہ: مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ ﷻ کو قرض حسن دیا ہے، اُن کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔

احادیث:

۱۔عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب ولا يقبل الله إلا الطيب وإن الله يتقبلها بيمينه ، ثم يربيها لصاحبه كما يربي أحدكم فَلوَّه حتى تكون مثل الجبل.[4]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا اور اللہ ﷻ پاکیزہ کے علاوہ کچھ قبول نہیں کرتا۔ اللہ ﷻ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے، پھر اسے خرچ کرنے والے کے لئے اس کی ایسے پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں کوئی اپنے گھوڑے کے بچھیرے کی پرورش کرتا ہے، حتی کہ وہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔

۲۔عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال : قال الله أنفق يا ابن آدم أنفق عليك.[5] یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

[1] سورۃ السبا:۳۹
[2] سورۃ یوسف:۸۸
[3] سورۃ الحدید:۱۸
[4] صحیح البخاری:۹/۱۲۶
[5] صحیح بخاری:۷/۶۲

بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے کہ اے ابن آدم! خرچ کر میں تجھ پر خرچ کرونگا۔

۳۔عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ قال : ما نقصت صدقة من مال ، وما زاد الله عبدا بعفو إلا عزاً، وما تواضع أحد لله إلا رفعه الله.[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اور معاف کرنے سے اللہ ﷻ بندے کی عزت بڑھاتا ہے اور جو کوئی بھی اللہ ﷻ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ ﷻ اس کو بلند فرماتے ہیں۔

۴۔عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ قال: ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان ينزلان فيقول أحدهما اللهم أعط منفقاً خلفاً ، ويقول الآخر : اللهم أعط ممسكاً تلفاً.[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر دن میں صبح کے وقت دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ خرچ کرنے والے کو نعم البدل دے، اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال تلف کر دے۔

۵۔قال ﷺ: الصّوم جُنة ، والصدقة تطفيء الخطيئة كما يطفيء الماء النار.[3]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے، اور صدقہ گناہوں کو ایسا مٹاتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو مٹاتا ہے۔

۶۔عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رجلاً قال للنبی ﷺ: إن أبي مات وتركَ مالاً ولم يوصِ ، فهل يُكفر عنه أن أتصدق عنه ؟ قال :نعم.[4] یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کی میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے مال چھوڑا ہے مگر کوئی وصیت نہیں کی، اگر میں اُن کے طرف سے صدقہ کروں تو کیا اُن کے (گناہوں کا) کفارہ ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔

۷۔عن حكيم بن حزام رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال : اليد العليا خَير من اليد السفلى وإبدأ بمن تعول وخير الصدقة عن ظهر غِنًى ومن يستعففْ يعِفه الله ومن يستغنِ يغنِه الله.[5] یعنی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نبی

[1] صحیح مسلم: ۴/ ۲۰۰۱
[2] صحیح بخاری: ۲/ ۱۱۵
[3] سنن ترمذی: ۴/ ۳۰۸
[4] صحیح مسلم: ۳/ ۱۲۵۴
[5] صحیح بخاری: ۲/ ۱۱۲

کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور (خرچ کرنے کی) ابتداء اُن لوگوں سے کر جن کی کفالت تیرے ذمے ہے اور بہترین صدقہ وہ ہے جو تونگری کے بعد ہو، اور جو سوال سے بچنا چاہے، اللہ ﷻ اسے بچالیتا ہے اور جو لوگوں سے بے نیازی اختیار کرے، اللہ ﷻ اسے بے نیاز کر دیتا ہے۔

۸۔عن يزيد بن أبي حبيب أن أبا الخير حدثه أنه سمع عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ يقول : سَمعت رسول الله ﷺ يقول : كُل إمرئٍ في ظلِّ صدقته حتى يفصل بين الناس – أو قال : يحكم بين الناس.[1]

ترجمہ: حضرت یزید بن ابی حبیب رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ ابوالخیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سُنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ ہر آدمی اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔

۹۔عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال : إذا مات الإنسان إنقطع عنه عمله إلا من ثلاثة : إلا من صدقة جارية ، أو علم ينتفع به ، أو ولد صالح يدعو له.[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین اعمال (جاری رہتے ہیں) صدقہ جاریہ اور ایسا علم جس سے نفع اُٹھایا جائے اور ایسی صالح اولاد جو اُس کے لئے دعا کرے۔

۱۰۔عن حذيفة رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال : كل معروف صدقة.[3]

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نیکی صدقہ ہے۔

۱۱۔قال رسول اللہ ﷺ إن الصدقه لتطفىء عن أهلها حَر القبور ، وإنما يستظل المؤمن يوم القيامة فى ظل صدقته۔[4]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا بیشک صدقہ اپنے دینے والے سے قبر کی حرارت ختم کرتا ہے اور بے شک مؤمن قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا۔

[1] مسند احمد: ۲۸/ ۵۶۸
[2] صحیح مسلم: ۳/ ۱۲۵۵
[3] سنن الترمذی: ۳/ ۴۱۴
[4] المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۷/ ۲۸۶

۱۲۔قال ﷺ داووا مرضاكم بالصدقة.[1]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مریضوں کا صدقہ کے ذریعے علاج کرو۔

۱۳۔عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال : سبعة يظلّهم الله في ظلّهِ يوم لا ظلّ إلا ظلّه --- وذكر ، ورجل تصدق بصدقه فأخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه.[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں جو ایسے دن جس دن کوئی سایہ نہ ہو گا وہ عرش کے سایہ میں ہونگے۔۔۔۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جو اتنے مخفی طریقہ سے صدقہ کرتا ہے کہ اسکے بائیں ہاتھ کو پتا نہیں ہو گا کہ اُس کے دائیں ہاتھ نے کیا صدقہ کیا ہے۔

۱۴۔قال ﷺ إن الصدقة لتطفئ غضب الرب.[3] آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک صدقہ رب کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

۱۵۔عن سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ: إن الصدقة على المسكين صدقة وعلى ذي الرحم اثنتان : صدقة وصلة.[4] یعنی حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور رشتے دار پر صدقہ کرنا دو صدقہ ہے صدقہ اور صلہ رحمی۔

انفاق فی سبیل اللہ کے فوائد:

۱۔ جنت میں داخلہ۔

۲۔ اللہ کے غضب کو دور کرتا ہے۔

۳۔ گناہ معاف ہوتے ہیں۔

۴۔ جہنم سے بچنا۔

۵۔ قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہونا۔

۶۔ بیماری سے شفاء۔

۷۔ بلائیں دور ہونا۔

[1] السنن الکبری للبیہقی: ۳/ ۵۳۶
[2] صحیح البخاری: ۲/ ۱۱۱
[3] سنن الترمذی: ۲/ ۴۵
[4] سنن الترمذی: ۲/ ۴۰

۸۔ نیکی کی حقیقت کو پہونچنا۔

۹۔ روزانہ فرشتوں کی دعاء کا مستحق ہونا۔

۱۰۔ مال میں برکت کا ہونا۔

۱۱۔ جنت کا ایک دروازہ "باب الصدقہ" ہے کہ جس سے جنت میں داخل ہو گا۔

۱۲۔ دل کا کشادہ اور مطمئن ہونا۔

۱۳۔ قیامت کے دن اللہ ﷻ کے عرش کے سایہ میں ہونا۔

احسان جتلانے والا:عن ابی ذر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة، ولاينظر اليهم، ولايزكيهم، ولهم عذاب عظيم. المنان لايعطى شيئا الا منه،والمنفق سلعته بعد العصر بالحلف الفاجر والمسبل ازاره لا يريد الا الخيلاء۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں، جن سے اللہ ﷻ قیامت کے دن نہ بات کریں گے، نہ ان پر نظر کرم فرمائیں گے، اور نہ ان کو پاک کریں گے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ ایک، احسان جتانے والا کہ جب بھی کسی کو کچھ دے، احسان جتائے۔ دوسرا، عصر کے وقت جب بازار ختم ہو رہا ہو، جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔ اور تیسرا، اپنے تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، جس سے اس کا مقصد سوائے تکبر و نخوت کے کچھ نہ ہو۔

احسان کر کے جتلانا یہ کبیرہ گناہ ہے۔

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ: اُن کے رب کے پاس اُن کے لئے بڑا اجر یہ وہ ایک اجر یہ ہے کہ مرتے وقت نہ اُن کو آخرت کا کوئی خوف نہیں ہو گا نہ قبر کا اور نہ حشر کا اور نہ ہی دنیا میں اپنے ورثاء کا کوئی غم ہو گا۔

قَوْلٌ مَعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى: یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق ہے کہ جن کی یہ عادت ہو کہ وہ مال کو خرچ کر کے احسان جتلائیں گے تو اُن کو چاہئے کہ بجائے صدقہ کرنے کے وہ کوئی اچھی بات کہہ دے کہ مثلاً کہ مجھے افسوس ہوا آپ کے مالی حالات کا سُن کے میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں یا پھر معذرت کر لے کہ میرے پاس پیسے نہیں ہے۔

وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ: اور اللہ ﷻ غنی ہیں اور بُردبار ہیں تو ہمیں بھی چاہئے کہ ہم بھی اللہ ﷻ کی صفت غنی کو اپناتے تو مال کو خرچ کرے اور حلیم صفت کو اپناتے ہوئے کسی پر احسان نہ جتلائے کیونکہ اللہ ﷻ کافروں کو بھی مال دیتا ہے مگر وہ بُردبار ہے تو ہمیں بھی بُردباری کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

صحیح مسلم:۱/۱۰۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦٤﴾

اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا اور اللہ ﷻ نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو (۲۶۴)

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾

اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کر ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دوچند اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ ﷻ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے (۲۶۵)

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٦﴾

کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ ہووے اس کا ایک باغ کھجور اور انگور کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں اس کو اس باغ میں اور بھی سب طرح کا میوہ حاصل ہو اور آ گیا اس پر بڑھاپا اور اس کی اولاد ہیں ضعیف تب آ پڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل گیا یوں سمجھاتا ہے تم کو اللہ ﷻ آیتیں تاکہ تم غور کرو (۲۶۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى: اس آیت میں اللہ ﷻ خاص ایمان والوں کو خطاب کر کے بیان فرما رہے ہیں کہ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلانے یا اذی کے ذریعے باطل مت کرو۔

اس کی ایک مثال دی ہے کہ تم اپنے مال کو اس شخص کی طرح خرچ مت کرو کہ جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور اللہ ﷻ پر اور قیامت کے دن پر یقین نہیں رکھتا ہے سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ: اس آیت میں چونکہ ایمان والوں کو خطاب ہے تو یہاں کافروں سے مراد ناشکرے ہیں کہ اللہ ﷻ ناشکروں کو راہ نہیں دِکھاتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ: اس سے پہلے ایسے شخص کی مثال دی تھی جو اللہ ﷻ کی رضا کے لئے مال نہیں خرچ کرتا تھا بلکہ نیت دِکھلاوے کی تھی اب اس آیت میں ایسے شخص کی مثال دی جارہی ہے کہ جو مال کو اللہ ﷻ کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دوچند اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے، یعنی جو لوگ اللہ ﷻ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں تو اُن کے مال میں اللہ ﷻ برکتیں عطا فرماتا ہے۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ: اب اس آیت میں ایسے شخص کی مثال دی جارہی ہے کہ اگر کسی کا کوئی باغ ہو اور وہ بڑھاپے کی حالت میں آجائے اور اُس کے اولاد چھوٹی ہوں اور اُس نے کافی مال چھوڑ دیا کہ بڑھاپے میں کام آئے گا تب آپڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل گیا یوں سمجھاتا ہے، تو اس شخص کا کیا حال ہوگا اسی طرح جو شخص اگر احسان جتلانے کے لئے مال کو خرچ کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کا مال ایسا ہی ہو جائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾	اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لوگے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہے خوبیوں والا (۲۶۷)
الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾	شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بہت کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے (۲۶۸)

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾	عنایت کرتا ہے سمجھ جس کسی کو چاہے اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں (۲۶۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ: اس آیت میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کا مضمون چل رہا ہے، اس آیت میں لفظ "طَيِّبَاتِ" کی طرف اشارہ ہے کہ جو مال تم کماتے ہو اُس میں سے پاکیزہ چیز میں سے خرچ کرو ایسا نہ ہو کہ جو چیز تمہارے لئے قابلِ استعمال نہ رہے اُس کو تم اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کر رہے ہو ایسا مت کرو بلکہ پاکیزہ چیز کو خرچ کرو۔

واقعہ: میرے شیخ حضرت مولانا اشفاق صاحب رحمہ اللہ کو میں نے دیکھا کہ جو چیز اُن کو پسند آجاتی تھی اس کو خرید کر کبھی مسجد کے امام کے لئے خریدتے تو کبھی کسی اور کے لئے اور خود استعمال نہ فرماتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ چیز مجھے پسند آئی ہے اس لئے میں یہ چیز فلاں کے خرید لیا ہے، خود عمدہ کپڑے نہیں پہنا کرتے تھے مگر اپنے کپڑے کی دوکان میں سے عمدہ کپڑے اللہ ﷻ کے راستہ میں دیا کرتے تھے۔

وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ: اس آیت میں اللہ ﷻ ارشاد فرمارہے ہیں کہ جن کو ہم نے زمین عطا فرمائی ہے تو وہ اپنی زمین میں سے بھی "طَيِّبَاتِ" کو خرچ کرے ایسا نہ ہو کہ جو سبزیاں اُگائی اور وہ خراب ہوگئی تو اس کو اللہ ﷻ کے راستہ میں خرش کر دیا اور صحیح سبزیاں خود رکھ لی ایسا نہ کرو بلکہ "طَيِّبَاتِ" کو اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کرو۔

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ وہ چیز جو تم خود پسند نہیں کرتے ہو اُس کو اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کرتے ہو حالانکہ تم نہ اس کو خود کھاتے ہو اور نہ اس کو استعمال کرتے ہو تو ایسا نہ کرو۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ: اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جب تم اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کرتے ہو تو شیطان تم کو فقر یاد دالئے گا کہ تم اپنے مال کو خرچ کروگے تو تم فقیر ہو جاؤ گے اور گناہ کے کام کا حکم دیتا ہے یعنی گناہ کے کام میں خرچ کرنے میں وہ فقر یاد نہیں دلاتا ہے۔

وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا: اس میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ تم شیطان کا کہنا مت مانو کیونکہ جب تم اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کروگے تو اللہ ﷻ تم سے مغفرت کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے مغفرت فرمائے گا اور ساتھ ساتھ اپنے فضل سے تم کو اتنا مال دے گا کہ تمہیں معلوم بھی نہیں ہوگا (فضل کی تفسیر سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۰۵ میں گذر چکی ہے)۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا: یہاں پر اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ ﷻ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی اس کو خیر کثیر مل گئی۔

حکمت: حدیث شریف میں آتا ہے کہ: **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الكَلِمَةُ الحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا.**[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کلمہ حکمت مؤمن کی گمشدہ چیز ہے، پس جس جگہ وہ پائے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ: اصل میں بات یہ ہے کہ صرف عقل والے ہی اس نصیحت کو سمجھتے اور قبول کرتے ہیں۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾	اور جو خرچ کروگے تم خیرات یا قبول کروگے کوئی منت تو بیشک اللہ ﷻ کو سب معلوم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں (۲۷۰)
إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۷۱﴾	اگر ظاہر کرکے دو خیرات تو کیا اچھی بات اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کرے گا کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے (۲۷۱)
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۲﴾	تیرا ذمہ نہیں انکو راہ پر لانا اور لیکن اللہ ﷻ راہ پر لاوے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کروگے تم مال سو اپنے ہی واسطے جب تک کہ خرچ کروگے اللہ ہی کی رضاجوئی میں اور جو کچھ خرچ کروگے خیرات سو پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا (۲۷۲)
لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ	خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں سمجھے ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال

[1] سنن الترمذی: ۴/۳۴۸

الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴿۲۷۳﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴿۲۷۴﴾	نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے ان کو انکے چہرہ سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر اور جو کچھ خرچ کروگے کام کی چیز وہ بیشک اللہ کو معلوم ہے(۲۷۳) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ ﷻ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو ان کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۲۷۴)

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ: اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو کچھ تم خرچ کرتے ہو یا نذر مانتے ہو سب کچھ اللہ ﷻ جانتے ہیں۔

نذر: نذر جس کو اُردو میں منت بھی کہتے ہیں، اگر کوئی شخص منت مان لے تو اس منت کا اگر وہ جائز ہے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے، منت اصل میں اللہ ﷻ سے وعدہ کرنا ہے کہ یا اللہ! اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں غریبوں کو کھانا کھلاؤں گا یا میں دس رکعات نماز پڑھوں گا۔ منت مالی اور بدنی دونوں عبادت کی مانی جاسکتی ہے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ: اب یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ ﷻ کے راستہ میں مال کو خرچ کرتا ہے اور اس خرچ کرنے کو ظاہر کرتا ہے اس نیت سے کہ لوگوں میں اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دینا مقصود ہو تو اللہ ﷻ فرماتے ہیں کہ اس طرح کرنا بھی درست ہے۔

وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ: لیکن اگر کوئی صدقہ کو چھپا کر فقیروں کو دیتا ہے، تو یہ ہمارے لئے بہتر ہے، اس عمل سے اللہ ﷻ گناہوں کو معاف فرما کر نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے، اور اللہ ﷻ خوب جانتے ہیں کہ ہم مال کو کس نیت سے خرچ کر رہے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ: یہاں پر یہ مضمون بیان ہو رہا ہے کہ ہدایت کا ملنا اللہ ﷻ کی طرف سے ہے کہ جس کو اللہ ﷻ چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں کسی نبی ﷺ یا کسی مبلغ کا کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو ہدایت دے، لہذا مبلغ کو چاہئے کہ وہ بس تبلیغ کرتا رہے اور اگر کسی کو ہدایت نہیں ملتی ہے تو مبلغ کو چاہئے کہ وہ پریشان نہ ہو۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ: یہاں پر اللہ ﷻ بیان فرما رہے ہیں کہ جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے لئے ہی بہتر ہے۔

وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ: اور جو مال بھی اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کرتے ہو تو تم کو اس کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں جو لوگ اللہ ﷻ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں تو ایسے لوگ اُن لوگوں پر بھی مال کو خرچ کرتے ہیں جو لوگ کسی سے سوال نہیں کرتے ہیں جیسے مدرسہ کے طلباء کہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے ہیں مگر جاہل قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مالدار ہیں حالانکہ وہ سفید پوش ہیں تو وہ لوگ ایسے لوگوں پر خرچ کرتے ہیں تو اللہ ﷻ بیان فرماتے ہیں جو تم خیر کے کاموں میں خرچ کرتے ہو تو اللہ ﷻ اُس کو جاننے والے ہیں۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً: اب یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ لوگ اپنے مالوں دن اور رات میں اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں چھپ کر بھی اعلانیہ طور پر بھی مال کو خرچ کرتے ہیں تو ایسے لوگ دنیا و آخرت میں ہر قسم کی تکالیف اور ہولناکیوں سے مامون ہوں گے۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۷۵﴾	جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیے ہوں جن نے لپٹ کر یہ حالت انکی اس واسطے ہو گی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری اور حرام کیا ہے سود کو پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آ گیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالہ ہے اور جو کوئی پھر سود لیوے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (۲۷۵)
يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۷۶﴾	مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گنہگار سے (۲۷۶)
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۷﴾	جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ انکے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۲۷۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾	اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا(۲۷۸)
فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾	پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر(۲۷۹)
وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾	اور اگر ہے تنگدست تو مہلت دینی چاہیئے کشائش ہونے تک اور بخش دو تو بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو سمجھ ہو(۲۸۰)
وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾	اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا(۲۸۱)

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ: ان آیات میں سود کے کے بارے میں تفصیل ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

سود لینا اور دینا: حرام کسب میں ایک بدترین حرام کمائی سودی کاروبار ہے، آج کل پوری دنیا میں سود کا بازار گرم ہے، مسلم اور غیر مسلم ممالک میں سودی کاروبار ہو رہا ہے، کافر تو اس کو برا سمجھتے ہی نہیں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان حضرات بھی اس بدترین گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے بلکہ بعض حضرات تو باقاعدہ بحث کرتے ہیں کہ سود حلال ہے، یہ مولویوں نے اس کو حرام کر رکھا ہے۔ ان پڑھے لکھے جاہلوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کے سود کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے، بلکہ سود کی حرمت پر جو آیتیں نازل ہوئی ہیں وہ قرآن کریم کی آخری آیات ہیں اس کے بعد قران کریم کا نزول نہیں ہوا، چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **كان آخر ما نزل من القرآن آية الرّبا و أنّ نبيّ الله ﷺ قبض قبل ان يفسّرها، فدعوا الرّبا و الرّيبة.**[1] یعنی باعتبار نزول کے آیاتِ ربا قرآن کریم کی سب سے آخری آیت ہے، نبی کریم ﷺ ان آیات کی تفسیر بیان کرنے سے قبل انتقال فرما گئے، لہٰذا ربا اور ریبہ یعنی سود اور ہر وہ چیز کے جس میں سود کا ذرہ برابر بھی شک ہو انہیں چھوڑ دو۔

[1] جامع البیان: ۳/۱۴۷

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے ان آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ نو راتیں زندہ رہے۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے ابن جریج رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ قول نقل کیا ہے۔[1]

سورہ بقرہ کی یہ آیات نمبر ۲۷۵ سے ۲۸۱ تک سود کی حرمت پر نازل ہوئیں اور یہ آیات قرآنِ کریم کی آخری آیات ہیں، ان آیات کے بعد، نزولِ وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

مذکورہ بالا آیات میں مندرجہ ذیل چیزوں کو بتایا گیا۔

ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح طور پر سود کی حرمت بیان فرمادی، مذکورہ بالا آیات میں مندرجہ ذیل چیزوں کو بتایا گیا۔

۱۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کی عقل ضبط ہو جاتی ہے، شیطان اور جن جس طرح کسی کو چھولے تو اس کے حواس گم ہو جاتے ہیں، اسی طرح سود کھانے والوں کا حال قیامت کے دن ہو گا۔

۲۔ یہ لوگ تجارت اور سود کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام فرمایا۔

۳۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سود کو مٹاتا ہے جب کہ صدقات کو بڑھاتا ہے، حالانکہ بظاہر سود میں مال بڑھتا ہوا نظر آتا ہے جب کہ صدقات میں کم ہوتا نظر آتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب نظر کا دھوکہ ہے، چیزوں کو بڑھانا اور مٹانا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **ما أحد أكثر من الربوا الاّ كان عاقبة أمره الى قلة.**[2]

ترجمہ: سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر اس کا انجام کار نتیجہ قلت ہے۔

۴۔ زمانہ جاہلیت میں جو سودی لین دین تھا، اسلام نے جب سود کی حرمت بیان کر دی تو فرمایا کہ سود کی بقایار قوم کس کے ذمہ باقی تھیں، ان کا لینا دینا بھی حرام کر دیا گیا، اب صرف رأس المال وصول کیا جائیگا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَلا اِنّ كُلُّ ربا كان فى الجاهليَّة موضوع عنكم كله لكم رؤوس أموالكم لا تَظلمون و لا تُظلمون و أول ربا موضوع ربا العبّاس ابن عبد المُطَّلب كله.**[3] یعنی زمانہ جاہلیت میں جو سود میں معاملات کئے گئے سب کا سود چھوڑ دیا گیا، تم کو اصل رقم ملے گی، نہ تم زیادتی کرو گے اور نہ تمہارے ساتھ زیادتی ہو گی اور سب سے پہلا سود جو چھوڑا گیا وہ عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کا سود ہے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص نادانی میں سودی کاروبار کرتا رہا اور جب اس کو معلوم ہو گیا کہ یہ مطلقاً حرام کام ہے

[1] جامع البیان: ۳/ ۱۴۹
[2] سنن ابن ماجہ: ۱/ ۷۶۵
[3] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۴۲

تو اس کو صرف اپنی رقم وصول کرنی چاہئے اور تمام سود سے اجتناب لازمی ہے۔

۵۔ اب اگر کوئی شخص سودی کاروبار سے باز نہ آئے تو اس کیلئے اللہ ﷻ کی طرف سے اعلان جنگ ہے کہ تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کیلئے تیار ہو جائے کس میں طاقت ہے کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرے۔

۶۔ اگر قرض لینے والا شخص مفلس ہے اور اس میں استطاعت نہیں ہے کہ قرض واپس کر دے، تو اللہ ﷻ فرماتے ہیں کہ اس کو فراخی اور بہتر حالات ہونے تک کی مہلت دی جائے اور اگر معاف کر سکتے ہو یعنی قرضہ معاف کر سکتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے۔

سورۃ البقرۃ کی ان آیات کے علاوہ اور دوسری جگہوں میں بھی سود کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.[1]

ترجمہ: اے ایمان والو سود مت کھاؤ حصہ سے زائد اور اللہ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کے سود دوگنا کر کے کھانا منع ہے، لہٰذا ایک سود کھا سکتے ہیں اور پھر مزید یہ کہتے ہیں کہ موجودہ بینک کے نظام میں سود کا کھانا ڈبل نہیں ہوتا، سنگل ہوتا ہے، لہٰذا اب بنک سے سودی قرضے لے کر مکان وغیرہ کی تعمیر کر سکتے ہیں۔

اس طرح کی تاویل انتہائی خطرناک ہے، اس طرح کے لوگ قرآن کریم کے ظاہری آیت کو دیکھ کر مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ آیات کا شان نزول کا علم ہونا بہت ضروری ہے تاکہ اصل مطلب سمجھ میں آئے۔

تفسیر طبری میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے قرض لیتا تھا اور جب وقت آجاتا تو قرض دینے والا اس سے مانگتا تو مدیون یوں کہتا کے قرض کو موخر کر دو اور میں تم کو اور زیادہ دونگا، اس طرح دونوں کرتے، نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ سود دگنا ہو جاتا، اس کو اللہ ﷻ نے **أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً** فرمایا۔[2] تو جاہلیت کے اس طریقہ کے سود کو اس آیت میں روکا گیا کہ تم سود کو دگنا کر کے نہ کھاؤ، اس سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واحد سود جائز ہے، نعوذ باللہ۔

ایک اور جگہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: **وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ مَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔**[3] یعنی اور جو سود جو تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو جائے، تو

[1] سورۃ آل مران: ۱۳۰
[2] جامع البیان: ۴/ ۱۱۴
[3] سورۃ الروم: ۳۹

یہ اللہ کے نزدیک اضافہ نہیں ہوتا۔

سود کی حرمت صرف امت محمدیہ پر نہیں ہے بلکہ شریعت موسویہ میں بھی اس کی حرمت تھی، چنانچہ ارشاد باری ﷻ ہے: **فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا - وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ -**[1]

ترجمہ: یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے جو پاکیزہ چیزیں ان کیلئے حلال تھیں ہم نے حرام کر دی اور ان کے بکثرت لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کی وجہ سے اور سود لینے کی وجہ سے جبکہ ان کو اس سود لینے سے منع کیا گیا تھا۔

معلوم ہوا کہ سود کی حرمت یہودیوں پر بھی تھی اور اب اس وقت پوری دنیا میں جو سودی کاروبار ہو رہا ہے اس کے پیچھے انہی یہودیوں کا ہاتھ ہے۔

قرآن کریم کی ان آیات کے علاوہ کئی احادیث مبارکہ ہیں جو سود کی حرمت کو بتلاتی ہیں۔ ذیل میں چند احادیث درج کئے جاتے ہیں۔

۱- عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله! و ما هنّ؟ قال: الشرک بالله والسحر و قتل النفس التی حرّم الله الا بالحق و أكل الربا و أكل مال اليتيم والتولّی يوم الزحف و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات۔[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول وہ کیا ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ۱۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ۲۔ جادو کرنا، ۳۔ کسی کو ناحق قتل کرنا، ۴۔ سود کھانا، ۵۔ یتیم کا مال کھانا، ۶۔ میدان جنگ سے بھاگنا، ۷۔ پاک دامن سیدھی سادھی مومن عورت پر الزام لگانا۔

اس روایت میں بتلایا گیا کہ سود کھانا ان گناہوں میں سے ہے کہ جو کہ ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔

۲۔عن جابربن عبد اللہ رضی اللہ عنہم قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا و موكله و كاتبه و شاهديه و قال: هم سواء.[3]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر سود کھلانے والے پر، سود لکھنے والے پر اور اس پر گواہ بننے والے پر، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سب برابر ہیں۔

[1] سورۃ النساء: ۱۶۱-۱۶۰
[2] صحیح البخاری: ۵/ ۳۹۳
[3] صحیح مسلم: ۳/ ۲۱۹

۳۔عن أبی هریرة ؓ عن النبی ﷺ قال:أربع حق علی الله أن لا یدخلهم الجنة و لا یذیقهم نعیمها: مدمن الخمر و آکل الربا و آکل مال الیتیم بغیر حق و العاق لوالدیه.[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: چار طرح کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر ان کا حق ہے کہ وہ ان کو جنت میں داخل نہ کرے اور نہ ہی جنت کے مزے ان کو چھکلائے، وہ چار لوگ یہ ہیں: ۱۔ شراب پینے والا، ۲۔ سود کھانے والا، ۳۔ یتیم کا مال ناحق کھانے والا، ۴۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا۔

۴- عن أبی هریرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الربا سبعون حوبا، أیسرها أن ینکح الرجل أمّه.[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سود کے ستر گناہ ہیں، سب سے کم گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے نکاح کرے۔

۵۔عن ابن مسعود ؓ عن النبی ﷺ قال: بین یدی الساعة یظهر الرّبا و الزنا والخمر.[3]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے قریب سود، زنا اور شراب عام ہو جائیگی۔

۶۔عن عبد الله بن حنظلة غسیل الملائکة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: درهم ربا یأکله الرجل و هو یعلم أشدّ من ستة و ثلاثین زنیة.[4]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حنظلہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے، وہ چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بدتر ہے۔

۷۔عن عبد الله بن مسعود ؓ عن النبی ﷺ قال: ما أحد أکثر من الربا الاکان عاقبة أمره الی قلة۔[5]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اکثر جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا انجام کار قلت ہے۔

[1] مستدرک حاکم: ۲/ ۴۳
[2] سنن ابن ماجہ: ۲/ ۷۶۴
[3] المعجم الاوسط للطبرانی: ۷/ ۳۴۹
[4] مسند احمد: ۵/ ۲۲۵
[5] سنن ابن ماجہ: ۲/ ۷۶۵

۸۔عن عوف بن مالک ؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ایاک و الذنوب التی لا تغفر، الغلول، فمن غلّ شیئا اتی به یوم القیامة و آکل الربا، فمن أکل الربا بعث یوم القیامة مجنونا یتخبط.[1]

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ان گناہوں سے بچو کے جن کی مغفرت نہیں ہوتی، مال غنیمت میں چوری کرنا، جو کوئی شخص مال غنیمت میں چوری کرے قیامت کے دن اس کے ساتھ اس کو لایا جائیگا، دوسرا شخص سود کھانے والا، لہٰذا جو سود کھائے گا قیامت کے دن جنون اور مخبوط الحواس اٹھے گا۔

۹۔عن أبی هریرة ؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لیأتین علی الناس زمان لا یبقی منهم أحد الا أکل الربا، فَإِنْ لم یأکله أصابه من غباره.[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً لوگوں پر ایسا زمانہ آئیگا کہ ان میں سے ہر ایک شخص سود کھائے گا، اگر کوئی نہ کھائے تو اس کو سود کا غبار تو پہنچے گا۔

لگتا ہے کہ آج کل کا زمانہ تقریباً اس حدیث کے مطابق ہے۔

۱۰۔عن ابن مسعود ؓ عن النبی ﷺ قال: ما ظهر فی قوم الزنا والربا الا أحلّوا بأنفسهم عذاب اللہ.[3]

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی قوم میں زنا اور سود ظاہر ہو جائے تو وہ اپنے اللہ ﷻ کا عذاب حلال کر لیتے ہیں۔

سود کے سلسلہ میں کئی احادیث ہیں، میں نے صرف دس احادیث نقل کئے جو کہ اہل فہم کیلئے کافی ہیں۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے سود کھانے اور کھلانے والوں کیلئے مندرجہ ذیل چیزیں سامنے آتی ہیں۔

☆سود کھانے والے قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے کہ مخبوط الحواس ہوں گے۔

☆اللہ ﷻ سود کو مٹاتا ہے، جبکہ صدقات کو بڑھاتا ہے۔

☆جو لوگ سودی لین دین سے باز نہیں آتے، ایسے لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کیلئے تیار ہو جائیں۔

☆سود کی حرمت یہودیوں پر بھی تھی۔

☆سود ان سات گناہون میں سے ہے کہ جو مہلک ہے، انسان ان کے ارتکاب سے ہلاک ہو جاتا ہے۔

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۸/ ۶۰
[2] سنن ابی داؤد: ۳/ ۲۸۳
[3] مسند ابی یعلی: ۸/ ۴۹۸

☆سود کھانے اور کھلانے والا پر لعنت ہے۔

☆چار طرح کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ ان کو جنت میں داخل نہیں کریگا، ان میں سے ایک سود کھانے والا ہے۔

☆سود کے ستر گناہ ہیں، ان ستر گناہوں میں سے سب سے کم تر گناہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنا ہے۔

☆سود کا عام ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔

☆سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدتر ہے۔

☆سود کتنا ہی کھا اور کما لے، انجام کار اس کی قلت ہی ہے۔

☆سود ان گناہوں میں سے ہے کہ جس کی معافی نہیں ہے۔

☆قیامت سے پہلے ہر ایک شخص سود کھانے والا بن جائیگا، اگر نہ کھائے تو سود کا غبار اس کو ضرور پہنچے گا۔

☆جن لوگوں میں سود اور زنا عام ہو جائیگا، اس طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کا عذاب اپنے لئے حلال کر لیتے ہیں۔

آج اس فتنے کے دور میں لوگ پوری کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی بھی طرح سے سود حلال ہو جائے چنانچہ طرح طرح کے مفتی پیدا ہو گئے ہیں جو یہ کہنے لگے ہیں کہ سودی کاروبار حلال ہے، کوئی یہ کہتا ہے کہ موجودہ بینکنگ پہلے زمانہ کی سودی سسٹم سے مختلف ہے، لہٰذا یہ حلال ہے، کوئی یوں فتویٰ دیتا ہے کہ غیر اسلامی ممالک میں ایک گھر آپ سود پر بنا سکتے ہیں، اسی طرح ایک کاروبار سود پر کر سکتے ہیں اور کوئی غیر اسلامی ممالک کو دارالحرب شمار کر کے سودی لین دین کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ اللہ ﷻ ایسے علماء و مفتیوں کو ہدایت دے جو امت کو سود جیسے بدترین گناہ میں دھکیل رہے ہیں، نیز ان لوگوں کو بھی ہدایت دے جو اس گناہ میں مبتلا ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ اصل گناہ سود لینے کا ہے، دینے کا نہیں ہے، لہٰذا سود پر مکان وغیرہ بنا سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرما کر یہ فرمایا کہ دونوں برابر ہیں، جب اللہ کے نبی دونوں کو برابر فرما رہے ہیں تو ہم کون ہوتے ہیں کہ دونوں میں فرق کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ	اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور انکار نہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دیوے جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہئے کہ لکھ دے اور بتلاتا جاوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ پھر اگر

هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَى أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾

وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلاوے کارگذار اس کا انصاف سے اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلاوے اس کو وہ دوسری اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو اور گواہ کر لیا کرو جب تم سودا کرو اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے (۲۸۲)

اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گرو ہاتھ میں رکھنی چاہیئے پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو چاہئے کہ پورا ادا کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپاوے تو بیشک گنہگار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے (۲۸۳)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ: یہ آیت لین دین کے معاملے کی ہے اور قرآنِ کریم کی سب سے بڑی یہ آیت ہے، اس لئے یہاں پر لین دین کے معاملات کا تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر آپس میں کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو صاحبِ وسعت کو ضرورت مند کو قرض دے دے

کیونکہ وہ سود کی طرف جائے گا اور سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے، لہذا اگر اللہ ﷻ نے مال دیا ہے تو وہ وقتِ مقررہ تک قرض دے دیا کرے مگر اس بات کا خیال رکھے کہ قرض دیتے وقت لکھ لیا کرو کہ کتنے پیسے قرض دیا ہے اور کتنے دن کے لئے دیا ہے، کیونکہ بعد میں کسی طرح کے جھگڑے کا سبب نہ ہو کہ مقروض انکاری بن جائے کہ مجھے پیسے کم دیئے ہیں یا قرض دینے والا وقتِ مقررہ سے پہلے آکر قرض کا مطالبہ کرنے لگے بلکہ ان تمام معاملہ کو لکھ لیا کرو۔

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ: اگر معاملہ کرنے والوں کو لکھنا نہیں آتا ہے تو جس کو لکھنا آتا ہے اُس کو چاہئے کہ وہ ان کے معاملات کو لکھ دے مگر لکھنے والا اس بات کا خاص رکھے کہ انصاف کے ساتھ لکھے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسس کے ساتھ ظلم ہو جائے کیونکہ اگر کسی کے ساتھ ظلم ہوا تو ایسا کرنا گناہ ہے۔

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ: جس کو لکھنا آتا ہے اُس کو چاہئے کہ جب اس کو لکھنے کو کہا جائے تو وہ لکھ دیا کرے اور انکار نہ کرے کیونکہ اُس کو اللہ ﷻ نے اس کو لکھنا سکھایا ہے تو اس کو چاہئے کہ شکر ادا کرتے ہوئے اُن کے معاملات کو لکھے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا: اب یہاں بیان ہو رہا ہے کہ وہ اس طرح لکھے کی صاحبِ معاملہ بولتا جائے اور کاتب اس کو لکھتا جائے اور اپنے رب اللہ ﷻ سے ڈرے کیونکہ جب کوئی اللہ ﷻ سے ڈرے گا تو وہ معاملات کو صحیح صحیح لکھے گا۔

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ: اس آیت میں ایسے لوگوں کے بارے میں بیان ہو رہا ہے کہ صاحبِ معاملہ اگر بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا کسی وجہ سے لکھوانے کی استطاعت نہ رکھتا مثلاً فالج ہوا ہو یا بول نہیں سکتا ہو یا بچہ ہو کہ اس کی ملکیت میں کافی مال ہو تو اب حکم یہ ہے کہ اس کا ولی اس معاملہ کو لکھے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى: اس آیت میں دوسرا حکم بیان ہو رہا ہے کہ پہلا حکم تو یہ تھا کہ لین دین کے معاملہ کو لکھا کرو، اب یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ جب لکھنے لگو تو اس لکھنے پر دو گواہ بھی بنالو اور جس سے تم راضی ہو اس کو گواہ بناؤ، اب یہ گواہ یا تو دو مرد ہوں اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالو اور عورتوں کو دو گواہ بنالے میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایک عورت معاملہ بھول جاتی ہے تو دوسری عورت اس کو یاد دلا دے گی کہ تم غلط کہہ رہی ہو بلکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى: اس آیت میں دوسرا حکم بیان ہو رہا ہے کہ پہلا حکم تو یہ تھا کہ لین دین کے معاملہ کو لکھا کرو، اب یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ جب لکھنے لگو تو اس لکھنے پر دو گواہ بھی بنالو اور جس سے تم راضی ہو اس کو گواہ بناؤ، اب یہ گواہ یا تو دو مرد ہوں اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنالو اور عورتوں کو دو گواہ بنالے میں حکمت یہ ہے کہ اگر ایک عورت معاملہ بھول جاتی ہے تو دوسری عورت اس کو یاد دلا دے گی کہ تم غلط کہہ رہی ہو بلکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے۔

دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر کا مسئلہ: آج کل آزاد خیال لوگ حقوق نسواں کے بہانے قرآن کریم کے حکم کا انکار کرتے ہوئے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اکثر احکامِ الٰہی کے منکر ہوتے ہیں۔ وحی کے مقابلہ میں اپنی عقل کا استعمال کرتے ہیں۔ ان بے عقلوں کو یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ جہاں عقلِ انسانی ختم ہوتی ہے وہاں سے وحی شروع ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ﷻ مردوں اور عورتوں کے مالک و خالق ہیں اور وہ ان کی ظاہر و پوشیدہ صلاحیتوں، عقل و شعور اور حفظ و اتقان کو خوب جانتے ہیں، جب انھوں نے ہی عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں آدھی قرار دی، تو کسی ایسے انسان کو، جو اللہ ﷻ کو خالق و مالک مانتا ہو، یا کم از کم اس کی ذات کا قائل ہو، اس حکمِ الٰہی پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، ہاں منکرِ خدا اور دہریہ ہی اللہ ﷻ کے اس حکم کا انکار کر سکتا ہے۔

رہی یہ بات کہ عورت کی گواہی مرد کی نسبت آدھی کیوں قرار دی گئی؟ اور اس کی کیا حکمت و مصلحت ہے؟ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس کی حکمت و مصلحت قرآن و حدیث دونوں میں مذکور ہے چنانچہ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت میں صراحت و وضاحت کے ساتھ اس کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا "**أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ**"

ترجمہ: تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلا دے اس کو وہ دوسری۔

جس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ خواتین عدالتی چکروں کی متحمل نہیں ہیں، ان کی اصلی وضع گھر گرہستی اور گھریلو ذمہ داریوں کے نبھانے کے لئے ہے، اس لئے عین ممکن ہے کہ جب عورت عدالت اور مجمع عام میں جائے تو گھبرا جائے اور گواہی کا پورا معاملہ یا اس کے کچھ اجزاء اُسے بھول جائیں، اس لئے حکم ہوا کہ اس کے ساتھ دوسری خاتون بطور معاون گواہ رکھی جائے تاکہ اگر وہ بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ قرآن مجید کے الفاظ "**أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ**" واضح طور پر یہ بتلاتے ہیں کہ بھولنے اور یاد دلانے کا یہ معاملہ عورت کے ساتھ مخصوص ہے، مرد کے سلسلہ میں یہ بات نہیں۔

لہٰذا خود قرآن مجید کی نظر میں عورت کا کسی بات کو بھول جانا ظاہر و باہر ہے اور اسی بناء پر شہادت کے لیے اس کے ساتھ دوسری عورت کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جس سے ایک تو "دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر" ہونے کی واضح طور پر نشاندہی ہوتی ہے اور دوسرے اس سے عورت کی عقل کے نقصان کا حقیقت پر استدلال ہوتا ہے۔

عورتوں کے نقصان عقل کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے، جو آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ میں فرمایا: **ما رأیت من ناقصات عقل و دین اغلب لذی لب منکن، قالت: یا رسول اللہ وما نقصان العقل والدین؟ قال: اما نقصان العقل فشھادۃ امرأتین تعدل شھادۃ رجل، فھذا نقصان العقل، وتمکث اللیالی ما تصلی و تفطر فی رمضان فھذا نقصان الدین.**[1]

ترجمہ: میں نے عقل اور دین کے اعتبار سے ناقصات میں سے ایسا کوئی نہیں دیکھا، جو تم میں سے صاحبِ عقل کی عقل کو گم کر دے؟ ایک خاتون نے عرض کیا: ہم ناقص عقل و دین کیوں ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: عورت کے نقصانِ عقل کی وجہ یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے، اور اس کے نقصانِ دین کی وجہ یہ ہے کہ وہ (مہینہ کے) کچھ دنوں اور راتوں میں نماز نہیں پڑھتی اور رمضان میں روزہ نہیں رکھتی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی شہادت کا ایک مرد کے برابر ہونا تو حکم الٰہی ہی ہے، البتہ اس کی حکمت آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ یہ ان کے نقصانِ عقل کی بناء پر ہے، دیکھا جائے تو آنحضرت ﷺ نے یہ وجہ اپنی طرف سے ارشاد نہیں فرمائی بلکہ دراصل یہ قرآن کریم کی آیت: "**أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ**" کی تفسیر و تشریح ہے۔

لہٰذا جو لوگ عورت کی گواہی کے مسئلہ پر یہ اشکال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں نصف کیوں ہے؟ تو وہ لوگ حکم الٰہی کا مذاق اڑاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی بات کا بھی انکار کرتے ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند نے عورت کی آدھی گواہی کے سلسلہ میں ایک عجیب و غریب نقطہ ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: عجب نہیں کہ مجموعہ بنی آدم میں اوّل سے لے کر آخر تک دو تہائی عورتیں اور ایک تہائی مرد ہوں اور حکم ازلی نے باعتبار جہت تقابل کے بھی وہی حساب "**للذکر مثل حظ الانثیین**" بٹھا کر ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابل رکھا ہو۔[2]

[1] صحیح مسلم، ص: ۱/ ۶

[2] تفسیر معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ: ۱/ ۴۲۵

چنانچہ اگر اوّل سے آخر تک کی مردوں اور عورتوں کی تعداد کا کسی کو استحضار نہ بھی ہو تو دنیا بھر میں موجودہ عورتوں کی تعداد سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے، اس لئے کہ آج دنیا بھر میں عورتیں مردوں کی نسبت بہت ہی زیادہ ہیں، اور غالباً اسی تناسب سے اللہ ﷻ نے دو عورتوں کی گواہی اور وراثت کو ایک مرد کے برابر رکھا ہے۔

ان تصریحات و تفصیلات کی روشنی میں واضح ہو جانا چاہئے کہ مرد کی نسبت عورت کی آدھی گواہی کا معاملہ کسی مسلمان کا خانہ زاد یا آنحضرت ﷺ کا وضع فرمودہ نہیں، بلکہ اللہ ﷻ کا حکم ہے، اب جس کو اس پر اعتراض کرنا ہو، وہ ذاتِ الٰہی سے ٹکرلے اور اللہ ﷻ سے خود ہی نمٹے۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا: اب یہاں پر یہ بیان ہو رہا ہے کہ جب کبھی معاملہ میں کوئی ایسی بات پیش آئے جس میں گواہ کو بُلایا جائے تو گواہوں کو چاہئے کہ حاضر ہو جائے اور انکار نہ کرے۔

وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ: اس آیت میں ایک بڑا حکمت سے بھرا حکم بیان ہو رہا ہے کہ چھوٹا یا بڑا معاملہ ہو رہا ہو تو اس کو لکھنے میں سُستی نہ کرو بلکہ اس معاملہ کی جو مدت ہے اس مدت تک اس معاملہ کو لکھ لو کیونکہ اس لڑائی جھگڑے سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اور یہ لکھنا اللہ ﷻ کے ہاں زیادہ انصاف ہے اور اگر کبھی گواہی کی صورت پیش آجائے تو اس کے لئے بھی یہ بڑا کام آئے گا۔

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا: یہاں پر ایک معاملہ کو استثناء کیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی معاملہ ایسی جگہ ہو رہا ہے جہاں تم رہتے ہو مثلاً قریب کی کوئی دوکان ہے تو اگر وہاں سے کوئی سامان وغیرہ خریدا تو وہاں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ: یہاں یہ حکم بیان ہو رہا ہے کہ جب خرید و فروخت بڑے پیمانے کی کرو اور اس پر گواہ بنالو اور جب لکھنے کا معاملہ ہو تو لکھنے والوں اور گواہ کو کوئی تکلیف نہ دی جائے اور اگر کسی کو تکلیف دی گئی تو یہ گناہ ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرو۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ: یہ آیت بتا رہی ہے کہ جو شخص متقی ہو گا تو وہ علماء ربانیین میں سے ہو گا اور جو کوئی متقی نہیں ہو گا تو وہ علماء سوء میں سے ہو گا کیونکہ تقوی اختیار کرنے سے اللہ ﷻ علم عطا فرمائے گا اور اللہ ﷻ کا علم عطا فرمانا یہ اُس کے علماء ربانیین میں سے ہونے کی نشانی ہے، اور اللہ ﷻ ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ: اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور تمہارے پاس پیسے نہیں ہے یا کوئی لکھنے والا نہیں

ہے تو اس صورت میں کوئی چیز بطورِ رہن رکھوا کر معاملہ کرلو اس بات کا خاص خیال رکھو کہ جس لو رہن کے طور پر کوئی چیز دی گئی ہے یا کوئی چیز بطورِ امانت دی گئی ہے، لہٰذا جب امانت واپس مانگی جائے تو امانت کو واپس کرو اور اللہ ﷻ سے ڈرو۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ: اس آیت میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ جب گواہوں کو گواہی کے لئے بُلایا جائے تو اُن کو چاہئے کہ وہ حاضر ہو جائیں اور گواہی کو مت چھپاؤ کیونکہ جو کوئی گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گناہ گار ہوا اور یاد رکھو کہ اللہ ﷻ تمہارے ظاہری و باطنی سب کاموں کو جاننے والا ہے۔

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾	اللہ ﷻ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۲۸۴)
آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾	مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے (۲۸۵)
لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨٦﴾	اللہ ﷻ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے اس کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا ہم سے اگلے لوگوں پر اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور درگذر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر تو ہی ہمارا رب ہے مدد کر ہماری کافروں پر (۲۸۶)

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ: اللہ ﷻ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں و زمینوں میں ہے۔

وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ: اس آیت میں اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ جو کچھ تم اپنے نفس میں ظاہر کرو یا اُس کو چھپاؤ اللہ ﷻ تم سے اس کا محاسبہ فرمائے گا۔

اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ جیسا کہ روایت میں آتا ہے: **عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّهَا قَدْنُسِخَتْ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ۔**[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آیت "**وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ**" منسوخ ہوگئی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گناہ ہے جو صرف دل میں آتے ہیں اور اُس گناہ کو کرتا ہے نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: **يُدْنَى الْمُؤْمِنُ مِنْ رَبِّهِ – وَقَالَ هِشَامٌ :يَدْنُو الْمُؤْمِنُ – حَتَّى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهُ فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ، تَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ يَقُولُ :أَعْرِفُ، يَقُولُ :رَبِّ أَعْرِفُ مَرَّتَيْنِ، فَيَقُولُ سَتَرْتُهَا فِي الدُّنْيَا، وَأَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ، ثُمَّ تُطْوَى صَحِيفَةُ حَسَنَاتِهِ۔**[2] یعنی آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ مؤمن کو اپنے رب سے قریب کیا جائے گا یہاں تک کہ اس پر اپنا پردہ ڈال دیا جائے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرواتے ہوئے فرمائے گا کہ تو اس گناہ کو جانتے ہو؟ تو بندہ کہے گا کہ جی ہاں میرے رب میں جانتا ہوں دو مرتبہ یہ کہے گا تو اللہ ﷻ ارشاد فرمائیں گے کہ دنیا میں، میں نے اس کو پردے میں رکھا تھا سو آج کے دن میں نے تیرے گناہوں کو معاف کر دیا پھر اس کے بعد اس کے صحیفوں کو نیکیوں سے پلٹ دیا جائے گا۔

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ: اب اللہ ﷻ بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ ﷻ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ﷻ ہر چیز پر قادر ہے، لہذا ہمیں بھی اللہ ﷻ سے مغفرت طلب کرنی چاہئے۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ: تمام کے تمام رسولوں نے جو چیز اللہ ﷻ کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی اُن پر ایمان لائیں اور ایمان والے بھی اللہ پر، فرشتوں پر اور تمام کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان لائیں۔ سورہ بقرہ کی یہ دو آخری آیات بڑی فضیلت والی ہیں۔

۱۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا: **و أوتيت هؤلاء الآيات من آخر سورة البقرة من كنز تحت العرش ، لم يعط مثله أحد قبلى ، ولا أحد بعدى۔**[3] یعنی مجھے سورہ بقرہ کی یہ آخری آیات عرش کے

[1] صحیح البخاری: ۶/ ۳۳
[2] صحیح البخاری: ۶/ ۷۴
[3] السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۰۲۲

نیچے خزانے سے دی گئی ہیں۔ ان جیسی آیات نہ پہلے کسی کو ملی ہیں اور نہ بعد میں کسی کو ملیں گی۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو تین چیزیں دی گئیں: **لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ، انْتُهِيَ بِهِ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى... قال: فَأُعْطِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثًا: أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَأُعْطِيَ خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِاللهِ مِنْ أُمَّتِهِ شَيْئًا، الْمُقْحِمَاتُ.**[1]

۱۔ پانچ نمازیں ۲۔ سورہ بقرہ کی آخری آیات اور ۳۔ شرک کے سوا، آپ کی امت کے لیے تمام گناہوں کی معافی۔

وضاحت: اصل میں یہ دو آیتیں مدنی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ معراج میں کیسے نازل ہوئیں؟ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا نزول دو مرتبہ ہوا ہو، ایک معراج کے موقع پر اور بعد میں مدینہ طیبہ میں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو معراج کے موقع پر ان دو آیات مطلع کر دی گئی ہوں اور نزول ایک ہی دفعہ مدینہ میں ہوئی ہو۔

۳۔ حضرت نعمان بن بشیر ۱۸ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: **إنّ الله كتب كتابا قبل أن يخلق السماوات والأرض بألفي عام ، فأنزل منه آيتين ختم بهما سورة البقرة ، ولا تقرآن في دار ثلاث ليال ، فيقرّ بها شيطان۔**[2]

ترجمہ: اللہ ﷻ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے دو ہزار پہلے ایک کتاب لکھی۔ اس میں سے دو آیات نازل فرمائیں، جن کے ساتھ سورہ بقرہ کا اختتام فرمایا۔ جس بھی مکان میں یہ آیتیں تین راتیں پڑھی جائیں، شیطان اس میں ٹھہر نہیں سکتا۔

۴۔ حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من قرأ بالآيتين من آخر سورة البقرة في ليلة كفتاه** یعنی جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھ لے گا، وہ اس کو کافی ہو جائیں گی۔

کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ۱۔ یہ شیطان کے شر انگیزیوں سے حفاظت دیں گی۔ ۲۔ ناگہانی مصائب اور آفات سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔ ۳۔ نمازِ تہجد سے کفایت کریں گی۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ: اس آیت میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو اس آیت میں کسی بھی نہیں ہے درمیان فرق کرنے سے منع کیا گیا بلکہ یہ بیان کیا ہے کہ ہم کسی بھی رسول کے درمیان میں کوئی فرق نہیں کرتے ہیں، اس کا یہ مطلب غلط ہے (باقی تفصیل سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۵۳ میں گذر چکی ہے)۔

[1] صحیح مسلم: ۱۷۳

[2] مسند الامام احمد: ۴/ ۲۷۴، سنن الترمذی: ۲۸۸۲

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایمان لانے کے اعتبار سے ہم کسی بھی نبی علیہ السلام کے درمیان فرق نہیں کرتے ہیں بلکہ ہم سارے انبیاء کرام ورسولوں علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔

وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ: اس سے پہلا بیان ہوا تھا کہ " **وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ** "تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈرنے لگے کہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا کہ تمہارا کام یہ ہے کہ تم کہو" **سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا**" کہ اے ہمارے رب! ہم نے سُن لیا اور اطاعت کی سو ہمیں بخش دیں اور تیرے ہی طرف ہمیں لوٹ کر آنا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا: اب اس آیت میں اللہ جل جلالہ نے ہمیں تسلی دی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا بلکہ وسعت کے مطابق ہی مکلف بناتا ہے، اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے احکاماتِ اسلام کسی بھی انسان کی طاقت سے باہر نہیں ہوتے ہیں بلکہ انسان کی طاقت کے مطابق ہی اسلام کے احکام ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ: یہاں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیان فرمارہے ہیں کہ ہر نفس کو وہی ملے جو اس نے کیا یہاں " **لَهَا** " کی لام کا معنی ہے کہ فائدہ ملنا، اور آگے ارشاد فرمایا کہ "**عَلَيْهَا**" یہاں ہر علی کے معنی ضرر کے ہے، یعنی اس کو وہی سزا ملے گی جو ان نے عمل کیا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ظلم نہیں کرے گا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، اگر کسی کو کوئی سزا ملتی ہے تو وہ اُن کے اعمال کی وجہ سے ملتی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا: یہاں پر دعا کہ آداب بھی سکھلائے جارہے ہیں کہ دعا کرتے ہوئے بار بار "رَبَّنَا" کہا کرو۔

نسیان: بھولنے کے معنی میں اس میں انسان کا فعل شامل نہیں ہوتا ہے، اور لفظِ انسان بھی نسیان (بھولنے) سے نکلا ہے۔

خطاء: جان کر غلطی کرنا۔

اس دعا میں سکھلائی جارہی ہے کہ اے اللہ! جو ہم سے غلطی ہوئی بھول کر جان کر تو دونوں صورتوں میں ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا: اے اللہ! جس طرح تو نے پچھلے لوگوں پر بوجھ ڈالا تھا کہ اُن کو بندر بنادیا، اُن کے چہرے مسخ کردئے، اس طرح کا معاملہ ہمارے ساتھ نہ فرمانا۔

اصل میں ہم امتِ محمدیہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے طفیل میں بچیں ہوئے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: **عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابِ بْنِ الأَرَتِّ، عَنْ أَبِيهِ** رضی اللہ عنہ **قَالَ :صَلَّى رَسُولُ اللهِ** صلی اللہ علیہ وسلم **صَلاَةً فَأَطَالَهَا، فَقَالُوا :يَا رَسُولَ**

اللهِ! صَلَّيْتَ صَلاَةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيهَا، قَالَ :أَجَلْ إِنَّهَا صَلاَةُ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ، إِنِّي سَأَلْتُ اللَّهَ فِيهَا ثَلاَثًا فَأَعْطَانِي اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِي وَاحِدَةً، سَأَلْتُهُ أَنْ لاَ يُهْلِكَ أُمَّتِي بِسَنَةٍ فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لاَ يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لاَ يُذِيقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيهَا[1]۔

ترجمہ: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے بہت لمبی نماز پڑھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھی ہے جتنی آپ عام طور پر نہیں پڑھا کرتے ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! یہ اللہ ﷻ کی طرف رغبت کرتے ہوئے اور اُس سے ڈرتے ہوئے پڑھی تھی میں نے اِس نماز میں اللہ ﷻ سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا، اللہ ﷻ نے دو چیزیں مجھے عطا کر دیں اور ایک چیز کے سوال سے مجھے روک دیا۔ میں نے اللہ ﷻ سے سوال کیا کہ میری اُمّت کو (عام) قحط سے ہلاک نہ کرے، اللہ ﷻ نے مجھے یہ چیز عطا فرمادی اور میں نے اللہ ﷻ سے سوال کیا میری اُمّت پر کسی ایسے دشمن کو مُسلّط نہ کرے جو اُن کا غیر ہو، تو اللہ ﷻ نے مجھے یہ چیز بھی عطا فرمادی، میں نے اللہ ﷻ سے یہ سوال کیا کہ میری اُمّت کے لوگ ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں تو اللہ ﷻ نے مجھے اس سوال سے روک دیا۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج جو ہم بچیں ہوئے ہیں وہ جنابِ نبی کریم ﷺ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ: اے ہمارے رب! جس چیز کی ہمیں طاقت نہیں ہے اس کا ہمیں متحمل نہ بنانا۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ: ہمارے ساتھ درگذر کا معاملہ فرما، اور ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما بے شک آپ ہی ہمارے پروردگار ہیں۔

اشکال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ لوگ مولانا صاحب یا مولوی صاحب علماء کرام کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ لفظ مولی اللہ ﷻ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

جواب: اصل عربی زبان میں ایک لفظ کے کئی معانی ہوتے ہیں اب اسی لفظِ مولی کو لے لیجئے۔

مولی: عربی زبان میں اس کے متعدد معانی ہیں۔

اللہ ﷻ کے لئے: **ذَٰلِكَ بِأَنَّ ٱللَّهَ مَوْلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَأَنَّ ٱلْكَٰفِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ**۔[2]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ جو مومن ہیں ان کا خدا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

[1] سنن الترمذی: ۴/ ۴۱

[2] سورۃ محمد: ۱۱

وارث کے لئے: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ۔[1]

ترجمہ: اور ہر کسی کے لیے ہم نے مقرر کر دئے ہیں وارث اس مال کے کہ چھوڑ مرے ماں باپ اور قرابت والے۔

آقا کے لئے: وَضَرَبَ اللهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰهُ۔[2]

ترجمہ: اور بتائی اللہ ﷻ نے ایک دوسری مثال دو مرد ہیں ایک گونگا، کچھ کام نہیں کر سکتا اور وہ بھاری اپنے آقا پر۔

آزاد کردہ غلام کے لئے: عن النبی ﷺ قال: مولی القوم من انفسهم۔[3]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قوم کا آزاد کردہ غلام اسی قوم کا شمار ہو گا۔

رشتہ داروں کے لئے: وَإِنِّي خِفْتُ ٱلْمَوَٰلِيَ مِن وَرَآءِي وَكَانَتِ ٱمْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا۔[4]

ترجمہ: اور میں ڈرتا ہوں اپنے بھائی بندوں سے اپنے پیچھے اور عورت میری بانجھ ہے۔

(اس آیت میں اپنے قرابت داروں کو "موالی" کہا گیا ہے جو "مولیٰ" کی جمع ہے)

دوست اور رفیق کے لئے: يَومَ لا يُغنى مَولًى عَن مَولًى شَيًا وَلا هُم يُنصَرونَ۔[5]

ترجمہ: جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کو مدد ملے گی۔

حضرت ابن عساکر رحمہ اللہ حضرت ابن اعرابی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال ابن الأعرابي: المولى: المالك وهو الله، والمولى: ابن العم، والمولى: المعتق، والمولى: المعتق، والمولى: الجار، والمولى: الشريك، والمولى: الحليف، والمولى: المحب، والمولى: اللّويّ، والمولى: الولي۔[6] یعنی مولیٰ کا پہلا مطلب اللہ ﷻ ہے (اس کے علاوہ) چچازاد، آزاد کرنے والے، آزاد ہونے والے، کاروباری ساجھی، معاہدہ کرنے والے، محبت کرنے والے، بااثر اور دوست سب کو (مولیٰ) کہتے ہیں لہذا علماءِ کرام کے لئے لفظ مولانا یا مولوی کا استعمال درست ہے۔

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ: دعا کا آخری حصہ یہ ہے کہ اے اللہ! کافروں پر ہماری مدد فرما۔

[1] سورۃ النسآء: ۳۳

[2] سورۃ النحل: ۷۸

[3] صحیح البخاری: ۸/ ۱۵۵

[4] سورۃ مریم: ۵

[5] سورۃ الدخان: ۴۱

[6] تاریخ مدینہ دمشق۔ ابن عساکر: ۲۳/ ۳۸۳

چنانچہ ہمیں چاہئے کہ کافروں پر اللہ ﷻ سے مدد مانگتے رہیں۔

الحمدللہ رب العٰلمین! سورۃ البقرۃ ۱۸ ذوالقعدۃ ۱۴۴۲ھ بمطابق ۲۹ جون ۲۰۲۱ء کو مکمل ہوئی، اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ اس کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازے اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر خیر وعافیت کے ساتھ مکمل فرمادے۔ (آمین)



مصادر و مراجع

	کتاب	مصنف	وفات	مطبع
۱	آثار البلاد	أبو عبد اللہ بن زکریا القزویني	۶۸۲ھ	دار صادر بیروت
۲	الاتقان	جلال الدین ابو الفضل بن ابی بکر سیوطی	۹۱۱ھ	الہیئۃ المصریۃ مصر
۳	ارواحِ ثلاثہ	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۹۴۳ء	مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کراچی پاکستان
۴	اعجاز القرآن	علامہ شبیر احمد عثمانی	۱۹۴۹ء	
۵	اغاثۃ اللہفان	محمد بن ابی بکر جوزی	۷۵۱ھ	مکتبۃ المعارف ریاض سعودی عرب
۶	البحر الرائق	علامہ ابن نجیم	۹۷۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۷	بستان العارفین	ابو زکریا یحیی بن شرف نووی	۶۷۶ھ	مکتبۃ التراث الاسلامی قاہرہ۔ مصر
۸	تاریخ القویم	محمد الطاہر بن عبد القادر بن محمود الکردی المکی	۱۴۰۰ء	
۹	تاریخ مدینہ و دمشق	علامہ ابنِ عساکر	۶۷۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۱۰	تاریخ المکۃ المکرمۃ			
۱۱	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان زیلعی	۷۴۳ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

۱۲	تحفۃ الفقہاء	علامہ علاء الدین سمرقندی	۵۳۹ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۱۳	التذکرۃ	ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی	۶۷۱ھ	مکتبہ دار المنہاج ریاض سعودی عرب
۱۴	الترغیب والترھیب	اسماعیل بن محمد بن الفضل	۵۳۵ھ	دار الحدیث قاہرہ مصر
۱۵	تفسیر ابن ابی حاتم	ابو محمد عبد الرحمٰن بن محمد رازی	۳۲۷ھ	مکتبۃ نزار مصطفی الباز سعودی عرب
۱۶	تفسیر ابنِ عباس	حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	۶۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۱۷	تفسیر ابنِ کثیر	ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر	۷۷۴ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۱۸	تفسیر بحر العلوم	ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی	۳۷۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۱۹	تفسیر بغوی	محی السنۃ ابو محمد حسین بغوی	۵۱۶ھ	دار طیبہ ریاض سعودی عرب
۲۰	تفسیر بیضاوی	علامہ ناصر الدین بیضاوی	۶۹۱ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان
۲۱	تفسیر حقانی	ابو محمد عبد الحق حقانی	۱۳۸۹ھ	الفیصل لاہور پاکستان
۲۲	تفسیر خازن	علی بن محمد بن ابراہیم خازن	۷۴۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۲۳	تفسیر رازی	علامہ فخر الدین رازی	۶۰۶ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان
۲۴	تفسیر سعدی	علامہ عبد الرحمٰن بن ناصر سعدی	۱۳۷۶ھ	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان

۲۵	تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی	۱۹۴۹ء	دارالاشاعت کراچی پاکستان
۲۶	تفسیر فتح القدیر	محمد بن علی بن شوکانی	۱۲۵۰ھ	دار الکلم الطیب بیروت لبنان
۲۷	تفسیر قرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی	۶۷۱ھ	دارالکتب المصریۃ قاہرہ مصر
۲۸	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ	۱۲۲۵ھ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان
۲۹	تفسیر نسفی	ابو البرکات عبد اللہ بن محمد نسفی	۷۱۰ھ	دار الکلم الطیب بیروت لبنان
۳۰	تنبیہ الغافلین	ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی	۳۷۳ھ	دار ابن کثیر بیروت لبنان
۳۱	تھذیب سنن ابی داؤد	محمد بن ابی بکر ابن قیم جوزی	۷۵۱ھ	
۳۲	جامع البیان	ابو جعفر محمد بن جریر طبری	۳۱۰ھ	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان
۳۳	جامع العلم والحکم	زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد	۷۹۵ھ	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان
۳۴	جامع اللطیف	جمال الدین محمد جار اللہ	۹۸۶ھ	مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ قاہرہ-مصر
۳۵	حاشیہ طحطاوی	احمد بن حسین طحطاوی	۱۲۳۱ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۳۶	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۷۶۲ء	دارالجیل بیروت لبنان
۳۷	حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی	۴۳۰ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۳۸	خطبات حکیم الاسلام	مولانا حافظ قاری محمد طیب قاسمی	۱۴۰۳ھ	بیت السلام کراچی پاکستان
۳۹	درسِ بخاری	علامہ شبیر احمد عثمانی	۱۹۴۹ء	
۴۰	الدر المختار	علامہ ابن عابدین شامی	۱۸۳۶ء	دار عالم الکتب ریاض سعودی عرب
۴۱	الدر المنثور	عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی	۹۱۱ھ	دار لفکر بیروت لبنان
۴۲	الدر المنصور	احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی	۹۷۴ھ	دارالمنہاج جدہ سعودی عرب

۴۳	رسالہ رؤیتِ ہلال	مفتی محمد شفیع عثمانی	۱۹۷۶ء	
۴۴	الرسالۃ للقیراوانی	ابوعبداللہ بن ابی زید قیراوانی	۳۸۶ھ	دار الفضیلۃ ریاض سعودی عرب
۴۵	روح المعانی	علامہ شہاب الدین محمد آلوسی	۱۲۷۰ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۴۶	روضۃ الطالبین	ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی	۶۷۶ھ	المکتب الاسلامی بیروت لبنان
۴۷	سنن ابنِ ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید	۲۷۳ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان
۴۸	سنن ابی داؤد	سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ	المکتبۃ العصریۃ بیروت لبنان
۴۹	سنن ترمذی	ابوعیسی محمد بن عیسی	۲۷۹ھ	دارالغرب الاسلامی بیروت لبنان
۵۰	سنن دارمی	ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی	۲۵۵ھ	دارالمغنی سعودی عرب
۵۱	سنن الصغریٰ	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ	مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب مصر
۵۲	سنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۵۳	سنن نسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ	مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب مصر
۵۴	شرح السنۃ	ابومحمد الحسین بن مسعود-بغوی	۵۱۶ھ	المکتب الاسلامی بیروت لبنان

۵۵	شعب الایمان	احمد بن حسین خراسانی بیہقی	۴۵۸ھ	مکتبۃ الرشد ریاض سعودی عرب
۵۶	صحیح ابنِ حبان	محمد بن حبان دارمی	۳۵۴ھ	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان
۵۷	صحیح بخاری	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل	۲۵۶ھ	دار طوق النجاۃ بیروت لبنان
۵۸	صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ	ابو عبد الرحمٰن محمد ناصر الدین البانی	۱۴۲۰ھ	المکتب الاسلامی بیروت لبنان
۵۹	صحیح مسلم	ابو الحسین مسلم بن حجاج	۲۶۱ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان
۶۰	صفوۃ التفاسیر	محمد بن علی صابونی		دار الصابونی قاہرہ مصر
۶۱	طبقات ابنِ سعد	محمد ابن سعد بغدادی	۲۳۰ھ	
۶۲	عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین عینی	۷۵۵ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۶۳	فتاوی ہندیہ	نظام الدین بلخی		دار الفکر بیروت لبنان
۶۴	فتح الباری	احمد بن علی بن حجر	۸۵۲ھ	المکتبۃ السلفیۃ قاہرہ مصر
۶۵	فتح القدیر	علامہ ابن ہمام	۸۶۱ھ	
۶۶	فتح الملہم	علامہ شبیر احمد عثمانی	۱۹۴۹ء	داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان
۶۷	الفقہ الاکبر	امام اعظم ابو حنیفہ	۱۵۰ھ	مکتبۃ الفرقان امارات عربیہ
۶۸	فقہ الزکاۃ	شیخ یوسف عبد اللہ قرضاوی		پی ڈی ایف
۶۹	الفوز الکبیر	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ	دار الصحوۃ قاہرہ مصر
۷۰	فیض الباری	علامہ انور شاہ کشمیری	۱۳۵۳ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۷۱	فیض القدیر	زین الدین محمد مناوی	۱۰۳۱ھ	المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر

۷۲	قرآنی آیات اور سائنسی حقائق			
۷۳	القول البدیع	محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی	۹۰۲ھ	دار الریان
۷۴	کتاب الآثار	محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۷۵	کتاب البر والصلۃ	جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن جوزی	۵۹۷ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت لبنان
۷۶	کتاب الروح	علامہ ابن قیم جوزی	۷۵۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۷۷	کفایۃ الطالب الربانی	علامہ علی بن خلف	۹۳۹ھ	پی ڈی ایف
۷۸	لسان العرب	ابن منظور	۱۳۱۲ء	دار صادر بیروت لبنان
۷۹	لطائفِ قاسمیہ	قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی	۱۸۸۰ء	مطبع مجتبائی دہلی انڈیا
۸۰	المبسوط	علامہ شمس الائمۃ سرخسی	۱۰۹۰ء	دار المعرفۃ بیروت لبنان
۸۱	مجمع الزوائد	علی بن ابی بکر ہیثمی	۸۰۷ھ	مکتبۃ القدسی قاہرہ مصر
۸۲	مجموع الفتاویٰ	علامہ ابن تیمیہ	۷۲۸ھ	وزارۃ الشوؤن الاسلامیۃ و الدعوۃ والارشاد سعودی عرب
۸۳	المختصر للقدوری	احمد بن محمد قدوری	۴۲۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان
۸۴	مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ	دار الفکر بیروت لبنان
۸۵	مسند ابی داؤد الطیالسی	ابو داؤد سلیمان بن داؤد طیالسی	۲۰۴ھ	دار ھجر مصر
۸۶	مسند ابی یعلیٰ	ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی	۳۰۷ھ	دار المامون للتراث دمشق

۸۷	مسند احمد	ابو عبد اللہ احمد بن محمد	۲۴۱ھ	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان
۸۸	مسند بزار	ابو بکر احمد بن عمرو بزار	۲۹۲ھ	مکتبۃ العلوم والحکم مدینہ منورہ سعودی عرب
۸۹	مسند دارمی	ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی	۲۵۵ھ	دار المغنی سعودی عرب
۹۰	مشکلات القرآن	محمود بن ابی الحسن	۵۵۳ھ	جامعۃ ام القری مکہ مکرمہ سعودی عرب
۹۱	مصباح اللغات	ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی		خزینہ علم وادب لاہور پاکستان
۹۲	مصنف ابن ابی شیبۃ	ابو بکر بن ابی شیبۃ	۲۵۳ھ	مکتبۃ الرشد ریاض سعودی عرب
۹۳	مصنف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق صنعانی	۲۱۱ھ	
۹۴	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد شامی	۳۶۰ھ	دار الحرمین قاہرہ مصر
۹۵	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد شامی	۳۶۰ھ	دار عمار بیروت لبنان
۹۶	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد شامی	۳۶۰ھ	مکتبۃ ابن تیمیہ ریاض سعودی عرب
۹۷	المعجم الوسیط	مجمع اللغۃ العربیہ قاہرہ		دار الدعوۃ
۹۸	المغنی	علامہ ابن قدامہ	۶۲۰ھ	مکتبۃ القاہرہ قاہرہ مصر
۹۹	مواہب الجلیل	ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن	۹۵۴ھ	دار الفکر بیروت لبنان
۱۰۰	مؤطا امام مالک	امام مالک	۱۷۹ھ	مکتبہ رحمانیہ لاہور پاکستان
۱۰۱	المھذب	صالح احمد شامی		دار القلم دمشق شام

۱۰۲	المهند علی المفند	مولانا خلیل احمد سہارنپوری	۱۳۴۶ھ	
۱۰۳	نورالانوار	شیخ احمد ملاجیون	۱۷۱۸ء	مکتبہ رحمانیہ لاہور پاکستان
۱۰۴	النھایۃ	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر	۷۷۴ھ	دارابن جوزی دمام سعودی عرب
۱۰۵	الھدایۃ	علی بن ابی بکر مرغینانی	۵۹۳ھ	داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان
۱۰۶	وحدت امت	مفتی محمد شفیع عثمانی	۱۹۷۶ء	طارق اکیڈمی فیصل آباد پاکستان
۱۰۷	الوسیط	محمد سید طنطاوي	۱۴۳۱ھ	دار نہضۃ مصر

مفسر کی دیگر تصانیف



مکتبہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ